اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴۔ عدد ۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۵۱

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این مترا نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورنیٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اوّل عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی پنجابی (بحروف گورمکھی)، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقتِ اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی اگست[1] میں شائع ہوگا ؛

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اُردو کیلئے ۱۲؎ اورنیٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط وکتابت وترسیلِ زر خرید رسالہ کے متعلق خط وکتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورنیٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت یہ رسالہ اورنیٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورنیٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۲۷ء)

(۶) شکار نشیدہ تا ورنن پرستاوہ ۲۵ ویں داستان :- منقول ہے۔ کہ پرتھی راج ماگھ بدی منگل وار کو اپنے سرداروں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شکار کو چلا۔ بیڑبان نے آکر ایک سوّر کا پتہ دیا۔ اور عرض کی کہ راجہ پیدل چلے۔ راجہ فوراً گھوڑے پر سے اتر گیا۔ اور تبک کندھے پر رکھ کر سوّر کی تلاش میں بڑھا جب نظر آیا فوراً مار لیا۔ اور بیڑبان کو انعام واکرام دیا۔ سب طرف سے راجہ کے نشانہ کی تحسین وآفرین ہونے لگی۔ اور راجہ نے سندر باڑی میں آکر قیام کیا ؎ (چھند ۵ صفحہ ۶۶)

میں صرف ان بیانات پر اکتفا کرتا ہوں۔ تلاش سے شکار کے اور موقعے پرتھی راج کی ان داستانوں میں ملیں گے ؎

باغ

وتی ورنن ۵۹ ویں داستان میں شاعر نے دریائے جمنا کے نگمبودھ گھاٹ کے ایک باغ کا بیان دیا ہے جس میں اس کے میوہ دار درختوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اصل اقتباس کتاب سے لے کر یہاں درج کرتا ہوں :-

سُدھن نگمبودھین، جمن تٹ سودھین — تہاں سوباگ برھین، بنے سوگل اپین

سمیرتا سوباسین، پھلن سو پھول رہین — برکھ بیلی ڈنبرن، سرنگ پان امرن

جو کبسرن کمن کمن، مدھوپ واس تن بھرن — انار دا کھ پلون، سو چھتر پتی ڈھلون

سری کھنڈ کھنڈ واسین، دکنا گلاب پھول اپین — جو چنپکن کند تھنین، کھجور بھوری اپین

سو آن ناس جیرین، ستو تین جنبھیرین — اکھوٹ نبو دامین، اوال بیلی سیامین

سَری پھلن رنگیَن ، سبد سُواد ہوتین   جُوَنت مورو ایکن ، منو سنگیت گایکن
اُپَم بگت راجین ، منو کی اندر ساجین   .. ..

اوڈی سوواس گلال اتی ۔ اوڈی عبیرن اسمان
منہو بھان عنبر سُرت ۔ بجی تنتی سُرگان (چھند ۵۔ ۱۲ ص ۱۵۵)

اس اقتباس میں ان ان درختوں وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں ؛۔
باغ ۔گل ۔کیسر ۔کمنکمن ۔ انار ۔ داکھ ۔سری کھنڈ ۔گلاب ۔چنبہ ۔کدم ۔کھجور ۔ آم ۔ اناس جیری (زیرہ) ستوت (شہتوت) جنبھیری ۔ اکھوٹ (اخروٹ) سیو (سیب) دام (بادام) سری پھل (ناریل) نرنگی (نارنگی) گلال ۔عبیر ۔آسمان ۔عنبر ۔ ان میں باغ ۔گل ۔گلاب ۔انار ۔شہتوت ۔ نارنگی ۔عبیر ۔عنبر ۔ آسمان ۔ مسلمانی الفاظ ہیں ۔ اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے ۔ کہ جس طرح پرتھی راج کے عہد کی زبان مسلمانی الفاظ سے اس قدر مخلوط متصور نہیں ہو سکتی ۔ اسی طرح یہ بعض درخت جو مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں آئے ہیں ۔ ایسے قدیم زمانہ میں دہلی کے ایک باغ میں کیونکر موجود مانے جا سکتے ہیں ۔بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا ۔کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں باغات کا دستور ہی نہیں تھا ؛

مصنف سب سے پہلے کیسر (زعفران) کا ذکر کرتا ہے ۔ اس کی ناواقفیت ملاحظہ ہو ۔ اس کے نزدیک زعفران بھی مولی گاجر کی طرح ہر باغ اور باڑی میں لگائی جا سکتی ہے ۔ حالانکہ تمام ہندوستان میں کشمیر کے سوا اور کسی مقام پر پیدا نہیں ہوتی ۔ اور وہاں بھی ایک خاص زمین میں ہوتی ہے ؛

جس پھول کو ایرانی 'گل' کہتے ہیں ۔ اہل ہند اسے 'گلاب' کہتے ہیں ۔لیکن یہ ہندوستانی تصرف ہے ۔ اس بدعت کے لئے سوائے 'استعمالِ ہند' کے عذر پیش کرنے کے ہمیں کوئی اور معقول وجہ معلوم نہیں ۔مسلمانوں کو ہندوستان میں آباد ہو کر ایسے مختلف فیہ ناموں کے بنانے اور رواج عام میں لانے کے لئے بھی تو وقت درکار ہے ۔یہی حالت نارنگی کی ہے ۔ یہاں شاعر نے اس لفظ کو نرنگی بتخفیف الف لکھا ہے ۔لیکن اور موقعہ پر الف کے ساتھ نارنگی لکھ رہا ہے ۔ ایرانی اسے نارنگ کہتے ہیں ۔جس کی معرب شکل نارنج ہے ۔ نارنگ کے آخر میں 'ی' کا اضافہ ہندوستانی اپج

ہے۔اس "یے" کو خواہ بقاعدۂ فارسی زائد کہا جائے۔یا بقاعدہ ہندی یائے تانیث مانا جائے مگر اس کے اضافہ کی ذمہ واری بحق استعمال ہند عائد ہوتی ہے ؛

اناناس کے متعلق یہ یاد رہے۔کہ اگرچہ آئین اکبری میں وہ میووں کی فہرست میں شامل ہے مگر ہندوستان میں تازہ وارد ہے۔پرتگالی دسویں صدی ہجری میں باہر سے یہاں لاتے ہیں۔ ابوالفضل اناناس کو کٹھل سفری کہتا ہے۔کیونکہ اس کے پودے گملوں میں رکھ کر سفر میں بآسانی لے جائے جا سکتے ہیں۔ وہ اس کے بیان میں کہتا ہے۔کہ اناناس شکل اور رنگت میں مستطیل نارنگی کی مانند اور ذائقہ اور خوشبو میں آم کی طرح ہے۔پھل ڈنڈی کی جڑ میں لگتا ہے۔جس پر چند پتے نکلتے ہیں۔جب میوہ توڑ لیا جاتا ہے۔پتے اتار کر زمین میں الگ الگ لگا دیتے ہیں۔ اور یہی پتے تخم کا کام دیتے ہیں۔درخت صرف ایک بار پھل دیتا ہے جس میں ایک ہی پھل آتا ہے (آئین اکبری ص۷۸) اکبر کے عہد میں اناناس اس قدر قلت کے ساتھ معلوم تھا۔کہ مختصر نگار ابوالفضل کو بطور اطلاع جدید اس کی صراحت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔جہانگیر بھی اپنی توزک میں لکھتا ہے۔کہ اناناس ان سواحلی علاقوں سے آتا ہے۔جو فرنگیوں (پرتگالیوں) کے قبضہ میں ہیں۔ (توزک ص۳) ادھر پرتگالی بہانگ دہل کہتے ہیں۔کہ اناناس ان درختوں میں سے ہے۔جن کا ہمارے ذریعہ سے ہندوستان میں رواج ہوا ہے۔ان امور کو جاننے کے بعد ہمیں حیرت ہوتی ہے۔جب ہم راسا کے مصنف کو یہ کہتے سنتے ہیں۔کہ پرتھی راج کے عہد میں جمنا کے کنارے نگمبودھ باغ میں اناناس کا درخت موجود تھا ؛

درختوں کے جس قدر نام اوپر گزرے ہیں۔بہت ہی خفیف فرق کے ساتھ سب کے سب آئین اکبری میں ملتے ہیں۔ان کا حوالہ ذیل میں درج ہے :-

گل ص۸۸ ص۸۹ ۔ زعفران ص۹۶ ۔ گل زعفران ص۱۰۹ ۔ انار ص۷۶ ۔ انگور ص۷۶ ۔ سرکھنڈی ص۱۰۱ ص۱۱۱ ۔ چنپہ ص۹۸ ص۱۰۵ ۔ کدم ص۱۰۱ (راسا میں کدمنب ہے) کھجور ص۴۹ ۔ آنب ص۷۷ ۔ انبہ ص۷۳ ۔ (راسا میں بحالت جمع انبین ہے) اناناس ص۷۷ ص۷۸ ۔ توت ص۷۸ (راسا میں ستوت

آیا ہے۔ جو شہتوت کی بگڑی ہوئی شکل ہے) جنبھیری صہ ۸۲ ۔ اخروٹ صہ ۸۳ (راسا میں اس موقع پر اکھوٹ ہے۔ مگر دوسرے موقعہ پر صاف اکھروٹ لکھا ہے) سیب صہ ۷۶ (راسا میں سیو ہے) امرت پھل صہ ۸۷ ۔ نارنگی صہ ۸۱ ۔ گلال صہ ۹۸ ۔ عبیر صہ ۹۵ ۔ عنبر صہ ۹۶ ؎

راسا اور آئین اکبری کی فہرستوں میں وہ فرق جو بلحاظ اختلافِ زمانہ ان میں ہونا چاہیئے۔ بالکل مفقود ہے۔ بلکہ ان کا توافق حیرت انگیز ہے ؎

کھانے

۳ اکھیٹ چکھ سراپ ۔ ۶۳ ویں داستان میں پانی پت کے مقام پر سنجوگتا ایک بھاری دعوت دیتی ہے مصنف نے اس موقعہ پر مختلف کھانوں ۔ پکوانوں و دیگر اشیاء کے نام دیئے ہیں۔ جو میں یہاں نقل کرتا ہوں :۔

پتراول (پاتل) دونے ۔ پوپ (روٹی)۔ پوری ۔ سکھ پوری ۔ لچئیں (لوچئی) نبھئی (کی بھری کچوری ۔ گھیور ۔ جلیبئی (جلیبی) ۔ پھینی (فینی) سکرپارے (شکرپارے) سیو سنگھارے (سنگھاڑے کے سیو) کسار ۔ گندورن (گندوڑے) کھرما (خرما) پنڈ کھجور ۔ بہی ۔ اکھروٹ ۔ (اخروٹ) ناسپاتی (ناشپاتی) ۔ گُر (گُڑ) ۔ سکر (شکر) پاپر (پاپڑ) ۔ کند ۔ میدا کے پیدا (میدے کے پیڑے) ۔ مکرند ۔ گنج (نیلوفر) چنپک (چنبہ) چنبیلی ۔ کرنی (کرنا) ۔ کنیر ۔ بکلن (مولسری) مچکند کیورا (کیوڑہ) کیتکی ۔ جوہن (جوہی) ؎

چمن :۔ چنا ۔ چروجی ۔ چونرا (چونلا) کسیرو ۔ کرہری ۔ گوند گتا ۔ کپور ۔ کھیرا ونٹی کھیرتا کی بین ۔ کرنا ۔ کروندا ۔ کندورے (کندوری) نمبو ۔ نارنگی ۔ ناسپاتی ۔ امرتاں (امرتیاں) کیتھ (کیت) ۔ وجوریں (بجوڑے) کڈھی (کڑھی) پکوری (پکوڑی) ۔ بری مونگ ری (مونگ کی بڑیئیں) میداں کی روٹی (میدہ کی روٹی) مانڈہ ۔ روٹین مسرین (مصری کی روٹیں) سالن (سالن) ۔ مارو ۔ بیگن ۔ برے (بڑے) ۔ سیم ۔ کنگورا (کگوڑا) ۔ کریلا ۔ مریلا ۔ بھینڈا (بھنڈی)

رواسن پھری (رواں سا پھلی) چھونکری ۔لیدھری ۔کلی کچنار ۔ باکل (باکلا) بجورا (بجوڑا) ۔ رائیتو (راینا) ۔لونگ ۔ مرچیں ۔دھنا ۔سونٹھی (سونٹھ) ۔ رائی ۔وہی ؛
سرسوں ۔سوا ۔ساک (ساگ) بھقوا (بھقوا) ۔ بڑساگ ۔چنک (چانا) ۔چوک (چوکا) ۔ دِووارُو (دیودار) ۔نیب (نیم) ۔مسوری (مسور) ۔ماش ۔چنا ۔ ودھی (دہی) ۔کیسر ۔مٹھا جیر (زیرہ) ۔ دارم (انار) ۔داکھ (انگور) ۔کھارک (چھوہارا) ؛
مصنف نے ان کھانوں کا نہائیت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔جس سے میں نے صرف ناموں پر قناعت کی ہے ۔معلوم ہوتا ہے ۔کہ اس عہد کا ہندو تمدن ترقی کے بلند معیار پر پہنچا ہوا ہے ۔مگر اس تفصیل میں ایسا عنصر بھی تو پایا جاتا ہے ۔جس سے شبہ ہوتا ہے ۔کہ یہ تمدنی حالت خالص ہندو عہد سے جیسا کہ پرتھی راج کا زمانہ تھا ۔تعلق نہیں رکھتی ۔بلکہ ایسے عہد سے جب ہندو مسلمان عرصہ تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے کی تہذیب و مدنیت سے متاثر ہو کر ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں ۔چنانچہ اس کے آثار ہم الفاظ ۔شکر ۔شکر پارے جلیبی ۔خرما ۔ نارنگی ۔بہی ۔ناشپاتی ۔مصری ۔میدہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں ۔ خالص ہندو تمدن میں ان اشیاء کا تصور بھی نہیں آسکتا ۔مٹھائیاں اکثر و بیشتر مسلمانی الاصل ہیں ۔جلیبی جس کی قدیم شکل زلابی ۔ زلیبا و زلیبیا ہے ۔مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آتی ہے ۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے اشعار میں زلیبیا آتا ہے ۔چنانچہ :۔

ے نان کشکی اگر بیا بم نیز راست گوئی زلیبیا باشد

شکر پارہ تو خالص مسلمانی نام ہے ۔مصری نبات و طبرزد کو کہتے ہیں ۔چونکہ اس قسم کی نبات کی ابتدا مصر سے ہوئی ۔ اس لئے ہندوستان میں اس کا نام مصری ہی رکھ دیا گیا ۔ خرما ۔ بہی اور ناشپاتی فارسی ہیں ۔مگر ہندوستان میں ان کا استعمال مسلمانوں کی آمد سے قبل تصور میں نہیں آسکتا ؛

جب ہم اس فہرست پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں ۔تو یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے ۔کہ ان

الفاظ میں کوئی ایسی ندرت نہیں جو انہیں ٹھیٹ پرتھی راج کے عہد کے ساتھ وابستہ کر سکے۔ آج بھی یہ تمام چیزیں ہماری ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ اور تقریباً اسی طرح بولی جاتی ہیں۔ جیسے کہ فہرست بالا میں ؛

اس فہرست میں بعض الفاظ کے آخر میں نون کے اضافہ کی بنا پر جو جمع واضافت کے لئے مستعمل ہے۔ مثلاً جوہین (جوہی) روٹین (روٹیاں) گندورن (گندوڑے) سالنن (سالن کا) مصرین (مصری کا) وغیرہ کی نامانوس شکلوں سے ہمیں مرعوب نہیں ہونا چاہیئے ؛

کایستھ۔ کھتری اور بھاٹ

کایستھ اور کھتری ہندوؤں میں وہ قومیں ہیں۔ جنہوں نے اکبر کے عہد سے ٹوڈرمل کے اثرات میں فارسی سیکھنا اور اہل قلم کے زمرہ میں ملازم ہونا شروع کیا ہے۔ ایک روایت یہ تبدیلی سلطان سکندر لودھی کے زمانہ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اور ڈونگرمل کا نام پہلے ہندو شاعر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ مگر دفاتر پر ہندوؤں کا دخل اور اقتدار اکبری عہد ہی سے شروع ہوتا ہے ؛

راسا کے مصنف کے سامنے چونکہ عہد مغلیہ کی زندگی ہے۔ اس لئے وہ کایستوں اور کھتریوں کو شہاب الدین کے زمانہ میں بھی جبکہ اس کا دارالسلطنت غزنیں ہے۔ نہ آگرہ اور دلی حسب دستور مغل مسلمانی ملازمت میں تصوّر کرتا ہے۔ جس طرح اکبر ٹوڈرمل اور بیربر کو اور شاہجہان چندربھان کو بعض سیاسی مسائل طے کرنے کے لئے ہندو راجگان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح تتارخاں شہاب الدین کا وزیر لورک رائے کھتری کو غزنیں سے دلی پرتھی راج کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ لورک رائے ایک سے زیادہ مرتبہ غزنیں سے دلی سفارت پر آیا ہے۔ (دھن کتھا اور پہاڑ رائے سمے) نیت راؤ ایک اور کھتری ہے۔ جو اگرچہ بظاہر شہاب الدین کا ملازم ہے۔ موقعہ پر پرتھی راج کے ساتھ بھی سازباز کر لیتا ہے۔ (اننگ پال سمے) دھرمائن

کالیستھ ہے۔ جو دہلی ہی میں مقیم ہے۔ مگر یہاں کی تمام اطلاع شہاب الدین کو غزنیں بھیجتا رہتا ہے۔ گویا بادشاہ کا وکیل ہے۔ دھرمائن کا ذکر متعدد داستانوں میں آتا ہے۔ مثلاً دھن کتھا۔ پہاڑ رائے سمے۔ درگا کیدار سمیو۔ بڑی لڑائی روپرستا وغیرہ۔ ایک امر عجیب ہے۔ کہ شہاب الدین کے یہ ہندو ملازم خواہ وہ کھتری ہوں۔ خواہ کالیستھ سب کے سب جاسوسی پیشہ کرتے ہیں۔ اور دربار دہلی کی خبریں شاہ کے پاس غزنیں بھیجتے رہتے ہیں ؛

ایک اور لطف کی بات سنیئے۔ جس طرح چند پرتھی راج کا بھاٹ ہے۔ دُرگا کیدار شہاب الدین کا بھاٹ ہے۔ درگا علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی مراد دیوی سے مانگتا ہے۔ دیوی جواب دیتی ہے۔ کہ تو اوروں پر غالب آسکتا ہے۔ مگر چند پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس پر درگا نے التماس کی۔ کہ میں پرتھی راج سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیوی نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ تیری یہ آرزو قبول کی جاسکتی ہے۔ دوسرے دن درگا شاہ کے دربار میں جاکر رخصت مانگتا ہے۔ تتار خاں کہتا ہے۔ کہ دشمن کے گھر جانا قرین مصلحت نہیں۔ خدا جانے کیا افتاد پڑے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کوی چند کو دیکھونا۔ وہ کبھی غزنیں نہیں آیا۔ دُرگا بھاٹ لاجواب ہوگیا۔ مگر بادشاہ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اجازت دے دی۔ درگا غزنیں سے چل کر ڈھائی مہینہ میں پانی پت پہنچا۔ جہاں پرتھی راج شکار کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے عزت کی جگہ بٹھایا اور بڑی دلجوئی کی۔ درگا نے آتے ہی سحر و طلسم میں چند سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے اس نے سحر کے زور سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالا چند نے جواب میں ایک گھوڑے کے منہ سے اسیرباد (سلام) کہلوایا۔ اس پر درگا نے پتھر کی ایک بڑی چٹان جادو سے متحرک کی۔ اور اس میں ایک انگوٹھی غائب کر دی۔ کوی چند نے اپنے علم کے زور سے چٹان کو پانی بنا کر بہا دیا۔ اور انگوٹھی نکال لی۔ اس کے بعد دُرگا اور اور عجائبات دکھاتا ہے۔ اور چند ان کے توڑ کرتا ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چند کوی ان فنوں میں اپنے حریف پر فضیلت رکھتا ہے۔ پرتھی راج پانچ روز تک کیدار کو مہمان رکھتا ہے

اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کرتا ہے ۔ (درگا کیدار سمیو ۵۸ ویں داستان)

مادھو بھاٹ شہاب الدین کا ایک اور بھاٹ ہے ۔ اور اس کے نام پر انیسویں داستان ہے یہ شخص اکثر علوم و فنون میں باکمال تھا ۔ ایک مرتبہ دلی آیا اور ایک مہینہ تک رہا ۔ دلی اس کو بہت پسند آئی ۔ جاسوسی کے خیال سے پرتھی راج کے دربار میں بھی آنے جانے لگا اور اپنے کمال کا اہلِ دربار پر خوب سکہ جمایا اور پرتھی راج کی داد و دہش نے اسے مالامال کر دیا ۔

مسلمانوں میں بھاٹ رکھنے کا دستور اسی عہد سے رواج پا سکتا ہے جب وہ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد اس ملک کے رسم و رواج کے پابند ہونے لگے ہیں ۔ یہ خیال کہ شہاب الدین کے پاس درحقیقت ہندو بھاٹ تھے ۔ بے حد مضحکہ خیز اور بے بنیاد ہے ۔ مگر راسا کا مصنف جس زمانہ میں رہتا بستا تھا ۔ کیا ہندو کیا مسلمان ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو کر ایک مخلوط قسم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے ۔ جس میں ہندو مسلمانوں کے لئے اور مسلمان ہندوؤں کے لئے لازم و ملزوم بن گئے تھے اور ایک کا دوسرے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ راسا کا مصنف اپنے عہد کی زندگی اور اس کے اوضاع کا اس قدر عادی ہے ۔ کہ اس کے قلم سے بے ساختہ وہی خط و خال رقم پذیر ہوتے ہیں جو مغلیہ اور اس سے قبل کے زمانہ کی ہندوستانی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ مثلاً ہیجم کمار کوی چند کے سامنے راجہ جے چند والئے قنوج کی تعریف میں یہ دوہا کہتا ہے :-

ے بیری کاٹن راج بچ ۔ ڈنڈ بھرن پردھان ۔ سیوا مانن بھیے وین ۔ ہندو مسلمان ۔

(چھند ۴۶۹ صفحہ ۱۶۴ ح ۱۴ قنوج سمے ۶۱ ویں داستان)

بھلا جے چند کے زمانہ میں قنوج کی قلمرو میں مسلمان کہاں آباد تھے ۔ جو اس کی تعظیم و تکریم میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو سکتے ۔ مگر مصنف کے زمانہ میں یہ قول بالکل صادق آتا ہے ۔ جب ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی رعیت بن کر رہتے تھے ۔

مسلمان ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے ۔ مفتوحین شروع شروع میں تو ان سے غیر متعلق رہے ۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا ۔ کہ ان کی آمد ہنگامی نہیں اور نہ یہ لوگ اس سرزمین سے

ٹلنا چاہتے ہیں جب تقاضائے وقت صلح و آشتی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ خود مختار راجاؤں نے تعلقات قائم کرلئے۔ کمزور رئیس اپنے طاقتور ہمسایہ کے خلاف ان سے امداد کے جویا ہوئے۔ جوں جوں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے زیادہ زمانہ گذرتا گیا۔ توں توں یہ تعلقات زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ قرون وسطےٰ کا ہندوستان اپنی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات کا آئینہ دار ہے۔ مغل بابر کے خلاف رانا سنگرام عرف رانا سانگا اور حسن خاں میواتی باہم متحد ہوکر ایک ہی محاذ پر جنگ کرتے ہیں۔ اسی بابر کے مقابلہ میں راجہ بکرماجیت ابراہیم لودھی کے ساتھ پانی پت کے میدان میں مارا جاتا ہے۔ سلاطین گجرات و مالوہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں ایک ہندو راجہ کی خاطر یہ طاقتور سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئی ہیں۔ ان میں مذہبی اختلاف جنگ و صلح کا محرک نہیں تھا۔ جیساکہ آج کل کے مؤرخ ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد۔ یہی خصوصیت راسا کے صفحات میں نمودار ہے ؛

اٹھائیسویں داستان میں اننگ پال پرتھی راج سے اپنے ملک کے استرداد کا خواہشمند ہے۔ وہ خود فوج کشی کرکے پرتھی راج سے لڑتا ہے۔ مگر شکست کھاتا ہے۔ بالآخر مادھو بھاٹ کو شہاب الدین کے پاس غزنیں بغرض استمداد بھیجتا ہے۔ شہاب الدین ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کی امداد کو آتا ہے۔ اور اننگ پال کے شریک ہوجاتا ہے۔ اتحادی پرتھی راج سے جنگ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اور یہ بدقسمتی شہاب الدین کے لئے راسا کے صفحات میں نہائت عام ہے۔ سلطان میدان جنگ میں گرفتار ہوجاتا ہے اور اتحادیوں کو شکست ہوجاتی ہے ؛

چھتیسویں داستان ہنساوتی وواہ میں چندیری کا راجہ پنچائن شہاب الدین سے رن تھنب کے راجہ کے خلاف فوجی امداد مانگتا ہے۔ اور شہاب الدین اپنا لشکر اس کی امداد کے لئے بسرکردگی نوری حجاب اور کیلی خاں روانہ کرتا ہے ؛

یہی نہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کی شادی غمی و دیگر دستور و رسوم میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اکیسویں داستان پرتھا ویاہ ورنن میں ملتی ہے۔ اس داستان کی رو سے پرتھی راج

کی بہن پرتھا بائی راول سمر سنگھ والی چتوڑ سے بیاہی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر شہاب الدین بھی دُولہا دلھن کے لئے تحفے بھیجتا ہے۔ جن میں علاوہ دیگر مال و متاع کے پچاس ہاتھی۔ سو گھوڑے۔ اور ایک سو باندیاں شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تحفے فی الحقیقت شہاب الدین نے راول جی کو شادی کے موقعہ پر دیئے تھے۔ تاریخ کی رو سے راول سمر سنگھ اور پرتھا کی شادی ناممکن ہے۔ کیونکہ راول مذکور پرتھی راج اور شہاب الدین کے زمانے سے ایک صدی بعد ہوتا ہے لیکن مصنف نے شہاب الدین کا جو تحفے دینا بیان کیا ہے تو درحقیقت وہ اس رواج کو اجاگر کر رہا ہے جو اس کے عہد میں ہندو اور مسلمان باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ برتتے تھے۔

مسلمانی الفاظ

راسا میں مسلمانی الفاظ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا مصنف فارسی زبان کی مبادیات سے ضرور واقف ہے۔ مسلمانوں کے بعض مذہبی معاملات سے بھی اس کو آگاہی ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ ان کی مذہبی کتاب کا نام قرآن ہے۔ جسے مصحف بھی کہتے ہیں۔ اس کے تیس پارے ہیں۔ ان میں خدا کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں۔ جو تیسوں دن نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کے قریب نہیں جاتے۔

پنچ بیس پنچ دن کریں نواج   حق احق وست جن نہیں کاج

(چھند ۲۴ صفحہ ۵۲۱/۵ سلکھ جدھ۔ تیرہویں داستان)

پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور سیپارے تورات دن پڑھتے رہتے ہیں۔

نمیں نواج سائیں لیے پنچ بکھت (وقت)   سیپارے تیں پڈھیں دن رَت

(چھند ۹۷ صفحہ ۴۰۳/۴ حسین کتھا نویں داستان)

تسبیح کا استعمال مستحسن سمجھتے ہیں۔ پیر کے چادر چڑھاتے ہیں۔ مُلا اذان دیتا ہے۔ قاضی نماز پڑھاتا ہے۔ جو لوگ مذہب کے لئے مارے جاتے ہیں۔ شہید کہلاتے ہیں۔ اور زندۂ جاوید ہیں

گوری کی جو وجہ تسمیہ دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ گور یعنے قبر کے معنوں سے واقف ہے مسلمانوں کی جنگی اصطلاحات و اسلحہ سے کافی آشنا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً آتش۔ بلچ۔ تیغ۔ زرہ۔ کمان۔ تیر۔ ترکش۔ گرز۔ تفک۔ ہدف۔ نشان۔ چوگان۔ چشم۔ سوار۔ لگام۔ پہلوان (پہلیان) عراقی۔ تازی۔ نوبت۔ شہنائی۔ نفیری۔ چنگ۔ دمامہ وغیرہ۔ الفاظ تیر و تیغ اس کے ہاں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح اعداد میں سہس کے ساتھ ہزار بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ باغ و باغبان کے لئے بھی فارسی الفاظ باغ و باغبان پر قناعت کرتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے مسلمانی الفاظ کافی تعداد میں لا سکتا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں :-

ے جماسو ہیاں ؛ سہاب دین سلتان ؛ پیگمبر پرودگار ؛ الہ کریم کوار (کبار)
سلطان جلال سکندر جایا ؛ سلتان شہاب الدین الہ اُپایا ؛ چ ۱۸/۱۹ صح ۲۱۲۶/۱۸ بڑی لڑائی

دیگرے

میں فقیر سلطان ؛ آپ کبھی پچھیے قاضی ؛ بھست بھاکھ جو کہے ؛ ہوئے حاجی کے غازی
جو امید جیسے ہوئی ؛ راج روپی اسد بندی ؛ کوئی گمان جن کرو ؛ کیے کایا ایہ گندی ؛

چ ۶۶ صح ۲۲۳۸/۱۹ بڑی لڑائی

اس رزمیہ کے بعض الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ استعمال ہند کے ذیل میں آتے ہیں۔ استعمال ہند سے مراد غیر ہندی الفاظ کی وہ خاص صورت ہے۔ جو ہندوستان میں اختیار کر لی گئی ہے۔ مثلاً حمائل کو حمیل کہا جاتا ہے۔ (چھند ۲۹ صح ۶۰۶/۹) اور پالان کو پلان (چھند ۶۵ صح ۵۸۵/۸) وقت کا بخت بن گیا ہے (چھند ۹۷ صح ۴۰۳/۴) اسی طرح رسالہ سے رسال (چھند ۱۴۹ صح ۴۷۲/۵) یعنی سوغات بن گیا۔ اور خواص حجام کے معنوں میں آیا ہے۔ (چھند ۵۸ صح ۵۸۵/۹) اسی طرح نماز کو نباج کی شکل میں بدل دیا ہے۔ کاغذ کگد بن گیا ہے (چھند ۸۵ صح ۹۳/۸)

بعض ترکیبیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جو نیمے ہندی اور نیمے فارسی ہیں۔ مثلاً پلنگ پوش (چھند ۵۴ صح ۵۸۵/۹) اسی طرح جم جور ہے۔ جس میں جم (موت) ہندی اور جور فارسی زور کی بگڑی شکل ہے

ورجور کا بھی اسی پر قیاس کیا جائے۔ بہرحال یہ ترکیبیں اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔ کہ یہ رزمیہ پرتھی راج کے عہد کی تالیف ہو سکتا ہے۔ بعض وقت ایسے فارسی مرکبات بھی ملتے ہیں۔ جیسے نیل ماہی (چھند ۱ صح ۵۱۱/۱۳) نیل ماہی (چھند ۶۲ صح ۱۶۶۰/۱۴) یعنے دریائے نیل کی مچھلی۔ جنگی جوان (چھند ۳۱ صح ۱۰۴۵/۹)۔ زردوزن (زردوزی) اور زرکشی (چھند ۵۰ صح ۵۸۴/۶) کسادہ کسادہ (کشادہ کشادہ) چھند ۱۲۶ صح ۹۰۷/۸) اور راہ بیراہ (چھند ۹۵ صح ۴۰۳/۴) ؛

کوچ برکوچ۔ کوچ درکوچ اور کوچا کوچ ایک فارسی روزمرہ ہے۔ مصنف نے ادنیٰ تغیّر اس پر تصرف کر لیا ہے۔ مثال سے چلیو کوچ پر کوچ کھری (چھند ۲۹۷ صح ۲۲۳/۷) دیگر:۔ درکوچ کوچ اتے سندھ (چھند ۱۴۵ صح ۶۱۸/۶) دیگر:۔ سے اتی کوچہ کوچ دلن کھرین ؛ چل نیتھ جائے سو اُترین (چھند ۱۶۵ صح ۶۲۱/۶) ؛

ذیل کے چھند میں 'کھیت پڑنا' کھیت رہنے کے مفہوم میں آیا ہے :۔

سے کھیت پرے تنار ؛ ساہ گوری گئی سنبیا ؛ (چھند ۱۹۲ صح ۶۲۵/۶)

سر دھننا ایک اور محاورہ ہے۔ چنانچہ :۔

سے سر دھنت پتی ساہ ؛ دھاہ سنی سبنا سنفی ؛ (چھند ۲۹ صح ۹۵۱/۹)

وہ پانی ملتان گیا

وہ پانی ملتان گیا۔ ایک ضرب المثل ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ کہ اب وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ استاد ذوقؔ سے

پنجاب میں بھی وہ نہ رہی آب و تاب حسن ؛ اے ذوقؔ! پانی اب تو وہ ملتان بہ گیا

پرتھی راج راسا میں بھی ضرب المثل یوں آئی ہے :۔

سے چاہُر چھتر رکھت ؛ تکھت لینو سر تانی ؛ اوتروے ساہاب ؛ گیو ملتانہ پانی ؛

(چھند ۲۶۵ صح ۷۳۴/۷)

اس ضرب المثل کی تشریح میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے :۔

ایک دن گورکھ ناتھ ریداس بھگت کے پاس آیا - پیاس لگ رہی تھی - پانی مانگا - ریداس پانی لینے گیا - اس وقت گورکھ ناتھ کو خیال آیا - کہ ریداس تو ذات کا چمار ہے - میں اس کے ہاتھ کا پانی کیونکر پی سکتا ہوں جب ریداس پانی لایا - اس نے اپنے تونبے میں بھروا لیا - مگر پیا نہیں - اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور رخصت ہُوا - پھر کبیر کے پاس جا بیٹھا - اور اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گیا - اس وقت کبیر کی بیٹی کمالی آئی - اور وہ پانی اٹھا کر پی گئی - پیتے ہی اکاس لوک - مرت لوک - اور پتال لوک کے تمام اسرار اس پر منکشف ہو گئے - جب گورکھ ناتھ کو معلوم ہوا - کہ اس پانی کے پینے سے کمالی میں یہ وصف پیدا ہو گیا ہے - ہاتھ ملنے لگا - دوبارہ ریداس کے پاس جا کر پانی مانگا - ریداس کشف کے ذریعہ سے جان گیا تھا - کہ گورکھ ناتھ نے اپنے غرور کے سبب سے وہ پانی نہیں پیا تھا - اور اب پھر اسی کی تلاش میں آیا ہے - اسی اثنا میں کمالی کے سسرال والے بنارس آئے اور کمالی کو ملتان لے گئے - جہاں وہ بیاہی گئی تھی - اس وقت ریداس نے یہ دوہا کہا :-

۵ ہیا وے تھے جب پیا نہیں تب تم نے یہ ابھمان کیا
بھولا جوگی پھرے دوانہ وہ پانی ملتان گیا

محمود شیرانی

بحر الفواید

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے - کہ ادبیات فارسی میں نظم کا ذخیرہ نثر سے بہت زیادہ ہے ، ہرچند کہ یہ خیال صحیح ہے - لیکن واقعہ یہ ہے - کہ نثر فارسی کا بہت سا خزانہ ابھی تک قلمی کتابوں میں مدفون ہے جس کا کچھ حصّہ تو قعر گمنامی میں پڑا ہے اور جو معرض علم میں آچکا ہے وہ نشر و اشاعت کا منتظر ہے -

فارسی نثر کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ایک قابل توجہ تصنیف بحر الفواید ہے - جس کے ساتھ ناظرین کو ان سطور میں روشناس کرنا مقصود ہے - مجموعی طور پر اس کتاب کا موضوع مسائل تصوّف و اخلاق ہے لیکن گوناگوں دلچسپیوں کی سینکڑوں اور باتیں معرض بحث میں لائی گئی ہیں جن کو مصنّف نے بے شمار حکایات اور جدّت خیالات سے بہت دلفریب بنایا ہے -

بحر الفواید چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے - اور رفقط یہی ایک بات کہ یہ منجملہ اُن معدودے چند فارسی کتابوں میں سے ہے - جو تاتاری حملے کی تباہی سے محفوظ رہیں - اس کی اہمیّت کو دوبالا کرنے کے لئے کافی ہے - لیکن ایک اور غیر معمولی صفت جو اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہے یہ ہے کہ وہ شام میں لکھی گئی ہے - فارسی کی شاید یہ پہلی کتاب ہے - جس کا شام میں تصنیف ہونا ہمارے علم میں آیا ہے -

بحر الفواید کے صرف دو نسخوں کا ہمیں علم ہے - جن میں سے ایک تو پیرس کے کتابخانۂ ملی میں ہے - اور دوسرا ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی کے پاس ہے[1] ، مصنّف نے اپنا یا اپنے وطن کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں

---

[1] دیکھو فہرست مخطوطات فارسی در کتابخانۂ ملی پیرس ع ۷۲ ، اس نسخے کی تاریخ کتابت سنہ ۹۷۹ء پروفیسر موصوف کا نسخہ بھی غالباً دسویں صدی کا لکھا ہوا ہے ،

کیا لیکن اپنی اس تصنیف کو اس نے اتابک شام امیر ارسلان آبہ بن آقسنقر کے نام پر معنون کیا ہے - جس کا ذکر وہ آغاز کتاب میں اس طرح پر کرتا ہے:-

"واین کتاب در انواع علوم در زمین شام کہ ملک تعالیٰ - وی را مبارک خواند بمدّت پنج سال جمع کردم بنام ولقب پادشاہ عالم عادل عماد الدّین[1] عماد الاسلام قطب الدولۃ وبہاء الملّۃ شرف الائمّۃ قامع الکفرۃ والمشرکین الب قتلغ جبوغا الغ اتابک ابی سعید ارسلان آبہ بن آقسنقر ظہیر امیر المومنین خلّد اللہ دولتہ وحرّس علیہ نعمتہ واین کتاب را بحر الفواید نام نہادیم زیرا کہ ہمہ جواہرہا در بحر باشد واز انواع علوم درین کتاب توان یافت"

آقسنقر (قسیم الدولہ) اتابکان شام کے خاندان کا بانی ہے - اس کے بیٹوں میں عماد الدین زنگی والی حلب وموصل تاریخ میں زیادہ مشہور رہے ہے - جس کا عہد حکومت ۵۲۱ھ - ۵۴۱ھ ہے - ارسلان آبہ بظاہر زنگی کا چھوٹا بھائی ہے - جو مسند حکومت پر جاگزیں نہیں ہؤا - بلکہ غالباً کسی چھوٹے سے علاقے کا فرماں روا تھا "الب قتلغ جبوغا الغ اتابک" اس کے القاب ہیں - لیکن "قامع الکفرۃ والمشرکین" کے لقب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بھائی زنگی کے دوش بدوش صلیبی لڑائیوں میں نمایاں حصّہ لیتا رہا - راحۃ الصدور میں دو تین جگہ ۵۴۴ھ - ۵۴۷ھ کے واقعات میں ضمناً اس کا ذکر آیا ہے[2] -

---

[1] پیرس والے نسخے میں "نصرۃ الدین" ہے - [2] موسیو بلوشے (مرتب فہرست مخطوطات کتب خانۂ ملّی) نے ارسلان آبہ کو غلطی سے بوزابہ والی فارس خیال کیا ہے - جو ایک بالکل مختلف شخص ہے اور ۵۴۲ھ میں سلطان مسعود سلجوقی کے خلاف جنگ کرتا ہؤا ہمدان کے نزدیک مارا جاتا ہے ، برخلاف اس کے ارسلان آبہ ۵۴۷ھ میں زندہ تھا (دیکھو راحۃ الصدور ص ۲۶۲) -

صاحب بحر الفواید نے باب سیر الخلفاء میں جہاں خلفاء عباسی کی فہرست دی ہے۔ وہاں المقتفی (۵۳۰ھ - ۵۵۵ھ) کو خلیفۂ معاصر بتلایا ہے[1]۔ اس سے ذرا آگے چل کر عقاید باطنیہ کی بحث میں اس نے محمد بن کیا بزرگ امید (جانشین حسن صبّاح) کے مرنے کا ذکر کیا ہے[2]۔ جس کی تاریخ ۵۵۷ھ ہے۔ چونکہ اس کے اپنے بیان کی رُو سے کتاب پانچ سال تک زیر تالیف رہی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف کا زمانہ ۵۵۲ھ - ۵۵۷ھ ہونا چاہیئے۔

پروفیسر شیرانی کا نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے عمدہ خطّ نسخ میں لکھا ہوا ہے اور خاصا صحیح ہے، تعداد اوراق ۱۸۰، تقطیع ۹" × ۶" اور فی صفحہ ۱۲ سطور ہیں۔ بلحاظ مبحث کتاب کو ۴۳ حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصّے میں دس دس بارہ بارہ باب ہیں، ان مباحث کی پوری فہرست کتابخانۂ ملّی پیرس کی فہرست مخطوطات میں دی گئی ہے[3] جس پر فقط ایک نظر ڈالنے سے ان کے تنوّع کی طرف فوراً توجّہ مبذول ہوتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلا حصّہ کتاب الجہاد ہے۔ اس کے بعد کتاب الحکمۃ ہے آگے چل کر ایک دلچسپ حصّہ کتاب تربیۃ الاولاد ہے۔ پھر طلب المعیشۃ، آداب الاسلام، معالجۃ الذنوب، نوادر العلماء، مناقب الائمۃ، عجائب الدنیا، کتاب السلطان، کتاب الوصایا، کتاب الغرائب وغیرہ وغیرہ ہیں،

مصنّف کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سنّی ہے[4]۔ باطنیوں کا سخت مخالف ہے[5]، علوم دینیہ، تاریخ وسیر اور تصوّف سے خوب

[1] ورق ۱۳۰ ب، [2] ورق ۱۳۲ ب، [3] جلد ۲ ص ۳،

[4] کتاب "اصول الدین" کے باب اوّل میں لکھتا ہے "بدانکہ مذہب سنّیاں آنست کہ خدای عزّوجل آفریدہ است"۔ [5] "خون ملحدی ریختن اولیتر ست کہ ہفتاد کافر رومی کشتن"، (ورق ۱۳۷ ب)۔

واقف ہے، منجموں، طبیبوں اور شاعروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے :۔" اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند اورا از ہفت آفت نگاہ باید داشت۔ اوّل صحبت منجّم وشاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند[1]۔ دوسری جگہ کہتا ہے :" وہر کہ گوید در قرآن تحریم خمر نیست جاہلست، طبیب و منجّم و شاعر چہ دانند کہ اصول و فروع و حلال و حرام چہ بود[2]"۔ منجّم و طبیب کی مذمّت ایک اور جگہ یوں کی ہے :۔" بادشاہ سلف کہ برخاستی بر دست راست وی فقیہی بودی تا حلال و حرام ازو بپرسیدی و بر دست چپ وی مفسّری بودی تا تفسیر قرآن از و بشنیدی، امروز سلطانان روزگار بامداد برخیزند منجّمی بر دست راست وی بود و طبیبی بر دست چپ وی بود[3] "

نجوم، طب اور شاعری کے علاوہ وہ فلسفہ اور فلسفیوں کی بھی سخت تحقیر کرتا ہے چنانچہ کتاب الحلال والحرام کے آخری باب "حکمت کتب گذشتگان" میں لکھتا ہے :۔

" اوّل کتاب اخوان الصّفا زندقہ است و طعن بر مسلمانی است نشاید خواندن و نشاید دانستن بباید سوختن، ہفت ملحد در بصرہ جمع شدند و آن کتاب بنہادند و نام خود بپوشیدند، دوم ابوالعلا معرّی ملحد بودہ است کتاب لزوم مالایلزم و فصول غایت الفصول و الغایات در معارضہ قرآن کردہ است بباید سوختن، و دلیل بر الحاد وی آنست کہ انکار قیامت و حشر اجساد [می کند]، ..... دیگر بوعلی سینا کافری بی دین بود شفا و نجاۃ وی نباید خواندن کہ نفی حشر اجساد می کند و نفی صفات باری، و زکریا رازی ملحد بودہ است ....[4]"

لیکن زاہد خشک ہونے کے باوجود اس کو شعر کا نہایت اچھا مذاق معلوم ہوتا ہے، عربی و فارسی کے اشعار جو اس نے جا بجا تحریر کئے ہیں۔ عموماً نہایت برمحل اور برجستہ ہیں، نثر میں اس کا انداز تحریر نہایت دلکش۔ سادہ اور بے تصنّع ہے

---

[1] باب تربیۃ الاولاد ، [2] ورق ۸۰ ب ، [3] ورق ۳۰ ب ،

[4] ورق ۸۵ ب ۔ ۸۶ الف ،

اور چھٹی صدی کی دلفریب فارسی نثر کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ذیل میں ہم بحر الفواید کے بعض مقامات کی عبارت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مصنف کی جدت فکر اور اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہو سکے، ہمارے نزدیک اس کتاب کو قابوس نامہ اور کلیلہ و منہ کے پہلو میں جگہ ملنی چاہئے، اس کی اشاعت سے یقیناً فارسی ادب کے کتب خانہ میں ایک جلیل القدر اضافہ ہوگا،

کتاب نصیحۃ الملوک والسلاطین

بدانکہ بادیۂ قیامت در پیش بس آدمست و بیابان بی نہایت در راہست و دی غافل نشستہ و نمی داند کہ در بستر خواب خفتہ است و سفر می کند زیراکہ این شب و روز دو مرکب است تیز رو پس آدم را ببرند و بدان سرای غریبان فرود آرند تا قافلہ ہمہ بیکدیگر رسند پس جملہ را برانگیزانند و این خطاب بشنوانند کہ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر این فلک دوّار و این بوقلمون عمر وی بتاراج برمیدہد و وی ہیچ خبر ندارد و ہمہ مردگان در آرزوی یک روزہ عمرند تا تقصیرہا بدان تدارک کنند و نمی توانند یافتن و تو یافتہ و عمر ضائع می گذرانی و سرمایہ بباد برمیدہی، سرمایۂ آخرت عمر است و مایۂ قیامت تقوی است مایۂ دوزخ ہوا است، وقت آن نیامد کہ از خدمت مخلوق با خدمت خالق شوی و وقت آن نیامد کہ خود را باشی کہ در آنچہ بودی ہمہ برخود بودی کہ ہر کس کہ زاد وی تقویست سزاوار است اگر بساط تہنیت بیفگند ہمہ عالم ملک و ملک تو شدہ گیر و بجای بگذاشتہ گیر آخر چہ، ۔۔۔ این خلق بیشترین در غم معدۂ خود ماندہ اند کہ نباید کہ برہنہ و گرسنہ مانند ہیچ کس نمی اندیشد کہ نباید کہ امشب بخسپم و بامداد برنخیزم و آنچہ من جمع کردہ ام دیگران بردارند، ای بمکابرۂ عقل برخاستہ و بر سر پل خانہ ساختہ و بر موج دریا افگندہ چون ناصیۂ ملک الموت بینی ہشیار شوی فریاد بر آری کہ

یا حسرتی علی ما فرطتُ فی جنب اللّٰہ، ہیچ زندانیئ دیدی کہ در زندان شادی و راحت طلبد تو آن زندانی ہستی کہ شادی در زندان می طلبی، من طلب مالم یخلق تعب نفسہ ولم یرزق، ہیچ اسیر را دیدی کہ شہریاری طلبد، آدمی اسیر قضا و قدر راست و امیری و شہریاری می طلبد، ہیچ بندہ را دیدی کہ خواجگی طلبد ہیچ خاکی را دیدی کہ خواجگی طلبد یا ابن التراب و ماکول التراب انت غداً ماکول و مشروب، آدمی تماشای بوستان می کند یک ساعت بیاید تا تماشای گورستان کند تا آن حسرات و زفرات بینی شاہان جہان در ظلمت گور اسیر خاک شدہ بینی خسروان را محبوس گور و لحد شدہ بینی جمجمۂ جبّاران بوسیدہ بینی سرہای سروران در خاک شدہ بینی جوانان با حسرت در خاک خوار شدہ بینی گیسوی عروسان در خاک بوسیدہ و پارہ شدہ بینی، پشت زمین بر غفلت است و شکم زمین بر حسرت و آدمی در وادی پنداشت و تمنای خود گم شدہ کہ امروز چنین کنم و فردا چنان کنم و مرگ بروی می خندد و اجل بر امل می خندد و تقدیر بر تدبیر می خندد مرگ بر زندگانی می خندد، . . . چون عمر مختصر باشد مال بسیار چہ سود چون خانہ گور خواہد بود حجرۂ زرین و سیمین چہ سود چون تخت و کلاہ و دولت مملکت حسرت خواہد بود جمع و منع چہ سود چون عمر وفا نخواہد کرد توفیر خزانہ را چہ سود اگر آواز امارت پسر آدم بشرق و غرب رسد و اہل مشرق و مغرب بروی خطبہ کند و چراغ بدیوان وی آورند جان تنہا باید کندن و در گور تنہا باید خفتن و حساب تنہا باید دادن،

بیت: سپہر بلند ار کشد زین تو سر انجام مرگست بالین تو

در خبر است کہ مردی پیش رسول صلے اللّٰہ علیہ وسلم آمد و گفت یا رسول اللّٰہ مرا وصیتی کن گفت کار کن دو روز یا دو شب را، گفت یا رسول اللّٰہ کدام روز و شب گفت آن روز را کہ ملک الموت در خانۂ تو در آید بجان استادن تو و آن شب کہ مردہ را در گور نہند بستر خاک بود و بالین خشت و زیارت کنان مار و مور بود و

کارکن آن روز را که ایستاده باشی پیش خداوند جل جلاله نامه بدست تو ندانی که ترا بهشت می فرستند یا بدوزخ و کارکن آن شب را که در گور بخسپی پس ازان شب نباشد بامدادش قیامت باشد خلایق جهان فردای قیامت از پادشاه و رعیت خاص و عام باحسرت وندامت خواهند بودن و دست بر سر می زنند وخود را ملامت می کنند نیکو کرداری گوید واحسرتا تا چرا نیکی بیش نکردم و خیرات زیادت نکردم وبد کردار گوید واحسرتا چرا بد کردم، در خبر است که جبرئیل پیش مصطفی علیهما السلام آمد گفت یا رسول الله چهار سخن گزیده از چهار هزار سخن بشنو و امتان را خبر کن، اوّل بگو که خراب میکنند آنجا را که شمارا چارهٔ نیست از باز گشتن بدو، دوم بخشم میارید و مخالفت میکنند آنکس را که شمارا چارهٔ نیست از باز گشتن بدو، سوم جهد کنید بجستن چیزی که لابد شماست رحمت خدای و بهشت خدای، چهارم چیزی مطلبید که با او نخواهید ماند، مسکین آدمی بی خواست وی درین جهان آمد و در رنج و بلا و ناکامی عمر بسر برد و بحسرت از دنیا بیرون شد آمدنش بیخواست وی بود و بودنش بی کام ومراد وی رفتنش بیخواست وی چون زندانی که وی را بزندان برند و بیرون آرند، **حکایت**: پادشاهی بود نیک مردی را برنجانید گفت ای نیک روز از من بهتر از من چه میخواهی گفت چگونه گفت وی گذشت دمن وتو طمع ندانیم و فردا هنوز نیامد و تو بدین یک زمان از من بیشتر هستی عمر آدمی دو نفس است چون نفس برسید کار باسری رسید این چندین هوس دریک نفس از سعادت مرد آنست که درین جهان نیکو نام بود و دران جهان رستگاری یابد، مرد عاقل کامل داند که خدای بهتر است که خلق و آخرت بهتر است که دنیا و عمل و صالح بهتر است که خزینه و مال، و عاقل کسی بود که بداند که مال مرد آن بود که بخورد و بهشت بدان بدست آرد و دیگر یا سلطان پاک ببرد یا فرزند پاک ببرد یا نصیب خاک بود، دست تهی درآمدی و دست تهی خواهی رفت، **بیت**:-

انگشت زنان در آمدیم از در تو — انگشت گزان در آمدیم از بر تو

حکایت:- ذوالقرنین از مشرق تا بمغرب بستد و در ظلمات پادشاهی براند چون
وقت وفاتش بود گفت دستم تهی و برهنه کنید و از تابوت بیرون آرید تا عالمیان بدانند
که ازین دنیا و مملکت هیچ با خویشتن نبردم دست تهی در آمدم و دست تهی بردم آن کیست
که خزینهٔ عادیان امروز بده درم بخرد خدای عزّ وجل سه فرشته است هر روز بر سر عالمیان
ندا میکند یکی میگوید من لم یرحم نفسه لا یرحمه الله هر که بر خود رحمت نکند خدای بر وی رحمت
نکند و فرشتهٔ دیگر کریمان را دعا می کند و بخیلان را نفرین می کند میگوید بار خدایا هر که
بخورد و ببخشد روزی وی فراخ گردان و هر که بخیل بود بر خود روزی وی تنگ کن
فرشتهٔ دیگر میگوید مال فلان کس را دادیم و زن فلانرا دادیم و فلان را دولت دادیم و
فلان را دولت دادیم و فلان را معزول کردیم، در خبر است که شبانه روزی بیست و
چهار ساعت است در هر ساعتی حق تعالی ششصد هزار را زندگانی می آفریند و در
وجود می آرد و ششصد هزار را می میراند و ششصد هزار را عزیز می گرداند و ششصد هزار را
ذلیل می گرداند و ششصد هزار را از خاک بر میدارد و بر تخت می نشاند قوله تعالی تعزّ من
من تشاء و تذلّ من تشاء....

حکایت:- هفتاد حکیم جمع شدند گفتند بیائید تا این دنیا را این سرای حسرت و وحشت
را بچیزی مانند کنیم بهفت چیز وی را مانند کردند اوّل بسراب که در بیابانها باشد مرد
تشنه امید طمع در وی بندد و پندارد که چیزیست چون بدو رسد هیچ نبیند همه امیدش
باطل شود و رنجش ضائع شود همچنین خداوند دنیا هزار امید دارد یکی آنکه عمر وی دراز باشد
تا مقصودها دریابد یکی آنکه با او وفا کند و دیگر با وی موافقت کند دیگر دشمنان وی
شاد نکند این همه دنیا غدار ازینها هیچ نکند، دوم مانند کردند بآب شور که هیچ منفعت
نکند و سر او را سیر نکند همچنین از دنیا کسی سیر نشود و ازو منفعتی بر ندارد، سیوم ببرف مانند

کردند نیاید و منفعت نکند، چهارم بمیغ تابستان مانند کردند که مردم از گرما تافته باشد و در زیر میغ گریزند همی چون برقی برگذرد آن تمنای ایشان باطل کند، همچنین خداوند دنیا از فقر و فاقه و رنجوری عزل و ذل و خواری دل در وی بندند بناگاه برگردد و ایشانرا نا امید گرداند، پنجم بسایهٔ آدمی مثل زدند که با او بهم می رود راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد ناپدید شود همچنین دنیا روی می نماید راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد پشت برگرداند و بگریزد، ہفتم[1] بخواب آشفته مانند کردند و این درست تر [از] همه فولهاست زیرا که آن درویش عرب بسیار در خواب می بیند که بر تخت نشسته است و شهرها پادشاهی ویست و فرمان می دهد و فلان خاتون در کنار ویست و غلامان کمر بسته پیش وی ایستاده و چندین خزینه بحکم اوست و چندین قلعه بفرمان ویست و دولتی یافت و آن رنجها با سری شد همی از خواب در آید ازین هیچ بیند آن محنت و مصیبت خویش بیند بشرم در افتد و تشویر و خجالت خورد گوید:-

دردا و دریغا که ازان خاست و نشست   خاکیست مرا بر سر و بادیست بدست

در تربیتہ اولاد

جہانکہ صلاح فرزندان بسبب مادر و پدر است و ہلاک فرزندان بسبب مادر و پدر است، و قرآن کریم میگوید یا ایها الذین آمنوا قوا انفسکم و اهلیکم نارا- ای کسانیکه بخدای و رسول ایمان آرید خویشتن و فرزندان را از آتش دوزخ نگاه دارید و رسول صلے اللہ علیہ وسلم گفت لعن اللہ والداً عق ولده گفت لعنت خدای بر آن پدری باد که فرزندانرا عاق کند، همچنانکه فرزندانرا در حق پدران وصیت کرده است بتربیت پدرانرا در حق فرزندان وصیت کرده، عاق کردن پدر فرزند را چنان باشد که ویرا مهمل گذارد و آداب شرع ویرا نیاموزد تا بر پدر عاق شود و پندارد که آن عاقی طاعتست زیرا که ادب نیاموخته باشد و آن گناه

[1] کذا،

پدر است ، و اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند او را از ہفت آفت نگاہ باید داشت، اوّل صحبت منجّم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند آن وقت کہ مسلمانی ایشان درست باشد و تہاون کردن مودی بود بدست برداشتن و دست برداشتن سبب بود کہ بر دلہا ایشان گران بود و آن سبب بود کہ شکی در دل آید نعوذ باللہ منہ و صحبت این قوم آفتی عظیم است الّا ماشاء اللہ از ہزار یکی سلامت نیابد بیا خلق کہ ضال شدند ازین سبب ، دوم ہمنشین بد کہ ہیچ چیز در عالم از ہمنشین بد بتر نیست و پانصد سال است کہ این بیت گفتہ اند:-

عن المرء لا تسأل و ابصر قرینہ فانّ القرین بالمقارن یقتدی

زیرا کہ طبع از طبع بدزدد و بیاموزد و بر فساد دلیر شود و شیطان بیرون آید، سیوم مجالست زنان کہ مجالست زنان بر سبیل دوام کودکان را از طبع یگانہ داند و از ادب و حرمت و مہمات دین محروم شود و فرزندان برنگ زنان برآیند... چہارم از خمر خوردن نگاہ دارد کہ سرہمہ آفتہا و شرہا خمر است و فرزندان را بکودکی نگاہ باید داشتن تا ببزرگی ادب یافتہ بود چون بکودکی دست باز دارد کی توان یافتن، چون لذّت خمر و بی نمازی بحلق کودک رسید فلاح ہر دو جہان از و برخاست، پنجم از خواندن کتب پارسی کہ نہ بشریعت تعلق دارد مانند ویس و رامین و حکمت جاماسپ و لہراسف و وامق عذرا کہ خواندن این کتابہا فسق است و بعضی کفر است و مردم نشناسند و کمترین آفت آنست کہ مردم مشتاق شوند و در دل طلب آن پدید آید و از حق باز ماند و عمر در باطل بسر برد.... ششم اگر صلاح فرزند خواہد در حال کودکی ایشان را از تنعّم نگاہ دارد جامۂ اطلس و کلاہ زرین و کوزۂ سیمین و انگشتری زرّین کہ جملہ مردان را حرامست کمترین آفت آن بود کہ بحرام رخصت دادہ باشند و در ان بزہ نزدیک بود و ایشان را بر معصیت دلیر کردہ باشند، چون این نعمتہا میسّر شود شیطان بیاید گوید بکار منشین غلامچہ باید زنی بلایہ باید فلان و فلان طبع در تقاضا آید فرزند بطلب برخیزد فساد پدید آید ہیچ تدارک نتوان کردن ، ہفتم کبوتر بازی و

بربام شدن کہ این قاعدہ شوم ست از آن آفتہاے خیزد بر زنان مسلمان مطلع شود و شرہا ازین تولد کند۔ پس ہر کس کہ توفیق یابد و فرزندان را ازین نگاہ دارد موافق کسی بود، و علامت آن بود کہ خانۂ او ور بخواہد و اگر ہمل فروگذارد فساد در فساد پدید آید و انّ التوفیق عزیز، اگر کسی گوید تربیۃ فرزند چون باید کردن تا ازین جملہ دور باشد گوئیم بد آنکہ دل کودک ہچو مرغ نقش پذیر است اگر صلاح یابد بپذیرد و اگر فساد بیند نپذیرد والخیر والصلاح بید اللہ و تربیت فرزندان را شرائط است اوّل آنست کہ شیر فرزند [را] کسی دہد کہ پارسا و مصلحہ و حلال خوار و نماز کن باشد زنی نصرانی یا زنی نابکار ندید کہ شیر دادن غذاء وبست و طبع بدان مائل شود، و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مے گوید الرّضاع بغیّر الطبّاع، این شرائط نگاہ باید داشت، دوّم آنست کہ طہیرۂ وی بکند و نام نیکو ہند عبداللہ و احمد محمد و محمود و ابوبکر و عمرو مانند این و ناہا بد ننہد خبلہ و رشلہ و دلفا و کلب و ضبۃ و ذیب و گوسفند کہ این جفا باشد با فرزند، سوم آنست کہ ویرا پیش مقری بفرستند تا نخست قرآن بیاموزد کہ مبارک ترچیزی قرآنست وسبب آنست کہ نخست قرآن می باید خواندن تا ویش مشغول چیزی دیگر نشود و حلاوت قرآن با گوشت و پوست او بر آمیزد چہارم آنست کہ او را عربیت و ادب بیاموزد و قدری از فقہ و احکام و نماز و طہارت و فرض عین کہ آں پنج رکن مسلمانی است تا در قیامت معذور باشد کہ در خبرست کہ فردای قیامت فرزندان دست در دامن پدران زنند و زنان در امن شوہران گویند بار خدایا مارا احکام شریعت نیاموختند تا ما دوزخی شدیم از سبب جہل زیرا کہ خلق بہشت بسبب علم می شوند و بدوزخ بجہل، پنجم اگر کودک رسیدہ بود و بر خواندن و آموختن ویرا بنوازد و چیزے بدہد و وعدہ کند تا دلش خوش شود و آموختن کہ بسیارے بادشاہان بودند کہ فرزندان را بوعدہاء خوب

لہ غالباً اس جملے میں عبارت کا کچھ حصہ حذف ہو گیا ہے۔

مصلح گردانیدند و عالم و مؤدّب و مہذّب شدند برأی و تدبیر ایشان زیرا کہ پیغامبری
گوید علیہ السّلام جبلت القلوب علی حبّ من احسن الیہا خدای عزّوجل دلہا را
چنان آفریدہ است کہ ہر کسی کہ باوی احسان کند ویرا بدوستی گیرند، ششم اگر گناہی
کند فرزند در کودکی ویرا بزند و دوبارہ تا خوگر نشود و یک بار و دو بار تغافل کند تا ازو
ہیبت گیرد کہ از سہو و غفلت و نشاط و کودکی معصوم نیست خاصہ آتش جوانی کہ شعبہ
ایست از دیوانگی . . . . . . ہفتم آنست کہ درین اسباب توکّل بر خدای
تعالیٰ کند و اعتماد بر فضل او رکہ صلاح او ر دہد و بقضا و قدرا وست تا او نگاہ
ندارد مادر او پدر ہیچ نتواند کردن و چون او نگاہ دارد ہیچ نتوان کردن +

محمد اقبال

کلام منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

منوچہری کے کلام کی نوعیّت

منوچہری نے اپنے قصائد میں وہی رَوش اختیار کی ہے۔ جو زمانۂ جاہلیت کے عربی شعرا سے مخصوص تھی۔ اس کے قصائد پر عربی شعرا کا رنگ اس قدر چڑھا ہُوا ہے۔ کہ ایک مصنّف کا خیال ہے کہ باوجودیکہ منوچہری میں تمام شاعرانہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اِسے ہم عصر شعرا میں ممتاز خیال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے کلام کا موضوع عموماً شراب، عشق و محبت، موسم بہار، اور مدح و ثنا وغیرہ فرسُودہ اور مبتذل مضامین ہیں۔ جو عربی نظم میں کثرت مستعمل ہیں اور وہ تکلفات اور تصنّعات سے خالی نہیں ۔

مگر ہم اِس مصنف کے مذکورہ بالا خیال میں متفق الرائے نہیں ہیں۔ منوچہری جیسا کہ اِس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔ فطرتاً شاعر تھا۔ جو کسی شاعر کے حسن کلام کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ وہ بچپن میں ہی مشکل سے مشکل طرح پر شعر کہہ سکتا اور ہر وزن و زمینؔ میں طبع آزمائی کر سکتا تھا۔ روایت میر تقی کاشی سے جسے صاحب مجمع الفصحاء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سلطان مسعوؔد کے دربار میں ملک الشعراء عنصری کے بعد متصل جگہ پایا کرتا تھا اور دیگر تمام شعراء اس پر رشک کرتے تھے۔ بلکہ صاحب مجمع الفصحاء کا تو یہ خیال ہے۔ کہ گو وہ عنصری کا تتبع کرتا تھا۔ لیکن شعر گوئی میں اس سے بھی افضل[۳] مانا جاتا تھا ۔

---

[۱] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۵۴۲ ۔ لباب الالباب جلد دوم ص ۵۳ ۔ ۱۲ منہ

[۲] مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۴۶ ۔ ۱۲ منہ

[۳] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۵۴۲ ۔ ۱۲ منہ

میر تقی کاشی کی ایک غلطی

صاحب خلاصۃ الافکار لکھتے ہیں۔ کہ منوچہری عنصری اور عسجدی کا ہم عصر تھا۔ اور دربار میں عنصری کے سوا تمام دیگر شعرا مع فردوسی اور فرخی کے اس سے نچلے درجہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ فردوسی جو کہ منوچہری کے غزنی آنے سے پہلے ۱۰۲۵ء میں مرچکا تھا۔ اس کا مصاحب کیونکر ہو سکتا تھا۔ فردوسی تو سلطان محمود سے بھی پہلے مرچکا تھا اور منوچہری محمود کے بعد مرا۔ اس لئے فردوسی اور منوچہری کا دربار محمود میں ایک دوسرے کا مصاحب ہونا ہرگز قابل تسلیم نہیں ؎

غزنوی دربار میں منوچہری

کچھ ہو لیکن ہمیں اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ دربار غزنی میں منوچہری کا کیا پایہ تھا۔ تقریباً تمام تذکرہ نویس اس بارے میں ہم آہنگ ہیں۔ کہ سلطان مسعود کے دربار میں منوچہری کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔ اس نے اپنا زیادہ تر کلام جو ہم تک پہنچا ہے مسعود ہی کے زمانہ حکومت میں کہا۔ کیونکہ دیوان کے تقریباً تمام قصائد مسعود اور اس کے بعض درباریوں کی مدح میں ہیں۔ جس کی وجہ سے مسعود بھی اس پر بہت مہربان تھا اور اسے منصب ترخانی حاصل تھا۔ یعنی جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کر سکتا تھا۔ چنانچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ اس کا تمام مکسوبہ مال و دولت اس کے مدحیہ کلام کا صلہ تھا۔ دربار میں اس کے جاہ و منصب پر اس کے ہم عصر شعراء اس پر حسد کیا کرتے چنانچہ وہ ایک حاسد کے متعلق کہتا ہے ؎

حاسداں بر من حسد کردند و من فردم چنیں ‏ ‏ داد مظلوماں بدہ اے عز امیر المؤمنیں

حاسدم بر من ہمی بیشی کندویں زو خطاست ‏ ‏ بفسرد چوں بشگفد گل بیش ماہ فرودیں

حاسدم خواہد کہ او چوں من ہمی گردد بفضل ‏ ‏ ہر کہ بیماری دق دارد بجا گردد سمیں

حاسدم گوید چرا بر من بیک گفتار من ‏ ‏ کوژ گشتی چوں کمان و تیر گشتی چوں کمیں

حاسدم گوید ببردی دوستانم را زمن ‏ ‏ دوستانرا خود برابر بود از وے زخم چلیں

حاسدم گوید چرا باشی تو در درگاہِ شاہ
اینت بغضے آشکارا اینت جہل راستین

حاسدم گوید کہ ما پیریم و تو برنا تری
نیست با پیراں بدانش مردم برنا قرین

حاسدم گوید چرا خوانند کمتر شعرِ من
زان تو خوانند ہر کس ہم بنات و ہم بنین

حاسدم گوید چرا تو خدمتِ خسرو کنی
روبہا نا کرد باید خدمتِ شیر عرین

حاسدم خواہد کہ شعرِ او بود تنہا و بس
باز نشناسد کسے بربط ز چنگ رامتین

حاسدم گوید چرا در پیش گاہِ مہتراں
ما ذلیلیم و حقیر و تو امینی و مہین

حاسدا ہرگز نہ بینی تا تو باشی روئے عقل
دوزخی ہرگز نہ بیند روئے و موئے حورِ عین

حاسدا تو شاعری و نیز من ہم شاعرم
چوں ترا شعرِ ضعیف است و مرا شعرِ سمین[1]

حاسدا تا من بآں درگاہِ سلطاں آمدم
بر فتادت غلغل و بر خاستنت ویل و حنین[2]

ایک اور قصیدہ میں وہ حاسد کو یوں خطاب کرتا ہے :-

بد گفتن اندر آنکس کو مادحِ تو باشد
باشد ز زشت نامی باشد ز بد عیاری

اے میر مصطفےٰ را گفتند کافراں بد
باآں ہمہ نبوّت با فرِ کردگاری

چنداں دروغ و بہتاں گفتند آں جہوداں
بر عیسیٰ ابن مریم بر مریم و حواری

من کیستم کہ بر من نتواں دروغ گفتن
نہ قرصِ آفتابم نہ ماہِ دہ چہاری

اے شاعرِ سبک دل با من چہ اوفتادت
پنداشتم کہ عقلت بیش است و ہوشیاری

با من ہمی خچی تو واگہ نۂ کہ خیرہ
دنبال ببر خائی چنگال شیر خاری

چوں روئے من بہ بینی با من کنی تلطّف
مہماں بری بخانہ نُقل و نبیذ آری

واںجا کہ من نباشم گوئی مثالبِ من
نیک است کت نباید زیں کار شرمساری

یا باش دشمنِ من یا دوست باش و یک
نہ دوستی نہ دشمن اینت سپید کاری

---

[1] ہمارے خیال میں اگر سمین کی جگہ ثمین (بثاءِ معجمہ) ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ ممکن ہے کہ کاتبوں نے تصحیف کر دی ہو ۱۲ منہ [2] حنین کی جگہ انین یعنی نالہ و گریہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

تزویرگر نیم من - تزویرگر تو باشی زیرا کہ چوں منے را تزویرگر شماری
از بہر آنکہ شعرم شہ را بدل خوش آمد برخاست از تو غلغل برخاست از تو زاری
چوں تو نیم کہ خدمت کہتر کنی و مہتر از بہر دو و شانی وز بہر یک دواری
دانی کہ من مقیم بر درگہ شہنشہ تا باز گشت سلطاں از نالہ زار ساری
خشم آیدت کہ خسرو بر من کند نکوئی اے وجک آب در یا از من دریغ داری
اے کاشکے حسودم چوں تو ہزار بودے اکنوں کہ دیدہ خسرو از من اُمیدواری
حاسد چو بیش باشد بہتر رود سعادت چوں باد بیش باشد بہتر رود سماری
شاہا بر غم حاسد خواہم کہ من رہی را چوں شاعران دیگر بر خدمتم گماری

ایک اور جگہ وہ اپنے حاسدوں کی یوں شکایت کرتا ہے :-

ایا خواجہ ہمدا ستانی بکن کہ بر من تحمّل کند ابترے
فراواں مرا حاسداں خاستند زہر گوشۂ وز ہر کشورے
تو گر حافظ و پشت باشی مرا بذرہ نبیند تشم از ہر خرے

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم کی دو مخالف جماعتیں

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم میں عموماً دو قسم کے خیالات کا تتبّع کیا جاتا تھا۔ ایک جماعت وہ تھی جو شخصی احوال کے متعلق شعر کہا کرتی تھی۔ اور دُوسری قومی اور سیاسی اُمور میں اپنی طبع آزمائی کرتی تھی۔ پہلی جماعت کا قافلہ سالار عنصری اور دوسری کا فردوسی تھا۔ سلطان محمود کے زمانہ تک فردوسی کے قدم بقدم چلنے والوں کا دَور دَورہ تھا۔ لیکن محمود کی وفات اور ناصر الدین قاچار کی تخت نشینی کے درمیان کے زمانہ میں فردوسی کے مدّاح تو بہت رہے۔ مگر کسی نے اس کی تقلید کا موقعہ نہ پایا۔ ایرانی لوگ شاہ نامہ پڑھتے تو تھے مگر وہ عربی نظم کو بمقابلہ فارسی نظم کے چنداں مرغوب خیال نہ کرنے کے علاوہ فارسی نظم کے بھی اتنے دِلدادہ نہ تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عربی ادبیات کا ذخیرہ صرف ایسے علماء تک محدود تھا

جنہیں اشعارِ عربیہ سے صرف اتنا ہی تعلق تھا۔ کہ وہ کتاب و سنت کے لئے استشہاد کر سکیں اور وہ خود شعر سے زیادہ مانوس ہونا اہم خیال نہیں کرتے تھے۔

فارسی نظم کے متعلق منوچہری کا مسلک

مذکورہ بالا حالات میں عنصری کے مقلدین کے لئے رستہ صاف تھا۔ کیونکہ مخالف جماعت کا نمائندہ صرف خود فردوسی تھا۔ منوچہری ضرورت وقتی کی بنا پر اپنے استاد عنصری کا جانشین تھا۔ اس لئے وہ جماعت عنصری کا سب سے بڑا علم بردار مانا جاتا تھا۔ وہ فارسی نظم میں عربی الفاظ اور ضرب الامثال کے استعمال کا بڑا حامی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص جو عربی نظم اور عربی شعرا عربی رسم و رواج اور تاریخ عرب سے ناآشنا ہو۔ منوچہری کے کلام کی تعریف کرنا تو بجائے خود اسے اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ غالبًا اسی خیال پر مذکورہ بالا مصنّف کی وہ رائے جو صدر مضمون میں ہم نے نقل کی ہے۔ مبنی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے۔ کہ ہم منوچہری کو اس کے اپنے زمانہ کا بڑا شاعر ماننے کو تیار نہیں۔

منوچہری کے بہت سے قصیدے بلحاظ موضوع و زبان زمانۂ جاہلیت کے عربی قصیدہ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اس کے ایک قصیدہ سے چند اشعار انتخاب کرتے ہیں ؎

سَلَامٌ عَلٰی دَارِ اُمِّ الْکَوَاعِبِ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
رُسُومُ الطَّلَلِ وَالدِّیَارُ الدَّوَارِس — چو بر صدر منشور توقیع صاحب
مقامِ غوانی گرفتہ نوائح — بساطِ عنادل سپردہ عناکب
سمن زار گشتہ دیار سلاحف — چمن زار گشتہ وجار ثعالب
چو سیرِ کہ اکب بدینگونہ دیدم — براندم نجیب از مقام مصائب
شب تیرہ و باد غضبان فدفد — ہمی آمد آوازِ غول از جوانب
ہمہ راہ و بیراہ خار مغیلاں — عقابان وادی لسان عقارب
فتاد آبگینے چشم من بر قوافل — عیون غرقہ در خون والدمع ساکب

زدہ خیمہا دیدم اندر مجاری　　درخشاں چو در دیر مصباح ثاقب
زخیمہ بروں آمدہ خوبرویاں　　گرازاں چو طاؤس گرد مشارب
لب لعل ضاحک خم جعد کافر　　رخ خوب لامع سر زلف لاعب
معنبر ذوائب معقد عقائص　　مسلسل غدائر مجعل ترائب
خراماں بت من میان جواری　　چو حور بہشتی میان کواعب
ز ارواح صافی تر اندر لطائف　　ز خورشید روشن تر اندر کواکب
نگندم رحال و زمام نجیبم　　وَالْهِمْتُ بِالنَّحْرِ وَالنَّحْرُ وَاجِبْ
نگہ کردم اندر جہان لطائف　　بخبت عمیدوں فریدوں مراتب

اس قصیدہ میں مضمون ۔ سلسلۂ خیال اور زبان تمام امور میں شاعر کا میلان زیادہ تر عربی کی طرف ہے۔ عربی اس قدر نمایاں ہے ۔ کہ خواہ مخواہ یہ خیال آتا ہے ۔ کہ شاعر تکر مضمون تو عربی میں لیکن اظہار خیال فارسی میں کر رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ غزنوی دور حکومت کا کوئی شاعر زمانۂ جاہلیت میں عرب کا باشندہ ہے ۔ جن اصحاب نے ملک الشعراء امرؤ القیس کے مشہور قصیدہ سے

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيْبٍ وَمَنْزِلِ　　بِسِقْطِ اللِّوَىٰ بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

کا مطالعہ کیا ہوگا۔ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا ۔ کہ شاعر نے اسی قصیدہ کے الفاظ و معانی کو فارسی تراکیب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اِس لئے اگر خالص ایرانی مذاق کے شعراء کو منوچہری کے ان اشعار سے زیادہ دلچسپی نہ ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ مگر با ایں ہمہ ہم کہہ سکتے ہیں ۔ کہ فاضل شاعر نے اِس میں ایک گونہ جدت پیدا کر کے شعر گوئی میں ایک انوکھی راہ نکال لی ہے ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ع

ہر یکے را بہر کارے ساختند

مندرجۂ بالا قصیدہ کے علاوہ ایک دوسرا قصیدہ ہے ۔ جس میں تشبیب ۔ تخلص ۔ مدح ۔

اور مقطع وغیرہ عربی قصیدہ کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ بہترؔ شعر کا ہے۔ ہم کچھ اشعار نقل کرتے ہیں ؎

تشبیب

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل	کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل
بتبیرہ زن زدہ طبل نختیں	شتر باناں ہمی بندند محمل
نماز شام نزدیک است امشب	مہ و خورشید را بینیم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصد بالا	فرو شد آفتاب از کوہ بابل
چناں دو کفۂ سیمیں ترازو	کہ ایں کفہ شود زاں کفہ مائل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کے کوچ کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے اس طرح خطاب کرتا ہے ؎

ندانستم من اے سیمیں صنوبر	کہ گردد روز چونیں زود زائل
من و تو غافلیم و ماہ و خورشید	بریں گردون گرداں نیست غافل
نگارین منا برگرد و گری	کہ کار عاشقاں را نیست حاصل
زمانہ حال ہجر است و لابد	نہد یک روز بار خویش حامل
نگار من چو حال من چنیں دید	ببارید از مژہ باران وابل
تو گوئی پلپل سودہ بکف داشت	پراگند از کف اندر دیدہ پلپل
بیامد او فتاں خیزاں بر من	چناں مرغے کہ باشد نیم بسمل
مرا گفت اے ستمگار ابجانم	بکام حاسدم گردی تو عادل
چہ دانم من کہ باز آئی تو یا نہ	بداں گاہے کہ باز آید قوافل
دو ساعد را حمائل کرد با من	فرو آویخت از من چوں حمائل
ترا کامل ہمی دیدم بہر کار	ولیکن نیستی در عشق کامل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کو تسلی دیتا ہے۔ جو آخر کار اس کو اکیلا چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ وہ کارواں سرائے کی طرف نظر کرتا ہے۔ لیکن اسے کوئی انسان یا حیوان۔ پیادہ یا سوار دکھائی نہیں دیتا۔ صرف اس کا اپنا اونٹ ہے۔ جس کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہیں۔ اور وہ گھبرایا ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر زین کستا ہے۔ اور سوار ہو کر اسی راستہ پر جاتا ہے جدھر قافلہ والے گئے ہیں۔ وہ ایک لق ودق ریگستان میں سے گذرتا ہے۔ جس میں انتہا درجہ کی سردی ہے۔ اور بہت سرد ہوا چلتی ہے۔ جو خون تک منجمد کر دیتی ہے۔ سنہری ریت پر روپہلی برف کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور سورج کی گرمی سے برف پگھلنا شروع ہوتی ہے۔ اس کے اونٹ کے پاؤں میں کیچڑ کسی لیسدار مادہ کی طرح چپٹ جاتا ہے۔ آخر وہ افتاں وخیزاں قافلہ کو جا پاتا ہے۔ جو میدان میں خیمے لگائے پڑا ہے۔ وہ دُور ہی سے اونٹوں کی گھنٹی کی آواز سنتا ہے۔ جو اس کو ببل کے راگ سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے +

گریز اس کے بعد کہتا ہے ؎

نجیب خویش را گفتم سبک تر	الا یا دستگیر مرد فاضل
بجنبان پا و بگذر زین مراحل	بجم کت آہنیں بادا مفاصل
بیاباں در نورد و کوہ بگذار	منازلہا بکوب و راہ بگسل
فرود آور بدرگاہ وزیرم	فرود آوردن اعشیٰ بہ بابل
بعالی درگہِ دستورِ کو راست	معالی از اعالی وز اسافل

. . . .

. . . .

مدیح

ہمی نازو بعہدش میر مسعود	چو پیغمبر بنوشروان عادل
درآید پیشِ او بدرہ چو قاروں	درآید پیشِ او سائل چو عائل
شود از پیشِ او سائل چو بدرہ	رود از پیشِ او بدرہ چو سائل

آخر میں ہم اس قصیدہ کے آخری سات شعر نقل کرتے ہیں - جن میں شاعر اپنے ممدوح کے جود و سخا کا ذکر کرتا ہے - اور اسے دعا دیتا ہے - جس کو اصطلاحِ شعراء میں حسن طلب کہتے ہیں یعنی شاعر ممدوح سے ایک لطیف پیرایہ میں حصول مطلب کے لئے التماس کرتا ہے۔ قصیدہ کے آخری تین اشعار میں حسن مقطع بھی پایا جاتا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدہ کسی ایسی بات پر ختم ہو جو بہت دلکش اور مُوثّر ہو تاکہ سامع اخیر میں اُکتا نہ جائے اور اگر نظم میں کوئی عیب یا غلطی واقع ہو گئی ہو تو آخر میں اس کی تلافی ہو جائے ؎

حسن طلب

خداوندا من اینجا آمدستم	بامید تو و امیدِ مفضل
افاضل نزدِ تو نازند هموار	که زی فاضل بود قصد افاضل
گرم مرزوق فرمائی بخدمت	همان گویم که اعشی گفت و عبل
وگر از خدمتت محروم مانذم	بسوزم کلک و بشگافم انامل

مقطع

الا تا بانگ دُرّاج است و قمری	الا تا نام سیمرغ است و طغرل
تنت پاینده بادو چشم روشن	دلت پاکیزه بادو بخت مقبل
دہادا ایزد مرا در نظم شعرت	دل بشّار و طبع ابن مقبل

اس قصیدہ میں شروع سے آخر تک عربی عنصر تقریبًا ہر شعر میں پایا جاتا ہے - اور شاعر عربی رسوم و رواج کا ذکر کرنے کے علاوہ عربی شعراء کو بھی یاد کرتا ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی حد تک ان کے حالات سے باخبر ہے ؛

قبلہ والد صاحب بزرگوار مدظلہٗ نے ایک نعتیہ قصیدہ منوچہری کے اسی قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا - جس کی تشبیب کے چند اشعار ہم مضمون ختم کرنے کے بعد ہدیۂ ناظرین کریں گے ؛

منوچہری کے کلام پر عربی شاعری کا اثر

درحقیقت عربی شعراء ہی کو منوچہری کے اساتذۂ رہبر خیال کرنا چاہیئے - جن سے وہ لفظًا و معنًی استفادہ کرتا ہے - اور جن کے نقش قدم پر چلنے کا گرویدہ ہے - چنانچہ وہ ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

چوں من نزا مدحت کنم گویم کہ خود اعشیٰ منم
از بسکہ اندر دا منم از چرخ بارد قافیہ

وہ وہی وزن شعری استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جو عربی شعراء نے کیا ہے

بر آں وزن ایں شعر گفتم کہ گفت است — ابو شیص اعرابیٔ باستانی

اور اسی قافیہ وردیف کا شائق ہے ہے

بزیر و بم شعر اعشیٰ و قیس — زنندہ ہمی زد بغنا بہا
وَكَأْسٍ شَرِبْتُ عَلَى لَذَّةٍ — وَأُخْرَى تَدَاوَيْتُ مِنْهَا بِهَا
لِكَيْ يَعْلَمَ النَّاسُ أَنِّي امْرُؤٌ — أَخَذْتُ الْمَعِيشَةَ مِنْ بَابِهَا

ایک اور قصیدہ عربی شاعر ابوشیص کے اس قصیدہ کے قافیہ وردیف میں ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ہے

سَأَلْقَاكِ وَاللَّيْلُ مُلْقِي الْجِرَانِ — غرابٌ ينوحُ على غُصْنِ بانِ

منوچہری کہتا ہے ہے

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی — چو آشفتہ بازار بازارگانی

وہ پھر عربی شعراء کو یاد کرتا ہے ہے

رسیدم بنزدیک تو شعر گویاں — چو نزدیک ہاروں صریع الغوانی
بامید آں تا کنم خدمت تو — رہا گردم از محنت ایں جہانی
شنیدم کہ اعشیٰ بشہر یمن شد — سوی سودۃ بن علی الیمانی
بر و خواند شعرے بالفاظ تازی — بشیریں معانی و شیریں زبانی
یکے کارواں اشتر گشن دادش — ہر اشتر لبان کہے از کلانی
شنیدم کہ سوئے خطیب ملک شد — بمدحتگری بو نواس بن ہانی
بیک ساعت اوگم دہانش بیاگند — بیاقوت و بیجادۂ بہرمانی

علی بن براہیم از شہر موصل — بیاید بہ بغداد از شعر خوانی
بداد ش ہمانگاہ رشید خلیفہ — بو اصل دو سہ بدرہ از زر کانی
سوئے تاج عمرانیاں ہم بدینساں — بیاید منوچہری دامغانی

وہ عربی شعراء کا ذکر صرف اس غرض سے کرتا ہے۔ کہ اپنے ممدوح کو یاد دلائے کہ انہیں اپنے ممدوحین کی مدح کا کیا صلہ ملتا رہا۔ شروع سے آخر قصیدہ تک عربی شعراء کے ناموں کی بھرمار ہے۔ تاکہ وہ اپنے ممدوح کو بھی ان ممدوحین کی سی فراخ حوصلگی کی طرف توجہ دلائے ؛

اسی طرح ایک اور قصیدہ (جس کے ایک دو شعر ہم اوپر نقل کر چکے ہیں) ابن المعتز کے ایک قصیدہ کے ردیف و قافیہ میں کہا گیا ہے۔ جس کا پہلا مصرع یہ ہے ؎

وَ نَحْنُ بَنُو الْعِلْمِ اَوْلٰی بِھَا

منوچہری نے ضمیر (ھا) پر بہت عمدہ گرہ لگائی ہے ؎

چو از زلف شب باز شد تابہا — فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرمائے سخت — بپوشیدہ بر کوہ سنجابہا
بمیخوارگاں ساقی آواز داد — فگندہ بزلف اندروں تابہا
ببانگ نخستیں ازیں باب خوش — بجستیم ما ہمچو طبطابہا
منجم بہ بام آمد از نور مے — گرفت ارتفاع سطرلابہا

وہ عربی شعر و شعراء کا اس قدر دلدادہ تھا۔ کہ وہ ان کی تقلید میں شعر کہنے سے کبھی سیر نہ ہوا ؎

از میان خانہ کعبہ فرو آویختند — شعر نیکو را بزریں سلسلہ پیش عزیٰ
امرؤ القیس و لبید و اخطل و اعشیٰ قیس — بر طللہا نوحہ کردندے و بر رسم تلیٰ
ما ہمہ بر نظم و شعر و قافیہ نوحہ کنیم — نہ بر اطلال و دیار و نہ وحوش و نہ ظبی
بو نواس و بو حداد و بو ملیک ابن البشر — بو دوید و بو درید و ابن احمد یا فتیٰ
آنکہ گفت است اِذْ تنتنا و آنکہ گفت الذ انتینی — آنکہ گفت السَّیْفُ اَصْدَقُ و آنکہ گفت اَبْلی الْھوی

بوالعلاء و بوالعباس و بوسلیک و بوالمثل　　وانکہ آمد از لوائح و آنکہ آمد از ہری

گر مدیح و آفرین شاعراں بودے دروغ　　شعر حسانؓ بن ثابت کے شنیدے مصطفیٰ

بر لب و دندان آں شاعر کہ نامش بالغہ　　کے دعا کردے رسولؐ ہاشمی خیر الوریٰ

شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد　　جعفر و سعد و سعید و سیّد اُمّ القریٰ

ور عطا دادن بشعر شاعراں بودے فسوس　　احمد مرسل ندادے کعب را ہدیہ ردیٰ

منوچہری کے کلام میں عربی اثر

چونکہ منوچہری کا دیوان شروع سے آخر تک عربی نظم وشعراء اور عربی الفاظ و محاورات سے پُر ہے اور اس میں تاریخ عرب اور عربی رسوم و رواج کی طرف جابجا اشارے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بے محل نہ ہوگا۔ اگر ہم اِن تمام چیدہ چیدہ امور کی ایک مختصر فہرست اس جگہ دیں :-

پہلا نمبر قصیدہ کا اور دوسرا شعر کا ہے ؎

۳ - ۹　بزیر و بم شعر اعشیٰ و قیس　　زنندہ ہمی زولبنا بہا

۱۰-　وَكَأْسٍ شَرِبْتُ عَلَى لَذَّةٍ　　وَاُخْرىٰ تَدَاوَيْتُ مِنْهَا بِهَا

۱۱-　لِكَيْ يَعْلَمَ النَّاسُ اَنِّي امْرُؤٌ　　اَخَذْتُ الْمَعِيْشَةَ مِنْ بَابِهَا

۱　سَلَامٌ عَلىٰ دَارِ اُمِّ الْكَوَاعِبِ　　بتان سیہ چشم عنبر ذوائب

۵ - ۲　رُسُوْمُ الطَّلَلِ وَالدِّيَارُ الدَّوَارِسُ　　چو بر صدر منشور توقیع صاحب

۲۷　نگندم رحال و زمام نجیبم　　وَاَلْهِمْتُ بِالنَّحْرِ وَالنَّحْرُ وَاجِبٌ

۲۹　شدم از صحاری من اندر عماری　　وَقَدْ صِرْتُ حَقًّا سَعِيْدَ الْعَوَاقِبِ

۴۳　بداں وقت کز آبہا گرد خیزد　　وَضَاقَتْ مَيَادِيْنُ جَمْعَ الْكَتَائِبِ

۴۶　تو چوں جبرئیل اندر آئی زبالا　　کنی حملہ بر خصم مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

۷　۱　اَلْمِنَّةُ لِلّٰهِ کہ ایں ماہ خزاں ہست　　ماہ شدن و آمدن راہ رزان است

۱۱　۱۲-　کبک دری کوس وار کرد قِفَانَبْكِ باد　　باغ پُر از حجلہ شد راغ پُر از حلّہ شد

۲۹ - ۳		همی راندم نجیب خویش چوں باد	همی گفتم که اللّهمّ سهّل
	۶۵	یکے شعر تو شاعر تر ز حسّاں	یکے لفظ تو کامل تر ز کامل
	۶۸	گرم مرزوق فرمائی بخدمت	همی گویم که اعشیٰ گفت و دعبل
	۷۲	دهاد ایزد مرا در نظم شعرت	دلِ بشّار و طبع ابن مقبل
۳۱	۷۰	علی بن عبیداللّٰه صادق	رفیع الشان امیرِ صادق الظّن
	۷۱	جمالِ مملکتِ ایران و توراں	مبارک سایۂ ذی الطّول و المن
۳۳	۲۷	کو جریر و کو فرزدق کو زهیر و کو لبید	رؤبه و عجّاج و دیک الجن و سیف ذویزن
	۲۸	کو خطیب و کو امیّه کو خطیه کو کمیت	اخطل و بشّارِ برد آں شاعرِ اهلِ یمن
	۳۱	ابن هانی ابن رومی ابنِ معتز ابن قیص	و عبل و بوشیص و آں فاضل که بود اندر قرن
	۳۳	واں دو امرؤ القیس و آں دو طرفه و دو نابغه	واں دو حسّان و سه اعشیٰ واں سه حمّاد و زن
	۳۶	تا براں آثارِ شعر خویشتن گریند باز	نه بر آثارِ دیار و در رسمِ الطلال و دمن
۳۵	۳۶	من بسے دیوانِ شعرِ تازیاں دارم ز بر	تو ندانی خواند الا هبّی بصحنک فاصبحین
۴۰	۱	نوروز برنگاشت بصحرا بمشک و مے	تمثالهائے عزّه و تصویرهائے مے
	۱۸	با نظم ابن رومی و با نشرِ اصمعی	با شرحِ ابن جنّی و با نحو سیبوے
	۱۹	با نکتۂ معتبی و با دانش مطیع	با خاطرِ مبرّد و اغراق لفظ وے
	۲۰	با خطِّ ابن مقله و با حکمتِ ظهیر	با حفظ ابن معتز و با صحبتِ ابے
۴۷	۱۶	بادرین صناعتِ مانی کند همی	مرغِ حزیں روایتِ معبد کند همی
۴۸	۲۸	کثیر الثواب و قلیل العقاب	ثقیلُ الرّکاب و خفیفُ العنان
	۴۵	رسیدم نبزدیکِ تو شعر گویاں	چو نزدیکِ هاروں صریع الغوانی
	۴۷	شنیدم که اعشیٰ بشهر یمن شد	سوی سودة بن علی الیمانی
	۵۰	شنیدم که سوئے خطیبِ ملک شد	بدستگری بو نواس بن هانی

۵۲ علی بن براہیم از شہر موصل — بیامد بہ بغداد در شعر خوانی

۶۵ بدان وزن این شعر گفتم کہ گفت است — ابو شیص اعرابیٔ باستانی

۶۶ ساقیلُ واللیلُ ملقی الجِرانِ — غرابٌ ینوحُ علی غُصنِ بانِ

اہ ۳۰ ایا کریم زمانہ علیك عین اللّٰہ — توئی کہ چشمۂ خورشید ابنورِ ضوی

۵ہ ۳ گل زرد و گل خیری و بید و باد شبگیری — ز فردوس آمدند امروز سُبحانَ الّذی اَسریٰ

۶ یکے چوں عاشق بیدل دوم چوں جعد معشوقہ — سیم چوں مژۂ مجنوں چہارم چوں لب لیلےٰ

۸ یکے مقصورۂ غائب دو دیگر ماجد اعقل — سہ دیگر مخلصِ اخطل چہارم مقطع اعشےٰ

۹ زبان و اقحوان و ارغوان و ضمیرانِ اُو — جہاں گشت است از خوشی لسان لات و العزیٰ

۱۱ نوائے قمری و طوطی کہ بار دُست مے بر سر — نشید بلبل و صلصل قِفَانَبْكِ وَمِنْ ذِكرٰی

۱۶ یکے ہمچوں جمیل آمد دوم مانند بی شیعہ — سہ دیگر چوں جریر آمد چہارم چوں اُمِ اوفیٰ

۱۸ یکے چوں دیدۂ یعقوب و دیگر چوں رُخِ یوسف — سہ دیگر چوں دلِ فرعوں چہارم چوں کف موسیٰ

۲۴ یکے ماءِ معین آمد دگر عین الیقین آمد — سیم حبل المتین آمد چہارم عروۃ الوثقیٰ

۲۶ یکے چوں چشمۂ زمزم دوم چوں زہرۂ ازہر — سیم چوں جنگ بوالحارث چہارم دست بو یحییٰ

۳۰ یکے بتخانۂ آذر دوم بُت خانۂ مشکو — سہ دیگر جنت العدن و چہارم جنت المأویٰ

۳۲ یکے چوں بشر بوآدم دوم چوں عمرو بو یحیےٰ — سیم چوں عیسیٰ بن ہمداں چہارم نہشل جریٰ

۳۵ بزیرِ گل زند چنگے بزیر سرو بن نائے — بزیر یاسمیں عروہ بزیر نسترن سلمیٰ

۳۸ یکے یعقوب بن اسحٰق و دیگر یوسفِ چاہی — سیم ایوّب پیغمبر چہارم یونس متیٰ

۵۹ ۳۱ رزباں رابدوا بروے برافتاد گرہ — گفت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

۶۳ ۳ بادہ فراز آورید چارۂ بیچارگاں — قُومُوا شْرَبُوا الصَّبُوحَ یَا اَیُّھَا النَّائِمِیْنَ

۶۴ ۱ نبیند پیشِ من آمد بشادیٔ برکہ — بخندہ گفتم طُوبیٰ لِمَنْ یریٰ عکّہ

اسی بنا پر منوچہری اپنی وسیع عربی دانی پر بدیں الفاظ فخر کرتا ہے ؎

من بسے دیوانِ شعرِ تازیاں دارم زبر　　　　تو ندانی خواند الا ھُبی بِصَحنِکَ فَاصبَحِین

یہی وجہ ہے۔ کہ بعض مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ منوچہری کا کلام بوجہ تلمیحات کے غزنوی دورِ حکومت کے تمام دیگر شعراء کے کلام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ ہم اور انتخاب پیش کرتے مگر طوالت کے اندیشہ سے اسی پر اکتفا کرنا مناسب خیال کیا ؛

حاکم وقت کا طبعی حق

دربار غزنی کے تمام شعراء اپنے ممدوح کے مناقب بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور منوچہری ان کا لیڈر تھا۔ پروفیسر براؤن کا خیال ہے۔ کہ عنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ منوچہری۔ اور دیگر شعراء غزنوی کے قصائد اتنے ہی بناوٹی اور دُور از قیاس تشبیہات سے پُر ہیں۔ جتنے دربار سلاجقہ یا بعد کے شعراء کے قصائد۔ تاہم متقدمین کے اشعار بالعموم سادہ قدرتی خیالات اور آمد سے متصف ہیں ؛

درحقیقت مشرقی شاعری میں عام طور پر ان قصائد کو بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ جن میں ممدوح کو ان اوصاف کا قدرتی حقدار مانا جائے۔ جن سے وہ اتفاقیہ طور پر متصف ہو۔ غالباً کسی ایرانی شاعر نے اس امر پر منوچہری سے بڑھ کر زور نہیں دیا۔ اس کے قصائد بڑے بڑے مبالغات اور خوشامدانہ مضامین سے پُر ہیں۔ جو غلو کی حد تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ ممدوح کو یوں خطاب کرتا ہے ؎

ایں جہاں کرد برائے تو خداوندِ جہاں　　　　واں جہاں نیز بہ یقینم کہ برائے تو کند

ہمہ عدل است ہمہ حکمت و انصافِ تمام　　　　ہرچہ از فضل و کرم با تو خدائے تو کند

نتواند کہ جزائے تو کند خلق بخیر　　　　ملک العرش تواند کہ جزائے تو کند

ایک اور جگہ ممدوح کے بارہ میں کہتا ہے ؎

مسعود ملک آنکہ نبودست و نباشد　　　　از مملکتش ابدالدھر جدائی

ایں مملکت خسرو ز تائید سماوی است　　　　باطل نشود تا ھرگز تائید سمائی

ایزد ہمہ آفاق با و داد و بحق داد　　　　ناحق نبود آنچہ بود کارِ خدائی

ایک قصیدہ میں بدیں الفاظ مخاطب کرتا ہے ؎

اے مہر جہاں ایزد بسپرد بتو گیہاں — گیہاں بہ ستمگارے دانم کہ نہ بسپاری

این ملکت مشرق را وین ملکت مغرب را — آرے تو سزاواری آرے تو سزاواری

ایک جگہ تمام دنیا کو اس کے پاؤں کی خاک کے برابر بنا دیتا ہے ؎

اے ملک ایزد جہاں برائے تو کردست — ما ہمہ را از پئے ہوائے تو کرد است

ہر چہ بکرد اے ملک سزائے تو کرد است — نیکو کارے کہ او بجائے تو کرد است

عالم را خاکِ کفِ پائے تو کرد است — عزّ و جل ایزدِ ہمین متعال

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

این ولایت شدن حکم فدا لیست ترا — نبود چون و چرا کس را الحکم اللہ

ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح کی مدح کو قرآن مجید کے برابر درجہ دیا ہے ؎

گر پیمبر زندہ بودے بر لسانِ جبرئیل — آمدے در شانِ جود ش آیت از عرشِ خدائے

وہ اپنے ممدوح کو کسی پیغمبر سے بھی برتر خیال کرتا ہے ؎

گر کسے گوید کہ در گیتی کسے برسان اوست — گر جہاں پیغمبرے باشد بود با فہ را اے

اس کے خیال کے مطابق دونوں جہان میں اس کے ممدوح کا کوئی ہمسر نہیں ؎

بروئے پاک ورائے نیک وفعل خوب کار خوش — نظیر او ندانم کس چہ در دُنیا چہ در عقبیٰ

ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کرنے کے علاوہ حسن طلب اور دعا کے مقام پر اس سے بھی بڑھ کر غلو سے کام لیا گیا ہے۔ اور ممدوح کی درازیٔ عمر اور برقراریٔ تخت و ملک کے لئے بالکل نئے نئے طریقوں سے دُعا کرتا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

ہمی تا بر زند آواز بلبلہا بہ بُستانہا — ہمی تا بر زند قاقوس خنیاگر بہ مزمرہا

بہ پیروزی و بہروزی ہمی زی باد لافروزی — بدولتہائے ملک انگیز و تخت آویز اخترہا

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

ہمی تا کہ خورشید رخشان بر آید — کند جانور قصد سوئے مکاسب

مبادا ولایت زتختِ تو خالی   مبادا سعادت زپیشِ تو غائب

یا مثلاً ؎ تا بزم و بر زیر نوائے گل نوش است   تا برگل بر باز خروش و رشانست

عمر و تنِ اورا نہ قیاس و نہ کراں باد   چوں فضل و تنش را نہ قیاس و نہ کرانست

باد ابر بہار اندر چندانکہ بہار است   باد ابہ خزاں اندر چندانکہ خزانست

یا مثلاً ؎ ملکا برخور و کامرانی مے کن   ہرگز ایں مملکت و دولت یغما زود

اور ؎ شادیانہ بزی اے سپہر گردندہ فلک   ایں جہاں زر نگین خلفائے تو کند

ملک عرش چو برخیزی ہر روز ثنائے   ہمہ بر عمر و تن و جان و بقائے تو کند

یا جیسے ؎ تا گلِ خیری بود چو روئے معصفر   تا تنِ سنبل بود چو زلفِ مجعّد

تا بچہ در رنگ در میانہ کہسار   تا بچہ گور در میانۂ فدفد

باش ہمیشہ ندیم بختِ مساعد   باش ہمیشہ قرینِ ملکِ مؤیّد

لبت بمے کف بجام و گوش بہ بربط   دلت قوی تن جوان و روئے مورّد

اور ؎

تا طرب و مطرب است مشرق با مغرب است   تا یمن و یثرب است و آمل و استارباد

بنشیں خورشید وار مے خور جمشید وار   فرخ و امیدوار چوں پسرِ کیقباد

اور ؎ تا موحّد را دل اندر معرفت روشن شود   تا منجّم را دو چشم اندر فلک ناظر بود

طالع مسعود پیشِ بختِ تو طالع شود   طائرِ میموں فرازِ فرقِ تو طائر بود

یا مثلاً ؎ تا ہمی باد بہاری باغ را رنگیں کند   تا ہمی ابرِ بہاری راغ را برنا کند

قدر تو بیشی کند کردارِ تو بیشی کند   بختِ تو خوبی کند گفتارِ تو والا کند

اور ؎ یا رب ہزار سال ملک را بقا دہی   در عز و در سلامت و در یمن و در یسار

الغرض مزید انتخاب باعثِ طوالت ہے۔ قریباً ہر ایک قصیدہ کا یہی حال ہے ؎

(باقی دارد)

جوابِ استفسارِ ادبی

اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۱ر جولائی ۳۷ء میں ادبی استفسار کے عنوان سے کسی صاحب نے افتخار الشعرا عالیجناب مولوی عبدالباری صاحب آسی کے شعرِ ذیل کی نسبت ؎

پائی ہے حیاتِ شمع ہم سوختہ جانوں نے — ظاہر میں اقامت ہے باطن میں روانی ہے

جو لکھنؤ کے دریائی مشاعرہ میں پڑھا گیا تھا۔ سوال کیا ہے کہ شمع کا عین تقطیع سے خارج ہے۔ اسکے جواز کی کیا صورت ہوگی ؛

اس سوال کا جواب معلی القاب عالیجناب نواب مرزا جعفر حسین صاحب المعروف بہ نواب پیارے صاحب آف شیش محل لکھنؤ اور خود جناب آسی صاحب نے لکھا ہے جو اخبار حقیقت مورخہ ۲۷ر جولائی اور ۲۹ر جولائی میں چھپا ہے۔ عالیجناب نواب صاحب موصوف اس کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں :۔

"یہ شعر جناب آسی کا بحر ہزج مثمن اخرب مسبّغ میں ہے، اور وزن مصرعہ اُولی کا مفعولُ مفاعیلان مفعولُ مفاعیلن ہے۔ صدر و ابتدا۔ اور رکن سوم و ہفتم میں خرب واقع ہوا ہے۔ اور رکن دوم مصرعہ اولی مسبّغ ہے۔ باقی رہا عروض اور مصرعہ ثانیہ کا حشو اول و ضرب (عجز) یہ سب سالم ہیں" ؛

اہل فن خرب و تسبیغ درمیانی کے مخالف ہیں۔ اس لئے یہ وزن اور یہ نام بحران کے مسلمات کی بنا پر صحیح ہونا چاہیئے۔ گو میں ان کی اس رائے سے بہمہ وجوہ موافق نہیں۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔ بجز مواقع خاص خرب و تسبیغ درمیانی کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ ان اساتذہ کے اس دعوی کے اثبات کے لئے بعض تشریحات و مصطلحات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے ؛

بیان خرب

خرم میرے دُور کے رشتہ دار اور ہموطن جناب سید غلام حسنین صاحب قدر بلگرامی اعلی اللہ مقامہٗ

اپنی قابل قدر کتاب **قواعد العروض** کے صفحات ۴۵ - ۴۶ میں خرم کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں:-

یہ زحاف خرم صدر وابتدا میں واقع ہوتا ہے، علی الخصوص صدر میں۔ نصیر الملۃ والدین عالیجناب **محقق طوسی** علیہ الرحمۃ والغفران اپنی کتاب معیار الاشعار میں اس زحاف کو ان زحافات میں شامل کرتے ہیں۔ جو اوائل مصاریع سے خاص ہیں (مگر **اخفش** اس زحاف کا صرف ہر جگہ جائز جانتا ہے) جناب قدر محقق طوسی سے اس لئے موافق ہیں۔ کہ وہ حضرت **خلیل** علیہ الرحمۃ کے ہمزبان ہیں۔ جو موجد فن عروض ہیں ؂

تعریف خرم۔ اس کا شمار زحافات مفردہ میں ہے۔ جو وتد مجموع کہ کسی رکن کے اول میں واقع ہو اور وہ رکن صدر یا ابتداء میں بھی ہو اس وتد مجموع کے متحرک اول کے حذف کرنے کا نام خرم ہے۔ اگر یہ عمل رکن خماسی میں ہو تو ثلم اور سباعی میں ہو تو اسے خرم کہتے ہیں۔ رکن اعضب و اثرم و موفور کا ذکر اس محل پر طول لاطائل ہوگا ؂

خرب جناب قدر فرماتے ہیں۔ کہ یہ زحاف اجتماع خرم وکف سے بنتا ہے۔ جب صدر یا صدر وابتداء دونوں میں کوئی ایسا رکن واقع ہو جس کے اول میں وتد مجموع اور بعدہ دو سبب خفیف ہوں (ایسا رکن صرف مفاعیلن ہے) تو مفاعیلن کے میم کو بوسیلۂ خرم اور حرف ہفتم نون کو بذریعہ کفّ حذف کرنے کا نام خرب ہے۔ اس عمل سے مفاعیلن سے فاعیلُ باقی رہتا ہے۔ اس کو مفعولُ سے بدل لیتے ہیں۔ اگر اس عمل والا رکن درمیان مصرع میں واقع ہو تو اس کی ترکیب خرم وکف سے نہیں مانتے بلکہ دو کف کے درمیان تخنیق جانتے ہیں۔ یعنی دونوں مفاعیلن مفاعیلن حشوی سے دونوں نون بذریعہ عمل کف حذف کرتے ہیں تو مفاعیلُ مفاعیلُ رہ جاتا ہے۔ اب (ل - م - ف) تین متحرک متوالی ہو گئے۔ لہٰذا مفاعیلُ مفاعیلُ عمل تخنیق سے مفاعیلمُ فاعیلُ ہو جاتا ہے۔ جو برابر وزن مانوس مفاعیلن مفعولُ کے ہے (قواعد العروض صفحہ ۵۲) ؂

ان تعریفات سے ظاہر ہے کہ خرب صدر وابتدا سے خاص ہے۔ پھر اس شعر جناب آسی کے رکن سوم و ہفتم کو (یعنی مفعول کو) اخرب کیسے مانیں۔ جناب قدر اپنی کتاب قواعد العروض صفحہ ۱۲۵

بیان ضرب مشتم بحر ہزج میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

جو لوگ وزن مفعولُ مفاعیلن۔ مفعولُ مفاعیلن میں حشو دوم کے مفعولُ کو بھی اخرب مانتے ہیں۔ وہ سخت مغالطہ میں ہیں۔ کیونکہ خرب در اصل خرم ہے اور خرم اوائل مصاریع سے خاص ہے کما قال النصیر فی المعیار۔" اما آنچہ باوائل مصاریع خاص بود اسقاط متحرک اول باشد از وتد مجموع کہ آنرا خرم خوانند"۔ (صفحہ ۱۲۶ قواعد العروض)

جو عروضی کہ خرب درمیانی کو بہ تتبع خلیل ومحقق ناجائز مانتے ہیں وہ ہر ایسے رکن کو تاویل ذیل بنا لیتے ہیں۔ بطور مثال شعر شیخ شیراز علیہ الرحمۃ ؎

گل در چمن نباشد ہمرنگ روئے او بلبل بگل مباہی۔ عاشق ببوے او

یہ شعر بحر مضارع مثمن کا ہے۔ وزن سالم اس بحر کا مفاعیلن فاع لاتن چار بار ہے۔ اور شعر مذکور شمس الدین فقیر کے نزدیک بحر مضارع اخرب مقصور میں بروزن مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاعلن ہے یعنی رکن اول وسوم اخرب۔ دوم سالم اور چہارم مقصور ہے۔ لیکن مدققین اس وزن میں صدر وابتدا اخرب اور ارکان اواسط یعنی حشووں کو مکفوف مخبق یا مسکن اور رکن چہارم کو مقصور مانتے ہیں۔ لہذا ان کے خیال کے موافق اصل وزن مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلن تھا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب تین متحرک متوالی مصرع کے ایک رکن میں یا دو رکنوں کے اتصال سے پیدا ہو جائیں تو متحرک وسطی کو از روئے تخبیق یا تسکین شاعر کو ساکن کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اس محل پر ہر دو حشو کے درمیان تاے قرشت فاع لاتُ اور میم اور ف مفاعیلُ کے متحرک متوالی ہیں۔ لہذا زحاف تخبیق یا تسکین سے میم درمیانی کو ساکن کیا تو وزن فاع لاتم فاعیلُ ہوگیا جس کا وزن مانوس فاعلاتن مفعولُ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وزن تو وہی ہوگیا۔ مگر ترکیب کے غیر ہونے کی وجہ سے خرب درمیانی کا محذور رفع ہوگیا ؛

دفع دخل یا حفظ ماتقدم

عروضیوں نے ہزار ہا اوزان رباعی میں سے چوبیس اوزان خوش آئند کو منتخب کیا۔ اور خواجہ

حسن قطان خراسانی نے بارہ اوزان کو جو مفعولُ سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو دائرہ اخرب میں۔
اور جو بارہ مفعولن سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو اخرم میں داخل کر کے دائرۂ اخرب و دائرۂ اخرم نام
رکھا۔ جناب قدؔر ان کے اس فعل کو سخت سہوا ور مغالطہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حقیقتہً
صدر دونوں دائروں کے اخرب ہیں کیونکہ دونوں دائروں کے صدر کے بعد رکن مکفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اسلئے صدر کے
ساتھ تخبیق ہو کر خرم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ جب رکن مکفوف کے ساتھ تخبیق ہوتی ہے تو رکن ثانی
مفعول بن جاتا ہے۔ اس رکن مجبق کو لوگ اخرب مانتے ہیں۔ حالانکہ خرب درمیانی اصولاً خلاف ہے
اور جب رکن مقبوض کے ساتھ تخبیق ہو تو اس کو شتر جانتے ہیں۔ مگر شتر بھی ترکیب خرم کی وجہ سے درمیان
مصرع میں نہیں آسکتا۔ اسی خرب و شتر کے دھوکے میں لوگ صدر و ابتدا کو اخرم کہتے ہیں۔ چونکہ
خرب و شتر درمیان مصرع میں نہیں آستے لہذا یوں ماننا چاہیئے۔ کہ رکن آغاز مصرع اور رکن مابعد میں
تخبیق ہوئی ہے۔ اسی سبب سے جناب قدؔر مفعول والے دائرہ کو **شجرۂ اخرب غیر مجبق** سے تعبیر
کرتے ہیں۔ اور مفعولن والے دائرہ کا نام **شجرہ اخرب مجبق** رکھتے ہیں۔ بنابریں مصرعہ **جامی** ؎
چوں گفتم باگل زجمالت سخنے۔ کا جو وزن مفعولن مفعولُ مفاعیلُ فعل ہے۔ جناب قدر کے نزدیک
اس کا صدر اخرب ہے۔ اور حشو اول مکفوف مجبق۔ اور حشو دوم صرف مکفوف اور عروض
مجبوب ہے ؛

اصل وزن رکن اول و دوم کا مفاعیلن مفاعیلن تھا۔ رکن اول میں زحاف خرب لانے
سے مفاعیلن۔ مفعولُ ہو گیا۔ اور دوسرے رکن مفاعیلن میں کف کرنے سے مفاعیلُ بن گیا۔ اب
مفعولُ مفاعیلُ کے درمیان ل۔ م۔ ف۔ تین متحرک متوالی پائے گئے۔ لہذا بیچ کے متحرک
میم کو عمل تخبیق سے ساکن کیا تو مفعولم فاعیلُ ہو گیا۔ اس کو وزن مانوس مفعولن مفعولُ
سے بدل لیا ؛

فرق تسکین و تخبیق

تسکین اپنا عمل ہر تین متحرک متوالی میں کرتا ہے۔ چاہے وہ تین متحرک متوالی ایک رکن میں

واقع ہوں۔ جیسے مُتَفاعلن سے مستفعلن۔ اور مفتعلن سے مفعولن بعمل تسکین ہو جاتے ہیں۔ یا وہ
تین متحرک متوالی دو رکنوں کے ملنے سے پیدا ہوں۔ مگر تخبیق ایسے دو رکنوں میں عمل کرتا ہے
کہ رکن اول کا حرف آخر متحرک ہو اور دوسرے رکن کے اول میں وتد مجموع ہو۔ جب اس طرح
تین متحرک متوالی پائے جائیں تو وتد کے پہلے حرف کے ساکن کرنے کا نام تخنیق ہے۔ گویا ان دونو
میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے ؛

بیان تسبیغ

قواعد العروض صفحہ ۱۲۶ بیان بحر ہزج میں دیوان حضرت عرفی علیہ الرحمۃ سے یہ شعر ؎

ہوشم بنگاہے بردہ جانانہ چنین باید   یک جرعہ خرابم کرد پیمانہ چنین باید

نقل کر کے جناب قدر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ لوگ اس بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مسبّغ بلا قید نون غنہ
رکھتے ہیں۔ بروزن مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن۔ مگر یہ نام صحیح نہیں۔ کیونکہ حشو میں زحاف
تسبیغ خلاف اصول ہے۔ چنانچہ خواجہ نصیر اپنی کتاب معیار الاشعار میں تحریر فرماتے ہیں

اما تغییر بزیادت کہ خاص بود بہ اواخر مصاریع وآن دو نوع بود اول حرفے ساکن قبل
حرفِ آخر در آخر مصاریع زیادہ کنند اگر در آخر رکن سببے خفیف بود و آنرا تسبیغ خوانند وآن
رکن مزاحف را مسبغ نامند ؛

جب زحاف تسبیغ عروض وضرب سے خاص ہے تو رکن ثانی یعنی حشو میں تسبیغ کا ہونا خلاف
مسلمات ٹھہرا۔ جناب قدر تسبیغ وازالہ وخرب درمیانی کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہر ایسے
محل پر حتی الامکان ان کو تاویل کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے چنانچہ شعر مذکور عرفی کا وزن بجائے
مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن ؛ مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن جناب قدر تجویز فرماتے
ہیں اور بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مکفوف بتاتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد کرتے ہیں" دیکھیئے کہ تسبیغ و
خرب درمیانی کا جھگڑا کیسا صاف ہو گیا" کف درمیانی کو کوئی مانع نہیں۔ پہلی صورت میں بھی تو

خرب درمیانی ماننے سے کف درمیان میں آتا تھا۔ کیونکہ خرب خرم اور کف سے مرکب ہے۔ اس بیان کے بعد جناب آسی کے شعر کے پہلے مصرع کا وزن مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن حسب تجویز جناب قدرؔ قرار پاتا ہے ؎

عالیجناب پیارے نواب صاحب آف شیش محل لکھنؤ جناب آسی کے شعر کے مصرع اول کا وزن جناب شمس الدین فقیر دہلوی کی رائے کے موافق مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن تجویز فرماتے ہیں۔ جس میں تسبیغ وخرب درمیانی کا جھگڑا آ پڑتا ہے۔ اس وزن کے تجویز کرنے کے بعد جناب نواب صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

اب صرف یہ ثابت کرنا باقی رہا کہ اس عین کا اضافہ اصولاً جائز ہے یا ناجائز اور حرف متحرک بھی موزون میں بجائے حرف ساکن وزن آسکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال سے ظاہر ہے۔ کہ نواب صاحب اردو و فارسی میں بھی شمع کے عین کو متحرک تجویز فرماتے ہیں ؎

پھر تسبیغ وسبب خفیف وعروض وضرب وحشو کے تعریفات لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ اب ثابت ہوگیا کہ تسبیغ مصرعہ اولی کے عروض میں یعنی رکن آخر مصرع میں جائز ہے یعنی مفاعیلن مفاعیلان ہوسکتا ہے۔ اور حشو میں بھی تسبیغ جائز ہے۔ یعنی سبب خفیف جو کسی رکن کے آخر میں ہو اس کے ساکن سے پہلے ایک الف ساکن کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ چاہے حشو میں ہو یا عروض وضرب میں۔ اس کے بعد تسبیغ درمیانی کے شواہد جناب نواب صاحب نے کلام نظیری اور غالب سے پیش فرمائے ہیں۔ اور انہیں شواہد کو دلیل تسبیغ حشوی قرار دیا ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ تسبیغ درمیانی کا معرض تحریر میں نہیں لائے۔ حالانکہ اساتذہ کی تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کی مخالف ہے صاحب شعر جناب آسی نے بھی کلام بلبل شیراز سے اسناد لکھ کر کوئی قاعدہ نہیں بیان کیا ؎

جو لوگ کہ علم عروض وقوافی سے واقف ہیں۔ اور انہوں نے کلام اساتذہ کا مطالعہ کیا ہے وہ بحور مسمطات چہار خانہ میں تسبیغ درمیانی سے انکار نہیں کرسکتے۔ مگر قاعدہ واصول عروضی کا اثبات

مدعا میں بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ صرف اسناد و شواہد پیش کرنے سے معترض کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ صاحب سند سے بھی سہو یا تسامح ہوا ہے۔ خصوصاً جبکہ تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کے خلاف ہے ؛

جناب نواب صاحب نے تسبیغ کی تعریف عام تر تحریر فرمائی جو محققین عروضیوں کی تعریف سے کسی قدر مغایر ہے ؛

تعریف تسبیغ نوشتہ نواب صاحب ۔ جو سبب خفیف کہ کسی رکن کے آخر میں ہو۔ اس کے ساکن سے پہلے ایک الف زیادہ کرنا ؛

تعریف تسبیغ محققین ۔ جو سبب خفیف کہ عروض وضرب میں رکن کی تمامی پر واقع ہو۔ اس کے متحرک اور ساکن آخر کے درمیان ایک الف ساکن بڑھا دینے کا نام تسبیغ ہے ؛

یعنی یہ زحاف تسبیغ عروض وضرب سے خاص ہے۔ بلکہ محقق طوسی عروض وضرب میں بھی غیر از نون غنہ موزون میں ہو یا وزن میں نہیں ملنے۔ خصوصاً جب کہ بحر غایت درازی کو پہنچ جائے کیونکہ کوئی رکن عروضی سباعی سے زیادہ نہیں۔ اور کوئی بحر متقدمین کے نزدیک مثمن سے بڑھ سکے نہیں۔ لہذا ایک مصرع زیادہ سے زیادہ اٹھائیس حرف کا ہو سکتا ہے۔ پس جو بحریں کہ آٹھ ارکان سباعی سے مرکب ہیں۔ اگر کوئی ایسی بحروں کے رکن آخر میں بھی تسبیغ غیر از غنہ لائے تو ان کے نزدیک ثقیل ہے، کیونکہ اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر نون غنہ کے ساتھ عروض وضرب میں تسبیغ کو جائز مانتے ہیں۔ اول تو اس میں ثقالت نہیں دوم الف و نون غنہ ان کے نزدیک بمنزلہ ایک حرف کے ہیں صولہ اور ستیس رکن کی بیت اختراع متأخرین ہے۔ خلیل موجد عروض کے زمانہ میں بحر ہزج مسدس سے زیادہ نہ تھی۔ مثمن ہو جائے تو گویا اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بحر ہزج مثمن سالم کو وہ ناموزون کہتے ہیں۔ بنابر قاعدہ مذکور فخر زمان کا شعر ذیل محقق کے نزدیک ثقیل ہے۔ اگرچہ تسبیغ عروض وضرب میں اپنے محل پر ہے۔ مگر غیر از نون غنہ ہے ؎

بیا اے ماہ کہ در گلبن نوائے مرغ زار افتاد ٭ ز افغان دل بلبل صدا در مرغزار افتاد

یہ بحر اصلاً ہزج مثمن سالم ہے بروزن مفاعیلن آٹھ بار۔ چونکہ عروض و ضرب میں تسبیغ کی وجہ سے مفاعیلن **مفاعیلان** ہو جاتا ہے۔ جو کلمہ ثمانیہ ہے اور دس ارکان میں سے کوئی کلمہ سباعی سے زیادہ نہیں۔ چونکہ بحر خود ہی غایت درازی کو پہنچی ہوئی تھی لہذا یہ اصل پر اضافہ تسبیغ کی وجہ سے ہوا۔ جو محقق کے نزدیک بدعت ہے۔ اگر **افتاد** کی جگہ ایسا کلمہ ہوتا جس کے آخر میں الف اور نون غنہ ہوتا جیسے **افتاں** تو عدم ثقالت یا الف و نون کو ایک حرف ماننے کی وجہ سے جناب محقق اپنے زمانہ میں بھی اسے جائز سمجھتے۔ مگر اس شعر میں تسبیغ غیر از نون غنہ ہے۔ اس لئے وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر شعراء خصوصاً متاخرین نے اس کی پابندی نہ کی اس لئے تسبیغ غیر از نون غنہ والے اشعار کلام شعرا میں بکثرت ملتے ہیں۔

تقطیع کا عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ حروف قابل حذف کے بعد وزن کے ارکان اس طرح مقابل موزون لاتے ہیں۔ کہ متحرک کے مقابل متحرک اور ساکن کے مقابل ساکن واقع ہو۔ لیکن شعر مابہ النزاع میں جناب نواب صاحب کو **شمع** کا عین متحرک معلوم ہوا جو مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہوا ہے۔ لہذا نواب صاحب کو دقت پیش آئی۔ اور جناب آسیؔ سے اس کی نسبت استفسار کرنا پڑا چنانچہ جناب آسیؔ فرماتے ہیں:۔

اب دوسری گذارش یہ ہے۔ (اس بیان کو دوسری گذارش اس لئے فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ تسبیغ درمیانی کا تھا جس کے ثبوت میں صرف اشعار بلبل شیراز پیش کئے ہیں) کہ شمع بفتح اول و سکون ثانی و ثالث فارسی والوں کے یہاں ہے۔ لہذا عین متحرک نہ مانا جائے گا۔ اس کے ساکن ہی ہونے سے تسبیغ کا زحاف پیدا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ادا کرنا دو ساکنوں کا ایسی حالت میں دشوار ہوتا ہے۔ لہذا عین کو متحرک پڑھتے ہیں۔ اور بعض اس کے بھی پابند نہیں۔ عین کو ظاہر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ **شم** پڑھتے ہیں۔ مگر تسبیغ تقطیع میں رہتی ہے۔

جب تقطیع کا دارومدار حروف ملفوظہ پر ہے۔ اور وقت تقطیع متحرک کا مقابل متحرک اور ساکن کا مقابل ساکن ہونا وزن اور موزون میں لازم و واجب ہے۔ تو پھر شمع کو **شم** یا عین کو متحرک پڑھنا

بعضوں کا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اب میں جواب جناب آسی کی کسی قدر توضیح وتشریح کرنا چاہتا ہوں
الفاظ عربیہ جب کہ ان پر حروف جوازم نہ ہوں۔ یا وقف مقصود نہ ہو۔ یا ضرورت شعری لاحق نہ ہو تو وہ زبان عربی میں ضرور متحرک الآخر از روئے وضع ہوتے ہیں۔ لیکن الفاظ فارسیہ موقوف الآخر ہی ہوتے ہیں۔ اس لیئے اہل ایران الفاظ عربیہ کو بھی اپنی زبان میں موقوف الآخر ہی مانتے ہیں۔ مگر معطوف۔ موصوف اور مضاف اضافت وعطف سے مل کر متحرک الآخر ہو جاتے ہیں۔ لہذا شمع وجمع وصبح وغیرہ کے ایسے الفاظ بھی فارسی اور اردو میں مستعمل ہو کر موقوف الآخر ہی ہؤا کرتے ہیں۔ اسلیئے شمع کا عین ساکن بھی اس مصرع میں مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہؤا ہے ؛

کسی لفظ کے ساکن دوم کو جو آخر لفظ میں ہو وقت تقطیع اس وقت متحرک کر لیتے ہیں۔ جب یہ دونوں ساکن درمیان مصراع میں واقع ہوں اور تسبیغ مقصود نہ ہو۔ اگر آخر مصرع میں دو ساکن ہوں۔ تو ان دونوں کو ساکن ہی رہنے دیتے ہیں۔ مصرعہ مابہ النزاع میں اگرچہ عین شمع دوسرا ساکن درمیان مصرع میں معلوم ہوتا ہے، مگر تاویلاً وہ آخر مصرع میں ہے۔ جس کا بیان آگے ملاحظہ ہو :-

یہ صحیح ہے۔ کہ خرب وتسبیغ درمیان مصرع یعنی حشو میں نہیں آتے۔ خرب صدر وابتدا کے لیئے خاص ہے۔ اور تسبیغ عروض وضرب کے لیئے۔ ساتھ ہی قافیہ بھی تو آخر مصرع یا آخر بیت یعنی عروض وضرب سے خاص ہے۔ اہل عرب میں ردیف نہیں ہوتی ہے، ایرانیوں نے ردیف ایجاد کی۔ اس لیئے ان کو تعریف قافیہ میں " بمنزلہ آخر " کی قید بڑھانا پڑی۔ تاکہ ردیف کو شامل ہو جائے۔ لہذا قافیہ کو بھی درمیان مصرع میں نہ ہونا چاہیئے ؛

جب قافیہ کی تعریف میں قید آخر مصاریع کی مطالع کے لیئے اور قید آخر بیت کی غیر مطلع کے لیئے ہے تو چاہیئے۔ کہ قافیہ بھی حشو یعنی رکن دوم میں نہ لائیں۔ حالانکہ بکثرت اشعار ذو قافیتین درمیانی کے ہر شاعر کے کلام میں ملتے ہیں۔ جناب ناسخ مرحوم فرماتے ہیں سہ

یہ ساعدوں کا ہے اسکے عالم کہ جسنے دیکھا ہؤا وہ بیدم نیام تیغ قضا مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

قوافی عالم اور مبرم حشو میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ بنا بر تعریف قافیہ یہ محل ان کا نہیں ؛

اساتذۂ ماہرین فن ایسے بحور مثمن کے (جو چار برابر کے حصوں پر تقسیم ہو سکتے ہوں۔ جن کا نام وہ بحور مسمطات چہار خانہ رکھتے ہیں۔) ایک شعر کے دو شعر مربع بنا لیتے ہیں۔ مربع کے پہلے مصرع میں صرف صدر و عروض اور ثانی میں صرف ابتداء وضرب ہوتے ہیں۔ حشو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح جب دوسرا اور چھٹا رکن بجائے عروض۔ اور تیسرا اور ساتواں رکن مثمن بحر کا بجائے ابتدا ہوگیا تو پھر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ کو اور تیسرے اور ساتویں رکن میں خرب کو کونسا امر مانع رہ گیا۔ بحور مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانے یا نہ لانے کا شاعر کو اختیار ہے۔ چار قافیے نہ بھی ہوں تب بھی ایک شعر کو دو شعر مربع مان کر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ لے آتے ہیں مگر غیر از بحور مسمطات چہار خانہ تسبیغ و اذالہ وخرب درمیانی ٹکسال باہر ہے ؛

اس سے زیادہ تشریح کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ بحور مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانا کثیر الوقوع ہے۔ ان چار قافیوں کی وجہ سے یہ بحریں زیادہ دلچسپ اور دلفریب ہو جاتی ہیں ؛

ممکن ہے کہ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا ہو کہ تسبیغ وخرب بحور مسمطات کے درمیان مصرع میں اساتذہ فن نے جائز کر لیا اور عمل پیرا بھی ہوئے۔ لہذا مصرع مابہ النزاع کی تقطیع جناب قدر کی تجویز کے موافق مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن میں اس محل پر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک بھی اس مصرع کا وزن مفعولُ مفاعیلان ۔ مفعولُ مفاعیلن ہی ہے اور تسبیغ وخرب درمیانی بحر کے مسمط چہار خانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر ان کا درمیان مصرع میں ہونا بیان بالا کی بنا پر ہے۔ اور جائز مانا گیا ہے، ماننا یا نہ ماننا ماہرین فن عروض کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میری سمجھ میں جو آیا لکھ مارا۔ میں اپنی رائے پر مُصر نہیں۔ اور میری تجویز کا غلط ہونا نہ عجیب ہے اور نہ بعید ؛

سیّد اولاد حسین شادان بلگرامی
پروفیسر آف یونیورسٹی۔ اورنٹیل کالج لاہور

مولانا حالی کی کتبِ سوانح

اُردو جیسی نو عمر زبان سے یہ توقع رکھنا - کہ اس میں اعلےٰ درجہ کی بیاگرافیاں موجود ہوں گی - ایک بے بنیاد خواہش ہے - خود فارسی کی ہزار سالہ ادبیات میں ایسی کوئی مکمل بیاگرافی موجود نہیں - جو جدید اصول سیرت نگاری کے معیار پر پوری اُترے - مولانا شبلیؔ حضرت عمرؓ کی سیرۃ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ع

رَہ بر دَمِ تیغ است قدم را

اور یہ خیال تمام بیاگرافیوں کے متعلق صادق آتا ہے ۔

عربی لٹریچر، اپنی عمر کے پہلے تین چار سو سال میں ایک زندہ لٹریچر تھا - اس کی بنیاد صداقت، سچائی اور حقیقت پر تھی۔ مصنف جو کچھ لکھتے تھے، اس میں سب سے پہلے یہ دیکھتے تھے - کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں - وہ کہاں تک حقیقت ہے، یہی وجہ ہے - کہ رجال کی زندگیوں کی تلاش میں جو عظیم الشان کام ان علمائے جرح و تعدیل نے انجام دیا ہے - وہ ہمیشہ حقیقت پسندوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا - ان کی نگاہوں نے مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب اور مساوی کو بھی دیکھا - بڑے بڑے ائمہ حدیث کے متعلق بے لاگ رائیں لکھیں اور قاضی، مُلّا، شیخ اور صوفی جو سامنے آیا - امتحان کے ترازو میں تولا گیا ۔

ان تمام مساعی کی غرض کیا تھی ؟ صرف یہی کہ ان حضرات کی "حقیقی شخصیت" سامنے آئے - ان کی ظاہری عظمت، ان کی اندرونی "انسانیت" کو بے نقاب ہونے سے نہ بچا سکے - دنیا کی نظر ان کے عبا و قبا پر پڑتی تھی - لیکن ائمہ جرح و تعدیل ان بیرونی مظاہر سے گذر کر ان کو ان کے خلوت کدوں میں دیکھتے تھے ۔

جرح و تعدیل کی ان کوششوں کی غرض اگرچہ بیاگرافی کے اصول کی ترتیب نہ تھی اور اسکے

مرتب کرنے والوں کا مدعا بالکل جداگانہ تھا۔ تاہم "شخصیت حقیقی کی تلاش" ایک ایسا عنصر تھا جو ایک مکمل بیاگرافی کے لئے شرط اوّلین ہے۔ یقیناً ہمارے ان اکابر علماء نے اپنی اس تلاش و جستجو کے ذریعے 'سیرۃ نگاری' کے اس اصول اوّلین کی دریافت کرتے ہوئے اوّلیت کا فخر حاصل کیا ہے ؛

لیکن تاتاری فتنوں نے جہاں مسلمانوں کی سیاسی قوّت کو تباہ و برباد کر دیا، وہاں افسوس کا مقام ہے، کہ علوم اسلامیہ بھی اس "سائنٹفک سپرٹ" سے خالی ہو گئے، جو عہد اوّل کا مخصوص وصف تھا۔ اس کے بعد اسلامی ملکوں میں جو انحطاط آیا۔ اس کے ساتھ علوم و ادبیات میں بھی تصنّع، بناوٹ اور ظاہریت زیادہ ہو گئی۔ اور "حقیقت" تقریباً ناپید ہو گئی۔ ان حالات میں یہ بات چنداں تعجب کے قابل نہیں۔ کہ اس زرّیں زمانہ کے بعد نہ صرف اُردو میں بلکہ اس کے سرچشموں یعنی عربی اور فارسی میں بھی حقیقی اور مکمّل بیاگرافیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ اس طویل عرصے میں سوانح اور سِیَر بالکل مرتب نہیں کی گئیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ 'بیاگرافیاں' مفقود ہو گئیں۔ جن کا مقصد کسی موضوع کی "حقیقی تصویر" کھینچنا ہو اور جن میں 'ذات' مع اپنے تمام خدوخال کے الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہو ؛

اس تلخ حقیقت کے اسباب بے شمار ہیں۔ لیکن سب سے اہم یہ ہیں۔ کہ حملۂ چنگیزی کے بعد 'ادبیات' میں تقلید اور تتبّع کا مرض پیدا ہو گیا، قوم اور ملّت سے روحِ آزادی یکسر چھن گئی۔ زندگی کے اندرون و بیرون میں ایک تفاوت پیدا ہو گیا۔ اور حقیقت، بناوٹ میں متشکل ہو گئی تقلید کے مرض نے "تنقید صالح" کو معدوم کر دیا، اور حق پرستی کی جگہ عقیدت نے لے لی۔ نتیجہ یہ کہ معاشرت، ادب اور شخصیت کی تنقید معیوب قرار دے دی گئی۔ اب اس حقیقت سے کسے انکار ہوگا۔ کہ جب "شخصیت" کی تصویر کشی میں سے "بشریت" کے رُخ و رخسار کو نکال دیا جائے۔ تو وہ شخصیت حقیقت کی ترجمان نہیں ہو سکتی ؛

یہی وجہ ہے۔ کہ "بیاگرافیوں" کا جو دفترِ عظیم ہمارے پاس موجود ہے۔ اُن میں تلاش کرنے

پر بھی کوئی زندہ اور حقیقی بیاگرافی نہ مل سکے گی، جو کچھ ہے، یا تو اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے مناقب و خوارق سے لبریز ہے۔ یا بادشاہوں، امیروں اور سپہ سالاروں کے رزم و پیکار کے واقعات ہیں۔ یا پھر شاعروں اور ادیبوں کی بے مصرف زندگی کے بے نتیجہ حالات ہیں۔ جن کے ساتھ ان کے اشعار بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگر قارئین گستاخی نہ سمجھیں تو یہ عرض کروں، کہ اس "نگارخانہ بے معنیٰ" میں ایک تصویر بھی ایسی نہیں۔ جس کی "شخصیت" زندہ ہو ہو کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کر سکے، اور جس کی ظاہریت کے اندر سے کوئی "انسانی نفسیات" جلوہ گر ہو سکے۔

غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ تمام سرمایۂ زبان اُردو میں کوئی مکمل "Pure Biography" کی کتاب موجود نہیں۔ خود یورپ میں یہ شعبہ بہت پُرانا نہیں۔ تا بہ اُردو چہ رسد۔ سر سیّد احمد خاں نے مغربی ذوق کو ہندوستان میں رواج دینے کی جو کوششیں کیں۔ اس کی بدولت وہ تعصب اور مخالفت مغربی چیزوں کے متعلق نہ رہی۔ اور علاوہ دیگر اُمور کے علوم و ادبیات بھی ان سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ خود 'بیاگرافی' کے متعلق بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے لکھنے والوں نے مغربی اصول و مبانی پر اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی۔

اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بیاگرافی کے متعلق مصنفین کو وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو تاریخ کے متعلق ہوئی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ ہمارے اکثر سوانح نگاروں کا مطالعہ ادبیات یورپ بہت کم تھا۔ نیز وہ ان اُصول تنقید سے گہری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ جن کی پیروی کا ان کو دعوےٰ تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی مشکلات ناقابل عبور تھیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ جو اس سلسلے میں پیش آئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ مصنفین جو مشرقی روایات سے متاثر تھے۔ اور دراصل اسی ماحول میں تربیت پا کر نکلے تھے۔ جلد جلد اپنے گردوپیش کے اثرات کو ترک نہ کر سکتے تھے اور انہیں اپنے مخاطب لوگوں میں کتابوں کو مقبول بنانے کے لئے مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری تھا۔ جس طرح تمدن و معاشرت کے اکثر مسائل میں ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً

ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ کہ آیا ہمیں خالص مغربی طرز و روش اختیار کر لینی چاہیئے۔ یا مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ادبیات میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کہ ہمیں اپنے علوم و فنون کو خالص جدید تنقید کے ترازو پر تولنا چاہیئے یا نہیں۔ یہ حالت آج بھی موجود ہے۔ چہ جائیکہ اس وقت جبکہ ابھی ملک میں جدید اثرات کے نفوذ کی عمر بہت کم تھی۔ اور جب کہ مغربی اثرات کو قبول کرنے کے لئے ملک بہت زیادہ آمادہ نہ تھا ؏

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ جدید تنقید کی ایک بڑی شرط یہ ہے۔ کہ سوانح نگار اپنے موضوع یا ہیرو کے کیریکٹر پر لکھتے وقت جہاں اس کے محاسن کی تصویر بنائے۔ وہاں بتقاضائے بشریت اگر اس میں کچھ عیوب اور کمزوریاں بھی ہوں۔ تو ان کو بھی بلا رُو و رعائت ظاہر کرے۔ تاکہ موضوع کی پوری شخصیت ہمارے سامنے آجائے ؏

اسی ایک اصُول کے متعلق ہمارے ایک عالی ترین مصنف کی رائے مشرقیت اور مغربیت کے درمیان ہچکولے کھاتی نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہمارا مصنف "تنقید کا امام اور جرح و تعدیل کا رہنما" قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا حالی نے جب سر سید کی لائف حیاتِ جاوید لکھی۔ تو مولانا شبلی نے اپنے ایک مکتوب میں اس کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی۔ "حیات جاوید میں مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یک رُخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہے۔ لیکن یہ اگر صحیح ہو۔ تو موجودہ یوروپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعری میں کیا برائی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محض دعوے کرتے تھے۔ واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔ بہر حال حیات جاوید کو مدلل مداحی سمجھتا ہوں" ؏

مولانا شبلی نے یہاں جو رائے ظاہر فرمائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہیرو کے "معائب دکھانا" "تنگ خیالی" اور "بد طینتی" نہیں۔ بلکہ یہ یورپ کے "مذاق اور علمی ترقیوں" کی

اصل اور بنیاد ہے۔ نیز یہ کہ جہاں یہ وصف موجود نہ ہو۔ وہاں ہیرو کی" تصویر یک رُخی" ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ مولانا اس معاملے میں یورپ کے اصول کی پیروی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ مولانا نے اس اصول کی پیروی کی اکثر جگہوں میں کوشش بھی کی ہے ؛

لیکن یہی مولانا شبلی مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو میں اس طریقۂ سوانح نگاری کو "فریب دہ"۔ "زیادہ قابل اعتراض" - "بلکہ خطرناک" خیال کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے۔ کہ" قدیم طریقہ صرف سکوت کا مجرم تھا۔ لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے اصل دُور ہے" ؛

اسی ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کہ ہمارے مصنّفین، مغربی اصول تنقید پر عمل پیرا ہونے میں کس درجہ مذبذب تھے۔ وہ ایک طرف اس کو "یورپ کے مذاق اور علمی ترقیوں" کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے ماحول کی رعایت سے اس کو "قابل اعتراض" بلکہ "خطرناک" بھی سمجھتے تھے ؛

یہ "زبان اُردو" کے عظیم الشان مصنّف شبلی کا حال ہے۔ جس کی تصنیفات دوسرے الفاظ میں کُل "سرمایہ ادبیات اُردو" ہیں ؛

اُردو میں "معاصرین کی لائف" کی کتابیں خصوصًا زمانہ زیر تبصرہ میں بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ مصنفین میں وہ اخلاقی جُرأت موجود نہ تھی۔ جو معاصرین کے محاسن و معائب بیان کرنے کے متعلق ہونی چاہیئے ؛

ہاں اتنے عظیم الشان کام کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی عزت صرف حالی کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم اُردو میں " فنِ سوانح نگاری کی" امامت" کا مستحق بھی انہیں کو سمجھتے ہیں ؛

عام طور پر "تاریخ ادب" کے مصنفین نے اُردو میں بیاگرافی لکھنے والوں کی تعداد دو حضرات

تک ہی محدود رکھی ہے۔ یعنی مولانا حالی۔ اور مولانا شبلی۔ لیکن ایک حیثیت سے ہم اس تعداد کو بڑھا کر چار تک لے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ شرر اور مولوی چراغ علی کے نام بھی شامل کئے جا سکتے ہیں اگرچہ صحیح معنوں میں مولانا حالی ہی ایک ایسے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنا اکثر وقت اور اپنی اکثر توجہ سوانح نگاری کی طرف مبذول کی ؛

ہم یہاں ان کتابوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔ جو عام طور پر "سوانح" کے تحت میں شمار کی جاتی ہیں ؛

مولانا حالی (۱) حیاتِ جاوید
" (۲) یادگار غالب
" (۳) حیاتِ سعدی
مولانا شبلی (۴) مولانا روم
(۵) بیان خسرو
(۶) شعر العجم
(۷) سیرۃ النبی
(۸) الفاروق
(۹) المامون
(۱۰) الغزالی
(۱۱) سیرۃ النعمان
مولوی چراغ علی (۱۲) بی بی ہاجرہ
(۱۳) ماریہ قبطیہ

لہ چونکہ اس مضمون کا تعلق "رفقائے سرسید اور ان کی کتابوں" سے ہے۔ اس لئے اردو کے بعض اور سیرۃ نگار مثلاً مولانا عبدالرزاق مصنف نظام الملک اور البرامکہ وغیرہ کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ؛

نثر (۱۴) سوانح بزرگان دین (جو مضامین نثر میں ہیں)

ان کتابوں میں سے حیات جاوید ایک خالص بیاگرافی ہے۔ یادگار غالب۔ حیات سعدی بہاں خسرو۔ شعر العجم اور مولانا روم میں سوانح کے ساتھ ساتھ "ادبی تنقید" بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ ان پر ادبی تنقید کے سلسلے میں تبصرہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ "سوانح مولانا روم" کو خود مولانا شبلی نے سلسلۂ کلامیہ میں شمار کرتے ہوئے اسے فلسفہ اور علم کلام کی کتاب قرار دیا ہے ؛

اسی طرح الغزّالی سلسلۂ کلامیہ کی ایک کڑی ہے۔ اور سیرۃ النعمان سوانح عمری کے رنگ میں "فقہ اسلامی کی تاریخ" ہے ؛

سیرۃ النبی ، الفاروق ، اور المامون تاریخ کی کتابیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اسلوب از سر تا پا تاریخی ہے۔ اور خود ان کے مصنف نے ان کو "تاریخ" قرار دیا ہے ؛

پس ان حالات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کہ ہم یادگار غالب۔ حیات سعدی وغیرہ کا ذکر سوانح میں کرنے کے بعد ان کو "ادبی تنقید" کے تحت میں بھی لائیں۔ الفاروق۔ سیرۃ النبی اور المامون کو خالص تاریخ کی کتاب سمجھیں۔ اور ان کے لئے وہی اصول تنقید تجویز کریں۔ جو کتب تاریخ کے لئے ضروری ہے۔ باقی رہی الغزالی اور سیرۃ النعمان سوان پر سیرت اور فقہ و کلام ہر دو حیثیتوں سے نظر ڈالی جائے ؛

ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اُردو میں خالص جدید طرز کی کوئی مکمل اور جامع بیاگرافی موجود نہیں۔ حیات جاوید یقیناً ایک "مکمل بیاگرافی" کا اسلوب اپنے اندر لئے ہوئے ہے لیکن یہ بھی ایک ناکام کوشش ہے، مولانا شبلی کی کتابیں "مقدس نامورانِ اسلام" کی سوانح پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان کا رنگ تاریخی ہے۔ اور وہ "لائف اینڈ ٹائمز" کے طریقے پر لکھی گئی ہیں۔ اور پھر مذہبی پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ جو اگرچہ اپنی جگہ بے حد مقدس اور متبرک کام ہے لیکن چونکہ ہمارے جذبات عقیدت ان بزرگوں کے متعلق تنقید کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ ہم ان بزرگوں کی زندگی کو ایسی سطح پر سمجھتے ہیں۔ جہاں سے زید و بکر کا قلم تنقید ان کی ارفع و اعلےٰ زندگی پر اُٹھ سکے۔ اس لئے

مولانا شبلی کا کام اگرچہ نازک ہے، لیکن کئی ذمہ داریوں سے آزاد بھی ہے ؛

تاہم ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہمارے مصنفین فرداً فرداً اپنے کام میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جو فرائض ان پر بطور سوانح نگار عاید ہوتے تھے۔ ان کی ذمہ داریوں سے کہاں تک عہدہ برآ ہوئے۔ اور اس فن کے اصول و قواعد میں سے کن کن قاعدوں پر عمل پیرا ہوئے۔ یا کن کن شرائط کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اور کیوں ؟ ہم سب سے پہلے مولانا حالی کو لیتے ہیں ؛

الطاف حسین حالی انصاری ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں متولد ہوئے۔ یہ امر معنی خیز ہے۔ کہ اس ہنگامہ خیز مقام کی خاک سے ایک ایسی متین اور خاموش شخصیت کا ظہور ہوا جس کی خاموشیاں اپنے اندر ایک انقلاب پنہاں رکھتی تھیں، اگرچہ ہم علمائے یورپ کی طرح ماحول کے اثرات کی ہمہ گیری کے مبالغہ کی حد تک قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات کسی حد تک بدیہی ہے۔ کہ کئی بار ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے مقام پانی پت سے اگر کوئی زندہ دل اٹھے گا۔ تو اس کی بصیرت اور نفسیات میں اس سرزمین کی انقلاب پرور تاریخ کے اسباق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا ؛

حالی کی زندگی کے واقعات کو بہ تفصیل بیان کرنا ہمارے مقصد سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ حالی کی تعلیم خالص مشرقی طریق پر ہوئی۔ اور انہوں نے چند مروّجہ درسی کتابیں قدیم طرز کے اساتذہ سے پڑھیں ؛

اس زمانے میں دہلی کالج پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ جو اس دور میں مغربی اور مشرقی تعلیم کے امتزاج کے اصول پر عامل تھا۔ حالی جب پہلی دفعہ دہلی گئے۔ تو انہوں نے وہاں بھی وہی قدیم درس اپنے سامنے رکھا۔ انہیں جدید طرز اور جدید خیالات سے اس درجہ بُعد تھا۔ کہ اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں اقرار کرتے ہیں۔ کہ میں نے اس زمانے میں "دہلی کالج کو آنکھ سے دیکھا تک نہیں"۔ کسے معلوم تھا۔ کہ جدید طرز کا اتنا مخالف کسی نہ کسی دن اُردو شاعری میں خود بھی ایک جدید روشن کا علم بردار ہوگا۔ اور عقائد میں معقول پرستی کا نقیب بن کر شہر بشہر پھرے گا! کرشمۂ قدرت اسی چیز کا نام ہے!

۱۸۵۷ء میں جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی۔ اس میں مولانا حالی دہلی میں ہی قیام پذیر تھے ۔
اس عہد میں غالب، ذوق اور شیفتہ بزم شعر و سخن کے لئے باعث زینت تھے، مولانا حالی ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ شیفتہ کے رنگ میں رنگے گئے۔ سلاست اور سادگی جو مولانا کی نظم و نثر کی جان ہے، نواب شیفتہ ہی کے اثر سے ہے۔ حالی خود لکھتے ہیں کہ غالب عام طور پر لوگوں کو فکر شعر سے روکا کرتے تھے، لیکن ایک آدھ دفعہ میری غزل سن کر انہوں نے مجھے مشق سخن کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ حالی نے یادگار غالب لکھ کر مرزا کی اس استادانہ تربیت کو وہ خراج تحسین ادا کیا ہے۔ جو ہر استاد اور رہنما کے لئے باعث فخر ہے ؛

مولانا حالی کے اسلوب نظم و نثر میں واقعیت، سلاست، اور حقیقت کا عنصر کسی حد تک "عربیت" اور عرب شاعروں کے مطالعہ مرہون منت بھی ہے۔ جن سے گہرا شغف اور جن کے کلام سے والہانہ دلچسپی مولانا کے لئے ان کی ابتدائی زندگی میں جاذب توجہ رہی ہے، مولانا کی اکثر تصانیف میں ہمیں عربی اشعار، عربی ضرب الامثال، اور عربی جملوں کا استعمال بلا تکلف نظر آتا ہے نمونہ کے طور پر حیات جاوید ملاحظہ ہو :-

حالی کی زندگی میں وہ سال ایک انقلاب انگیز سال تھا۔ جبکہ وہ نواب مصطفےٰ خاں کے ہمراہ پہلی دفعہ سر سید احمد خاں سے ملاقی ہوئے اور دو چار ہوتے ہی مفتوح ہو گئے۔ سر سید بجا طور پر اس فخر کے مستحق ہیں۔ کہ جو ان کے دائرۂ اثر میں آیا۔ ان کے ہی رنگ میں ڈوب کر نکلا۔ اس کی کیفیت خود حالی ہی کی زبان سے سنیئے :-

"چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا۔ کہ ایک قدم آگے پڑتا تھا۔ دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔ ناگاہ دیکھا۔ کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے۔ ایک دشوار گزار رستے میں راہ نورد ہے، بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے۔ تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اس کے ساتھ اُفتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں۔ مگر ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ پیروں میں چھالے پڑے ہیں۔ دم چڑھ رہا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی

ہیں۔ لیکن وہ اولو العزم آدمی جو ان سب کا رہنما ہے، اسی طرح تازہ دم ہے۔ نہ اُسے رستے کی تکان ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پرواہ ہے، نہ منزل کی دُوری سے کچھ ہراس ہے، اس کی چتونوں میں غضب کا جادو بھرا ہے، کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی۔ اور اپنا کام کر گئی۔ بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستے پر پڑ لئے۔ نہ یہ خبر ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کیوں جاتے ہیں۔ نہ طلب صادق ہے، نہ قدم راسخ ہے۔ نہ عزم ہے، نہ استقلال ہے، نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے، مگر ایک زبردست ہاتھ ہے۔ کہ کھینچے لئے چلا جاتا ہے ؎

آن دل کہ رم نمودے از خوبرو جوانان
دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے "[1]

انگلو عربک سکول میں مدرسی کے وقت سے آخر عمر تک وہ سر سید کے مداح اور رفیق کار رہے، اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ انھوں نے اپنی زندگی میں جو گراں قدر علمی خدمات انجام دیں وہ سر سید مرحوم ہی کی تحریک و ترغیب کی وجہ سے سر انجام ہوئیں۔ مولانا کی شاعری نے اگرچہ بہت سے سرچشموں سے فیض حاصل کیا ہے۔ جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ تاہم مسدس جیسی بے نظیر نظم سید صاحب ہی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔ بہر حال اس مسلمہ میں کسی کو اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔ کہ حالی نے جو کچھ لکھا۔ ایک جذبۂ قومی اور ملی سے متأثر ہو کر لکھا اور یہ جذبہ اسی مقدس بزرگ کا پیدا کردہ تھا۔

(باقی دارد)

سید محمد عبد اللہ

---

[1] دیباچہ مسدس حالی ۱۲۹۶ھ۔ علیگڈھ محمڈن پریس۔ ص ۳، ۴۔

اقتباس از آداب الحرب والشجاعۃ للمروالروذی

کتاب آداب الحرب والشجاعۃ جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے علم حرب پر ایک تصنیف ہے جس کا مصنف شریف محمد بن منصور ملقب بمبارکشاہ معروف بفخر مدبر[1] قرشی ہے، باپ کی طرف سے اس کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امیر بلکاتگین سے جو حاجب کبیر الپتگین کے بعد غزنین میں تخت نشین ہوا[2]، شریف محمد نے آداب الحرب کو سلطان شمس الدین التمش کے نام پر معنون کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۶۰۷ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی گئی جو التمش کی حکومت کا زمانہ ہے، اسی مصنف کی تاریخ مبارکشاہی بھی موجود ہے اور چھپ چکی ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اپنا اور اپنے خاندان کا حال مفصل بیان کیا ہے، کتاب آداب الحرب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ ریو نے فہرست مخطوطات موزہ برطانیہ ص ۴۸۷ بعد پر اس کا حال مفصل دیا ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ آیندہ صفحات پر اس کتاب کے گیارھویں باب کا اکثر حصہ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کے مضامین اور مصنف کی طرز تحریر کا اندازہ ہو جائے گا۔ مصنف نے بہت سے مصطلحات فن حرب کا استعمال کیا ہے جو کتب لغت میں نہیں ملتے اسی طرح وہ پنجاب و سرحدی صوبہ کے متعدد جغرافیائی مقامات کا ذکر کرتا ہے جو ساتویں صدی میں موجود تھے مگر ان کا ذکر جغرافیائی، ادبی یا تاریخی کتب میں ہم تک نہیں پہنچا۔ متن برٹش میوزیم کے نسخہ پر مبنی ہے، اس کو حواشی میں آ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ نسخہ غالباً سولھویں صدی میں لکھا گیا تھا۔ اچھا نسخہ ہے مگر اغلاط اس میں بہت ہیں، مقابلہ کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ استعمال ہوا ہے جو ب کے نام سے حواشی میں مذکور ہے۔ اس نسخہ کا مفصل حال آیوناف کی فہرست ۱۹۲۴ء نمبر ۱۶۰۸ میں دیا ہے،

---

[1] اس مصنف کی بعض تصنیفوں میں بظاہر مدبیر بجائے مدبر لکھا ہے [2] اسکے سنین میں اختلاف ہے، قول معتبر یہ ہے کہ وہ ۳۵۵ سے ۳۶۴ تک حکمران رہا،

اس نسخہ میں بھی اغلاط بہت ہیں مگر دونو نسخوں کے مقابلہ سے بعض عبارتوں کی تصحیح ممکن ہوسکی گو بعض مقامات دونو میں مخدوش ہیں۔ ایک تیسرا نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں ہے مگر تادم تحریر اس نسخہ تک رسائی نہیں ہوسکی،

اڈیٹر

باب یازدهم

اندر فضیلت و خاصیت هر سلاحی و ثواب کار بستن آن که هر یک چه جای بکار آید و خاصیت هر یک چیست (۹۶ ب)

.... و هیچ سلاح را آن خاصیت و فضیلت نیست که تیر

انداختن را از بهر آنکه جمله سلاحها تا[1] دشمن نباشد (۹۷ ب) کار نتوان بست مگر تیر انداختن که (۹۷ ب)

۵ بر دشمن بتوان انداخت و بر شکاری و بر پرنده و بر هدف و بر[2] جاس و بر هر چه خواهی بتوان زد و در هیچ حال بیکار و مهمل نیست و خصم را از {دور}[3] دفع توان کرد و بزد و در حصارها و قلعها و جنگ جایها این سلاح بکار شود و تیر ناوک و عذرک[4] و ملخک و آفنک[5] و دانگسنگ و نیم دانگ سنگ و جوال دوز و نیم جوال دوز همه بابت حصار است و در این جایگاها بکار شود،

۱۰ و سقراط گوید: اگر تیر انداختن و چوگان زدن هیچ هنر نیست[6] همین بس کند[7] که اندامها نرم کند و بندها را بگشاید و گوشت تن مردم را سخت کند و بیفزاید و چشم را روشن کند و دست و پای را راست دارد[8] و جنگ را بیاموزد و گرفتگی را بگشاید و مردم را دلیر کند و آرزوها و شهوتها را برانگیزد و همت را بزرگ کند، و[9] روا باشد که تیر را تقدیر خوانند، و کمان را تدبیر، و پیکان را مرگ پران و درفشان،

---

[1] آ: با، تصحیح از روی ب، [2] آ: برخاس، تصحیح از روی ب، [3] از روی ب، [4] ب: عذرک، [5] آ: افنک ب: رفیک، مشکوک است، [6] ب: نیستی، [7] آ: کنند، ب مثل متن، [8] آ: آرد، تصحیح از روی ب، [9] آ: ادرا، تصحیح از روی ب،

و ہر جائی و ہر جنگی را تیر از نوعی[1] باید و پیکان از نوعی دیگر تا کاری گر آید و اگر نہ ضایع و باطل باشد تیر انداختن، و درین معنی استادان در تیراندازی کتابہا کردہ اند و شرح آن باز گفتہ چنانکہ تیر زرہ را پیکان ماہی پشت و غلولہ باید، و ازان جوشن را ہمین پیکانہا باید، و ازان سپر چوبین و سپر قشوشک[2] و سپر نی[3] نیزہ و سپر ترنج[4] و سپر کرگ و سپر خدنگ را پیکان مودودی باید، و تیر بر تابی و حصار را پیکان غلولہ و ماہی پشت و سہ سو باید و تیر خفتان و بغلطاک[5] و برگستوان جامگی را پیکان بیلک[6] سپاناخی و برگ بید[7] و تماجی[8] و لیط پای باید، و پوشیدہ را و برگستوان آہنین را تیر خدنگ و یا کلک و پیکان بیلک درشت پر باید، و

(۱۹۸)

۵

کمان

۱۰

بر چند نوعست: چاچی و خوارزمی و پروانچی و غزنیچی و لوہوری[9] و کروری و ہندوی و کوہی الملکان چاچی تیز آید[10]* و اہل ماوراء النہر بدان کار کنند، کمان خوارزمی، کوتاہ خانہ و دراز گوشہ باشد و زہ از پوست اسپ کنند و ناتافتہ گرہ زنند و زہ سطبر باشد، و تیر خدنگ ہم سطبر بود و پیکان خرد[11]، زخم نیک نیاید و تیر لرزان رود بسبب سبکی[12] پیکان و گرانی تیر، و کمان پروانچی و غزنیچی و لوہوری و کروری بابت تیر اندازان اختیار است، و کمان کوہی در کوہپایہ[13]

---

[1] ب: نوعی دیگر، [2] فرہنگ آنند راج میں معنی (۱) ساز چہار تار (۲) تنبورہ دیا ہے اور قریباً یہی معنی سٹائن گاس نے دیئے ہیں مگر معلوم نہیں سپر نے یہ نام کیوں پایا، سٹائن گاس نے لکھا ہے کہ اس چہار تار کا پیٹ بڑا اور گردن لمبی ہوتی ہے شاید کچھ ایسی ہی خصوصیتیں اس ڈھال میں بھی ہوتی ہونگی [3] ب ندارد، [4] آ: حج، ب: حج، (ترنج چوبی بلند پنج شاخہ مانند پنجۂ دست و دستہ ہم دارد کہ غلہ کوفتہ را بآن بیاد دہند و غربالی را نیز گفتہ اند کہ بدان غلہ پاک کنند (فرہنگ آنند راج) سٹائن گاس نے اس کو پنج بھی لکھا ہے [5] ب: بغلطاق، فرجی و برگستوان (پوششی کہ در روز جنگ می پوشیدہ اند و براسپ نیز برای حفظ می افگندہ اند) [6] ب: بیلکر، [7] ب: بیل، [8] تتماج، Vermicelli [9] آ: لوسوری، ب مثل متن، [10] آ: تیر آمد، ب مثل متن، [11] آ: خورد، [12] آ: بکی، ب مثل متن، [13] آ: کوہپانہ، ب: کوہبابہ،

شبرهی[1] (؟) و انباران (؟) و بهروج و پنجه گیر[2] کنند و تمامت از شاخ نخچیر و بزکوهی کنند و هیچ
چوب نباشد و نیک آینده باشد، و کمان هندوی از نی نیزه باشد و زه کمان هم از پوست نی
نیزه باشد و تیر نیک دور رود اما از نزدیک زخم سخت آید، و تیر هندوی را بیشتر شاخها
باشد که در گزه[3] (؟) و جنبان[4] (؟)، اگر کسی از آن زخم یابد چون تیر بکشند بیشتر پیکان بسبب شاخها
بماند و در کشیدن آن نیک رنج بینند و بیشتر زهرآلو[5] کنند، و پیکان اهل کوهیانه[6] هندستان
بیشتر از (۹۸ب) استخوان باشد و آن چنان باشد که هر استخوان[7] که یابند از گاو و گاومیش و — (۹۸ب)
دراز گوش از استخوان ساق از مردار و کشتار[8] آنرا در کمینه خره و مزبلهاء تباه[9] بپرورند هر استخوان
که چرب باشد زهرناک باشد [چون[10]] مدتی برآید از آن بر مثل پیکان بتراشند و در گزه[11] نهند
و هرگاه که بخواهند انداخت سر آن برجایی زنند تا قطرهٔ از آن جدا شود، چون کسی از آن
زخم یابد و از آن استخوان اگر در آدمی بماند بر مثل زهر مار باشد زخم را پاره کنند و بجویند تا
اندک چیزی اگرچه بر مثل کالی[12] باشد بیرون بکشند، آنگاه بهنجا باشد که آن را[13] جری خوانند،
اگر کسی را بدست شود بخورد زود به شود اما هر سال بدان وقت که زخم خورده باشد باز آن
باد بشود و آنکس را نیک برنجاند و اگر در آن وقت که زخم خورده باشد از مجامعت[14] کردن
و جغرات و شیر[15] خوردن نگاه ندارد[16] هلاک شود، و تا دندان آدمی و استخوان او سیاه نشده است
امید هست که علاج کنند و جری[17] دهند نیک شود و هرگاه که سیاه شد آنکس هلاک شود و آن

---

[1] آ ب: شیری، [2] آ: بنجه کر، ب: بنجه کیر، [3] آ: کزه، ب: کره، یہ لفظ مشکوک ہے، اگر "کزه" بمعنی کمان خشک چوب و خمیدگی و چرخ تنگ سخت آواز (فرہنگ آنند راج) ہے شاید وہ مراد ہو، اگلی سطروں میں "در گزه نهادن" اور "تیر را گزه نشاندن" بھی آیا ہے شاید گزه ہو جس کی نسبت فرہنگ آنند راج میں ہے۔ "نوعی از تیر و پیکان باشد"، [4] کذا در ہر دو نسخ، معلوم نہیں یہ کیا لفظ ہے جنبیدن بمعنی جستن و خیز کردن و گرفتن ہے مگر یہاں جنبان بظاہر کسی آلے کا نام ہے، [5] ب: زہرآلوده، [6] آ: کوسیانه، ب: کوهیایه، [7] ب: استخوانی، [8] آ: کشتا آنزا، ب: کشتار آن، کشتار بمعنی کشته و مذبوح، [9] آ میں یہ لفظ اٹ گیا ہے۔ صرف "ب" سے باقی ہے۔ تصحیح از روی ت، [10] از روی ت، [11] ب: کره، [12] ب: کنجدی، کال بمعنی برنج ناپخته و گندنا ہے، [13] کذا در آ بالحرکات، ب: جری، بظاہر یہ ہندی لفظ جڑی ہے کسی خاص جڑی بوٹی کا نام نہیں ہے، [14] ب: معالجت، [15] ب: شیر، [16] ب: دار، [17] ب: جیزی

پیکانرا ہدہای [بڈہای] خوانند،

وتیرہای ماوراء النہر وخراسان وعراق بیشتر خدنگ باشد، وبید وخدنگ نیک دور
نرود بسبب گرانی امامام وار باشد، وتیر بید بسبب سبکی راست رود ونازک باشد اگر زخمی سخت
تر رسد تیر (۹۹ ا) بشکند، ہیچ تیری دور [اوٰ] نرود بکسترو کاری تراز کلک نباشد امانیک پختہ　(۹۹ ا)
۵　وجوشیدہ باید وکالبد[۱] زدہ تاب کشیدہ، اگر تیرانداز نیک باشد وکمان بلند وشست بہرام
بداند وبربیل آہنین وخود دپولاد زند بگذرد، و

پرتیر

از دنب کرکس وعقاب نیک آید واگر نیابد[۲] پرچرغ وشاہین وموش خوار ولکلک
وکلنگ وسرخاب وخروس وبط وغلیواژ وبوتیمار وشتر[۳] مرغ ہم روا باشد، وتیری را کہ برپرندہ
۱۰　کہ بر درخت باشد پیکان [دو] بیلک[۴] دوشاخ باید تا[۵] درشاخ باریک سخت نشود واگر بشاخ
رسد شاخ را ببرد، وتیرانداز باید کہ این دقایق را بداند ودر این باب شاگردی کردہ باشد
دبیاموختہ واستاد گشتہ کہ اگر جای تیر گرد کمانگر نباشد تیر را گرہ[۶] بداند [نشانہ*] وسوراخ داند کرد
وپیکان نہاد[۷] وتیر را پر[۸] گرد وتاب کشید، واگر کمانرا گوشہ بگردد ویا خانہ بایستد یا درآید آتش
دادن وبازستدن بداند، وزہ بستن وپیوند کردن بداند، وچہار بند بستن بداند۔ واگر
۱۵　جای خرزہ[۹] ودر زکند بداند بست،

واستادان ہر کمانی را دو زہ وہر زہی را دو انگشتوانہ نہادہ اند اگر یکی خطا افتد دیگری[۱۰]
بجای او بایستد، و

انگشت وانہ

چند نوعست غازی وار وامیری[۱۱] وار وترکی وار، اما بہترین غازی وار باشد تا سر انگشت

---

[۱] از ردی ب، [۲] ب: قالب، [۳] آ: نیابد، ب مثل متن، [۴] آ: شہ مرغ، تصحیح از روی ب، [۵] آ: پلک، ب مثل متن، [۶] ذر ب ندارد، [۷] آ: گرہ بداند، ب مثل متن، [۸] ب: داند نہاد، [۹] ب: بر [۱۰] آ: بار، ب: باز، [۱۱] ب: خیرہ، [۱۲] ب: دمکر، [۱۳] ب: مرن،

نزند که هر کسی تیراندازی [استاد][1] نباشد،

[تیر]

واگر بر دده[2] (۹۹ ب) انداز د زینهار بر رگ نیند ازد که یا زه بگسلد و یا کمان بشکرد[3] (۹۹ ب)

(د) یا خلل افتد، واگر تیراندازی خواهد که بر تیراندازان کید کند زه کمان خود از پوست گرگ

سازد هر گاه که تیراز کمان[4] که زه از پوست گرگ باشد بیرون فرستد چون آواز[5] آن* کمان بهر

کمانی که رسد[6] که از پوست گوزن ونیله گاو[7] واسب[8] باشد جمله بگسلد[9]،

واگر تیر پرتاب بگر واندازد دران کوشد تا مگر تیر خصم را بنوعی چرب[10] تواند کرد تا دور

نرود و مبلغی از تیرهاء دیگر پس ماند،

وتیر آماج را پیکان مدوّر وی لیسیده وچهار پر باید واندازه نه مشت تیرانداز باید وبقول

بعضی از استادان از زیر بغل تا سر انگشت سبابه باید وبقول بعضی از سر کتف تا سر انگشت میانگی،

وبقول بعضی هر دو مشت پیش گیرد و سر بر سر نهد از سر آرنج راست تا سر آرنج چپ به پیماید[11]*،

اندازهٔ تیر آن قدر باشد، وحکم[12] اندازان بیک چوبه تیر خصم ملک را بکشته ومصاف را بشکسته

اند چنانکه امیر بلکاتکین[13] که از پس حاجب بزرگ الپتگین بادشاه غزنین شد وچهار سال ملک

بود وخسر سلطان یمین الدوله محمود[14] غازی نور الله قبرهما که کاتب ومولف کتاب راجدّ مادرگان

باشد برفت وقلعت گردیز را محصر میکرد وموفق[15] را البشار داد (؟) چنانکه عادت روزگار است

ترکان دران جنگ آهستگی میکردند امیر بلکاتکین (۱۰۰ ا) از خشم لشکر پیاده شد سپر چحی[16] در پیش او ۔۔۔ ۱۰۰ ا

---

[1] فقط در ب، [2] یعنی جانوران درنده، [3] آ: لبشکرد، ب: لبشکند، [4] کذا در هر دو نسخ، بجای کمانی که، [5] بتقدیم و تاخیر در ب، [6] آ: برست، ب مثل متن، [7] در ب ندارد، [8] دمیری (حیات الحیوان طبع ۱۳۳۰ھ) ۱: ۵۰۶ پر ہے ،

واذا علق وتر من ذنبه (ای ذنب الذئب) علی شئی من الملاهی وضرب بها تقطعت جمیع اوتار النغم التی تکون علی الملاهی

ولم یسمع لها صوت ..... وان اتخذ طبل من جلده وضرب به بین طبول تشققت الطبول کلها، [9] آ: جرب ب: بحرب،

[10] آ: بنماید، تصحیح از روی ب، [11] فقط ب: حکم تیراندازان، [12] لین پول نے بلکاتکین کا سال جلوس ۳۵۵ھ اور سال وفات

۳۶۲ دیا ہے۔ (۳) حساب سے اسکی حکومت ، برس رہی سگر ڈاکٹر ناظم نے اس کا سال وفات ۳۶۴ دیا ہے اور مدت حکومت

دس سال (سلطان محمود ص، ۲)، الپتگین ۳۵۲ میں فوت ہوا اسکے بعد ابو اسحاق ابراہیم بادشاہ ہوا پھر بلکاتکین

[13] نقد ب: مسعود، [14] ب: موقف، جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے ، [15] آ: جحی، ب مثل متن،

می داشتند و خود پیش حصار رفت و جنگی قوی کرد و نزدیک آمد که حصار بگیرند، حکم انداز بی
تیرناوکی بینداخت، بر جای شهید شد و لشکر بی مراد از آنجا باز گشت،

وقتی امیر ایاز بهندوستان بغزا رفت حصاری را در پیچیده لشکریان بیشتر بقلعه رفتند
چنانکه لشکر گاه خالی شد، کافران از قلعه تاختن آوردند، امیر ایاز بدر حصار شد تا ایشانرا از بیرون
آمدن باز دارد[1] و پیلی سپید بیرون آمد و در عقب او سوار بسیار، تیر اندازی بود بلند کمان قادر ۵
دست، حکم انداز، او را علی بخاری گفتندی امیر ایاز او را گفت: یکی تیر لشکر شکن توانی انداخت.
گفت: توانم، آیینهٔ چینی بود بزرگ بر پیشانی پیل آویخته، بخاری تیری پیکان سه سوی پولادی
آب داده بزد بر آیینهٔ پیل، آیینهٔ پاره پاره شد، بانگ آیینه بفرسنگی برفت، پیل بترسید،
تیر دیگر بکشاد بزد بر چشم پیل، نیمهٔ تیر بسر پیل در رفت، پیل از در داهن زخم باز گشت و خلقی
را زیر پای بکشت و دیگر لشکر هزیمت شد و بحصار رفتند مسلمانان دل شکسته بودند هر یکی چون ۱۰
شیری گشتند و خلقی را بکشتند،

حکایت

وقتی سمرقندیان عاصی شدند، فایق[2] بیامد بر ایشان جنگ کرد کیمخت گری بود حکم
انداز بوقی را بزد ببوق در دهانش در رفت و از پس قفا بیرون شد، فایق گفت: زهی
باریک (۱۰۰ ب) انداز! جوشن پوشی دیگر را بزد، بدیگر سو بیرون شد، فایق گفت: زهی ۱۵ (۱۰۰ ب)
نیک انداز! علم بکند، باز به بخارا رفت، امیر خراسان را گفت این شهر بجنگ نتوان
گرفت[3] [امیر گفت] دروغ میگویی، فایق گفت راست میگویم و دو گواه دارم، یکی تیری
که بوقی را زدند دیگر تیری که جوشن پوش را زدند. علما در میان شدند (و) میان امیر و سمرقندیان
آشتی دادند، باز پس از چند سال سمرقندیان عاصی شدند - فایق بیامد جنگ آغاز

---

[1] ب: دارند [2] امرای سامانیہ میں سے تھا - اس کا حال دیکھو سلطان محمود ص ۱۸۲
[3] بعد بر ٹکہ از روی پ ،

کرد، تیری بیامد از دامن قبای او فرود آویخت[1]* فایق گفت : ای فرزندان مژده مر شما را که مردان بمردند زنان تیری اندازند، هله[2] حمله کنید، سپاه فایق دل یافتند حمله کردند در حال شارستان[3] بستدند، ازین گفتیم که بد اندازی گناهست

حکایت

۵ امیر طغرل بک[4] و چغر بیک گفتندی که ما بسبب یکچوبه تیر بهزیمت بخراسان[5] آمدیم و آنچنان بود که بنجارا دیهی است که آنرا خرامتین[6] گویند و آن دیه ازان تیراندازانست، غزّان را بران دیه حرب افتاد، استادی بود تیرانداز که او را عبدالصمد کمانگر گفتندی، غزان غلبه کردند، نزدیک آمد که دروازه بستانند و غارت کنند، ترکمانی بود جوشن پوشیده در باغی بکنده بود و سپر کرده و امیر طغرل و چغری در پیش او ایستاده، تیری بزد ازین در

۱۰ بگذشت جوشن پوش را بر سینه آمد، پشت بیرون شد ترکمان بیفتاد، طغرل و چغری (۱۰۱ا) - ۱۰۱ ا بگریختند، چغری گفت : هرکه وی را زنده یا کشته بر من آرد او را بیست هزار درم بدهم، خواجه امام[7] شومانی گفت : این استاد را ازین حال بپرسیدم گفت : بران در سوراخی بود آفتاب بر پشت ترکمان بود از آن سوراخ در افتاد، من باریک اندازی کردم تیر در آن

---

[1] ب : بر آویخت، [2] ب : ہلا، [3] مخفف شہرستان و آن حصاریست کہ برگرد اگرد شہر بزرگ بکشند (فرہنگ آنندراج)، [4] ب : بیک، [5] سلجوقی ماوراء النہر سے خراسان میں ۴۲۵ھ میں آئے (انسائکلوپیڈیا آف اسلام ۱ : ۲۹۷ ب) اس لئے واقعہ مندرجہ متن ۴۲۵ھ کے نواح میں واقعہ ہوا، [6] ب : خرامتین، یہ وہی گاؤں ہے جو ابن سینا کا مولد تھا، کتاب الانساب میں اسکو خُرمَیثَن اور معجم البلدان میں (۲ : ۴۲۷ پر) خَرمَیثَن ضبط کیا ہے، [7] شومان والشجرد کے جنوب میں ایک قلعہ ہے جس کو تیمور کے زمانہ میں حصار شادمان کہتے تھے اور حصار یا حصارک بھی اس کا نام تھا اب بھی اس کو حصار ہی کہتے ہیں عجب نہیں کہ امام شومانی سے مراد ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد الشومانی البلخی الملقب بزین الصالحین ہو جسکی نسبت سمعانی نے لکھا ہے کہ وہ شمس الملک نصر [ثانی] بن ابراہیم الخاقان کا استاذ و معلم تھا، نصر ۴۷۲ھ میں فوت ہوا (لین پول ص ۱۳۵)، سمعانی نے صرف دو شومانیوں کا ذکر کیا ہے - ان میں سے ایک ۱۹۹ھ میں فوت ہوا اور دوسرا ابو عبداللہ محمد مذکور ہے جس کا سن وفات اس نے نہیں دیا مگر شمس الملک کے زمانہ سے اس کا زمانہ قیاس میں آسکتا ہے

سوراخ انداختم از مرد بگذشت ایشان پنداشتند که من تیر هم از درد (؟) هم از مرد گذاشتم، فزع و هول ایشان ازان بود،

وقتی علی تگین[1] بدر سمرقند رفت و جنگ کرد[2] شارستان بگرفت، در آمد، بدر آهنین رسید، استادی بود تیرانداز که او را احمد خیاط گفتندی سپاه بدر آهنین [رسید] او برخاست و بیامد برِ جنگ بایستاد، ترکی بود که او را کوکیوغ[4] گفتندی، زرهی پوشیده و جوشنی زبرآن[5] ۵
پوشیده و خود (ی) عادی بر سر نهاده و سپری برگرفته، و در پیش علی تگین سه چهار هزار غلام تاج و قراجولی کشیده می آمدند، سمرقندیان بدر آهنین بیرون آمدند، استاد احمد تیر و کمان از شاگرد[6]* بستد، تیری به پیوست، کوکیوغ پای بنشیبی فرو نهاد* سرش از پس سپر برهنه شد استاد تیر بر چشمک خود زد از خود و از سرش بگذشت، کوکیوغ بیفتاد و جان تسلیم
کرد، جمله سمرقندیان حمله کردند و در شهر هر که درون آمده بودند بیرون کردند مردمان ۱۰
(۱۰۱ ب) شهر از شادی بانگ کردند و این چنین بانگ[9] ما در اعدا (ب: النهر) [یان] غیو کوکیوغ* خوانند،
علی تگین ببخارا باز رفت سبب شکستن لشکر و رستن شهری از غارت و رستن چند هزار مسلمان جوان از کشتن[10] آن یک* چوبه تیر بود والله الموفق ...... و اگر کسی گوید که یک مرد هزار
(۱۰۳ و) مرد (۱۰۳ و) را از خود و فرزندان خود چون حصاری باز داشت آن جز تیرانداز نبوده باشد و پیغامبر علیه السلام می گوید علّموا اولادکم السباحة والرمایة یعنی بیاموزید فرزندان ۱۵

---

[1] علی تگین حاکم بخارا ایلک خانیوں میں سے تھا، وہ بغرا خان کا بھتیجا اور طغان خان کا بھائی اور سلطان محمود غزنوی اور قدر خان کا معاصر تھا ۔ ۴۲۵ھ کے آخر یا ۴۲۶ھ کے شروع میں فوت ہوا (دیکھیں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۲۹۷) محمود اور علی تگین کی لڑائیوں کا حال سلطان محمود ص ۳۵ و بعد پر دیکھیں، [2] آ: جند، تصحیح از روی ب، [3] سمرقند کا رقبہ بقول ابن اعقبیہ ۶ ہزار جریب تھا یعنی شہر اور ربض ملا کر، شہر کا رقبہ ۵ ہزار جریب، اس شہر کے اندرونی حصہ شہرستان کا رقبہ ۲ ہزار جریب تھا، جامع مسجد اور قلعہ شہرستان کے اندر تھا، قلعہ کے دو آہنین دروازے تھے، دیکھیں ترکستان ص ۸۴، [4] آ: گوکنوغ، ب: مثل متن، آگے چل کر آ میں ایک جگہ کوکنوغ ایک جگہ کوکیوغ لکھا ہے بہرحال یہ نام مشتبہ ہے، [5] ب: زبر، [6] آ: امشاد، تصحیح ب از روی ت [7] آ: کوکنوغ الخ، ب: کوکیوغ را پای پشیبن فرو نهاد [8] آ: گوکنوغ، ب: کوکموغ [illegible] : ورا و النهریان است غیو کو عکیوغ غیو (بروزن دیو) مخفف غریو ہے (فرہنگ انندراج) [10] آ: سبب الخ، ب: یک،

خود را تیر انداختن و آشنا کردن، و جای دیگر می گوید ارموا وارکبوا وان ترموا خیر من ان ترکبوا یعنی تیر اندازید و سواری کنید[1] [و اگر تیر اندازید] بهتر از انکه سواری کنید۔۔۔

تیغ

را جمشید بیرون آورده است و آن کفایت و کیاست او بوده است و او را درین

۵ باب بر جملہ اهل عالم منت است و صد سال در آن کرد تا آهن از کوه و کان بیرون

آورد و تیغ کردن فرمود و رعب و هیبت شمشیر بیش از دیگر سلاحهاست و سلاح ۱۰۳ ب

مبارزان و دلاورانست و سلاح خفته است تا نلرزانی و بیدار نکنی کار نباید بست که خطا افتد

و بشکند، و اگر کسی گوید که از میان هزار مرد سلامت بیرون آمدم و هیچ کس گرد من نیارست

گشت جز شمشیر دار نبوده باشد، و پیغامبر علیه السلام میفرماید که الجنة تحت ظلال السیوف

۱۰ بهشت در زیر سایهٔ شمشیرهاست و هیبت او بیش است چنانکه بکله سلاحها ولایتی و ملکی بگیرند

چنین گویند که این ملک و ولایت را بشمشیر گرفته ایم،

اما تیغ چند نوعست چینی و روسی و خزری[1] و رومی و فرنگی دیمانی و سلیمانی و

دنشاهی و علائی[3] و هندی[4] و کشمیری[5]، جملهٔ تیغها، نام دارند اما از همهٔ تیغها هندی بهتر و گوهردار

تر و برنده تر آید و آن چند نوعست پرالک[6] و تراوته[7] و روهنیا[8] و نقبر(؟)[9] و مان گوهر

۱۵ برگس(؟) که آنرا بسبب بسیاری بند موج دریا خوانند قیمتی تر و طرایف تر از همهٔ تیغها باشد

---

[1] زیروی ب، [2] آ خرری ا ب: فرزی، [3] آ عدالی، ب مثل متن، [4] آ، کشمیری، [5] آ: براکک

ب: برالک، فرهنگ انندراج میں بحوالہ برهان اس کو فارسی لفظ کہا ہے اور لکھا ہے: فولاد جوهردار را گویند عموماً و تیغ و شمشیر را خصوصاً، [6] لغت میں نہیں ہے شاید ہندی لفظ تراونی ہو جس کے معنی تیز رو کے ہیں، [8] آ، ردهنیا، ب، ردهنیا فرهنگ انندراج میں اس کو بائی مجهول بر وزن بوسینا لکھا ہے اور اسکو فارسی لفظ بتایا ہے اور کہا ہے: همان روهنا است که بمعنی آهن و پولاد جوهردار باشد کہ از آن شمشیر و خنجر سازند و بمعنی گوهر شمشیر نیز آمده، روهنی بھی اسکو لکھا ہے، سٹائن گاس کے نزدیک روهینا بھی یہی ہے [9] ب تقبر، مگر اگلے صفحہ پر تقبر، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے [10] آ: مان گوهر برگس، ب: مان کوهر برگس، ظاہر میں یہ ایک ہی لفظ ہے گو اگلے صفحہ پر گوہر کا لفظ حذف ہے۔ یہ تینوں لفظ لغت میں نہیں ہیں۔

و درمیان لشکر و خزینه و زرادخانه بادشاهی[51] یکی ازان بیش نباشد و دیگر[52] باحری و سورمان و تورمان باشد و در هیچ ولایت تیغ پرالک و ترا وته و روهینا و موج دربانباشد مگر در زمین هندوستان، و این تیغها برنده تر از تیغهاء دیگر باشد بدانچه اینها خشک ترزند و دیگر تیغها چرب است، اگر در[53] شب تر کنند زخم نیک آید، و در زمین خراسان و عراق بیشتر تیغ (۴۲-الف)

باحری[54] باشد نیک گوهر دار نباشد اما چرب باشد و در آسیب رسیدن و زخم زدن کم ۵

شکند،

و در هندوستان تیغ دیگرست که آنرا بناه[55] خوانند و آن مصنوعست، آهنگران استاد بیرون آورده اند از نرم آهن و مس و نقره کنند و بسبب نقره فراخ گوهر آید و اگر بدان تیغ زخمی رسد آن زخم کم فراهم آید، و پرالک و ترا وته و [56]مان پرکس و [57]مقبر بابت کمر شمشیر و زیر[58] رکابی بادشاهانرا شاید سورمان و تورمان[59] افغانرا بیشتر باشد، و در هندوستان ۱۰

حصاریست که آنرا گورج خوانند بر لب آب سند نزدیک کد ور[60] آهنگران استاد باشند و آهنگر که تیغ خواهد زد دو خفجه از آهن پولاد بکشد بعد ازان هر دو را نیک گرم کند و یکی را براست بتابد و دیگری را بچپ بتابد پس در گل گیر دیگشاید و آنرا در کوره نهد و بدمد تا هر دو خفجه بگداز د و بر یکدیگر سخت شود پس از گل برون کشد و تیغ زند و باندام کند، چون چرخ کند و دارو دهد گوهر او بر مثل برگ خرما که بر درخت باشد همچنان پیدا آید و بس ظریف و نادر باشد جمله رانگان و ٹھکران و مردمان قبایل بهوس ببرند و زخم آن نیک برنده آید،

---

[51] ب: بادشاهان، [52] ب: باجری، باجر عربی میں خون سرخ خالص کو کہتے ہیں مگر معلوم نہیں لفظ باحری اس سے لیا ہے یا کچھ اور لفظ ہے، [53] آ: درشت تر، ب: مثل متن، [54] ب: باجری، [55] بناه یا پناه لغت میں اس معنی میں نہیں ملا، [56] آ: مان برکس، ب: سورما برمکس، [57] کذا۔ آ د ب، [58] آ: زیود رکابی، ب: زیر رکاب، [59] تورمان وادی کابل کے ہندو شاھیہ خاندان کے بادشاہوں میں سے تھا جو ۹۰۳ء کے قریب تخت پر بیٹھا، کیا یہ تلوار اس کے نام پر تھی؟ [60] کذا در آ، ب: کدور، بظاہر کروڑ مراد ہے جو لیہ اور بھکر کے درمیان دریائے سندھ سے قریب واقع ہے۔

قلاچوری[1]

سلاح ترکانست (۱۰۴ اب) وکسانی که جنگ به نیزه کنند، و دراز تر از شمشیر (۱۰۴ اب)
برای این کار نهاده اند، و لتِ بدان کرده اند تا در وقت زخم از پهنا نیفتد و
زخم او بسبب کتی گران تر و برّان تر آید که اگر نیزه را خطایی افتد و بشکند همچون نیزه
۵ و تیغ کار توان بست،

ناچخ[2]

سلاح بادشاهانست که هم دوست را شاید هم دشمن را، دوست را از مهرهٔ ناچخ زنند
و بجای گرز کار کند و دشمن را بر روی ناچخ زنند بجای شمشیر کار کند،

دشنه

۱۰ سلاح عیارپیشگان و جان بازان و دزدانست،

کتاره[3]

سلاح هندوان دبی باکان[4] و غدارانست*،

شل و ژدپین

سلاح هندوان و افغانانست دکسانی که هم تیغ دارند و هم شل و ژدپین که چون
۱۵ بیندازند اگر کاری نیاید بشمشیر جنگ کنند،

پیل کش و نیم نیزه

سلاح پیادگانست دکسان که سپر چج و گره[5] دارند و بر در ها حصار باشند،

---

[1] ب: قلاجولی، [2] ناچخ بمعنی تبرزین ہے " و آن حربه ایست دسته دار که در پهلوی زین اسپ بندند
... شیخ نظامی گفته ؎ زپولاد چینی ناچخ ده منی بگردن بر از بهر گردن زنی، [3] آ، ب، کتاره، [4]
ب: بیکان و غدّاران است [*] اشٹائن گاس نے بفتح کاف دیا ہے اور کہا ہے کہ ایک سلاح کا نام ہے
[5] ب: کره، بظاهر گرده بمعنی چیزی مدور و گرد،

ونیزہ و خشت و دورباش و حربہ سلاح جاندار[1] الست وکسانی کہ نگاہ بانی بادشاہان کنند ودشمنانرا از (و) دور دارند،

نیزہ

سلاح ترکان و اعرابیان[2] است وسلاح بیدارست چون برگرفتی در حال کارتوان بست، بابت سواران برگستوانی[3] است واگر کسی گوید کہ یک مرد ہزار ۵
سوار را بزند و براند جز نیزہ دار نباشد، و در عرب مردی و زنی نیزہ باز بودند نیزۂ سمہری بمرد منسوبست ونیزہ ردینی بزن، وہر دو تن از جملہ مبارزان نامدار بودند، و در بحرین دیہی است کہ آنرا خط خوانند نیزۂ خطی بدان جای منسوبست، (۱۰۵ ا)
ودر خراسان و عراقین بیشتر نیزہ از چوب بید کنند و آنرا پی بسیار زنند لعب[4] سواری وحلقہ ربودن رانیکست بدانچہ بشکست وہر سلاح کہ بکمتر در جنگ یار[5]ی ۱۰
گرتر باشد، واگر زخم از سر سنان وبن نیزہ برابر و باز پس زند زخم نیک آید اما اگر خواہد کہ مرد را بر دارد و یا از زین بر باید تاب نیارد وبشکند و در وقت کار مرد سراسیمہ شود و فرو ماند، اما ہیچ نیزہ بہتر از نی[6] نیزۂ ہندوستان نیست آنچہ نرا است ومیان پر کار نیاید بدانچہ گران و دراز و پیچان آید، وسوار بسبب گرانی زحیر شود، نی نیزۂ مادہ میان تہی نیک باشد بدانچہ سبک باشد، ولرزان وپیچان نشود، اگر سوار ۱۵
چابک باشد واین علم نیکو بیاموختہ باشد ومیدانہا وآوردہا بداند چون میدان ملوک ورستم واسفندیار وافراسیاب ومیدان امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

---

[1] جاندار = سلاح دار، ونگہبان جان سلاطین کہ ہمیشہ با شمشیر در خدمت سلطان حاضر و متوجہ است (از فرہنگ انند راج)، [2] آ: عرابیان، ب مثل متن، [3] ب: برکستوان، [4] آ: تعب، ب مثل متن، [5] آ، یاری کم تر، ب، یاری کیر تر، [6] در ب ندارد،

وزبیر عوّام [رضی اللہ عنہما][1] ہم سوار را بر توان[2] واشت وہم از زین در ربود[3] در حملہ ہر کاری کند اگر آموختہ کند بر ہمگنان پیروز آید و ہیچ کس برو بر نیاید، اگر شتا لنگ گرگ[4]؛ سوراخ کند و بر شتہ در زیر سنان بندد و بر مصافی حملہ کند ہمہ بشکنند و از و ہزیمت شوند

سپر و تبر زین

۵

سلاح دلیانست و بران (۵۰۱ ب) جنگ کنند سارو غ[5] سلاح چوپانان و گلہ بانانست، گھی[6] آہن بستہ سلاح شتربانانست، تبر سلاح شبانان و حبانانست، داس سلاح کشاورزانست، جواہہ[7] سلاح بشیان و بتراہیانست، بیل سلاح باغبانان وآب وارانست، تیشہ سلاح درود گرانست، کارد سلاح قصابانست، کاند کہی[8] سلاح گل کارانست، عصا سلاح اہل صلاح و سیاحانست، دیوارکن سلاح درود گران[9] و روغن گران وکدنی گرانست[10] گرز و چابک و خرد شکن و بل کا تکینی بابت کسانیست کہ بر قوت بازوی خود اعتماد دارند و بر کسانی کہ کاربندند کہ جوشن و خفتان و زرہ و جیورک دارند،

۱۰

اگر مردی ہمہ سلاح ہا بدارد و شمشیر ندارد سلاح او ناقص باشد و ناتمام، و اگر

۱۵

[1] از روی ب، [2] ب: توانہ، [3] ب: در تواند ربود، [4] آ ب: کرک، مگر حیاۃ الحیوان دمیری (طبع ۱۳۳۰ء) ۱: ۵۰۷ پر ہے "وکعب الذئب الایمن اذا علق علی رأس رمح ثم اجتمع علیہ جماعۃ لم یصلوا الیہ مادام الکعب معلقا علی رمحہ"، [5] ب: سارع، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے البتہ ساریخ ہے "نوعی از سلاح است وآن چوبی باشد کہ بر سرآن چند زنجیر کوتاہ تعبیہ کنند و بر سر ہر زنجیر گوی از فولاد نصب سازند) [6] ب: لنہی، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے - شاید گھٹی ہو، [7] اس جملہ کے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے - ب میں بتراہیانست کی بجائے تیراہانست ہے، [8] آ: لہی، ب: کسی، شاید یہ پنجابی لفظ کہی یا ہندی کسّی ہو، [9] آ: درود گرانست، ب مثل متن، [10] ب: کدنی گر، یہ لفظ لغت میں نہیں ملا،

شمشیر دارد و هیچ سلاحی[1] دیگر ندارد تمام باشد و هیچ نقصان اندرو نباشد،
خالد ولید روزی بنزدیک عمر خطاب رضی الله عنهما در رفت عمر او را گفت یا
خالد چه گوئی اندر تیر؟ گفت نیکو سلاحی[2] است، دشمن را بدو از دور قهر توان کرد و از
خویشتن باز توان داشت، اما خطا بسیار کند، گفت چه گویی اندر نیزه گفت پشت و
پناه مرد است ولیکن خیانت بسیار کند و چون چهار انگشت سنان او از خصم بگذشت ۵
ایمن شود و مرد نا[3] ایمن، و هر کس بران قدرت ندارد، گفت چگویی اندر شمشیر گفت
اینجاست که مادران بر فرزندان بگریند، (۱۰۶ ا) (۱۰۶ ا)

و بر پشت اسپ آنکه شمشیر خواهد کشید دست راست بر قبضه باید نهاد و دست چپ
بر معلیق شمشیر و نیک بتابد. و پهلوی خویش نیک خم دهد و شمشیر بگردن اسپ راست
بیرون کشد، و زدن شمشیر را میان تافته باید و بغل کشاده و سه انگشت بر قبضه سخت ۱۰
کند و زخم کشیده آرد و دست خوش دارد تا تیغ تاب نگیرد، این چنین زخم برنده آید،
آنچنان کشیدن که یاد کردیم تمام و آسان از میان برآید و بیم بریدن اسپ نباشد،
چون شمشیر برون کشد اگر بر اسپ باشد هر کجا که شمشیر همی زند. اسپ می باید گردانید
و آن شمشیر که بزند هر چه سر شمشیر اندر نشیند بدراند و هر چه از سر شمشیر یک بدست[4]
فروتر آید هم ببرد و هم بشکند و همه زخم شمشیر اندر یک بدست [است[5]] و هر چه از ۱۵
سر شمشیر بدو بدست[6] فروتر بود در نشیند و بکوبد، و آن باقی شمشیر هر کجا رسد نه ببرد
و نه بدرد و نه بکوبد . . . .

---

[1] ب: سلاح [2] آ: صلاحی [3] ب: ۱۰۰

[4] آ: دست، تصحیح از روی ب؛ بدست بمعنی وجب است که کشادگی پنج انگشت و یک کف دست
باشد و بتازی شبر خوانند

[5] از روی ب [6] ب: دست،

فہرست اوّل

اسماء اسلحہ و متعلقات آنہا

فہرستِ دوم

الفاظِ متفرقہ

اڈیٹر

تنقید و تبصرہ

(۱) سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل یعنی قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں

مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ڈی فل (بون) ڈی۔ لٹ (پیرس) لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدر آباد دکن۔ ۲۰۸ صفحہ۔ سائز ۴½ × ½ ۶" ؛

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اُردو زبان میں یہ چھوٹی سی کتاب لکھ کر اس مضمون کے اُردو ذخیرہ کی بنیاد رکھی ہے ؛

ڈاکٹر صاحب چونکہ جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الممالک کے استاد ہیں۔ اس واسطے انہیں اپنے لکچروں کے واسطے نوٹ تیار کرنے لازمی تھے۔ علم دوست لوگوں پر ڈاکٹر صاحب نے نوازش کی۔ کہ اپنے قیمتی خیالات کو کتاب کی صورت دے کر شائع کر دیا ؛

قانون بین الممالک کی اہمیت کا اندازہ اب رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا جاتا ہے۔ اور لوگ جاننے لگے ہیں۔ کہ روزمرّہ کی اخباری خبروں سے بھی صحیح نتیجہ نکالنے کے لئے اس شعبہ علم سے کچھ نہ کچھ واقفیّت لازمی ہے۔ علاوہ ازیں جوں جوں ہندوستان میں تحریک آزادی ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جدید اصلاحات کا دور جاری ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے ملک کی دنیا کی سلطنتوں اور ان کی سیاست میں ایک خاص اہمیت ہے۔ اپنے ملک کی عظمت کو قائم کرنے اور بین المِلّی تعلقات کو بڑھانے کے واسطے یہ لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے تعلقات دوسرے ملکوں سے آہستہ آہستہ براہِ راست قائم ہوں اور ان تعلقات کے قائم کرنے اور ان تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے ملکی حکمران اپنے ملک کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں سے خود اچھی طرح واقف ہوں اور عام لوگوں کو ان سے آگاہ کریں ۔ اس کے واسطے لازمی ہے کہ قانون بین الممالک کی تعلیم کو ترقی دی جائے اور اس سلسلہ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب

کی طرح کئی اور لوگ اس مضمون کے مختلف حصّوں پر عُمدہ عُمدہ تصانیف لکھ کر ملک کے سامنے پیش کریں۔
ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں جو ۶۹ صفحات پر مشتمل ہے قانون بین الممالک کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور بقیہ حصّہ کتاب میں اس قانون کی عملی صورت پیش کی گئی ہے ٭

اصول کی بحث میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات زیادہ تر جرمن اور فرانسیسی علماء کے نظریوں سے متأثر ہیں۔ اور اس میں انگریزی اور امریکن علماء اور حکومتوں کے نقطۂ نظر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔ یہ ایسا نقص ہے۔ کہ جس کی اہمیت کسی ایسی کتاب میں خاص طور پر بہت زیادہ ہے۔ جو کہ قانون بین الممالک سے علاقہ رکھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عموماً تمام کتاب میں جہاں کوئی اصول بیان کیا گیا ہے وہاں اس بات کی کوشش نہیں کی گئی کہ اس اصول پر مختلف بڑی بڑی حکومتوں کے خیالات بھی بیان کر دیئے جاتے۔ حالانکہ قانون بین الممالک کی کسی بحث میں سب سے زیادہ قابل غور یہی بات ہوتی ہے۔ کہ مختلف سلطنتوں کے اس نظریہ اور اصول پر کیا خیالات ہیں۔ کیونکہ دراصل قانون بین الممالک مختلف سلطنتوں کے باہمی میل جول کا قانون ہے اور اس کے بنانے یا اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار صرف سلطنتوں کو ہی ہے۔ اس واسطے سلطنتوں کے خیالات کا ذکر بہت ضروری امر ہے ٭

مصنف سے جن باتوں پر ہم کو اصولی اختلاف ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کر دینا لازمی ہے نمبر۱ صفحہ ۳۲ پر فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے "کہ ہر خود مختار سلطنت اپنا قانون بین الممالک خود بناتی ہے"۔ یہ ایسا نظریہ ہے۔ کہ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو قانون بین الممالک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ قانون کے معنوں میں پابندی کا جزو لازمی طور پر شامل ہے اور اس کی تبدیل و تنسیخ میں کسی ایک جزو کو مکمل آزادی نہیں دی جا سکتی ورنہ کسی قانون کا قیام ناممکن ہے۔ کسی ایک سلطنت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون بین الممالک کے کسی اصول کو خود بدل دے یا کسی بین الملکی پابندی کو از خود دوسرے ممالک پر عائد کر دے۔ قانون بین الممالک تمام سلطنتوں کا ایک ہی ہے اور اس میں کسی ایک سلطنت کو از خود زیادت یا تبدیل یا تنسیخ کا اختیار نہیں۔ رہا یہ سوال کہ بعض وقت کسی خاص جذبہ کے ماتحت سلطنتیں کسی خاص امر میں قانون بین الممالک کی پابندی نہیں

کرتیں ۔ اور مسئلہ متنازعہ پر اپنے رویّہ کو اس صورت میں پیش کرتی ہیں ۔ جس سے معلوم ہو کہ انہیں اصول قانون سے اتفاق نہیں ۔ سو ایسے واقعات کسی عام قانون کی ہستی کے خلاف دلیل نہیں ہیں ۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اپنی ملکی و مدنی زندگی میں روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ گمراہ اور مجرم لوگ ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں قانون ملکی کو توڑتے اور اس کے خلاف عمل کرتے ہیں ۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج تک کسی شخص نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ مجرموں کا اقدام جرم اور قانون کو توڑنا خود قانون کی ہستی کا منافی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مجرموں یا قانون شکنوں کے لئے کوئی الگ سلسلہ قانون ہے ؛

مقولہ منرو کی بحث کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ "شمالی اور جنوبی امریکہ کی آزاد مملکتیں مقولۂ منرو کے تحت ممالک متحدہ امریکہ کے تحت ہیں" (ج۱ ۔ صفحہ ۳۵) ۔ یہ ایسا اصول ہے ۔ کہ جس کی صحت سے حکومت برطانیہ نے ہمیشہ انکار کیا ۔ اور خود جنوبی امریکہ کی آزاد سلطنتیں جس سے ہمیشہ انکاری رہی ہیں اور نہ ہی خود ممالک متحدہ امریکہ کا رویّہ اب یا پہلے ہمیشگی کے ساتھ ایسا رہا ہے ۔ کہ اس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ ممالک متحدہ امریکہ کو اس بات پر اصرار ہے ۔ کہ براعظم امریکہ کی دوسری آزاد سلطنتیں کسی طرح سے ممالک متحدہ کے تحت ہیں ۔ اس اصول کے بیان کرنے میں فاضل مصنف نے ممالک متحدہ امریکہ کی سیاسی پالیسی اور قانونی دعوے یا پوزیشن میں فرق نہیں کیا ۔ یہ بات بالکل اور ہے ۔ کہ اپنے مفاد کے پیش نظر جمہوریہ امریکہ نے ہمیشہ براعظم امریکہ کی آزاد سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنے کو اپنا سیاسی فرض سمجھا ہے ۔ اور یہ بالکل اور بات ہے کہ مقولہ منرو کی وجہ سے جمہوریہ ممالک متحدہ اور دوسرے ممالک امریکہ میں کوئی رشتہ حاکم و ماتحت قائم ہو گیا ہے ؛

اس طرح اور بھی کئی ایک باتیں ہیں ۔ کہ جن میں ہمیں فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں ؛

ان تمام باتوں کے باوجود کتاب میں بعض خوبیاں بہت قابل قدر ہیں ۔ اُردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے ۔ کہ جس میں موجودہ قانون بین الممالک کے تذکرہ کے ساتھ اس کی سابقہ تاریخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی سیاست کے وہ اثرات جو موجودہ قانون بین الملکی کے بنانے میں مُمد ہوئے ہوں انکا تذکرہ کسی حد تک کیا گیا ہو ۔ یورپ کے علماء کا رویّہ عام طور پر یہ رہا ہے ۔ کہ انہوں نے موجودہ قانون بین الملکی

کالیداس کے متعلق کافی لٹریچر پڑھا ہے۔ صرف دو باتیں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق محققین میں اکثر اختلاف رائے رہا ہے۔ اول کالیداس کا زمانہ۔ دوسرے بعض نظمیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دوسری بات کے متعلق تقریباً آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق ابھی تک دو رائیں ہیں۔ ہندوستان کی روایت کے مطابق اس کا زمانہ پہلی صدی قبل از مسیح کا ہے۔ لیکن یورپی فضلاء اسے چھٹی صدی مسیحی تک لے گئے ہیں۔ موجودہ تحقیق سے اس کا زمانہ چوتھی صدی مسیحی ٹھہرتا ہے۔ یعنی خاندان گپت کا زمانہ۔ کتاب ہذا کا مصنف ہندوستانی روایت کو درست تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنا نتیجہ بھی اسی روایت پر مبنی کرتا ہے۔ جس پر دوسرے محققین کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ آخر الذکر راجہ بیر بکرماجیت والئے اجین کی ہستی سے منکر ہیں۔ اس لئے ان کو کسی اور بکرماجیت کا سراغ لگانا پڑتا ہے۔ اور وہ ان کو چوتھی صدی مسیحی میں چندر گپت ثانی عرف بکرماجیت کے وجود میں مل جاتا ہے۔ اس کے عہد کے ایک کتبہ کا مضمون اور طریق شاعری کالیداس کے رگھوونش کے ایک حصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے ؛

ایک بات میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ سنسکرت کے جو الفاظ اس کتاب میں آئے ہیں۔ ان پر اعراب لگا کر ان کا صحیح تلفظ ظاہر کر دینا چاہیئے تھا۔ بعض الفاظ جو اردو زبان میں مشہور ہو چکے ہیں جیسے بکرماجیت۔ ان کو اسی صورت میں رکھنا چاہیئے تھا۔ وکرم آدتیہ (صفحہ ۸) لکھ کر اس کو ناقابل شناخت بنا دیا گیا ہے ؛

یہ کتاب اُردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور دیگر سنسکرت ہندی مصنفین پر ایسی ہی کتابیں اردو زبان میں نکلنی چاہئیں۔ بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد کو پیدا کرنے والے اسباب و ذرائع میں ایک دوسرے کی ادبیات کا مطالعہ بھی ایک زبردست سبب اور ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں یونٹی کانفرنس کے موقعہ پر کسی صاحب نے فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے چودھری صاحب کی تصنیف نہ محض ادبی بلکہ سوشل اور پولٹیکل اہمیت بھی رکھتی ہے ؛

(ڈاکٹر) بنارسی داس جین۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳)۔ A monograph on Moslem Caligraphy by M. Zia-ud Din — Lecturer in Islamic Studies, Visva-Bharati santi Niketan

Visva Bharati Studies No. 7. Pp. 12 + 72.

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس رسالہ کا موضوع اسلامی خطّاطی ہے۔ علاوہ دیباچہ اور مقدّمہ کے اس میں تین مضامین شامل ہیں۔ (۱) قلم کوفی (۲) اسلامی سوسائٹی میں خطاط کا مقام (۳) قلم نسخ اور دوسرے اقلام۔ پہلے یہ مضامین مشہور تماہی رسالہ "وسوابھارتی" میں شائع ہوئے۔ پھر نومبر ۱۹۳۶ء میں ان کو کتابی صورت میں یکجا شایع کر دیا گیا۔ مواد کو واضح کرنے کے لئے جا بجا تمثیلی توضیحات دی گئی ہیں۔ جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان میں سے نو پورے صفحہ پر آئی ہیں۔ اس رسالہ میں اسلامی خطاطی کی خصوصیات اور تاریخ مجمل مگر مفید طور پر بیان ہوئی ہے۔ آخر میں مآخذ کی مفصّل فہرست دی گئی ہے۔ طباعت نہایت اعلیٰ ہے۔ انگریزی زبان کا یہ رسالہ محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور طالبانِ فن کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت چار روپیہ۔ مکتبہ وسوابھارتی نمبر ۲۱۰ کارنوالس سٹریٹ کلکتہ سے طلب کیا جائے۔

(۴) **عصامی نامہ** تصنیف سید یوشع بی۔اے (علیگ) حیدرآبادی جونیر لیکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی صفحات ۲ + ۲ + ۲۸، جی۔ ایس پریس، مدراس۔ اپریل ۱۹۳۷ء۔

یہ منظوم رسالہ (فارسی) بطرزِ مثنوی گویا فتوح السلاطین تصنیف منظوم عصامی کا دیباچہ ہے۔ اس میں عصامی اور اُس کی منظوم تاریخ ہندوستان کا حال دیا گیا ہے۔ رسالہ میں دو دیباچے بھی ہیں۔ ایک فارسی نثر میں، دوسرا انگریزی میں۔ سید صاحب کے قول کے مطابق عصامی کی نسبت عصام حاجبِ نعمان بن منذر شاہ حیرہ سے ماخوذ ہے۔ معلوم نہیں یہ اُن کا اپنا قیاس ہے یا خود عصامی نے اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

بہرحال یہ دکن میں پیدا ہوئے اور ۷۵۰ھ میں انہوں نے علاء الدین حسن بہمن شاہ کے نام پر اسلامی فتوحات کی تاریخ لکھی جس میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر اپنے زمانے تک کا حال درج کیا۔

---

[1] عربی میں کن عصامیا و لا تکن عظامیا مشہور مثل ہے، جس سے عصامی وصفی کلمہ کے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ عصامی کی نسبت عصام (علم) کی طرف بھی ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ انساب سمعانی اور لب اللباب سیوطی میں یہ نسبت مذکور نہیں۔ ایک ہی گھرانے کے متعدد مصنفوں کی نسبت عصامی راقم کی نظر سے گزری ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تاریخ عصامی کا نسخہ ہے جس کا مصنف عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المتوفی ۱۱۱۱ھ ہے (رک فہرست براؤن ص ۲۴) و تکملہ فہرست ریو (مخطوطات عربیہ ص ۲۹۶ ا)۔ مقدمۃ فی علم العربیۃ متممۃ لمسائل الجرومیۃ کا مصنف جمال الدین عصامی ہے (فہرست گوتھا ۱: ۲۹۸) جو بظاہر عبدالملک کا پردادا ہے، عبدالملک کا دادا — م ۱۰۳۷ھ بھی کثیر التصانیف تھا۔

فتوح السلاطین کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ[1] میں ہے اور ایک نسخہ حیدرآباد دکن میں مولوی محمد غوث کے کتاب خانے میں۔ بظاہر ان دونوں نسخوں سے سید صاحب موصوف نے اس نادر کتاب کو مرتب کیا ہے، امید ہے کہ مدراس یونیورسٹی اس کتاب کو طبع کرا کر ان قیمتی کہنہ آثار کو حیاتِ تازہ بخشے گی۔ یہ درست عصامی نامہ کے ذریعہ سے عصامی سے دنیا کو روشناس کرنے کا سہرا سید یوشع کی کوشش کے سر ہے۔

(۵) - مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ج ۳ بابت ۱۹۳۵ء

یہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ کا رسالہ ہے، جو سال میں ایک مرتبہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا ہے۔ یہ اس مجموعہ کی تیسری جلد ہے جس کا حسب معمول ایک حصہ انگریزی اور دوسرا اُردو مضامین پر مشتمل ہے۔ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ جلد میں تحقیقِ علمیہ کا معیار اگر بلند نہیں ہوا تو پرانی شان میں کمی بھی نہیں آئی۔ اُردو کے حصے میں سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالحق صاحب کا ہے جس کا عنوان یہ ہے "پرانی اُردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اُردو کی قدیم ترین تفسیر جو مولانا کو دستیاب ہوئی ہے دسویں صدی کے اواخر یا گیارھویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے۔ جو امین کی یوسف زلیخا (۱۱۰۹ھ) کی طرح کی ہے۔ اس کی زبان گجراتی اُردو ہے، اور مذکورہ بالا کتاب سے ملتی جلتی ہے۔

مولانا نے اس کے علاوہ کچھ اور ترجموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حصہ اُردو میں ایک مضمون بعنوان "سیف الدولہ حمدانی" پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔ اے کا "عربوں کے تعلقات بزنطینی سلطنت سے" ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا اور "علاؤالدین خلجی کی سیرت اور مسلک" سید سراج الدین احمد صاحب لکچرار تاریخ جامعہ عثمانیہ کا ہے۔

انگریزی کے حصے میں زیادہ تر سائنٹیفک مضامین ہیں، جو جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کرام کے لکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کا ایک مضمون "نادر شاہ کا حملہ اور نظام الملک کا ثالث بالخیر ہونا" نہایت دلچسپ اور محققانہ ہے۔

جامعہ عثمانیہ مستحقِ مبارکباد ہے جس کا ریسرچ بورڈ تحقیقِ علمیہ کے متعلق بہت دلچسپی لے رہا ہے اور اس کی مساعی جمیلہ سے ملکی زبان میں قابلِ قدر اضافہ ہو رہا ہے۔

(ڈاکٹر) سید محمد عبداللہ ایم۔ اے
پنجاب یونیورسٹی لائبریری

---

[1] اس نسخہ کا حال فہرست مخطوطات انڈیا آفس ص ۵۵۹ پر دیا ہے۔ مرتب فہرست کے نزدیک عصامی غالباً وہی خواجہ عبدالملک عصامی ہے۔ جس کا ذکر سپرنگر نے اپنی فہرست صفحہ ۱۸ پر کیا ہے۔

(۶) - **اسلامی طب** :- ازجناب ابن مظہر قاضی معین الدین رہبر فاروقی، ضخامت ۲۰۷ صفحات سائز ۲۲×۱۸/۸ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ، مجلد ایک روپیہ چار آنے۔ ملنے کا پتہ: سن برج ہاؤس، عابد بلڈنگ مصطفےٰ بازار حیدرآباد، دکن

علم طب کی جو خدمات مسلمانوں نے کی ہیں، طبی دنیا اس کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ عربوں یا مسلمانوں کی طبی خدمات پر دنیا کی بیشتر زبانوں میں تالیفات موجود ہیں، اور مزید کوششیں برابر جاری ہیں چنانچہ مختلف اہل قلم تحقیقی مقالے لکھتے رہتے ہیں اور بعض کتابیں تو ضخامت اور معلومات کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں ایک اہم فرانسیسی کتاب قابل ذکر ہے۔ فرانس کے قابل مؤلف Leclerc نے عربی علم طب کی تاریخ پر ایک نہایت مبسوط کتاب Histoire De La Medécine Arabe کے نام سے تالیف کی ہے، یہ کتاب پیرس میں ۱۸۷۶ء میں طبع ہوئی۔ اس میں عربی علم طب کے تاریخی ارتقاء پر ترتیب وار بحث کی گئی ہے، اور صقلیہ فارس، شام، مصر، مغرب اور اندلس وغیرہ حکماء کے حالات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں تو اس موضوع پر بکثرت کتابیں قلمی اور مطبوعہ ملتی ہیں چنانچہ حال ہی میں حداد سامی کے قلم سے ۹۷ صفحات کا ایک مختصر مگر مفید رسالہ "آثار العرب فی العلوم الطبیۃ" کے نام سے بیروت سے ۱۹۳۶ء میں شایع ہوا ہے۔ مگر اردو زبان میں اس موضوع پر بہت ہی کم سرمایہ موجود ہے۔ لیکن چند اہل ذوق حضرات نے اس جانب توجہ فرمائی ہے، اور آہستہ آہستہ یہ کمی پوری ہوتی نظر آرہی ہے چنانچہ مختلف علمی اور تحقیقی رسائل میں وقتاً فوقتاً طب عرب پر مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں۔ ضرورت تھی کہ کوئی باہمت اہل قلم اٹھیں اور اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ قاضی رہبر فاروقی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو ادب میں ایک گرانقدر کتاب تالیف فرمائی ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی تو قرار نہیں دی جا سکتی، مگر اس باب میں پہلی کامیاب کوشش ضرور ہے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ لائق مؤلف نے اس کتاب میں ۸۷ مضامین پر قلم اٹھایا ہے، اور اختصار کے ساتھ بہت سی مفید معلومات یکجا جمع کر دی ہیں۔ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: حصہ اوّل (از صفحہ ۱ تا ۸۷) میں عرب و دیگر سلاطین اور اطباء کی طبی مساعی کا ذکر ہے۔ بعض اہم مضامین درج ذیل ہیں: علم طب کی ابتداء، طب ایام جاہلیت میں، بنی اُمیہ اور طب، طب خلفائے عباسیہ کی سیادت میں، ویدک کی مختصر تاریخ، علم ویدک کی کتابوں کے ترجمے، طب اسلامی آل ساسان کی سرپرستی میں، بُویہیہ دور میں طب کا اعجاز، اندلس میں طب، مصری طب، عہد غوریہ میں طب،؛ حصہ دوم (از صفحہ ۸۸ تا ۱۲۵) میں شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کارنامے مذکور ہیں اور حصہ سوم (از صفحہ ۱۲۶ تا ۲۰۷) دکن کے حکمرانوں اور دکنی طبیبوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں سلطنت مغلیہ تک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، مگر حصہ سوم میں چند ایک معاصرین کا ذکر بھی آگیا ہے،

کتاب جا بجا مفید معلومات سے لبریز ہے۔ مؤلف نے کتاب کی تالیف میں بہت محنت کی ہے اور مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو "طب اسلامی کی وقعت لوگوں کی نظروں میں دوبارہ پیدا ہو جائے" اور دوسری جانب صاحبان فن کو ان کے اسلاف کے کارنامے سنا کر گرمایا جائے۔ دوران بحث میں بعض نادر طبی مخطوطات کے ذکر نے اس کتاب کی قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے یہ امر موجب طمانیت ہے کہ علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ کتاب کی دلچسپی قائم رکھی گئی ہے، اور مختلف ادوار میں فن طباعت کی ترقیاں، آلات جراحی کی ایجادات، شفاخانوں کے قیام، اور اطباء کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ باوجود ان خوبیوں کے کتاب نہایت مختصر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر اردو میں مبسوط اور جامع کتابیں لکھی جائیں،

قارئین کرام سے پُر زور سفارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ ایک طرف تو مؤلف کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسری جانب آپ علم طب کے باب میں مسلمانوں بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی گرانقدر اور بیش بہا خدمات سے آگاہ ہوں -

عبدالقیوم - میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور

(۷) - **الموسیٰ** (یادگار ولی) بابت خورداد ۱۳۴۶ھ فصلی :- الموسیٰ طلبۂ یونیورسٹی کالج حیدرآباد (دکن) کا علمی و ادبی رسالہ ہے۔ خاص نمبر یادگار ولی ہے جو بتقریب جشن دو صد سالہ آدم ریختہ سید محمد ولی اورنگ آبادی المتخلص بہ ولی شایع ہوا ہے ؛ یادگار ولی منانے کی تحریک ابتدا میں سٹی کالج کی بزم ادب کی طرف سے شروع ہوئی اور ایک مجلس منتظمہ بنادی گئی جو جامعہ عثمانیہ وسٹی کالج کے بعض اساتذہ پر مشتمل تھی اس مجلس نے حیدرآباد و بیرون حیدرآباد کے سر برآوردہ اہل قلم کو اس موقعہ پر علمی اعانت و تعاون کی دعوت دی اور مختلف جامعات کے طیلسانی و غیر طیلسانی طلبہ سے " اردو شاعری میں ولی کا رتبہ " کے موضوع پر مسابقتی مضامین لکھنے کی درخواست کی اسکے علاوہ دکنی اردو کے مخطوطات اور قدیم تصاویر کی نمایش کا اہتمام کیا ۔ یوم ولی کا پہلا اجلاس بصدارت نواب سالار جنگ بہادر ۴ فروری یوم چہارشنبہ کو ۴½ بجے شام منعقد ہوا۔ سب سے پہلے نمایش کا افتتاح کیا گیا اسکے بعد اجلاس میں اطراف ہند سے مختلف ارباب علم کے پیامات پڑھے گئے پھر نظمیں اور مقالے سنائے گئے دوسرے دن کا اجلاس ۸½ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک رہا اس کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر نے فرمائی یہ ولی کی کرامت سے کم نہیں کہ وفات سے دو سو سال بعد اپنے ابنائے وطن سے خراج تحسین وصول کیا ۔ یہ خاص نمبر اس دو روزہ کاروائی کی روئداد ہے جو چوبیس مقالات و نظموں اور ۲۷۲ صفحات پر شامل ہے اکثر مقالے دکن کے بلند پایہ و معروف ارباب قلم کے نوشتہ ہیں اور ولی کے حالات و سوانح حیات اسکی وطنیت و شاعری اور تلامذہ نیز اسکی سیرت کے دیگر پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں نظموں میں سید سکندر علی صاحب وجد اور غلام طیب صاحب پیام اور مولوی مخدوم محی الدین صاحب کی نظمیں اپنے حسن تخیل نزاکت ادا و اسلوب بیان کے لحاظ سے ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کرینگی نمایش میں تقریباً پانسو مخطوطات جو تمامتر دکنی زبان سے تعلق رکھتے تھے منظر عام پر لائے گئے تھے۔ ان میں سے ۳۲۵ نسخوں کی ایک فہرست جو نمایش سے دو روز قبل تک وصول ہو چکے تھے شامل روئداد ہذا ہے باقی کتابیں جو بعد میں آئیں بدقسمتی سے درج فہرست نہ ہو سکیں قدامت کے لحاظ سے مثنوی خوب ترنگ نوشتہ ۱۰۰۶ھ ، سیف الملوک و بدیع الجمال از ملا غواصی نوشتہ ۱۰۶۰ھ ، سب رس از ملا وجہی نوشتہ ۱۰۷۰ھ اور پھول بن از ابن نشاطی نوشتہ ۱۰۸۰ھ قابل ذکر ہیں نمایش میں ایک سو قلمی تصاویر قدیم و جدید بھی شامل تھیں جن میں سلاطین قطب شاہیہ و عادل شاہیہ اور ان کی بیگمات ، صوفیہ و اولیا ، خانوادۂ آصفیہ ان کے درباری عائدین اور شہزادگان کی تصاویر شامل تھیں۔ ہندوستان میں شاید یہ پہلا موقعہ ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر نمایش دکنی قلمیات کی گئی ہے -

طبقۂ صوفیہ اپنے بزرگوں کے عُرس قدیم سے مناتا چلا آرہا ہے قدیم اساتذہ کی یادگار منانے کی رسم گو جدید ہے مگر نہایت مبارک ہے اس سے ہم میں صحیح وجدان ترقی پاتا ہے۔ اور بیداری کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ صحیح وطن پرستی اسی کا نام ہے اس مغرب زدگی کے دور میں ایسی تقریبات کا بروی کار آنا نہایت مبارک فال ہے -

رسالہ ہذا نہایت اعلےٰ کاغذ پر چھپا ہے جا بجا بلاک کی تصاویر سے جو تعداد میں چوبیس ہیں اس کی دلکشی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس ۔ قیمت فی پرچہ ۸/عہ ملنے کا پتہ :- دفتر الموسیٰ سٹی کالج حیدرآباد (دکن)

(حافظ محمود شیرانی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

اسماء شعرا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء)

ح

حُرَیث بن زید الخیل ۱۸: ۳۸؛

حُرَیث بن عَتّاب النبهانی الطائی ۳: ۵۰۹، ۱۲: ۲۲۲، ۱۹: ۳۴۹، ۲۰: ۲۰۰؛

(معجم الشعراء للمرزبانی: عتاب کی بجائے عناب)

ابو حُزابة الولید بن حنیفة ۸: ۸۳(؟)، ۱۸: ۲۳۸؛

ابو حِزام العُکلی ۷: ۳۰۰؛

ابن ام حَزنة ۲: ۲۵۰؛

الحزین الکنانی (؟) هو عمرو بن عبد وُهَیب ۶: ۱۰ (؟)

۱۶: ۲۶۹؛

الحزین اللیثی ۱۵: ۳۰۰ (؟)؛

حسّان بن ثابت الانصاری ۱: ۵۷، ۸۶، ۴۳، ۱۰۰، ۱۷۰، ۳۲۶، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۳،
۴۷۷، ۲: ۱۷، ۳۱، ۹۳، ۱۶۶، ۲۲۶، ۲۵۴، ۴۷۸، ۴۸۷، ۳: ۳۰۳، ۳۰۳، ۳۸۳،
۳۹۱، ۵۰۷، ۴: ۶، ۴۴، ۵۵، ۱۰۶، ۱۴۷، ۲۲۰، ۲۵۰، ۳۸۸، ۴۳۰، ۵: ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۸۴، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۷۳، ۳۰۴، ۴۱۷، ۶: ۱۸، ۲۳، ۷:
۲۸، ۴۷، ۱۷، ۲۳۶، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۷۷، ۳۱۹، ۳۳۰، ۳۹۷،
۸: ۳۴، ۴۴، ۲۰۶، ۲۳۹، ۲۷۱، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۹۵، ۹: ۳۲، ۹۴،
۱۳۰، ۱۸۰، ۲۰۴، ۲۴۴، ۲۹۷، ۳۲۶، ۳۵۹، ۳۶۳، ۳۶۷، ۴۲۲،
۱۰: ۷۸، ۱۲۰، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۵۵، ۳۷۹، ۴۳۸، ۱۱: ۱۱۶، ۳۰۸،
۳۱۲، ۳۱۸، ۳۸۰، ۱۲: ۶۳، ۷۱، ۱۰۷، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۴۷، ۳۲۱،
۳۳۷، ۴۰۵، ۱۳: ۲۶، ۴۲، ۳۴۲، ۳۶۱، ۳۶۶، ۴۷۶، ۱۴: ۳۸،
۶۸، ۸۳، ۱۳۹، ۱۵۸، ۳۰۴، ۳۳۲، ۳۴۵، ۱۵: ۴۶، ۸۱، ۸۴، ۱۶۸،
۱۶۹، ۱۹۶، ۲۶۲، ۳۹۸، ۴۰۶، ۴۲۳، ۱۶: ۱۸، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۸۹،

۱۶: ۱۰۵، ۱۷: ۶۲، ۱۲۰، ۱۴۷، ۳۴۲، ۱۸: ۳۴، ۱۹: ۲۱۹، ۳۰۸،
۲۰: ۳۳، ۳۲۷؛

حُمَیْد الاَرْقط ۱: ۳۳۳، ۲: ۱۸۰، ۳: ۱۷۵، ۲۷۲، ۴: ۳۴۶، ۵: ۲۳۱،
۲۹۲، ۶: ۱۸۸، ۷: ۴۲۹، ۸: ۴۰۶، ۹: ۱۲۳، ۱۸۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۰،
۳۰۲، ۳۵۳، ۱۰: ۱۷۷، ۳۲۶، ۳۷۳ (؟)، ۱۱: ۴۶، ۱۲: ۲۰، ۲۱۲،
۲۱۸، ۱۳: ۵۳، ۶۵ (؟)، ۳۶۸، ۱۴: ۱۴۳، ۱۵: ۵۹، ۱۴۷، ۲۹۴،
۱۶: ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۹۲، ۲۱۲، ۱۷: ۳۸، ۱۸۸، ۲۵۰، ۲۷۹، ۳۳۲، ۴۵۱،
۱۸: ۱۵، ۱۶، ۱۱۶، ۲۷۲، ۱۹: ۱۷۵، ۲۰: ۹۴، ۲۵۳،
۲۸۰؛

حُمَیْد بن ثَوْر الہلالی ۱: ۴۳، ۱۱۹، ۱۵۵، ۲۳۰، ۲۵۴، ۲۶۲، ۳۳۵، ۳۴۶،
۳۸۰، ۲: ۴۹ (؟)، ۸۸، ۲۸۸، ۳۴۳، ۴۲۱، ۳: ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۹۹، ۲۰۲،
۲۱۰، ۲۱۶، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۷۷، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۰، ۴: ۱۰۲، ۱۸۹، ۲۲۹،
۲۳۶، ۲۴۲، ۲۵۷، ۱۲۹، ۳۹۳، ۴۲۸، ۴۸۳، ۵: ۲۱۵، ۲۳۸، ۲۵۶،
۲۵۷، ۶: ۳، ۳۷، ۴۲، ۵۴، ۲۰۰، ۲۵۲، ۲۷۶، ۳۶۶، ۷: ۱۳۷،
۱۵۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۳۴۰ (؟)، ۴۲۸، ۴۲۹ (؟)، ۸: ۲۵، ۸۷، ۱۳۶،
۱۴۶، ۲۸۱، ۲۸۷، ۳۶۲، ۳۷۶، ۹: ۱۸۴، ۲۲۲، ۲۲۹، ۳۲۵، ۴۰۱،
۴۳۴، ۴۳۹، ۴۵۰، ۴۷۴، ۴۷۷، ۱۰: ۳۰، ۷۸، ۱۰۹، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۳۰، ۲۹۶،
۳۷۳، ۱۱: ۳۶، ۷۷، ۱۲۳، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۲۹، ۲۷۹، ۳۶۰، ۳۷۸،
۴۲۳، ۱۲: ۳۶، ۱۸۰، ۴۱۳، ۱۳: ۳۵۵، ۴۳۱، ۱۴: ۲۳۲،
۳۰۸، ۳۲۸، ۱۵: ۱۱، ۱۴، ۴۹، ۱۳۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۹، ۲۴۰، ۲۸۹، ۳۲۶، ۳۳۴،

خ

د

دِرہم بن زید الانصاری ۳: ۲۴۵، ۱۷: ۱۳۶؛

دُرَید ـــ ھو دُرَید بن الصِّمَّۃ

ابن درید ۴: ۱۵۵، ۳۲۳، ۳۶۷، ۱۱: ۱۴۷ ۱۲: ۲۸۰؛

درید بن الصِّمَّۃ ۱: ۱۴۰، ۲: ۱۱۴، ۱۴۰، ۲۲۳، ۲۶۳، ۴۵۶، ۳: ۳۰۵،
۴: ۳۶۳، ۶: ۱۸، ۱۵۲، ۱۵۴، ۷: ۳۰، ۲۷۵، ۴۲۳،۔
۸: ۲۵۴، ۳۱۸، ۹: ۳۲۷، ۱۰، ۲۲۳، ۲۴۳ (؟)، ۲۷۹، ۱۱: ۲۷۶،
۱۲: ۴۳، ۶۱، ۶۴، ۳۲۵، ۱۴: ۱۲۹، ۱۵: ۵۵، ۱۶: ۱۷۶ (؟)، ۲۴۴ (؟)
۱۷: ۱۴۳، ۱۸: ۱۳۸، ۱۹: ۱۶، ۲۰۸، ۳۶۱، ۳۷۷، ۲۰: ۲۰۴؛

ابو الدُّقَیش ۸: ۲۸۰؛

دُکَین بن رَجاء الفُقَیمی السّعدی ۱: ۱۹۸، ۴۸۱، ۲: ۳۰، ۲۲۱، ۲۵۳، ۳:
۵۰، ۴: ۱۶۲، ۲۹۵، ۵: ۱۲۸، ۶: ۱۱۶، ۲۱۸، ۷: ۳۹۸،
۹: ۳۳۳، ۱۲: ۱۱۷، ۱۹۷، ۱۳: ۹۷، ۲۲۰، ۲۴۹، ۲۹۵، ۴۲۵،
۱۴: ۱۴، ۶۸، ۱۵: ۱۴۵، ۱۶: ۱۶۹، ۱۸: ۱۳۷، ۱۹: ۱۱۱، ۲۰: ۲۱،
۱۹۶؛ ۱۷: ۵۷ (؟)،

ابو دلامۃ ۳: ۱۴۱؛

دَلَم (ابو زُغَیب او ابو زُغَیبۃ) العَبشَمی ۱۲: ۳۵۷، ۱۵: ۸۹، ۹۴؛

ابن الدُّمَینۃ ۱۱: ۲۸۱، ۴: ۲۱۷، ۱۱: ۳۱۰، ۱۲: ۴۹،

ابن الدُّمَینۃ (ھو عبد اللہ بن عبید اللہ والدمینۃ امّہ) ۱۳: ۳۸۵، ۱۹: ۲۱۳؛

ابن الدّنبۃ الثقفی ۵: ۲۸۸ (؟)؛

دُھبُل ۱۳: ۱۶؛

ابو دُھبَل الجُمَحی ۲: ۳۰۷، ۴: ۱۴۱، ۵: ۶۶ (؟)، ۳۲۴ (؟)، ۶: ۱۲۴، ۳۸۰،
۹: ۱۲۲، ۴۹۴، ۱۱: ۱۴۳، ۱۲: ۱۶۷، ۳۳۸، ۱۵: ۳۰۶ (؟)۔

۱۷: ۸۸(؟)، ۲۴۳، ۱۹: ۴۳؛

دَهْلَب بن قُرَيْع ۳: ۴۷۳، ۸: ۲۶۵، ۱۴: ۶۶، ۱۶: ۳۰۰، ۱۷: ۲۲۳ (؟)؛

الدَّهناء (امرأة العجاج) بنت مِسْحَل ۵: ۱۵۸، ۹: ۲۰۲، ۱۰: ۴؛

ابو دواد ـــــ ملاحظہ ہو ابو دواد الایادی

ابودُواد الایادی ۱: ۲۰۲، ۲۷۰، ۲۹۷، ۳۴۵، ۳۸۱، ۴۵۷، ۴۸۴، ۲: ۸۳، ۱۷۳، ۲۰۱، ۲۳۴، ۲۳۵، ۴۰۵، ۳: ۱۲۶، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۷۰، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۶۰، ۳۲۲، ۳۶۷، ۴۴۸، ۵۰۲، ۴: ۴، ۳۴، ۴۳، ۱۰۵، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۳، ۳۲۷، ۴۳۱، ۵: ۲، ۴، ۶: ۲۹، ۴۰۹، ۴۱۵، ۸: ۴، ۷۳، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۹۳، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۷، ۳۰۴، ۳۶۰، ۳۶۱، ۹: ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۷۰، ۳۷۷، ۴۸۱، ۱۰: ۸۲، ۱۹۳، ۲۶۹، ۳۳۰، ۳۷۸، ۱۱: ۷۶، ۲۰۵، ۳۲۴، ۴۰۷، ۱۲: ۷۵، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۶۵، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۴۲، ۳۶۹، ۳۶۹، ۱۳: ۲۴، ۳۹، ۴۷، ۱۵۹، ۱۶۷، ۲۶۹، ۱۴: ۱۵۳، ۲۶۴، ۲۹۸، ۳۱۶، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۵، ۱۵: ۲۱۶، ۲۸۵، ۳۲۶، ۳۳۸، ۱۶: ۸۶، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۳، ۱۸: ۲۵۵، ۱۹: ۱۸۶؛

دُواد بن ابی دواد ۱۳: ۴۶؛ (یہی شعر ۸: ۱۱۱ پر ابو دواد کی جانب منسوب ہے۔

ابودُواد الرُّؤاسی ـــــ ملاحظہ ہو یزید بن معاویة

دُودان بن سعد الاسدی ۱۹: ۱۲۶(؟)؛

الذبیانی ۱۰: ۲۸۷، ۲۰: ۴۲۹؛

ابوذر الغفاری ۱: ۲۳۰(؟)؛

ابوذرّة الهذلی ۲: ۲۹۶، ۴۸۶؛

ذِرْوة بن خَجُفَة (کذا) الصُّموتی **۴** : ۱۱۱ خجفة کی بجائے حجفة)؛ **۱۵** : ۸۰،
۲۰ : ۱۵۳ (حُجفة)؛

ابن ذُرَیح —— ملاحظہ ہو قیس بن ذریح

ذَکْوان العِجْلی **۱۳** : ۴۰۲؛

ذُهْل بن فُرَیع **۱۳** : ۴۳۹ (؟)؛

ذو الاِصبع العَدْوانی **۲** : ۱۱۶، **۳** : ۶۴، **۴** : ۱۸۲، **۶** : ۲۲۲، ۲۵۰،
۷ : ۴۲۱، **۸** : ۱۰۳، ۱۸۶، ۲۷۵، **۱۰** : ۱۹۹، ۲۶۱، ۲۹۲، **۱۱** : ۲۱۲،
۱۳ : ۳۵۸، **۱۴** : ۳۹، ۱۶۶، **۱۶** : ۶۳، ۱۰۹، ۲۷۰، **۱۷** : ۲۴، ۲۸، ۱۴۹،
۱۷۰، ۳۳۰، ۳۵۹، ۴۳۶، **۱۸** : ۴۰، ۲۴۱، ۲۴۷، **۱۹** : ۴۳، ۱۴۷،
۲۰ : ۳۲۳؛

ذو البِجادَین —— ملاحظہ ہو عبد اللہ ذو البجادین المزنی

ذو الخِرَق الطُّهَوی **۱** : ۴۳۸، ۴۴۰، **۲** : ۳۰۵، **۹** : ۳۹۰، **۱۱** : ۳۶۴،
۱۲ : ۱۲۵، ۲۸۴، **۱۴** : ۳۱۷، **۱۵** : ۲۷، **۱۹** : ۳۱۳؛

ذو الرُّمَّة (ہو غَیلان العَدَوی) **۱** : ۱۱، ۷۸، ۹۵، ۱۱۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶،
۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۹۶، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۵۰،
۲۷۲، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۵۶،
۳۶۴، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۵، ۴۰۴،
۴۳۱، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۶۴، ۴۶۹،
۴۷۵، ۴۸۲، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۵، **۲** : ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۵، ۳۷،
۳۸، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۷۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۶۷،
۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۳،

۲۴۴، ۲۴۷، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۰،
۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۰، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۹، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۰۸،
۴۱۷، ۴۳۶، ۴۵۲، ۴۶۶، ۴۸۶، ۳: ۲۸، ۳۲، ۵۸، ۶۰، ۶۵، ۹۰، ۹۳،
۹۴، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۵،
۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵،
۲۳۶، ۲۵۴، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۶، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۱۶، ۳۲۱،
۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۹۴، ۳۹۵،
۴۱۰، ۴۲۰، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۵۴، ۴۶۴، ۵۰۷، ۵۰۸،
۵۰۹، ۴: ۱۲، ۴۳، ۵۴، ۶۳، ۷۰، ۹۰، ۹۵، ۹۹، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۴۵، ۱۵۷، ۱۶۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۳۱، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۵،
۳۰۸، ۳۳۱، ۳۵۹، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۴۱۲، ۴۲۵،
۵: ۳۰، ۴۱، ۴۴، ۵۴، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۴۵، ۱۴۸، ۲۰۵، ۲۱۴، ۲۴۲، ۲۵۵،
۲۶۶، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۲۲، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۶۱، ۳۸۸،
۳۹۶، ۴۰۰، ۴۱۱، ۶: ۳، ۵، ۶، ۱۴، ۱۸، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۴۹، ۷۰، ۸۰،
۸۷، ۹۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۶۰، ۱۶۱،
۱۸۰، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۶۸،
۲۸۱، ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۲۵، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۲، ۳۴۳، ۴۳۷، ۴۵۵،
۷: ۱۱، ۴۵، ۴۶، ۵۷، ۷۱، ۸۵، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۵۱،
۱۵۵، ۱۸۳، ۱۹۸، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۴۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۵، ۲۶۶،
۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۸، ۳۶۸، ۳۸۶،
۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۳، ۴۰۱، ۴۱۹، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۴، ۸: ۵، ۱۲، ۱۷، ۲۷،

۴۳، ۵۴، ۶۶، ۶۹، ۸۹، ۹۱، ۹۲، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۷۶،

۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲

۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۵۰، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۸۱، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۱، ۹: ۱۰، ۱۱،

۱۲، ۱۸، ۲۷، ۴۸، ۴۴، ۶۴، ۷۴، ۷۶، ۷۸، ۸۵، ۸۶، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱

۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۷۱، ۱۸۱، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۳،

۲۱۹، ۲۲۰، ۲۳۳، ۲۵۹، ۲۷۴، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۵۱،

۳۶۶، ۳۶۹، ۳۸۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۶، ۴۲۳، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۶۱،

۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۹، ۱۰: ۷، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۴۸،

۵۴، ۵۵، ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۶۸، ۷۰، ۸۲، ۸۴، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۹

۱۴۷، ۱۵۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۹، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۴۷، ۲

۲۶۲، ۲۷۴، ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴،

۳۵۸، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۶، ۳۹۶، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۳۵، ۴

۱۱: ۳، ۴، ۱۲، ۶۶، ۸۲، ۱۰۰، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۲،

۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۴، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۳،

۲۶۴، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۸۴، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۱

۳۳۱، ۳۴۰، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۸۰، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴

۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۱۲: ۵، ۳۵، ۳۷، ۵۲، ۵۳، ۸۲، ۸۹،

۹۱، ۹۷، ۹۹، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۸۵،

۲۱۹، ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۶۷، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱،

۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۶۲، ۳۶۵،

۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۷، ۴۰۱، ۱۳: ۵، ۳۶، ۳۹، ۴۴، ۴۵، ۴۷،

۷۹، ۸۴، ۸۸، ۹۳، ۹۷، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۳،
۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۷۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۳۳،
۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۷۱، ۲۸۰، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۲۷، ۳۲۸،
۳۳۳، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۵۶، ۳۶۸، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۰،
۳۸۱، ۳۸۵، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۲۱، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۴،
۴۴۶، ۴۴۷، ۴۵۳، ۴۶۱، ۴۷۹، ۴۸۶، ۴۸۹، ۴۹۳، ۴۹۴،
۱۴: ۵، ۱۴، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۳۱، ۳۳، ۴۴، ۶۷، ۶۹، ۸۴، ۸۶،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۱۱،
۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۵۷،
۲۵۸، ۲۶۷، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۹۴، ۳۱۳، ۳۱۴،
۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۷۴، **۱۵**: ۸، ۳۳،
۶۹، ۷۱، ۷۹، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۲۵، ۱۳۲،
۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۱، ۱۶۵، (؟۹۰، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۹۶،
۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۶۵،
۲۷۹، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۶۱، ۳۶۲،
۳۶۴، ۳۷۶، ۳۸۴، ۴۲۶، ۴۳۱، ۴۳۴، **۱۶**: ۱۷، ۴۲، ۴۳،
۴۵، ۶۴، ۶۶، ۷۳، ۸۰، ۸۲، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۳۱، ۱۴۰،
۱۶۸، ۱۸۱، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۵، ۲۲۷، ۲۳۹، ۲۴۴، ۳۰۲،
۳۰۳، **۱۷**: ۱۴، ۲۰، ۳۴، ۷۲، ۷۴، ۸۸، ۱۰۳، ۱۵۴، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۶،
۱۸۴، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۶۹، ۳۰۲، ۳۳۷،
۳۶۶، ۳۸۲، ۳۹۳، ۴۱۳، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۴۰، ۴۴۴،

۴۶۳، **۱۸**، ۵۶، ۵۷، ۶۴، ۶۸، ۸۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۵۰، ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۹۱، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۶،
۲۳۲، ۲۴۸، ۲۶۰، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۸،
۱۹: ۱۰، ۲۴، ۳۶، ۶۲، ۸۷، ۹۰، ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۷،
۲۴۳، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۶، ۳۳۷، ۳۳۸،
۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۷، **۲۰**: ۲، ۸، ۲۲، ۲۸، ۳۹، ۴۲،
۴۸، ۶۱، ۶۶، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۷، ۱۶۵،
۱۷۱، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۶۹، ۲۷۴،
۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۶، ۳۵۷، ۳۶۳، ۳۷۵۔

ذُؤَیب بن زُنَیم الطُّہَوِیّ ۷: ۸۹؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن زنیم)

ابو ذُؤَیب الہُذَلِیّ ۱: ۱، ۴۱، ۴۹، ۷۹، ۱۶۴، ۱۷۴، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۶۳(؟)
۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۹۱، ۳۹۶،
۴۱۰، ۴۱۲، ۴۲۲، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۲، ۴۹۴
۴۹۵، **۲**: ۱۲، ۱۸، ۲۴، ۲۵، ۳۴، ۳۶، ۴۶، ۸۷، ۹۵، ۹۶، ۱۰۴،
۱۱۲، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۶۹، ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۵،
۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۸۰، ۳۳۶ (؟)، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۸۴، ۴۰۱،
۴۵۶، ۴۷۶ **۳**: ۸، ۲۷، ۲۹، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۳،
۵۱، ۶۸، ۷۵، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۹۰، ۹۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۹۰،

۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۲،
۲۶۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۲۰، ۳۳۱،
۳۴۲، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۷۹، ۳۹۰، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۷،
۴۲۲، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۳۷، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۸،
۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۴، ۴۶۷، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۸، ۴۸۴، ۴۸۷، ۴۸۸۔
۴: ۳۵، ۴۷، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۱۵۵، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴ (؟)، ۱۷۹،
۱۸۴، ۱۹۵، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۷۲، ۳۰۲، ۳۱۴،
۳۲۵، ۳۶۴، ۴۰۱، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۶، ۴۴۳،
۴۶۴، ۴۷۲، ۴۷۴، ۵: ۶، ۷، ۸، ۷۳، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۱۷، ۱۲۵،
۱۳۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۶۱، ۲۷۱، ۲۷۵، ۹۰
۲۷۶، ۳۰۴، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۸۸، ۶: ۲۶، ۵۱، ۵۶، ۶۳، ۹۹،
۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۸۳،
۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۹۱، ۳۳۹،
۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۷، ۳۸۱، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۷،
۴۰۹، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۷۱، ۴۷۲، ۷: ۷، ۱۱، ۱۶، ۱۷، ۶۱، ۸۲، ۹۵،
۹۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۷۸، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۵۸، ۳۱۰، ۳۳۵،
۳۶۶، ۳۸۷۔ ۸: ۹، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۶۶، ۷۶، ۸۴، ۱۰۰،
۱۴۰، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۹۸، ۲۴۰، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۷۶،
۳۵۲، ۳۵۷، ۳۸۴، ۴۱۱، ۹: ۲۲، ۲۶، ۳۰، ۷۸، ۸۷، ۹۱، ۱۰۹،
۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۲۲، ۲۴۲، ۲۷۳، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۴۴،
۳۵۸، ۳۶۲، ۳۶۹، ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۱، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۹،

۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴۵۲، ۴۶۹، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۸۳، ۵|: ۴، ۵،
۹، ۱۲، ۵۲، ۵۳، ۶۲، ۶۴، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۹۳، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۴،
۱۴۹، ۱۵۰، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۳ (؟)، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۹۳، ۲۹۴،
۲۹۵، ۳۱۲، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۸۹، ۴۰۰، ۴۰۴، ۴۱۶، ۴۳۵، ۴۳۸،
۴۴۴، ۴۴۹، ۱|: ۳، ۹، ۴۳، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷،
۱۲۶، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۶۱، ۲۰۸، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۷۸،
۲۷۹، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۶۱، ۳۶۳، ۴۰۴، ۲|: ۱۳، ۲۴،
۴۵، ۶۱، ۶۳، ۷۳، ۹۴، ۹۷، ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۷۶،
۲۰۹، ۲۵۸، ۲۷۷، ۳۴۶، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۱، ۳|: ۴، ۹، ۱۶،
۳۹، ۴۰، ۵۶، ۷۹، ۹۶، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۳ (؟)، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۰،
۱۴۹، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۲۴، ۲۴۵، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۳،
۳۰۱، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۶،
۳۶۹، ۳۸۶، ۳۸۸، ۴۱۵، ۴۲۷، ۴۴۰، ۴۷۱، ۵۱۰، ۴|: ۳۷، ۳۹،
۴۲، ۷۶، ۷۹، ۸۰، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۳۹، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۰،
۱۹۴، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۴، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۳۶، ۳۵۶، ۳۶۸، ۵|:
۱۰، ۴۵، ۵۱، ۶۲، ۸۵، ۹۹، ۱۰۴، ۱۱۴، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۹۳،
۱۹۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۳۰، ۳۳۲،
۴۱۹، ۶|: ۱۵، ۱۷، ۴۷، ۵۷، ۶۲، ۶۵، ۷۲، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۵۴،
۲۶۷، ۲۶۸، ۷|: ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۸، ۵۰، ۷۳، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۷۷، ۲۰۲،
۲۱۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۴۱۷، ۸|: ۸، ۳۶، ۶۹، ۸۱، ۱۱۱، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۶،
۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۶، ۱۹۹، ۲۱۰، ۲۶۸، ۲۷۱، ۳۰۶، ۳۱۶،

۸۹، ۹۶، ۱۱۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۲۸،
۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۶۷، ۳۷۶، ۳۹۴، ۴۰۰، ۴۱۷، ۴۶۶،
۴۷۴، **۷**: ۱۷، ۳۱، ۳۵، ۵۰، ۶۷، ۹۵، ۱۳۴، ۱۶۶، ۱۹۴، ۲۱۶،
۲۱۸، ۲۲۳، ۲۵۸، ۲۹۲، ۳۱۱، ۳۲۵، ۳۴۳، ۳۷۳، ۴۲۱، ۴۳۱، ۴
۸: ۳، ۵، ۲۱، ۲۵، ۲۸، ۷۵، ۱۱۸، ۱۴۹، ۱۷۳، ۱۸۹، ۲۵۳، ۲۵۸،
۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۴، ۳۰۹، ۳۱۵، ۳۹۴، **۹**: ۲۵، ۴۸، ۷۸، ۸۱،
۹۳، ۹۹، ۱۰۵، ۱۹۲، ۲۸۲، ۳۲۴، ۳۵۴، ۳۶۷، ۳۸۶، ۳۹۳،
۴۱۳، ۴۱۵، ۴۳۰، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۹،
۱۰: ۵، ۱۳، ۱۵، ۴۴، ۴۵، ۶۰، ۷۱، ۷۸، ۹۳، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۴۱،
۱۵۶، ۱۷۴، ۱۸۲ (؟)، ۲۰۸، ۲۲۹، ۲۴۴، ۲۶۱، ۲۶۹، ۳۵۰، ۴۰۸،
۴۲۷، **۱۱**: ۱۳، ۵۳، ۶۷، ۶۸، ۱۱۳، ۱۴۲، ۲۲۲، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۷۰،
۳۷۸، **۱۲**: ۲۳، ۸۰، ۸۲، ۸۶، ۹۱، ۹۹، ۱۲۳، ۱۵۰، ۱۷۱، ۱۷۳،
۱۷۹، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۸، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۸۱،
۲۹۷، ۲۹۸، ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۶۶، ۳۷۳، ۳۹۹، ۴۰۳، **۱۳**: ۳، ۴،
۵۵، ۶۳، ۸۴، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۵۷، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۸۴، ۲۵۰،
۲۵۸، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۰۵، ۳۲۵، ۳۴۱، ۳۷۲، ۴۰۶، ۴۱۸، ۴۳۰،
۴۵۳، **۱۴**: ۹، ۱۰، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۴۱، ۵۸، ۱۰۲، ۱۴۴، ۲۱۵، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۷۲، ۳۲۷، ۳۳۶، ۳۵۰، **۱۵**: ۱۳، ۵۱، ۷۸، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۳۱،
۱۴۸، ۲۰۳، ۲۱۷، ۲۷۵، ۲۹۱، ۳۱۷، ۳۳۱، ۳۴۱، ۴۲۴،
۱۶: ۲۹، ۳۸، ۴۷، ۶۸، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۴۱، ۱۵۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۹۸،
۲۴۷، ۲۶۵، **۱۷**: ۲۱، ۷۷، ۸۷، ۹۶، ۱۰۳، ۱۳۱، ۱۷۸، ۱۸۰،

الرَّمّاح - ملاحظہ ہو ابن مَیّادَة

ابن رُمَیْض (وقیل رُمَیْص) العَنْبَرِی **۴**: ۲۱۹، **۱۵**: ۱۱۹، **۱۷**: ۳۸۹؛

ابوالرهیم العنبری **۱۲**: ۳۱۵؛

ابن رواحة الانصاری - ملاحظہ ہو عبداللہ بن رواحة

رُؤبة (بن العجاج) **۱**: ۱۲، ۴۸، ۵۸، ۶۸، ۱۸۲، ۲۱۰، ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۹۹، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۸، ۳۷۴، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۲۰، ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۴۲، ۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۸، ۴۷۶؛ **۲**: ۵، ۱۵، ۵۷، ۵۸، ۸۰، ۹۹، ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۳۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۴۳، ۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۵، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۴۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۷، ۴۶۸، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵؛ **۳**: ۳، ۴، ۹، ۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۵۲، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۵، ۹۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۴، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۰۹، ۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۰، ۳۸۸، ۴۲۱، ۴۴۷، ۴۵۳، ۴۷۸، ۴۸۶، ۴۸۴، ۵۰۴؛ **۴**: ۱۵، ۲۵، ۳۷، ۳۸، ۵۹، ۱۰۰، ۱۴۱، ۱۷۸، ۱۸۴، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۸۷، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۱۱، ۴۲۰، ۴۳۴، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۷۱، ۴۸۱، ۴۷۳، ۴۸۳، ۴۸۴؛ **۵**: ۴۳، ۱۲۰، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۵۸،

۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۹، ۳۰۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۶۲، ۳۷۴، ۳۹۶،

۴۰۲، ۴۲۵، ۴۴، ۶ : ۲۲، ۴۷، ۴۸، ۷۱، ۹۸، ۱۴۵، ۱۶۵، ۲۱۴ (؟)،

۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۳ (؟)، ۲۷۷، ۳۵۸، ۳۸۲، ۳۹۷، ۴۱۱، ۴۳۷،

۴۴۵، ۴۴۹، ۴۴، ۴۵۰، ۷ : ۲۸، ۳۰، ۳۶، ۶۷، ۷۱، ۷۸ (؟)، ۱۶۸،

۱۷۱، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۲، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸،

۲۳۱، ۲۳۴، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۱،

۲۷۲، ۲۷۴، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۶، ۳۱۴، ۳۴۸،

۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۱۵،

۴۱۷، ۴۲۹، ۴۳۳، ۴۳۴، ۸ : ۴، ۵، ۶، ۱۱، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۳،

۳۳، ۳۷، ۵۶، ۵۸، ۶۲، ۶۵، ۷۱، ۱۰۴، ۱۱۸، ۱۳۷، ۱۴۲،

۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۲،

۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶،

۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۴۳،

۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۷۱، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۵۸،

۳۷۸، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۴،

۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۹ : ۳، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۷،

۴۱، ۶۳، ۶۴، ۷۵، ۸۱، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹،

۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۹۶ (؟)،

۲۱۸، ۲۳۷، ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۵،

۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۷، ۳۰۴، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۶، ۳۳۱، ۳۳۳،

۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۲، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷،

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۲) بابت ماہ فروری ۱۹۳۸ء عدد مسلسل ۵۲

فہرستِ مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور رابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی، (بحروف فارسی)، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقت اشاعت و | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا

قیمت اشتراک | سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے عہ۱۲ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط و کتابت و ترسیل زر | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر | حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے۔ اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ؛

کلام منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

مسمطات - منوچہری اپنے کلام سے ایک کہنہ مشق شاعر معلوم ہوتا ہے اور اکثر عجیب عجیب قافیوں اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اس نے شعر گوئی کے نئے نئے طریقے نکالے۔ غالباً وہ سب سے پہلا فارسی شاعر ہے جس نے مسمط میں شعر کہا ہے۔ یہ نظم چند بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر بند میں چھ مصرع ہوتے ہیں جو ہم قافیہ ہوتے ہیں یا پہلے پانچ ہم قافیہ اور چھٹا یعنی آخری پہلے بند کے آخری مصرع کے ساتھ ہم قافیہ ہوتا ہے منوچہری کو مسمط کا موجد مانا گیا ہے اور اسے خود بھی اس بات پر ناز تھا چنانچہ کہتا ہے ؎ طاؤس مدیح عنصری خواند، دُرّاج مسمّط منوچہری

ان مسمطات میں منوچہری نے واقعات کے بیان کرنے میں بالکل ایک نئی طرز استعمال کی ہے ایک مسمط میں اس نے انگوروں کی بیل کی نشو و نما سے لے کر شراب تیار ہونے تک کے تمام مختلف تغیرات کو تشبیہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے انگوروں کی بیل کو ایک ماں اور انگوروں کو اس کی متعدد بیٹیاں قرار دیا ہے باغبان ان بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور ان کو اکثر دیکھنے کے لئے آتا رہتا ہے اتفاقاً اسے چند روز کے لئے باہر کسی سفر پر جانا پڑتا ہے واپسی پر وہ دیکھتا ہے کہ بیٹیوں کے خوبصورت چہروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے۔ اور وہ تمام کی تمام حاملہ ہو گئی ہیں (شیرہ کی وجہ سے بوجھل ہو گئی ہیں) یہ معلوم کر کے اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے۔ کہ یہ لڑکیاں بدمعاش ہیں۔ لڑکیاں عذر کرتی ہیں لیکن وہ ان کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اور ان کے سر کاٹ ڈالتا ہے ....
یہی پیرایہ بیان آخر نظم تک چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شراب تیار ہو جاتی ہے، اس طرز کا لطف نظم کے پڑھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے چند منتخب شعر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

شاخ انگور کہن دخترکاں زاد بسے ۔۔۔ کہ نہ از درد بنالید و نہ بر زد نفسے

ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ بیش و نہ پسے ۔۔۔ نہ ورا قابلۂ بود و نہ فریاد رسے

این چنین آساں فرزند نزاد است کسے

کہ نہ دردے بگرفتہ متواتر نہ تبے

چوں نگہ کرد بداں دخترکاں مادر پیر ۔۔۔ سیر بود ند لیکا یک چہ صغیر و چہ کبیر

کردشان مادر بستر همه از سبز حریر　　نه خورش داد مران بچگانرا و نه شیر

نه شغب کردند آں بچگاں نه هیچ نفیر

بچهٔ گرسنه دیدی که ندارد شغبی

بچگانش بنهادند تن خویش بر آب　　نه تپیدند و نه جستند ازاں بستر خواب

گره کردند سر بر محکم کردند رقاب　　رو بها یکسره کردند بزنگار خضاب

دادشاں رزباں پیوسته شرابی چو گلاب

نشد از جانب شاں غائب روزی و شبی

گفت پندارم کاں دخترکاں آن من اند　　چون دل و چون جگر و چون تن و چون جان من اند

تا بباشند بریں رز و مهمان من اند　　رز فردوس من است ایشاں رضوان من اند

دریں باغ و دریں خان و دریں مان من اند

دارم اندر سر شاں سبز کشیده سلبی

در چو بگشاد و بداں دخترکاں کرد نگاه　　دید چوں زنگی هر یک را در روی سیاه

جای جای بچه تاباں چوں زهره و ماه　　بچهٔ سرخ چو خوں و بچهٔ زرد چو کاه

سرنگونسار ز شرم و رو تیره ز گناه

هر یکی با شکم حامل و پر نار لبی

رزباں را بد و ابروی برافتاد گره　　گفت لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِالله

ایں بلای بچگاں در حق من آمده زه　　همه آبستن گشتند بیک شب که و مه

نیست یک تن میان همگاں ایدر به

ایں چنیں زانیه باشند بچه هر عنبی

دختران رز گویند که ما بی گنهیم　　ما تن خویش بدستور بنی آدم ندهیم

ما همه سر بسر آبستن خورشید و مهیم　　ما توانیم که از خلق جهاں دور جهیم

منوا نیم کہ از ماہ و ستارہ برہیم
ز آفتاب و مہ ما ل سُود ندارد ہر بیے

روز ہر روز سے خورشید بتابد بر ما خویشتن بر نگند بر تنِ ما و سر ما
چوں شب آید برود خورشید از محضر ما ماہتاب آید و برچپد و پیکر ما

وین دو تن دُور بگردند ز بام و دِرما
نکند ہیچ کس ایں سبے او باں را ادبے

منوچہری کا ایک محبوب ترین موضوع

اس نظم کے علاوہ اور بہت سی نظموں میں منوچہری زچگی، حمل، دایہ، شیر خوارگی اور دردِ زہ وغیرہ امور کا عام ذکر کرتا ہے، وہ تمام چیزوں مثلاً زمین، بادل، سیب، انار وغیرہ سب کو حامل خیال کرتا ہے مثلاً ؎

دانددر شکلش خورد کے خوردکے دو سر گنبد ، زنگی بچہ خفتہ بہر یک چوں قار

یا مثلاً ؎ یک دخترِ دوشیزہ بدو رخ ننماید الّا ہمہ آبستن و الّا ہمہ بیمار

خم شراب کے بارہ میں کہتا ہے ؎

چو آبستناں اشکم آوردہ پیش چو خرما بُناں پہن فرقِ سرے

اس نے زمانہ اور موسم کو بھی حامل قرار دیا ہے ؎

زمانہ حاملِ ہجر است و لا بُد نہد یک روز بار خویش حامل

اور ؎ باز جہاں خرّم و خوب ایستاد مُرو زمستان و بہاراں بزاد

زمین اور مرغانِ چمن کے متعلق کہتا ہے ؎

خاک پنداری بماہِ و شتری آبستن است مرغ پنداری کہ ہست اندر گلستاں شیر خوار
آں یکے گویا چرا شد نارسیدہ چوں مسیح واں دگر بے شوے چوں مریم چرا بر داشت بار

بارش کے قطرے پھولوں کے بچوں کے لئے دودھ کا کام دیتے ہیں ؎

واں قطرۂ باراں سحرگاہے بنگر بطرفِ گُلِ ناشگفتہ بر سیار

ہمچو پستان پیروئے عروساں   واندر سر پستان بشیر آمدہ ہموار

رات ہر روز ایک بچہ دیتی ہے ؎

شبے گیسو فرو ہشتہ بدامن   پلاسش معجرو قیریش گرزن
بکردار زنے زنگی کہ ہر شب   بزاید کودکے بلغاری آں زن

ایک انار کے ہاں تین سو لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں ؎

آں نار ہمیدوں بزن حاملہ ماند   واندر شکم حاملہ مشتے پسرانست
مادر بچہ را یا دو پسر آرد یا سہ   وین نار چرا مادر سیصد بچگانست
انگور سیاہ است و چوماہست عجب نیست   زیرا کہ سیاہی صفت ماہ رویانست
عیبش جز این نیست کہ آبستن گشتہ   او نیز یکے دختر کے تازہ جوانست
بے شوے شود آبستن چوں دختر عمراں   ویں قصہ بسے عجب تر و خوشترازانست
زیرا کہ گر آبستن مریم بدہاں بود   ایں دختر رز را نہ لب است و نہ دہانست
آبستنئ دختر عمراں بہ پسر بود   و آبستنئ دختر انگور بجانست

اس کے ہاں بادل بھی حامل ہے ؎

کنار آبداں گشتہ بشاخ ارغواں حامل   سحاب ساجگوں گشتہ بطفل عاجگوں حبلی

الغرض تقریباً تمام دیوان ایسے خیالات سے پر ہے

منوچہری کی قوت بیان

منوچہری غیر جاندار چیزوں کی تعریف اور بیان کرتے وقت ایک غیر معمولی ہستی معلوم ہوتا ہے۔ خواہ وہ چیز طبعی ہو مثلاً قوس قزح کا ظہور یا موسلا دھار بارش کا نزول وغیرہ اور خواہ مصنوعی مثلاً شمع یا قلم یا خم یا شراب وغیرہ۔ یہی حال نباتی اشیاء کے بیان کا ہے۔ مثلاً سیب۔ سنگترہ یا نارنگی وغیرہ۔ چنانچہ چند ایک مثالیں توضیح مقام

کا کام دیں گی ؎

بنگر بہ ترنج اے عجبے دار کہ چون است	پستانِ سخت است و دراز است و نگون است
زرد است و سپید است و سپیدیش فزون است	زردیش برون است و سپیدیش درون است
چوں سیم درون است و چو دینار برون است	آگندہ براں سیم درون تودۂ شہوار

اپنے ممدوح کے ایک محل کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

ایں قصرِ خجستہ کہ بنا کرد امسال	با غرفۂ فردوس بفردوس قرین است
چوں قدرِ تو عالی و چو روئے تو کشادہ	چوں عہدِ تو نیکو و چو حلمِ تو رزین است
چوبش ہمہ از صندل و از عودِ قماری	سنگش ہمہ از گوہر و یاقوت ثمین است
آبش ہمہ از کوثر و از چشمۂ حیواں	خاکش ہمہ از عنبر و کافورِ عجین است

اسی طرح ایک خمِ شراب کا ذکر یوں کیا ہے ؎

چنیں خواندم امروز در دفترے	کہ زنداست جمشید را دخترے
سفالیں عروسے بمہرِ خدائے	بروبر نہ زرّے و نہ زیورے
بر بستہ سفالیں کمر ہفت ہشت	فگندہ بسر بر تنک معجرے
بسے خاک بر نشستہ بر فرقِ او	نہادہ بسر بر گلیں افسرے
ہمی بوئے مشک آیدش از دہاں	چو بوئے بخور آید از مجمرے
لبا غر لب خویش بردم فراز	مرا ہر لبے گشت چوں شکرے

ایک گھوڑے کی تعریف جو ممدوح نے اسے عطا کیا تھا ملاحظہ ہو ؎

آفریں زاں مرکبِ شبدیز نعل و رخش روے	اعوجے مادرش و آں مادرش را یحموم شوے
گاہِ بر رفتن چو مرغ و گاہ پیچیدن چو مار	گاہِ راہواری چو کبک و گاہِ برجستن چو گوے
چوں نہنگاں اندر آب و چوں پلنگاں بر جبال	چوں کلنگاں بر ہوا و ہمچو طاؤساں بکوے
ابر سیر و بادگرد و رعد بانگ و برق جہ	کوہ کوب و سیل بر و شخ نورد و راہ جوے

چونکہ یہ گھوڑا بغیر زین کے ملا تھا اس لئے آخر میں کہتا ہے ؎

این چنین اسپے مرادادست بے زین شہریار ۔ اسپ بے زین آنچناں باشد کہ بے دستہ سبوے

آئندہ اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات روزگار کا سماں دکھلایا ہے ؎

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی ۔ چو آشفتہ بازار بازارگانی

بدرد کساں صابری اندر و تو ۔ ببدنامیٔ خویش ہم داستانی

بہر کار کردم ترا آزمایش ۔ سراسر فریبی سراسر زیانی

وگر آزمایت صدبار دیگر ۔ ہمانی ہمانی ہمانی ہمانی

غمیں ترکس آنکش غنی ترکنی تو ۔ فروترکس آنکش تو برتر نشانی

ہمہ روز ویراں کنی کار مارا ۔ نترسی کہ یک روز ویراں بمانی

ستانی ہمی زندگانی زمر دم ۔ از یرا درازست بود زندگانی

بزرق تو این بار غرّہ نگردم ۔ گر انجیل و تورات پیشم بخوانی

ایک قصیدہ میں طلوع آفتاب، ہوا کے چلنے، بجلی کے چمکنے، کڑک، طوفان باران اور سیلاب وغیرہ امور طبعیہ کا نظارہ بدیں الفاظ پیش کیا ہے ؎

سر از البرز برزد قرص خورشید ۔ چو خوں آلودہ دزدے سر ز مکمن

بکردار چراغ نیم مُردہ ۔ کہ ہر ساعت فزوں گردد ز روغن

برآمد باد از اقصائے بابل ۔ ہبوبش خارہ درّ و بارہ افگن

تو گفتی کز ستیغ کوہ سیلے ۔ فرود آرد ہمی احجار صد من

ز روئے بادیہ برخاست گردے ۔ کہ گیتی کرد ہمچوں خزّ ادکن

بجنبد ہر زماں از میغ برقے ۔ کہ کردے گیتیٔ تاریک روشن

چناں آہنگرے کز کورۂ تنگ ۔ بشب بیروں کشد رخشندہ آہن

خروشے برکشیدے تند تندر ۔ کہ سوئے مردماں کردے چو سوزن

بلرزید سے زمیں از زلزلہ سخت   کہ کوہ اندر فتاد سے زو بگردن

توگفتی ہر زمانے ژندہ پیلے   بلرزاند ز رنجِ لشگاں من

فرو بارید بارانے ز گردوں   چناں چوں برگِ گل بارد ز گلشن

ز صحرا سیلہا برخاست ہر سو   دراز آہنگ و پیچان و زمیں کن

نماز شامگاہاں گشت صافی   ز روئے آسماں ابرِ معکن

مندرجہ بالا اشعار ہمارے خیال میں نہائت اعلےٰ پایہ کے ہیں، اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایسے امُور کا نقشہ کھینچنا ناممکن ہے، اسی طرح موسم بہار کا ذکر تقریباً تمام شعرائے ایران نے کیا ہے، لیکن جو قدرتی تصویر منوچہری نے کھینچی ہے اس کی مثال متأخرین و متقدمین میں سے کسی سے بن نہیں آئی۔ وہ صرف گل و بلبل کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سامعین کو ہر ایک درخت، پھل، پھول، پتے، شاخ اور تمام قدرتی چیزوں خصوصاً پرندوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، چنانچہ ایک مسمط کے دو بند ملاحظہ ہوں جو موسم بہار پر ہے ؎

روئے گل سرخ بیا راستند   زلفکِ شمشاد بہ پیراستند

کبکاں بر کوہ بتگ خاستند   بلبلکاں زیر ستا خواستند

فاختگاں ہمبر بنشاستند   نائے زناں بر سرِ شاخ چنار

طوطیکاں بر گلکاں تا ختند   آہوکاں گوش بر افراختند

گورخراں میمنہا ساختند   زاغاں گلزار بہ پرداختند

بے دلکاں در پئے دل تاختند   بازکانِ چنگل و منقار

ایک اور مسمط کا بھی یہی حال ہے۔ نمونہ یہ ہے ؎

کبکاں بے آزار کہ بر کوہ بلندند   بے قہقہہ یکبار نہ بینیم کہ بخندند

جز خار بناں جائگہِ خود نہ پسندند   بر پہلو ازیں نیمہ بداں نیمہ بدندند

ہر سا عتکے سینہ بمنقار بر ندند   چوں جزع بر سینہ و چوں بسد بہ منقار

ایک اور مسمط کا ایک بند ملاحظہ ہو ؂

چوک ز شاخِ درخت خویشتن آویختہ	زاغ سیہ بر دو بال غالیہ آمیختہ
ابر بہاری ز دور اسپ بر انگیختہ	وز ہم اسپ سیاہ لؤلؤ تر ریختہ
در دہن لالہ باد ریختہ و بیختہ	بیختہ مشک سیاہ ریختہ دُر ثمین

ایک قصیدہ میں بارش کا سماں دکھلایا ہے، کبھی دھیمی اور کبھی موسلادھار۔ تالاب کی سطح پر اس کے قطرے گر کر مختلف شکلوں کے ببلے پیدا کرتے ہیں ؂

آں قطرۂ باراں بیں از ابر چکیدہ	گشتہ سر ہر برگ ازاں قطرہ گہر بار
آویختہ چوں ریشۂ دستار چۂ سبز	سیمیں گرہے بر سر ہر ریشۂ دستار
یا ہمچو زبر جد گوں یک دستۂ سوسن	اندر سر ہر سوزن یک لؤلؤ شہوار
ہمچوں سر پستان پری روئے عروساں	واندر سر پستاں بر شیر آمدہ ہموار
بر برگِ گلِ نسریں آں قطرۂ دیگر	چوں قطرۂ خوے بر زنخ لعبتِ فرخار
واں دائرہا بنگر اندر شمر آب	ہر گہ در آں آب چکد قطرۂ امطار
چوں مرکزِ پر کار است آں قطرۂ باراں	واں دائرۂ آب بسانِ خطِ پرکار

اسی طرح کسی چیز کے بیان میں وہ عُرفی اور جبلی کی طرح محض عام یا پیچیدہ تشبیہات و استعارات کو جمع نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے سامنے اس کا صحیح صحیح مرقع کھینچ دیتا ہے، چنانچہ ممدوح کے گھوڑے کی تعریف میں کہا ہے ؂

حبذا اسپِ محجّل مرکبِ تازی نژاد	نعل او پروین فشاں و سمِ او خارا شکن
چوں زبانے اندر آتش چوں سلحفاۃ اندر آب	چوں نعائم در بیاباں چوں بہائم در قرن
رام زین و خوش عنان و کش خرام و تیز گام	شخ نورد و راہ جوے و سیل بُر و کوہ کن
رخش با او لاغر و شبدیز با او کندرو	ورد با او ارجل و یحموم با او اژ کہن

وہ تشبیہ و استعارات کے استعمال میں ایسا ماہر ہے۔ کہ باوجود کثرت کے وہ بالکل نئی اور مرکب

ہوتی ہیں۔ اس کے الفاظ فصیح اور تشبیہات دلکش اور مؤثر ہیں ؎

منوچہری کا لُغز اور چیستان

منوچہری نے بعض قصیدے لُغز میں کہے ہیں۔ جن میں ممدوح کی تعریف استعارات کے پیرایہ میں کرتا ہے۔

مثلاً ؎

اے پیکرِ منوّر محرور خوں چکاں ‏ ‏ ثعبانِ آتشیں دم روئینہ استخواں

روشن دروں و نقبۂ دل گرم و آثر خاے ‏ ‏ آتش نہاد خاکی و معمور دوداں

ہموارہ در فضائے توہم دیو و ہم پری ‏ ‏ پیوستہ در ہوائے تو ہم پیر و ہم جواں

خاک است طینتِ تو و آب ہم مزاج ‏ ‏ دلو است طالعِ تو و با حُوت ہم عناں

محروری و تو دفعِ حرارت کنی بآب ‏ ‏ لیکن ترا بفرطِ رطوبت بود زیاں

در آب و آتشی زدلِ گرم و چشمِ تر ‏ ‏ چوں دشمنانِ خسرو کیخسرو آستاں

لغز شمع

اے نہادہ بر میانِ فرقِ جانِ خویشتن ‏ ‏ جسم ما زندہ بجان و جانِ تو زندہ بہ تن

گو کبی آرے ولیکن آسمانِ تست موم ‏ ‏ عاشقی آرے ولیکن ہست معشوقت لگن

چوں بمیری آتش اندر تو رسد زندہ شوی ‏ ‏ چوں شوی بیمار بہتر گردی از گردن زدن

تو مرا مانی بعینہ من ترا مانم درست ‏ ‏ دشمن خویشیم ہر دو دوستدارِ انجمن

آنچہ من بر دل نہادم بر سرت بینم ہمی ‏ ‏ آنچہ تو بر سر نہادی در دلم دارد وطن

مندرجہ[1] ذیل قصیدہ بھی شمع کی چیستان میں ہے ؎

چیست آں شخصے چو زریں سرو و چوں سیمیں بدن

خویشتن سوزان و گریاں و گدازاں ہم چو من

---

[1] رضا قلی خاں کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ منوچہری کا نہیں کیونکہ دو قصیدہ (۳۳ اور ۸۶) ایک ہی بحر و قافیہ میں ایک ہی مضمون پر ایک ہی شاعر سے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خیال میں غالباً یہ قصیدہ رافعی نیشاپوری کا ہے اور غلطی سے منوچہری کی طرف منسوب ہوگیا ہے (مجمع الفصحاء جلد اول صد ۵۵۴) ۱۲ منہ

بارغ او بزم سلاطین جائے او صدر شہاں
بارِ او زرّین سلاسل بیخ او سیمین لگن
آخته چون خنجرِ ہندی زبانے واں زباں
ہر چہ بر برّند پنداری کہ بر گوید سخن

دیوان کی زبان

غزنوی دَور کے شعرا کی زبان اور موجودہ فارسی شعراء کی زبان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ چنانچہ شاہ نامہ میں بے شمار الفاظ ملیں گے۔ جو یا تو متاخرین کے ہاں بالکل متروک ہو گئے یا ان کی صورت یا معنی میں کوئی تبدیلی ہوگئی۔ اسی طرح منوچہری کے کلام میں بھی ایسے الفاظ عام ہیں۔ ہم چند الفاظ کی فہرست ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اور ان کے معانی بھی لکھتے ہیں۔ مگر یہ صرف بطور نمونہ ہے :۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بکماز	شراب	نوز	ہنوز
زمی	زمین	لاد	خاک
چار چار کردن	دشمن کا مقابلہ کرنا	نہار	کثرت
مثاق	میثاق	کاہل	کتف
بارہ	اسپ	راح	مرہم
سرون	شاخ	چمچاخ	خمیدہ
سغتری	معشوق	ہین	سیلاب
کش	خوش	ہیون	شتر
شطب	میانِ تلوار	پرّ (مشدد)	پر
آہو	عیب	خشوک	بدمعاش
آژیرہ	نیار	گوارہ	گہوارہ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ستیخوں	استخواں	ہڑیراں	ہوشیاری
لالا	دایہ	کرنا	میخ آہن
مخرقہ	دروغ	ظلیع	کریہ منظر
خربت	توند	برجاس	نشانہ
نوشجہ	گوارندہ	رنگ	زر

صنائع وبدائع صنائع وبدائع کے استعمال کے لحاظ سے بھی منوچہری کا کلام دیگر شعرائے فارسی سے کم نہیں۔ چنانچہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

تجنیس:- چو برگشت از من آں معشوقِ مشوق ✦ بہادم صابری را سنگ بر دل

لف ونشر مرتب:-

تیغ اُو و رمح اُو و تیر اُو و گرزِ اُو ‏ ‏ ‏ دست اُو و جام اُو و کلکِ اُو و پالہنگ

گاہِ ضرب و گاہِ طعن و گاہ... می و گاہِ قید ‏ ‏ ‏ گاہِ جُود و گاہِ بزم و گاہِ حظ و گاہِ جنگ

یا مثلاً گوش و پہلو و میان و کتف و جبہہ و ساق ‏ ‏ ‏ تیز و فربہ و نزار و قوی و پہن و دراز

تنسیق الصفات:-

رہ برو شخ شکن و شاہ دل و تیز عناں ‏ ‏ ‏ خوش رو و سخت سم و پاک تن و جنگ آغاز

برقِ جہ بادگذر یوز دو و کوہ قرار ‏ ‏ ‏ شیر دل پیل قدم گور تک آہو پرواز

مراعاۃ النظیر:-

بوستاں چوں مسجد و شاخِ درختاں در رکوع ‏ ‏ ‏ فاختہ چوں مؤذن و آوازِ اُو بانگِ نماز

ردالعجز علی الصدر:-

دو ساعد را حمائل کرد بامن ‏ ‏ ‏ فرو آویخت از من چوں حمائل

اور ــ افاضل نزدِ تو نازند ہموار ‏ ‏ ‏ کہ زی فاضل بود قصدِ افاضل

اور:- درزغن ہرگز نباشد فرّ اسپ راہوار * گرچہ باشد چوں صہیل اسپ آواز زغن

جمع :- مجلسے سازم با بربط و چنگ و رباب * با ترنج و بہی و نرگس و با نقل و کباب

حسن التعلیل :- ستانی ہمی زندگانی ز مردم * از یرا درازت بود زندگانی

سیاقۃ الاعداد :-

نہ یکے و نہ دو و نہ سہ و ہشتاد و دو و بیست		ہرگز ایں دخت بسودن نتواند عربے

جمع و تقسیم :-

کنارِ آبداں گشتہ بشاخِ ارغواں حامل		سحاب ساجگوں گشتہ بطفلِ عاجگوں حبلیٰ

یکے چوں دیدۂ یعقوب و دیگر چوں رخِ یوسف		سہ دیگر چوں دلِ فرعوں چہارم چوں کفِ موسیٰ

یہ تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے *

اطراد :- ملکِ شیردل پیل تن پیل نشیں		بوسعد بن ابوالقاسم بن ناصر دیں

ترصیع :- کاتبت راگو نویس و خازنت راگو بسنج		ناصحت راگو گزار و حاسدت راگو گزار

یا		ہر دو گریانیم و ہر دو زرد و ہر دو درگداز		ہر دو سوزانیم و ہر دو فرد و ہر دو ممتحن

یا		ژالہ باراں زدہ بر لالۂ نعماں نقط		لالۂ نعماں شدہ از ژالۂ باراں نگار

تجنیس مزدوج :-

بار خست اے دلبرِ عیار یار		نیست مرا نیز دگر بار بار

دو زخِ رخشانِ تو گلنار گشت		بر دل من ریختہ گلنار نار

چشمِ تو خونخوارہ و ہر جادوئے		ماندہ ازاں چشمکِ خونخوار خوار

بندہ وفادار و ہوا خواہِ تست		بندہ ہوا خواہ و وفادار دار

داد کن اے کودک و بردار جور		منبر پیش آور و بر دار دار

اے تو دل آزار و من آزردہ دل		دل شدہ ز آزار دل آزار زار

ذو قافیتین :- ساقی بیا کہ امشب ساقی بکار باشد * زاں دہ مرا کہ رنگش چوں گل انار باشد

مے وہ چہار ساغر تا خوشگوار باشد — زیرا کہ طبع عالم ہم بر چہار باشد

ہم طبع را بہ بندش فرزانہ وار باشد — تا نہ خروش باشد تا نہ خمار باشد

نے نے دروغ گفتم ایں چہ شمار باشد — بارے نبید خوردن کم از ہزار باشد

تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ؎

موسیقی و ترنم۔ برخیز ہاں اے جاریہ مے در فگن در باطیہ — آراستہ کن مجلسے از بلخ تا ارمینیہ

آمد خجستہ مہرگاں جشن بزرگ خسرواں — نارنج و نار و ارغواں آورد از ہر ناحیہ

یا اے لعبت حصاری شغلے دگر نداری — مجلس چرا نسازی بادہ چرا نیاری

یا اے نہادہ بر میان فرقِ جانِ خویشتن — جسم ما زندہ بجان و جان تو زندہ بتن

اور نوروز بر نگاشت بصحرا بہ مشک وے — تمثالہائے عزّہ و تصویرہائے مے

اور جہانا چہ بد مہر و بد خو جہانی — چو آشفتہ بازار بازارگانی

یا سلامٌ علیٰ دارِ امّ الکواعبِ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب

اور ہمی ریزد میان باغ لؤلؤہا بزیورہا — ہمی سوزد میان راغ عنبرہا بمجمرہا

اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں جمع کی جا سکتی ہیں ؎

خاتمہ الغرض منوچہری کا کلام واقعیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایران کے فلک سخنوری پر ایک درخشندہ ستارہ ہے جو انشاء اللہ ابد الاباد تک چمکتا رہے گا۔ اگر اس کے صرف اس کلام کا انتخاب کر کے جو طبعی امور مثلاً بادل، سیلاب، ہوا، صحرا، پھل، پھول اور جانوروں کے نغموں وغیرہ پر مشتمل ہے، ایک مجموعہ تیار کیا جائے تو وہ ایک قدرتی فلسفیانہ شاعری کا ایک اعلیٰ نصاب معلوم ہوگا۔ اگرچہ اس نے کوئی مثنوی نہیں لکھی جو ہماری قوتِ بیان میں بہت حد تک اضافہ کرتی تاہم تقریباً تمام قصائد میں اس کا طرزِ بیان کچھ ایسا ہے کہ ایک صاحبِ فراست آدمی جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے ؎

(باقی دارد)

تتمہ ۱

اختلافات قرأت کی فہرست

ہم صدر مضمون میں لکھ چکے ہیں۔ کہ منوچہری کے کلام کی اشاعت بہت عام نہیں ہوئی۔ اگرچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ مگر ہماری نظر سے صرف تین مطبوعہ ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ گذرا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اخیر مضمون پر ہم تینوں مطبوعہ ایڈیشنوں کے اختلافات قرأت کی فہرست پیش کریں گے۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ طہران ہے۔ جسے میرزا حسن خوانساری نے ۱۸۷۹ء میں مرتب کیا۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مشہد ہے۔ جو ۱۸۹۷ء میں طبع ہؤا اور تیسرا مطبوعہ پیرس ہے جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہؤا۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں جرمنی زبان میں پورا ترجمہ اور نوٹ موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن خیال کیا جاتا ہے۔ ایڈیشن مطبوعہ مشہد نامکمل ہے۔ جس میں صرف پہلے ۴۶ قصائد موجود ہیں۔ ذیل میں ہر سہ ایڈیشن کے اختلافات کی فہرست دی جاتی ہے :-

	پیرس ایڈیشن	طہران ایڈیشن	مشہد ایڈیشن
قصیدہ ۱ شعر ۹	ہمہ دیدہ ز عبہرہا	ہمہ دیدہ ز عنبرہا	ہمہ دیدہ ز عبہرہا
۱۰	گل دو رو چنان چون مہرہا بر دو پیکرہا	گل دو رویہ چوناں چوں قمرہا در دو پیکرہا	گل دو رویہ چوناں مہرہا در دو پیکرہا
۱۵	بر شاخ	در باغ	بر شاخ
۱۸	نیکو بہارستاں	زیبا نگارستاں	زیبا نگارستاں
	خراماں	گرازاں	گرازاں
۱۹	بباخترہا	بخاورہا	بخاورہا
۳۰	بہ حلم تو	بہ حکم تو	بہ حکم تو
قصیدہ ۲ شعر ۳	چوں	کے	کے

ع۶ یکے پیرہن	بتن پیرہن	بتن پیرہن
ع۱۳ دہانش	دہانش	دہانش
قصیدہ۴ ع۱ خونِ انگور	آبِ انگور	
ع۱۰ قدح	قدم	
قصیدہ۶ ع۹ زیرش	چنگش	
ع۵ صواب است	ثواب است	
قصیدہ۷ ع۷ یرقان است	خفقان است	خفقان است
ع۲۰ عیبِ تنش این است	عیبش جز این نیست	عیبِ تنش این است
ع۴۲ شربال	رگ را	رگ را
قصیدہ۸ ع۳۲ غائب نشود	بیروں نرود	بیروں نرود
قصیدہ۹ ع۶ جعد	زلف	زلف
ع۲۰ مصر	روم	مصر
قصیدہ۱۱ ع۱۱ کمان	کمند	کمند
قصیدہ۱۲ ع۱۱ در کار ہاء دنیا	با کار ہاء عقبیٰ	در کار ہاء دنیا
ع۲۳ نوبہار	روزگار	روزگار
ع۳۱ ایزد	یزداں	ایزد
قصیدہ۱۴ ع۳۴ باغ بہاری	بادِ بہاری	بادِ بہاری
قصیدہ۱۶ ع۳۳ اعتقاد	اقتباس	اختیار
قصیدہ۱۷ ع۲۴ زود آتش بلند	زیں آتشے سیاہ	زیں آتشے بلند
قصیدہ۳۱ ع۲۳ از میغ	چوں میغ	زاں میغ
قصیدہ۳۴ ع۶ راحت	ہستی	دست

قصیدہ ۳۵ ۵؍۱۲	خیل الاخسرین	خیل الآخرین	خیل الآخرین
قصیدہ ۳۷ ۶؍۹	بے شراک	بادپاے	بے شراک
قصیدہ ۶۸ ۲؍۱۲	قیصر	قیس	
قصیدہ ۸۶ ۹؍۱	... پیکیہ	نکو پیکیہ	
قصیدہ ۹۱	بدخوی	بدخواہ	
قصیدہ ۹۲ ۲؍۱۰	بباوہ	بمذہب	

ہم نے طوالت کے خوف سے صرف چند ایک اختلافات پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ فہرست اختلافات تقریباً اس سے دس حصے زیادہ لمبی ہے۔

تتمہ ب

تشخیص اغلاط

صفحہ/سطر	غلط	صحیح	صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵/۸	کبک بر	کبک نر	۶/۱۴	بہار	بہارے
۶/۸۵	دربارت	دربارت	۶/۵۹	استقامت	استقامتہا
۹/۱۱	بوسہ وادہ	بوسہ بدادہ	۱۰/۱۴	اورا	ورا
۱۲/۴	کشید	کشیداو	۱۵/۲۱	دیگر	دگر
۱۶/۲۲	ماہ رویان است	ماہ روان است	۱۸/۲۲	و	ور
۱۹/۲۰	برگل برباز	برگل وبربار	۲۶/۱۴	ربانش	زبانش
۲۶/۱۵	بقول عمل	بقول وعمل	۳۳/۴	زندباف زندخواں	زندباف وزندخواں
۳۶/۱۴	بخاری	بخواری	۴۶/۹	کردی اور زینسو کے درمیان واؤ چاہیئے	
۴۶/۲۴	دوانند	دواند	۵۱/۱۹	برگل سرخ	بگل سرخ

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵۲/۱۵	ہرگز	مرکز
۵۳/۱۰	بُوُ	بُد
۵۴/۱۶	بیش صد	بیش ازصد
۵۴/۱۹	بہ معذورم	نہ معذورم
۵۶/۸	بریرہ	بررہ
۵۷/۳	منکرّ	منکرُ
/۱۸	چاکرد	چاکر
۶۳/۲	دلخواہن	دلخواہاں
۶۴/۴	'دل' اور 'ستم' کے درمیان 'و' چاہیئے	
/۱۱	گرچہ تو	گرچہ تو
/۴	چنیں	چونیں
/۷	نہند	نہد
/۱۸	حرکت	حرکات
۸۳/۴	خورشید	خورشیدے
/۱۱	ابجدار وکل من	ابجدراوکلمن
۸۶/۸	تو تن ہمی پوشی بر پیرہن	تو تن پوشی ہمی بر پیرہن
۹۱/۱	کش خرام شیر گام	کش خرام و تیز گام
۹۲/۲	حورا	جوزا
۹۳/۲	'بے حذ' اور 'از' کے درمیان 'باشد' زیادہ کرو	

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۹۵/۲۴	'مدح' اور 'تشبیہ' کے درمیان 'و' زیادہ کرو	
۹۶/۱۱	الا ابصسنك	الا ھبی بصحنك
۱۰۲/۸	'او' اور 'وجہہ' کے درمیان 'و' بڑھاؤ	
۱۰۳/۱۴	دوسخ	دوزخ
۱۰۷/۸	ماویہ	ماریہ
/۱۱	روز	روزے
۱۱۹/۱۰	سپاری	تسپاری
۱۲۱/۹	نشینی	بنشینی
۱۲۲/۴	'و' اور 'گل' کے درمیان 'ہا' زیادہ کرو	
۱۲۴/۱۶	ضمیراں	ضیمراں
۱۲۵/۱۷	'مر نکلے' کے بعد 'است' زیادہ کرو	
۱۲۶/۹	مہتر کہتر	مہتر و کہتر
۱۲۷/۹	ہستی	بہتی
۱۲۸/۲۱	مسہد	مشہد
۱۳۰/۴	معشوق و معشوق	معشوق و مشوق
۱۳۱/۱۴	او دہانش	او ہم دہانش
	یاقوت بیجادہ	یاقوت و بیجادہ
۱۳۲/۸	بپرسیدے	بترسیدے
۱۳۵/۹	زشتی	زشت
۱۳۷/۱	گر	اگر

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۱۴۱ / ۱	ازرمبنی	زرمبنی
۱۴۲ / ۴	وہنی	ہنی
۱۴۶ / ۲	'جنتہ العدن' اور 'چہارم' کے درمیان واؤ چاہیے	
/ ۲۱	'بے درد' اور 'دوم' " " "	
۱۵۰ / ۱۴	بنرزد	بیرزد
۱۵۲ / ۱۵	گلاب لولو	گلاب خوش ولولو
۱۵۵ / ۲	برند	بزند
۱۵۵ / ۴	'سر' اور 'پہلو' کے درمیان واؤ ڈالو	
۱۵۶ / ۲۴	کس را	کسے را
۱۵۷ / ۱۴	خارجہاں	خارجیاں
۱۵۹ / ۵	از	ز
۱۶۱ / ۱	چوی	چوں
/ ۲	آویجینت	آویخت
/ ۳	بچگاں را	بچگاں
	'مدور' اور 'بے قد' کے درمیان 'ہمہ' بڑھاؤ	
/ ۱۱	بچگاں نہ ہیچ نفیر	بچگان و نہ نفیر
/ ۱۴	چوں زائد ہے	
/ ۱۶	دہانشاں	رہاشاں
۱۶۲ / ۱۳	درخویش	رزخویش
۱۶۷ / ۲۱	نہادہ	بنہادہ
۱۶۸ / ۹	'پسر' اور 'خویش' کے درمیان 'از' بڑھاؤ	
/ ۱۰	'درون' اور 'گروہ' کے درمیان واؤ ڈالو	
/ ۲۲	بندہ	پسندہ
۱۶۹ / ۱۴	شوکہ	گوشہ
/ ۱۷	معبود	مسعود
۱۷۲ / ۱۴	ادحرب	ابوحرب
/ ۲۲	مسکن	مسکنش
۱۷۴ / ۹	روندہ	دردروندہ
۱۷۶ / ۹	نماز	نمازے
/ ۲۴	'وگاہ' میں واؤ زیادہ ہے	
۱۷۸ / ۴	سہ یکے	تُو سہ یکے
۱۷۹ / ۲۴	عروس	عروسے
۱۸۱ / ۱۵	زمین بوقلموں	زمیں برنگ بوقلموں
۱۸۳ / ۱	خفت	بخفت
/ ۲	نازوخلفت	نازوصلف
۱۸۴ / ۲۲	بروبرد	برروبزد
۱۸۷ / ۸	نفرمود	نفرمودی
/ ۲۱	خوردن	خورد
۱۸۸ / ۲۱	برچید	برچد
/ ۲۴	بسر	بسرش

(۴) فرد

زتیغ وزکینت حزیں شد عدو زوا شاد و توشاد گردو دلے

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۵) فرد

عجب دل تنگ و غمخوارم زحد بگذشت تیمارم تو گوئی در جگر دارم دو صد یا بیج گرگانی

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۲)

(۶) قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر

قلمی نسخہ میں قصیدہ ۸۳ کے دسویں شعر کے آگے یہ شعر زائد ہے :-

داں مرغکِ لط ہمچوں ختنی کافور بر لبستہ بشاخ درہم سنبل و ہم عنصل

(ایضاً ۔ صفحہ ۱۰۶)

تتمّہ د

منوچہری کے ممدوحین کی فہرست

(۱) ابو سعید سلطان مسعود بن یمین الدولہ محمود غزنوی ٭

(۲) شمس الوزراء احمد بن عبد الصمد وزیر سلطان مسعود غزنوی ٭

(۳) خواجہ فضل بن محمد الحسینی ٭

(۴) فلک المعالی امیر منوچہر بن قابوس بن وشمگیر ویلمی ٭

(۵) ملک الشعراء حکیم ابو القاسم حسن المتخلص بہ عنصری ٭

(۶) خواجہ ابو الحسن احمد بن حسن میمندی ٭

(۷) خواجہ علی بن محمد ٭

(۸) خواجہ احمد وزیر سلطان ؛

(۹) خواجہ ابو العباس ؛

(۱۰) سپہ سالار مشرق علی بن عبید اللہ الشہیر بصادق ؛

(۱۱) خواجہ محمد ؛

(۱۲) خواجہ ابوحرب محمد بختیار ؛

(۱۳) ابوالحسن بن علی بن موسیٰ عمرانی ؛

(۱۴) خواجہ ابوسہل زوزنی دبیر سلطان مسعود ؛

(۱۵) ابو ربیع بن ربیع ؛

(۱۶) اسد بن حارث بن منصور امام جیلان ؛

(۱۷) خواجہ خطیر ؛

(۱۸) خواجہ طاہر ابو منصور ؛

(۱۹) خواجہ عمید سلطان وزیر سلطان مسعود ؛

(۲۰) شاہ ابوالمظفر ؛

(۲۱) خواجہ خلف ؛

اثنائے مضمون میں منوچہری کے قصیدہ پر تنقید کرتے وقت ہم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ آخر مضمون میں ہم قبلہ والد صاحب[1] بزرگوار کا قصیدہ پیش کریں گے۔ جو آپ نے منوچہری کے مندرجہ ذیل قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا ؎

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل   کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل

چنانچہ قبلہ بزرگوار کا قصیدہ درج ذیل ہے :-

الا اے سارباں بر بند محمل   کہ شد خورشید را محمل بمنزل

---

[1] حضرت علامہ اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور - ۱۲ ؛

سبک بردار سر از بالشِ خواب — کہ نالاں شد جرسہا در قوافل

دلم زافسردگی از کار رفتہ است — سرت گردم مشو از چارہ غافل

بگلبانگ حدی برکش نوائے — کہ بندِ صبرِ دل بردار از دل

نشستن فارغ از دل دور میداں — چو زو ناخن بدل یادِ منازل

توقف را مشکل دانی چہ آرم — غبارِ خاطرِ محمول[1] و حامل

دریں منزلگہم آرامِ جاں نیست — بہ نجتی کن زمامِ سیرِ عاجل

عدیلم گو بزن بالشتِ من پشت — بمحمل پیکرِ جوزا مماثل

بزجرِ سانح و بارح[2] مزن فال — میندیش از وعیدِ تلخِ عادل

مرا با وعدۂ عرقوب مفریب — نیارم تابِ پیمانِ مماطل

فلک در التماسِ مہلت آمد — دمادم میدمد در گوشِ امہل[3]

ولے چوں شوقم آمد کار فرما — بر آوازِ جرس گوید کہ عجّل

خرامانند در کہسار کبکاں — سرایانند بر گلبن عنادل

دریں کہسار و طرفِ لالہ زارش — طنابِ خیمہ را پیوند بگسل

بہارِ مرغزارِ دامنِ کوہ — بکوئے دوست می بینیم مزابل[4]

دریں وادی نیم خضرِ رہ خضر — وَکَم مِن عالِمٍ یَہدِیہِ جَاہِل

مہارِ نجتیم در دستِ من نہ — رفیقم گر نہٖ فَاللہُ کَافِل

رہِ باریک و تاریکِ بیاباں — ہزبراں سہمگیں گرگاں مصادل

برنگِ گورِ ظالم تیرہ و تنگ — بسانِ عرصۂ محشر زلازل

---

[1] محمول راکب و حامل مرکوب ۱۲ منہ

[2] سانح و بارح کہ اہلِ عرب بداں فالِ نیک و بد می گیرند ۱۲ منہ

[3] مہلت دہ ۱۲ منہ

[4] جائے خاکروبہ انداختن ۔ ۱۲ منہ

مغاک و تل و بیم دزد و سیلاب | ظلام و برق و رعد و ابرِ ہاطل
بپایاں می برم دشت و جبل را | من و ایں جملہ رنج راہ و بازل
بہوئے وصلِ یارِ دلنوازے | چہ خوش باشد لشب قطعِ مراحل
[۱] بنوبتہ آنکہ خلاقش لقب کرد | بدیوانِ[ف] ازل مخبر الاوائل
محمدؐ انجمن آرائے ہستی | سر و سرحلقۂ بزمِ اوائل
جبینش نورِ وحدت راہم آغوش | چو در آیاتِ قرآنی فواصل
حدوث آمد قدم را دوشن با دوش | وجودش برزخے در ہر دو حائل
نبودے جوہرش گر اصل آدم | ملک کے آمدے بر سجدہ مائل
فرازِ قبۂ خضرا برآمد | بروں رفت از حدِ عالی و سافل
نگاور رایہ تگ می راند در راہ | سوارے کآمدش جبریلؑ راجل
بکشفِ سرِّ کُنہِ ذاتِ بیچوں | بصدرِ لامکاں خواندش کہ انزلِ[۲]
قدر سر بر خطِ فرمان رانش | قضا را اُجتنش تحصیلِ حاصل
نژادش پاک از آلودگیہا | چو آبے کش چکانند از جنادل
بلے از نورِ محضش آفریدند | جمیل الوجہ محمود الخصائل
بخلوت فانیٔ مطلق ھُو اللہ | بمحفل خوش لقا شیریں شمائل
دلِ و دستش ز فیضِ لایزالی | زہے کانِ عطا بحرِ فواضل
سرورِ سینہ اش نازِ یتیماں | بہارِ خاطرش نُزلِ اراملِ
کسے کز خنجرش زخمے نخوردست | بہ تیغِ جورِ گردوں باد بسمل
بدامانش در آویز اے نگوں بخت | چو مقبل نیستی مگذر ز مقبل
بدر بارے کہ ہر موجش بلائے است | مشو بے ربِّ یسّرلی وسائل

[۱] خاصتہ ۱۲ منہ [ف] امام الانبیاء ۱۲ منہ [۲] فرود آ ۱۲ منہ

بطوفانگاہِ آشوبِ حوادث ۔۔۔ بساحل بر شدن کاریست مشکل
پرو تا آشیاں کے مرغکِ زار ۔۔۔ کہ در کنجِ قفس ماند از حبائل
شہنشاہا دو عالم بارگاہا ۔۔۔ بعرضِ حاجتم گستاخ سائل
نہالِ شوقِ تو در گلزمینے ۔۔۔ نشاندستم چو نخل اندر خمائل
شمارِ شوقِ سرکش را پس از مرگ ۔۔۔ و مداز خاکِ من شکلِ انامل
بود دردِ تو فرضِ عین لاریب ۔۔۔ فرائض جملہ بے وردت نوافل
بزیرِ نیلگوں کاخِ مقرنس ۔۔۔ نیابم جز بدرگاہِ تو موئل
دو صد نفریں فرست آخر اجہ گر من ۔۔۔ گزینم دیگرے بر تو مُعادل
دل از مہر کساں پرداخت اینک ۔۔۔ بشغلے غیر یادت نیست شاغل
سوارہ می برد چوں بادِ نکبا ۔۔۔ ہیونِ عمر بے صوتِ جلاجل
گزیدہ بہرۂ عمرم چو بگذشت ۔۔۔ بکش بر حرف سعیم خطِ باطل
کسے کو بر لبِ دریا نشیند ۔۔۔ عجب گر تشنگی میرد بساحل
بحکمِ وحی لا تنہر زریزداں ۔۔۔ بجاں می بودہ ہموارہ عامل
زبذلِ لطف نگذشتی سرِ مو ۔۔۔ چو شوخے بر زباں میرآید اعدلِ[1]
نبودے گر یداللہ دستِ پاکت ۔۔۔ کجا ناپاک را می بود[2] غاسل
خَلِیۡلِیَّ ارۡجِعَا یَوۡمًا فَقُوۡلَا ۔۔۔ اِلٰی مَا یَنۡتَہِیۡ سَیۡرُ الرَّوَاحِلُ
سَقَانَا الدَّہۡرُ کَاۡسًا مِنۡ اُجَاجٍ ۔۔۔ فَہَلۡ یَا قَوۡمِ مِنۡ عَذۡبِ الۡمَنَاہِلِ
فَشِمۡنَا بَرۡقَ طَیۡبَۃَ[3] مِنۡ بَعِیۡدٍ ۔۔۔ فَاَعۡجَلۡنَا عَنِ الۡمَرۡعَی الرَّوَاحِلُ
فَلَمَّا اَنۡ وَرَدۡنَا ہَا عِطَاشًا ۔۔۔ سَقَانَا مِنۡ نَدَی الۡغَیۡثِ وَابِلُ

---

[1] اشارہ بذو الخویصرۃ خارجی - ۱۲ منہ ۔ [2] اشارہ بقصہ اعرابی کہ مہمان آنحضرت صلعم بود و شب تخمہ کرد ۱۲ منہ

[3] مدینۂ منورہ - ۱۲ منہ ؁

بحق ہر دو نور چشم زہراؓ ... شہید خنجر و زہر ہلاہل

چو بربندم ازیں دیرِ فنا رخت ... سرافرازم کن از ایمان کامل

چو رو آرم بمیدانِ قیامت ... بگردن نامۂ عصیاں حمائل

زہولِ یجعلُ الولدانَ شیبًا ... بدرّد زہرۂ شیرانِ بابل

بگوشم در دمند اقرءْ کتابکَ ... تنم لرزد ز اہوالِ نوازل[۱]

بفرمانا مرا آزاد سازند ... ز بیمِ آتش و جرِّ سلاسل

چو خواندم مَا عَنِتُّمْ از چہ ترسم ... کہ در پیش است منزلہائے ہائل

ہم از لطفِ تو میدانم کہ وحی ... بہ بزمِ سفلہ طبعاں نیست نازل

ز نیرنگِ کلامِ من بیفُرو ... فسونِ سامری و سحرِ بابل

و لے جز نکتہ داں کے باز داند ... مقامِ ابن وائل راز باقل[۲]

دگر ہنگامِ آں آمد کہ نازند ... خزاعہ زادگاں در بزمِ دعبل[۳]

منوچہری گر از ایراں زمین است ... عجب نبود ز پنجابش مقابل

منوچہری نباشد چہرہ بامن ... ندارد جوز طبع جوزِ ماثل

بلے او بود دُرِّ تاجِ مسعود[۴] ... منم خرمُہرہ وار افتادہ در گل

و لے زانجا کہ مدّاحِ رسولم ... دو صد مسعود را سنجم بنائل

ز فیضِ جودِ او می نازم امروز ... بعزِّ دولتِ انعامِ شامل

نوٹ ۔ آخر کے چہ سات شعر بتلا رہے ہیں ۔ کہ یہ قصیدہ منوچہری کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ اور یہ کہ منوچہری سلطان مسعود کا درباری شاعر تھا ۔ نہ کہ سلطان محمود کا ۔ جیسا کہ ہم اصل مضمون میں اس موضوع پر بالتفصیل بحث کر آئے ہیں ؛

صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

---

[۱] حوادث ۔ ۱۲ منہ [۲] مردے است غیر فصیح از اہل عرب ۱۲ منہ [۳] دعبل خزاعی شاعریست مشہور ۱۲ منہ
[۴] سلطان مسعود غازی غزنوی ۱۲ منہ ؛

مولانا حالی کی کتب سوانح

حیات جاوید

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ نومبر ۱۹۳۷ء)

حیات جاوید اگرچہ تاریخی لحاظ سے حیات سعدی وغیرہ کے بعد آتی ہے لیکن اہمیت اور قدر و قیمت کے خیال سے ہم سوانح عمریوں میں سب سے پہلے اسی کو لیتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ ابنائے روزگار نے اسکو چنداں شرف قبول نہیں بخشا۔ اور اس کے متعلق جو بدگمانی ملک و قوم میں پھیل چکی تھی۔ وہ اس کے محاسن کے بے نقاب کئے جانے میں حارج ہوئی۔ پھر بھی ہمارے لئے (جو خوش قسمتی سے اس پُرآشوب زمانے سے بہت دور ہیں) سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے۔ کہ جن بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے طفیل اس عظیم و جلیل شخصیت کی بزرگی جلوہ عام پر نہ آسکی۔ وہ آہستہ آہستہ بہت حد تک رفع ہو چکی ہیں۔ پھر کونسا امر مانع رہ جاتا ہے۔ کہ ہم پرانی لکیر سے ہٹ کر اس گراں قدر تصنیف کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھیں۔ اور انصاف اور تحسین کی کسوٹی ہاتھ میں لے کر کھوٹے اور کھرے کو خوب پرکھ کر یہ فیصلہ نہ کریں۔ کہ فرزندان عصر نے اس کے متعلق جو رائے ظاہر کی۔ اس میں منصفانہ تنقید کا حصہ زیادہ تھا۔ یا ماحول کے اثرات سے پیدا شدہ سوءِ ظن کا!

سرسید احمد خاں (جن کی لائف حیاتِ جاوید کا موضوع ہے) ایک جامع اوصاف شخص تھے۔ ان کی زندگی گوناگون مشاغل اور ہنگاموں کا مرکز اور ہزارہا عزائم اور مہمات کا منبع رہی ہے۔ پس ایک ایسی متنوع اور "یک سر و ہزار سودا" زندگی جس کی جزئیات پر عبور حاصل کرنے کے لئے نصف صدی بلکہ پورے ایک دور کا لٹریچر پڑھنا ضروری ہو۔ آسانی سے نہیں لکھی جاسکتی۔ اگرچہ خود سرسید جب

پہلے پہل ان سے ان کی لائف کی ترتیب کے متعلق ذکر کیا جاتا۔ تو اکثر فرمایا کرتے۔ کہ "میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں۔ کنکوّے اڑائے۔ کبوتر پالے۔ ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری۔ کافر اور بے دین کہلائے۔ اور رکھا ہی کیا ہے۔" لیکن کون نہیں جانتا۔ کہ سرسید نے ان بظاہر انکسار آمیز لیکن پُر حقیقت الفاظ میں اپنی شاندار زندگی کا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے ان کا مطلب سوا اس کے کیا ہے۔ کہ ان کی لائف کا ابتدائی زمانہ "بشریت" کی تکمیل میں گذرا۔ اور آخری حصہ دین، مذہب اور قوم کی فلاح و بہبود کی کش مکش میں بسر ہُوا ؛

پس ایک ایسے شخص کے سوانح لکھنے کی ذمہ واری اتنی آسان اور اس کی زندگی کے اختلافی پہلوؤں میں منصفانہ محاکمہ اتنا سہل نہ تھا۔ ایک طرف یہ مشکل کہ جس شخص نے مذہب، اخلاق، معاشرت، تعلیم۔ سیاست۔ لٹریچر۔ تنقید معاشرت، غرض حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس پر اپنے خیالات ظاہر نہ کئے ہوں۔ اسکے حالات کے دریائے بے پایاں کو سمیٹے تو کون؟ اُدھر یہ دقت کہ جس شخص نے چالیس برس تک تعصب اور جہالت سے نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رکھی۔، تقلید کی جڑ کاٹی نکتہ چینی کی بنیاد رکھی، جو رسوم صدیوں سے چلی آتی تھیں، ان کو باطل کیا۔ جن عقائد کا نام اصول دین رکھ لیا گیا تھا۔ بدلائل ثابت کیا۔ کہ وہ فروع بھی نہیں۔ زمانہ مشرق کی طرف جا رہا تھا تو اس نے مغرب کا رخ کیا نتیجہ یہ کہ کسی نے اسے راست باز کہا۔ کسی نے کاذب۔ کسی کے نزدیک وہ ہمدرد قوم ٹھیرا۔ کسی کے خیال میں دشمن دین و ملت، ایک طرف یہ آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔ کہ مجدد دین آگیا، دوسری طرف یہ غل ہو رہا تھا کہ یہی دین میں بدعت کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ یہی فاسق و فاجر۔ بلکہ صریح کافر ہے۔ یہ اختلاف! یہ نزاع! یہ مناظرہ! اس مثلث بالخیر کے فرائض انجام دے تو کون!

یہ بارِ گراں حالی نے سر پہ اٹھایا۔ اور اس کی ذمہ واریوں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو کر ایک ایسی تصنیف یادگار چھوڑی۔ جو سوانح نگاری کے فن میں پہلی منظم اور باقاعدہ کتاب کہی جاسکتی ہے ؛

مولانا سے قبل کرنل گریہیم نے بھی انگریزی زبان میں ایک لائف لکھی۔ لیکن اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک مکمل یا گرانی ہونے کا دعوے نہیں کرسکتی۔ اسی طرح حاجی اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی کی تحریک سے منشی سراج الدین صاحب مالک و مہتمم "چودھویں صدی" نے لائف کی داغ بیل ڈالی۔ اور بہت حد تک اس کے لئے میٹریل جمع کر کے اس کو ایک خاص حد تک مرتب بھی کیا۔ لیکن وہ شائع نہ ہوسکی ؛

مولانا حالیؔ نے ان دونوں سوانحعمریوں کے محاسن و معائب سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی خوبیوں کو اپنی کتاب میں جذب کیا۔ اور ان کی کمزوریوں سے احتراز کیا ؛

مولانا کو سرسید کی لائف لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا ہوا۔ جبکہ وہ کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ اگرچہ ان کا حال ابھی تک "پہلی رات کے چاند کا سا تھا۔ کہ کسی نے دیکھا کسی نے دیکھا ہی نہیں"، تاہم ملک میں ان کی خدمات کی قدر پیدا ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں کچھ سوال مرتب کر کے برائے جواب مولانا نے سرسید کے پاس روانہ کئے۔ لیکن انہوں نے لائف کے خیال کو پسند نہیں کیا۔ بعض دوسرے لوگوں نے بھی یہی رائے دی۔ کہ سرسید کی لائف ان کی زندگی میں لکھنی مناسب نہیں۔ چنانچہ یہ ارادہ موقوف ہوگیا ؛

لیکن یہ ارادہ ہمیشہ مولانا کے دل میں موجود رہا۔ اور آخر کار انہوں نے ۱۸۹۷ء میں علیگڈھ میں اسی غرض سے قیام کیا۔ اور اس وسیع ذخیرۂ معلومات سے فائدہ اٹھایا۔ جو وہاں موجود تھا۔ نیز منشی سراج الدین صاحب کا مسودہ بھی حاصل کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس وسیع اور مصروف زندگی کے حالات کو جمع کرنے کے لئے علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ تہذیب الاخلاق اور سید صاحب کی جملہ تصانیف کو کھنگالا۔ ان کے خطوں۔ ان کے دوستوں کے بیانات، انگریزی اخباروں، موافق اور مخالف رسالوں اور مدبران سلطنت کی تحریروں کا ایک ایک حرف پڑھا اور اس سے مفید مطالب کا استقصا کیا گیا۔ اور ان کا نچوڑ اور خلاصہ نکال کر حیات جاوید کے اوراق میں بند کر دیا۔ حالیؔ کے ایک دوست کے اس بیان میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اگر اس تمام ذخیرے

کو مرتب کیا جاتا تو اس کی وسعت کا احاطہ کرنے کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوتی ۔

حیاتِ جاوید دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّہ میں زندگی کے حالات اور کارنامے بقید و ترتیب تاریخی درج کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصّے میں کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کی مجموعی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ کتاب کے مفصل مضامین کا اندراج اگرچہ یہاں بہت نامناسب خیال نہ کیا جاتا۔ لیکن اس کو موجب تطویل اور بے ضرورت خیال کرتے ہوئے ۔ اس موقعہ پر نظر انداز کیا جاتا ہے سرسید کی زندگی کے متعلق ہم نے گذشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا ماخذ بہت حد تک حیاتِ جاوید ہی ہے نیز سیّد صاحب کی زندگی خود اتنی مستغنی از تعریف اور ان کے کارنامے اتنے بالا از تعارف ہیں۔ کہ یہاں ہم اس کو حذف کرتے ہوئے اس کے لئے معافی چاہتے ہیں اور اس تصنیف کے مقصد اصلی یعنی حیاتِ جاوید کی تنقید کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔

ایڈمنڈ گوس، انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں 'بیاگرافی' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"Biography is a faithful portrait of a soul in it's adventures through life."

یعنی "بیاگرافی" موضوع کی ہوبہو تصویر ہو۔ جو مکمل ہونے کے علاوہ حقیقت پر مبنی ہو ۔ اور اس تمام تصویر کشی میں منتہائے نظر صرف صداقت کی ترجمانی ہو۔ پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ مظاہر کی نقاشی کے ساتھ ساتھ موضوع کی اندرونی "شخصیت" اور "انفرادیت" بھی پوری صفائی کے ساتھ نمایاں کی جائے ۔

ان صفات یگانہ کی طرح بعض اور اوصاف بھی ایسے ہیں۔ جو سوانح نگار کے لئے بیحد ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصادم آرا کے وقت اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتا ہو اور بیرونی اثرات سے بالکل متأثر نہ ہوتا ہو۔ موضوع کے معائب اور کمزوریاں دکھانے میں اسی طرح واقعیت کا خیال رکھے۔ جس طرح محاسن کے بیان میں۔ موضوع کی شخصیت کی تصویر کشی میں ذاتی رجحان کو دخل نہ دیتا ہو۔ اور جذباتی، سیاسی، اور مذہبی محرکات سے وہ ہیرو کو واقعہ اور حقیقت کے

خلاف نمایاں نہ کرے۔ سوانح نگار کا مقصد محض "یادگار" ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس عیب سے بیاگرافی ایک اچھی بیاگرافی کے پایہ سے گر جاتی ہے۔ اور سب سے آخری بات یہ کہ ان ضروریات کے ساتھ ساتھ مصنف اس کو اسلوب بیان، ترتیب، اور واقعات کے حسن انتخاب سے ایک ادبی شاہکار بنائے

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے، کہ اب تک حیاتِ جاوید کے متعلق موافق اور مخالف آراء کا اظہار ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ کہ سر سیّد احمد خاں کے تمام کاموں اور کارناموں کی طرح ان کی لائف کی اچھائی اور برائی کے متعلق شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے قدر دانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم چونکہ سیّد صاحب نے مذہب، اور سیاست دونوں میں ایک جدید خیال اور "دبستان" کی بنیاد رکھی ہے جس سے اصولاً ایک گروہ کو دیانت دارانہ اختلاف تھا۔ اور اب تک ہے۔ اس لئے حیاتِ جاوید کے متعلق اظہار رائے میں بھی قدرتی طور پر تنقید کرنے والے حضرات دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں:

ہمیں سب سے پہلے خود مصنّف کے خیالات سن لینے چاہئیں۔ کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں کیا خاص اصول مدِّنظر رکھا۔ اور کونسے آداب اور قواعد ہیں۔ جن کی پیروی ضروری سمجھی گئی۔ حیاتِ جاوید کے دیباچہ میں مولانا حالی فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے عیب و خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ کسی شخص کی بیاگرافی کریٹیکل طریقہ سے لکھی جائے اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں۔ ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اوّل تو

ایسی بائیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی . . . . الخ

لیکن ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے جس نے چالیس برس برابر تعصب۔ اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے . . . . ہم ہیں وہ پہلا شخص ہے جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ سب سے پہلے اسی کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعوےٰ ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ سرسید کا کوئی کام سچائی۔ سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے۔ کہ ان کے ہر کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ میں اور صرف سچ ہی میں یہ کرامت ہے۔ کہ جس قدر اس میں زیادہ کریدی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔"

ہم اس طویل اقتباس کی معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ اپنی تصنیف کے متعلق خود مصنف کا بیان زیادہ وقیع سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس بے حد قیمتی اور پُر معنی عبارت میں مولانا حالی نے سوانح عمری کا نظریہ، اپنی مشکلات، پہلی سوانح عمریوں کے نقائص اور موجودہ تصنیف کا اصول کار بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ چونکہ ہمارا ماحول ابھی تک یورپ کے کریٹکل طرز سوانح نگاری کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ سوانحعمری یورپ کے طریقے پر لکھی جائے۔

۲۔ پہلی سوانحعمریوں (یعنی حیاتِ سعدی اور یادگار غالب) میں صرف محاسن ظاہر کئے ہیں۔

۳۔ حیات جاوید میں نکتہ چینی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگرچہ سرسید نے جو کام کیا۔ اس کی بنیاد سچائی پر ہے۔ اس لئے سوانح نگار کا فرض ہے۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ وہ جو کچھ کرتے تھے۔ سچائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بہرحال ان کے خیالات، عقاید، اور کاموں پر نکتہ چینی ضروری ہے۔

سطور بالا سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ حالی، ہیرو کے معائب و محاسن کی یکساں بے نقابی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ علے الخصوص سر سیّد کے متعلق اس پر عمل کرنا ضروری ہے +

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ جہاں تک سر سیّد کی بیرونی زندگی اور خارجی واقعات کی تصویر کا تعلق ہے۔ حیاتِ جاوید ایک جامع کتاب ہے۔ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ کہ سیّد صاحب کی لائف پیدائش سے لے کر وفات تک۔ گویا ایک پوری صدی کی تاریخ ہے۔ ہمارا مصنّف خاندان اور خاندانی ماحول سے ابتدا کرتے ہوئے ان کی رحلت تک اپنے ہیرو کے ساتھ ساتھ سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اور اس انتہائی مصروفیت کی زندگی کے کسی کارآمد لمحے میں کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ سید صاحب دہلی کے سادات کے ایک معزز گھرانے میں متولد ہوئے۔ ان کی طفلی کے واقعات، خاندانی روایات، اشرفائے دہلی کے رسوم و رواج جن میں سیّد صاحب پرورش پاتے ہیں۔ سب کے سب پوری سلاست، اور پاکیزگی کے ساتھ مصنف کے قلم سے نکلے ہیں۔ پھر اس دور سے گذر کر عنفوانِ شباب کا رنگین زمانہ آ جاتا ہے۔ اس میں والدہ کی زبردست نگرانی اور تربیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تقریبِ بسم اللہ کی جزئیات کا حال بتانے کے بعد تعلیم کا مفصل حال بتایا گیا ہے۔ تعلیم کی قیود اور پابندیوں سے گذر کر جوانی کی لغزشوں اور رنگینیوں کا ذکر آتا ہے۔ اور ان عیش و نشاط کی مجالس کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ جن میں عام طور پر اس زمانے کے نوجوان زندگی کی بہاریں گذارا کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود سر سیّد فرماتے ہیں۔ کہ "ہم بھی اس رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔" لیکن دفعتہً بڑے بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے جس سے سیّد صاحب کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ پرانی شوخیاں مولویت اور زہد میں تبدیل ہونے لگتی ہیں +

بہرحال ہمارا مصنف سید صاحب کی زندگی کے ہر دور کے متعلق نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات جزئیات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اور نہایت خوبی سے اپنے موضوع کی شخصیت کی تدریجی رفتار ترقی کا حال قارئین کے سامنے رکھتا جاتا ہے۔ اس پہلی منزل کے بعد ملازمت شروع ہوتی ہے۔

اس کے مختلف مدارج کی ساری تفصیلات مہیا کی گئی ہیں۔ مختلف ملازمتوں کے دوران میں کارگذاریوں کے واقعات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ زمانہ غدر جو کہ ان کی زندگی اور ملازمت کا نہایت نازک دور تھا۔ پوری جامعیت کے ساتھ مفصل لکھا گیا ہے۔ فتحپور۔ دہلی۔ رہتک۔ بجنور۔ غازی پور۔ بنارس۔ علی گڈھ جہاں کہیں سید صاحب بسلسلہ ملازمت تشریف لے جاتے ہیں۔ مصنف ان سب مقامات کے متعلق ان کی خدمات اور فرائض منصبی کے حالات شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور اپنی عبارت کو اقتباسات کے ساتھ مربوط کرتا چلا جاتا ہے ؎

چونکہ کتاب کا پہلا حصہ ان کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات کا خاکہ ہے۔ اس لئے انھوں نے اس تاریخی ترتیب سے ملازمتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ سیّد صاحب کی تصنیفی کوششوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ غرض اس طریق سے یہ بخوبی نظر آتا جاتا ہے۔ کہ ان کے تصنیفی رجحان کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اور کس طرح حالات اور اثرات اور ماحول کے بدلتے رہنے سے ان کے رجحان میں بھی اہم انقلابات آتے رہے۔ گویا ہم جام جم۔ انتخاب الاخوین اور تحفہ حسن سے جو سیّد صاحب کی ابتدائی تصانیف ہیں۔ آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوتے ان کے ساتھ خطبات احمدیہ اور تفسیر القرآن تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور سیّد صاحب کی ان تبدیلیوں کے اسباب اور محرکات خارجی بھی تدریجاً ہماری سمجھ میں آتے جاتے ہیں ؎

مندرجہ بالا سطور میں یہ ذکر آچکا ہے۔ کہ مصنف نے سیّد صاحب کے ماحول کے اثرات کا مفصل حال کتاب میں درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نادانستہ طور پہ اس زمانے کی معاشرت رسوم و رواج ، اور اوضاع و اطوار زندگی کی ایک تاریخ سی بن گئی ہے۔ جو اگرچہ بیاگرانی کے ساتھ گہرا اور لاینفک تعلق تو نہیں رکھتی۔ لیکن بیاگرانی کی تکمیل کے لئے بہرحال ممدات میں سے ہے۔ حیات جاوید کا ابتدائی حصہ جس میں سید صاحب کے خاندانی حالات، تعلیمی واقعات اور شرفا کی سوسائٹی کے قصے ہیں۔ کتاب کی افادی حیثیت میں بہت اضافہ کرتا ہے ؎

مولانا حالی نے جس ڈھنگ سے اس وسیع ذخیرۂ معلومات کو چند صفحات میں جمع کر دیا ہے

اگرچہ اس سے بعض نقائص بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا ذکر آگے چل کر کہیں آئے گا۔ لیکن اس سے ایک فائدہ یہ ہو گیا ہے۔ کہ موضوع کی پوری شخصیت جہاں تک کہ اس کے مظاہر کا تعلق ہے کمال صحت کے ساتھ نمایاں ہو گئی ہے۔ گویا حیات جاوید کے اوراق میں ہمیں سرسید اپنی عظیم و جسیم بزرگانہ شخصیت کے سمیت نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی سرسید عمارتوں کے کتبات پڑھنے کے لئے چھینکوں پر لٹک رہے ہیں۔ اور مولانا صہبائی گھبرا جاتے ہیں۔ اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ کبھی غدر کے پر آشوب فتنوں کے اندر "نا محمود خاں" کے ساتھ الجھتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی مسٹر ہیڈن فارن سکرٹری حکومت ہند کے ساتھ اسباب بغاوت ہند کے متعلق پُر جوش مباحثہ ہو رہا ہے۔ کہیں سائنٹیفک سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے کہیں خطبات احمدیہ کے لئے "خواب و خور حرام ہو رہا ہے"۔ اور خطوں میں لکھا جا رہا ہے۔ کہ "ظروف خانگی بھی بیچ کر خطبات کے لئے رقم مہیا کرو"۔ پھر تہذیب الاخلاق میں قوم و ملک کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب کے ہنگامہ پرور مضمون چھپ رہے ہیں۔ اور مولوی امداد علی اور علی بخش خاں کے ساتھ معارضے ہیں۔ اب وہی سرسید ہیں۔ کہ علی گڈھ کالج میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور "زندہ دلان پنجاب" سے روپیہ وصول کر رہے ہیں۔ کچھ وقت اور گذرتا ہے۔ کہ سمیع اللہ خاں سے "تُوتُو مَیں مَیں کرتے سنائی دیتے ہیں۔ آخر میں کبھی نہ خاموش ہونے والی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ کہ "اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ ہمیشہ چُپ رہنا ہو گا۔ اس لئے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں"۔ تا آنکہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو "یہ سیماب مجسّم" سپرد خاک کر دیا جاتا ہے ؛

اس کے بعد قوم، ملک، ابنائے وطن اور حکومت کی طرف سے جو ماتم ہوتا ہے، وہ پورے پورے اقتباسات کی شکل میں کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ اس جوش و خروش کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہو سکے۔ جو اس نامور بزرگ کی وفات کے غم نے پہنائے عالم میں پیدا کیا ؛

کتاب کا دوسرا حصہ اور بھی جامع۔ دلکش اور پُر از معلومات ہے۔ سید صاحب کے اوصاف و محاسن، ان کی خدمات، ان کی تحریکوں کی سپرٹ۔ ان کے اخلاق و عادات اور تصنیف و

تالیف کے طریقے اور دیگر بے شمار مباحث و مضامین ایسے ہیں۔ جن میں سید صاحب کی شخصیت اور سیرت بہت حد تک نمایاں کی گئی ہے۔ مفصل اقتباسات جو بعض جگہ طبیعت کے لئے بار ہیں۔ سوانح کی جامعیت کو قایم رکھنے کا مقصد پورا کر رہے ہیں ؏

سرسید نے اپنی زندگی میں مذہب، معاشرت اور سیاست کو اپنا مرکز توجہ بنائے رکھا۔ حیات جاوید ضمنی طور پر اپنے زمانے کی سوسائٹی کے قلب و دماغ اور معاصرین کے رجحان مذہبی و نفسی پر بھی ایک طرح کا تبصرہ ہے۔ یہ کتاب ہمارے سامنے اس ماحول کی پوری صورت نمایاں کرتی ہے۔ جس میں سید صاحب نے اپنے مشن اور تحریک کی ابتدا کی اور اس حد تک اسکو زیور تکمیل سے آراستہ بھی کر دیا۔ حیاتِ جاوید کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم اس زمانے کی سیر کر رہے ہیں ؏

جدید کتابیں جو خالص فنی نقطۂ نگاہ سے لکھی جاتی ہیں۔ ان میں ان اثرات کا سراغ بھی لگایا جاتا ہے۔ جنہوں نے "ہیرو" کی ذہنیت۔ رجحان اور جماعتی شعور کے بنانے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ اگرچہ خالص فنی خیال سے ہم شاید حالی کی اس کتاب کو اس معیار کے مطابق مکمل ثابت نہ کر سکینگے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہمارے مصنف نے اپنی اس کتاب میں ان اثراتِ خارجی اور ان کے عمل اور ردِ عمل دکھانے کی بہت حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ خاندان کا اثر۔ بچپن میں والدہ کی تربیت کا اثر، سیاسی وقایع اور مذہبی انحطاط کا اثر، شادی کا اثر، بیوی کے مرجانے کے بعد متاہل نہ ہونے کا اثر، تصنیفی رجحان کی پختگی کے اسباب، غرض بے شمار بحثیں حیات جاوید میں ایسی مل جائیں گی۔ جن کے صحیح ہونے میں ہم کوئی کلام نہ کر سکیں گے۔ "اثرات کا سراغ لگانا"۔ اگرچہ حالی کی جدت نہیں۔ لیکن چونکہ حالی کے زمانے میں یورپ کی ادبیات کی وساطت سے اس اصولِ تصنیف کا علم ہندوستان میں مصنفین کو ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ کامیاب Application بالیقین ان کی تصنیف کے محاسن میں سے ہے ؏

ایک اور ضروری سوال ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ۔ مولانا حالی نے جو تصویر سرسید کی بنائی ہے کیا وہ ان کی مکمل اور ہو بہو تصویر ہے ؟ گذشتہ سطور میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ حیات جاوید

جہاں تک شخصیت کے مظاہر کا تعلق ہے۔ ایک جامع کتاب ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں اس میں یہ نقص نظر آتا ہے۔ کہ یہ سرسید کی "شخصیت" کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کے بیان کرنے سے اکثر قاصر رہی ہے۔ اس میں سید صاحب کے مشن، ان کے کارناموں، ان کی خدمات اور ان کے مشاغل و فرائض پر ایک مفصل تبصرہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن "بشریت" کے خد و خال نمایاں کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ در اصل اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالی کا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے یہ ثابت کرنا تھا۔ کہ سید صاحب کہاں تک اپنے مشن میں حق بجانب تھے اور کہاں تک اس میں کامیاب ہوئے؟ پس جہاں تک غرض و غایت اصلی سے بحث ہے۔ حالی اس میں کامیاب ہوئے۔ لیکن "بشریت" کا بے نقاب کرنا نہ ان کے مقاصد میں تھا۔ نہ انہوں نے اس کی کوشش کی۔

اگرچہ ہم ضرورت سے زیادہ یورپ اور ان کے اصول تنقید کی نقالی کو پسند نہیں کرتے لیکن بایں اعتبار کہ خود حالی نے اس طرز سوانح نگاری کو سراہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ انگریزی زبان کی بعض عمدہ سوانح عمریوں میں بڑے بڑے ہنگاموں اور معرکوں کی زندگی کے بین السطور میں مصنفین کو "بشریت" کی جو رنگینیاں نظر آتی ہیں۔ اور بشری محاسن و معائب کے جو خصائص ان کو مل سکے ہیں۔ وہ انہوں نے بلا تکلف اپنی بیاگرافیوں میں درج کرتے ہوئے اپنے موضوع کی "شخصی" اور "ذاتی" زندگی کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سر جان سٹریچی نے ملکہ وکٹوریہ کی جو لائف لکھی ہے۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔ حیات جاوید کے سلسلے میں ہماری یہ توقع غالباً حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی نہ سمجھی جائے گی۔ کیونکہ یہ شرط خود مولانا کے نزدیک سوانح نگاری کے لئے ضروری ہے۔ یہ چیز یورپ کے "ملامت پسندوں" کے اس طریقے سے جدا ہے۔ جو عیوب کے بے محابا اعلان و افشا پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت فرائڈ Freud کے جدید طریقہ "تجزیہ نفسی" سے بھی مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ کتاب میں اس حسن کو ظاہر کرنے کے لئے روزمرہ کے وہ واقعات یا

نجی خطوں کے وہ شگفتہ اور بے ساختہ لکھے ہوئے فقرات جن میں کاتب اپنی ذات یا خودی یا انجام سے غافل ہوتا ہے۔ بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ سنجیدہ تحریریں اور باقاعدہ سوچی اور سمجھی ہوئی گفتگوئیں جن کا تعلق زیادہ تر انسان کی سوشل ذمہ وارانہ پبلک زندگی سے ہوتا ہے۔ وہ لطف نہیں پیدا کر سکتیں۔ جو پرائیویٹ زندگی کے بعض لطائف سے ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے سرسید کے خطوط بھی بہت حد تک Serious خشک اور پُر از متانت ہیں۔ اور ان سے بھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے بظاہر مولانا حالی کے لئے ایک جائز عذر موجود ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی سراپا متانت، یکسر مقصد، مکمل تبلیغ و تحریک ہو۔ اس کی لائف میں یہ آب و رنگ آئے تو کہاں سے ؟ لیکن اگر ہمیں معاف کیا جائے۔ تو یہ عرض کیا جائے۔ کہ یہ کسی حد تک اس اسلوب اور رجحانِ طبع کے طفیل بھی ہے۔ جو حالی کا خاصہ ہے۔ سرسید کی متین اور سنجیدہ زندگی کے لئے حالی کی متانت سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی تھی۔ اور وہ جوشِ بیان اور شگفتگی ہے جس سے حالی کسی حد تک محروم ہیں ؞

نہ صرف یہ کہ سید کی زندگی کو ان دلچسپ ذاتی اور "بشری" جزئیات سے پُر لطف نہیں بنایا گیا بلکہ یہ بھی ہے۔ کہ ایسی جزئیات ہیں بھی بہت کم! لوکہارٹ کی "لایف اف سکاٹ" اور باسول کی "لائف اف جانسن" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان میں روزمرہ کے معمولی واقعات سے زندگی کے خاکہ میں خوبصورت رنگ بھر گیا ہے۔ لیکن حالی کی کتاب ان بیل بوٹوں سے بہت حد تک خالی ہے۔ بچپن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یا شاید عنفوان شباب کا حال۔ بے شک پُر لطف ہے۔ اخلاق و عادات، اور طرزِ تصنیف و تالیف کا باب دلکش ہے۔ لیکن مفصل نہیں ؞

اب جہاں تک "اخلاقی جرأت" کا سوال ہے۔ مولانا حالی اس وصف سے ایک بہت بڑی حد تک متصف تھے۔ اگرچہ ان کا عام لب و لہجہ اپنی معاشری زندگی میں اور تصانیف میں بھی نرم تھا۔ لیکن صداقت کو نمایاں کرنے اور موضوع کے عیوب کو ظاہر کرنے میں اپنے عام اسلوب کے ماتحت انہوں نے اکثر مقامات پر اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ خود ان کا سرسید احمد خاں کے ساتھ

ان کے مشن میں شامل ہونا ان کی تحریکات میں ان کی ہم نوائی کرنا اور سب پرستزاد یہ کہ ان کا ایک ایسے مختلف فیہ موضوع کو اپنی تصنیف کا موضوع بنانا اس کا ثبوت ہے - کہ ان میں صداقت کو نمایاں کرنے کی اخلاقی جرأت تھی۔ اگرچہ "ماحول" اور "فضا" سے مرعوب ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں "اور کریٹکل بیاگرافی لکھنے کو" ہندوستان میں بے کار خیال کرتے ہیں۔ جہاں "ہیرو" کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے"۔

مولانا شبلی نے حیات جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنا تو محض اصول و مبانی کے معیار پر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا لب ولہجہ قدرے سخت ہے "حیات جاوید کو میں لائف نہیں۔ بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل"۔ پھر فرماتے ہیں کہ "یہ مدلل مداحی ہے"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے "یہ یک رُخی تصویر ہے۔ اور اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے"۔ اگر اس آخری فقرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ یہ مولانا حالی کا خیال ہے۔ تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مولانا "بیاگرافی" کے لئے اس وصف کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک محاسن کے ساتھ معائب دکھانے ضروری ہیں۔ علی الخصوص "سرسید" کے تمام اعمال پر نکتہ چینی کرنا ان کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی "نکتہ چینی" کی بنیاد رکھی ہے۔ مولانا اس اصول کے قایل تھے۔ اور انہوں نے اس کا نمایاں الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ ہاں اس بارے میں مشرقیت ضرور آڑے آتی ہے۔ جو مولانا شبلی کے نزدیک (اور ہمارے نزدیک بھی) ایک خوبی ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ واقعی مولانا نے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے سرسید کے محاسن و معائب کا پلہ برابر رکھا ہے۔ اور ان کے ذاتی کیریکٹر کے علاوہ ان کے پبلک کیریکٹر کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے؟

اگر معاصرین پر جنبہ داری اور گروہ بندی کا الزام درست بھی ثابت ہو جائے۔ تو موجودہ نسلیں جو اپنی عصبیت میں شاید اس قدر شدید نہ ہوں۔ حالات گذشتہ کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے غالباً کسی

رائے پر پہنچ سکتی ہیں۔ آج سرسید کے مشن، ان کی تحریکات کے فوائد اور نقصانات، ان کے مذہبی خیالات اور سیاسی عقاید کا عمل اور ردِّ عمل ہمارے سامنے ہے۔ حالات کے مطالعہ کے بعد ہم بجرأت کہہ سکتے ہیں۔ کہ مولانا حالی نے جو تصویر سید صاحب کی پیش کی ہے۔ وہ ہو بہو نہ تھی۔ اور ان میں عقیدت اور محبت کو شامل کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے۔ کہ ان اقوال و عقاید کے لئے جو تاویلات کی گئی ہیں۔ ان کے خلاف بھی قوم کے شعور اور ضمیر نے عرصہ ہوا۔ بغاوت کردی ہے۔ مولانا شبلی سید صاحب کی جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے۔ لیکن غالباً سب سے پہلے وہی تھے۔ جنہوں نے سید صاحب کے خیالات و عقاید سے علٰحدگی اختیار کرتے ہوئے قوم کے لئے فکر کی ایک نئی راہ کھولی ؛

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کہیں گے۔ کہ مولانا حالی نے صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہوگا۔ ان کا اعلےٰ معیارِ زندگی، ان کا پاکیزہ اخلاق، ان کی سادہ اسلامیت سب اس بات کی شاہد ہیں۔ سید صاحب کے ساتھ انہیں جو خلوص تھا۔ ان کے جوش اسلامی اور حب قوم سے ان کے دل میں جو ولولہ محبت پیدا ہوتا تھا۔ ان کے کارناموں اور مخالفین کی ضد اور جہالت کا جو اثر ان کے قلب پر ہوتا تھا۔ اس کا تقاضا تھا۔ کہ وہ اپنے "محبوب" رہنما کے متعلق بادلِ نخواستہ بھی کوئی ایسی بات نہ لکھیں۔ جس میں ان کی نیت اور فعل پر شبہ ہو سکے۔ حالی کچھ تو فضا اور ماحول سے مجبور تھے۔ جہاں ہیرو کے نقایص سننے کی لوگوں کی عادت ہی نہیں۔ کچھ انہوں نے تنقید کے ایک اُصول پر ضرورت سے زیادہ عمل فرمایا۔ جس کو اپنے "موضوع کے ساتھ دلچسپی اور ہمدردی" کہا جاتا ہے۔ پس بقول مہدی حسن مرحوم "ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگزشت لکھی ہے۔" مولانا حالی نے سید صاحب کی جن باتوں کو سراہا ہے۔ اور جن اختلافی معاملات میں ان کی جنبہ داری کی ہے۔ ان میں واقعی مولانا کی دیانت دارانہ رائے یہی ہوگی۔ خواہ آج مکان و زمان کے اس وقفہ کی حالت میں ہمیں دونوں بزرگوں سے اختلاف کرنے کی گستاخی کرنی پڑے ؛

ہماری مشرقی عقیدت کا تقاضا ہے۔ کہ ہم سرسید اور مولانا حالی دونوں بزرگوں کے کارناموں پر نکتہ چینی نہ کریں۔ اور بقول مہدی حسن مرحوم اس "ہمدردانہ سرگذشت" کے اوراق کو داغدار نہ بنائیں۔ لیکن افسوس کہ یورپ سے ہم لوگوں کو جو "ایمان بالغیب" ہوگیا ہے۔ اور یورپ نے جس فن تنقید کے "تریاق" یا "اثر مسموم" کو ہم میں پھیلا دیا ہے۔ وہ مجبور کر رہا ہے۔ کہ قوم اور ملک کی رائے بعض مباحث و معاملات میں "ہیرو" کے بعض کاموں سے اختلاف کرے ؛

سید صاحب کی زندگی میں بعض واقعات ایسے ہیں۔ جن سے ان کی ذات ہمیشہ سے بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا محل بنی ہوئی ہے۔ اور مشکل یہ ہے۔ کہ حیات جاوید کی تاویلات اور بیانات کے باوجود وہ غلط فہمیاں ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ مرور زمانہ نے ان میں سے بعض کو تجربہ کی روشنی میں صاف کر دیا ہے ؛

بعض اختلافی مسائل جو مابہ النزاع ہیں۔ وہ یہ ہیں :۔

(۱) "ایام غدر" میں سید صاحب کا طرز عمل ؛

(۲) سید صاحب کا "مغربی تمدن" کو پسند کرنا۔ اور اس کے بعض پہلوؤں کو اختیار کر لینا ؛

(۳) سید صاحب کا مذہب کو معقولات کے تابع کر دینا۔ اور بعض ایسے عقاید کا انکار جو مسلّمات میں سے تھے۔ اور بعض کا اقرار جو دین میں پہلے موجود نہ تھے ؛

(۴) سید صاحب کا آخری عمر میں سید محمود کے ہاتھ میں کھیلنا اور پرانے رفقا سے اختلاف، ٹرسٹی بل کے واقعات ؛

(۵) سید صاحب کا انڈین نیشنل کانگرس سے الگ رہنا۔ اور مسلمانوں کے لئے الگ سیاسی حکمت عملی کا وضع کرنا ؛

سید صاحب نے ایام غدر میں جو طرز عمل اختیار کیا۔ اور ضلع بجنور میں باغیوں سے جس طریق سے صف آرائی کی۔ وہ باغیوں کے نقطۂ نگاہ سے یقیناً قابل مذمت تھا۔ اور اب بھی جو لوگ اس لڑائی کو "بغاوت" سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ سید صاحب کی کارروائیوں کو اچھا نہیں سمجھتے

لیکن ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں۔ ہم مولانا حالی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ کہ سید صاحب نے عاقبت بینی کے خیال سے نہایت و بانت وارانہ یہی ضروری سمجھا۔ کہ باغیوں کی مخالفت کی جائے۔ لیکن یہ عذرات اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتے۔ کہ سید صاحب "تاریخ سرکشی بجنور" میں محمود خاں رئیس بجنور کو "نامحمود خاں" کہہ کر پکاریں ؛

سید صاحب مغرب اور مغربی تمدن کے اس درجہ دلدادہ ہو گئے تھے۔ کہ نہ صرف اس کے مظاہر سے ان کو دلچسپی تھی۔ بلکہ اس کی سپرٹ کے بھی عاشق تھے۔ سید صاحب نے اس محبت اور وابستگی کی وجہ سے جو "لباس و طعام و مکان اور طرز ماندو بود اور طرز معاشرت وغیرہ" انگریزی طریقے پر اختیار کر لیا تھا۔ حالی اس کو "تعلیم یافتہ ترکوں کا طریقہ" کہتے ہیں۔ حالانکہ حیات جاوید کے اوراق میں ترکوں کی محبت کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ یہ اس بات کی شہادت ہے۔ کہ ہیرو کے بعض عیوب یا بعض خصائص کو اچھے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہندوستانیوں نے جس وسیع پیمانے پر اب مغربی تمدن کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ امر چنداں قابل اعتراض نہیں رہا۔ لیکن چونکہ اس زمانے کی سوسائٹی میں یہ طریقہ بود و ماند پسندیدہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے حالی نے اس کو ایک مرغوب لباس بنانے کی کوشش کی ہے ؛

سید صاحب نے انگلستان سے ایک خط میں لکھا "کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ تہذیب و شائستگی میں وہی نسبت رکھتے ہیں۔ جو ایک وحشی بدصورت ایک لائق اور خوبصورت آدمی کے ساتھ رکھتا ہے"[1]۔ مولانا حالی کا سکوت بلکہ بامعنی تاویل بیداری ہندوستان کے موجودہ دور میں گرفت سے بالکل باہر نہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی اور "تفریح" کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان تمام حالات کو وہ روغن دینے کی کوشش کی ہے۔ جو قابل قبول ہو۔ اسی طرح جہاز پر "گردن مروڑی ہوئی" مرغی وغیرہ کے متعلق جس قدر ازالہ شبہات کیا گیا ہے۔ وہ بھی فرائض سے غفلت کا ثبوت ہے اور ایک طرح کی "وکالت" ہے ؛

[1] حیات جاوید۔ ص ۴۲۳ ؛

سید صاحب نے مذہب اور عقل کی جنگ یا ان کی باہم مصالحت کے سلسلے میں جو اجتہادات کئے ہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا لکھنا کافی خیال کیا گیا ہے۔" اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت جو کچھ سرسید نے لکھا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور ہر ایک اختلاف میں انہی کی رائے صائب ہے۔ لیکن . . . ."۔ جہاں کہیں مولانا حالی نے کسی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی سی "لیکن" لکھ کر کمزوری کو محاسن میں تبدیل کرنے کی کوشش بھی کر دی ہے۔ سید صاحب کے اکثر اجتہادات سے حالی کو شدید اختلاف تھا۔ اور ان کے نزدیک سید صاحب غلطی پر تھے لیکن اس کو ظاہر کرنے میں چشم پوشی کو روا رکھا گیا ہے۔ ان تمام معاملات میں حالی یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مذہب کو سائنس کے حملوں سے بچانا مقصود تھا۔ لیکن نصف صدی گذر چکنے کے بعد بھی کون کہہ سکتا ہے۔ کہ "مذہب" سائنس کے حملوں سے بچ گیا۔ ہاں ہم میں مغرب پسندی ضرور پیدا ہوگئی۔ اور مذہب کو دیکھنے کے لئے مغربی زاویۂ نگاہ اختیار کر لیا گیا۔

اسی طرح دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور علوم مشرقیہ کو زندہ کرنے کے مسئلے میں مولانا حالی نے سید صاحب کو ایک ایسے رنگ میں پیش کیا ہے۔ جو آج کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

سید صاحب آخری عمر میں سید محمود کی رائے سے بے حد متاثر ہو جاتے تھے۔ "قانون ٹرسٹیان" کے سلسلے میں سید صاحب نے جس ضد اور سخنی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے کالج کے وقار اور شہرت اور خود ان کے سکونِ دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اس بل کو منظور کرانے کے لئے جو جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے۔ وہ اس جلیل القدر شخصیت کے شاندار محاسن کے پہلو میں زیبا نہیں معلوم ہوتے۔ نواب وقار الملک جو سید صاحب کے زبردست مداح لیکن اس بل کے معاملے میں ان کے مخالف تھے۔ ایک پمفلٹ میں لکھتے ہیں[1]۔

"کہ صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی۔ کہ مروت سے ہی کام نکل سکے۔ بلکہ اس سے زیادہ کارروائی ہوئی ہے۔ میں نے بچشم خود سید صاحب کی وہ تحریر بھی دیکھی ہے اور سید صاحب نے اس کو مخفی

---

[1] وقار حیات۔ ص ۳۹۵

بھی نہیں رکھا۔ کوئی دقیقہ اس بات کے لئے اٹھا نہیں رکھا ہے۔ کہ رائے دینے والے سید محمود کے حق میں رائے دیں۔ رائے دینے والوں کو یہاں تک نوٹ دلایا گیا ہے۔ کہ اگر وہ سید صاحب کی تجویز سے اتفاق نہ کریں گے۔ تو سید صاحب صرف سکرٹری کے عہدے سے ہی استعفانہ دیں گے۔ بلکہ جو مدرسہ کے متعلق اس وقت تک ہوا ہے۔ اس سب کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیں گے۔" الخ

ان دنوں میں سید صاحب کی طبیعت میں جو کمزوری اور ضد پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہاں تک بڑھ گئی تھی۔ کہ "اب جو آپ کے قلم سے ناں نکل گئی۔ تو خدا ہی ہے۔ جو اس کی جگہ ہاں نکلے"[۲]

ان تمام تنازعات میں مولانا حالی سید صاحب کی "ڈسپاٹک طبیعت" کا اقرار کرتے ہوئے اُن کے طرزِ عمل کو کسی حد تک "استحسان" کا لباس پہنانا چاہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں[۳]۔ کہ "اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ سر سید کی رائے اس باب میں خطا پر تھی۔ تو بھی جب ٹرسٹی بل قاعدہ کے موافق پاس ہو چکا تھا۔ تو کالج کے ہوا خواہوں کو اسے سر پر رکھنا چاہیئے"۔ ہوا خواہان کالج کے بارے میں جو ارشاد ہوا۔ بجا اور درست! لیکن سید صاحب کے متعلق ہم کیا قطعی رائے قایم کریں۔ کہ اس شور و شر میں حق بجانب تھے۔ یا غیر حق بجانب!

حالانکہ واقعات یہ ہیں۔ کہ اس زمانے میں خود مولانا حالی سید صاحب کی مخالفت میں دوسروں کے ساتھ شریک تھے۔ اور ان دنوں کالج کی اصلاح کے متعلق جو سلسلۂ مضامین اخبارات میں نکلنے کو تھا۔ مولانا حالی کا نام بھی ان میں ہوتا[۳]۔ لیکن حیاتِ جاوید میں جو پاس ادب ملحوظ ہے۔ وہ مشرقی عقیدت اور خاطر داری کا پہلو لئے ہوئے ہے ع

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

ایک لحاظ سے یہ بھی قابلِ داد ہے!!

---

[۱] وقار حیات۔ ص ۴۱۸۔ نواب وقار الملک کا ایک خط۔

[۲] حیات جاوید۔ ص ۱۹۲ [۳] وقار حیات۔ ص ۴۲۰

سید صاحب نے انڈین نیشنل کانگرس سے مسلمانوں کو من حیث القوم الگ رکھا۔ گویا" درحقیقت انہوں نے (سید صاحب نے) مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ایک خار دار جھاڑی میں جو شاید اوروں کے لئے درخت باردار ہو۔ ان کا دامن الجھنے نہیں دیا"؂ اگرچہ آج بھی اسلامی سیاست کا رجحان ادھر ہی ہے۔ لیکن اب ہوا کا رُخ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور حالات میں اس قدر انقلاب آگیا ہے۔ کہ سید صاحب کی رائے پر دیر تک قایم رہنا ممکن ہے مضر ثابت ہو۔ کیونکہ اب تو "اسیران قفس" نے "بہ نخل خانہ صیاد آشیان بستند" کے مصداق حکومت کے مسند پر قدم رکھ دیا ہے ؛

مولانا حالی پر اس خاص معاملہ میں بھی بطور سوانح نگار ہمارا یہ اعتراض ہے۔ کہ انہوں نے سید صاحب کی اس رائے کے لئے اپنی طرف سے جو تاویلات پیش کی ہیں، یہ کام ان کے فرائض سے خارج تھا ؛

اس تمام بحث کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی بیالئف اگرچہ مفصل اور تمام حالات کی جامع لکھی ہے۔ اور کسی نہ کسی جگہ دبی زبان سے ان کے طرز عمل اور رائے کی مخالفت بھی کی ہے۔ لیکن ہے "ہمدردانہ"۔ بلکہ "بے حد ہمدردانہ" اور بعض جگہ سعی تاویل کی وجہ سے واقعی "مدلل مداحی" معلوم ہوتی ہے ؛

یہ صحیح ہے۔ کہ "تنقید" کا معنی قطع و برید اور تنقیص نہیں۔ بلکہ ہمدردانہ تبصرہ ہے لیکن "ہمدردانہ" سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہم "موضوع" کو اس کے ماحول اور خاص حالات سے مجبور پا کر اس کی مشکلات پر ہمدردی سے نظر ڈالیں۔ اور اس کے نقطۂ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ نہ یہ کہ وہ نقایص جو مسلّم طور پر نمایاں ہوں۔ اور ان میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ان کی بھی تاویل کریں۔ سید محمود صاحب کے حق میں سید صاحب کی مسامحت اور مولانا حالی کی اس کے متعلق تاویل بلکہ خاموشی ناقابل درگذر ہے؛

مولانا نے حیات جاوید کے باب "ریفارمیشن" میں سید صاحب کے مصلح، مجدد یا ریفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وقایع نگاری نہیں۔ بلکہ وکالت ہے (ص ۳۸۲-۳۸۶)

؂ حیات جاوید - ص ۳۰۴

اسی محبت کے جوش میں فرماتے ہیں "علمائے سلف میں سے کسی شخص نے عام اصلاح کا ارادہ نہیں کیا" (ص ۲۷۷) حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ اس کی تردید کر رہی ہے ؛

مسلمانوں کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق جو مخالفت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ "مسلمان ابتدائے اشاعت اسلام سے جس ملک میں گئے۔ اور جہاں جا کر رہے مستثنیٰ صورتوں کے سوا کبھی ان کو غیر ملک اور غیر قوم کی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی" (ص ۲۶۶) آپ فرماتے ہیں۔ کہ " وہ طبعی نامناسبت جو تیرہ سو برس سے ان میں متوارث چلی آتی تھی۔ ایک اجنبی زبان کو سیکھنے کی ان کو اجازت نہ دیتی تھی "۔ (ص ۲۶۷) حالانکہ ایران، ہندوستان اور سپین کی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مسلمان جہاں گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد ملک کی دیسی زبانوں کو اپنایا۔ اور ان میں وسیع لٹریچر پیدا کیا۔ ہاں اس کلیہ کے کچھ مستثنیات بھی ہیں ؛

ہم حیات جاوید کے معنوی محاسن و نقائص کے موازنہ سے فارغ ہو چکے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے۔ کہ اس تصنیف کی ظاہری خصوصیات کیا ہیں؟ اور یہ کہاں تک ایک ادبی تصنیف قرار دی جا سکتی ہے؟ یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ یورپ میں (جس کی ہم اعلاناً یا عملاً تقلید کرتے ہیں۔ خواہ اقرار باللسان نہ ہو) بیاگرافی کا موجودہ رجحان یہ ہے کہ بیاگرافی کی خوبی میں form کا بہت زیادہ حصہ نہیں[1]۔ بلکہ اصل چیز جو ضروریات میں سے ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ "موضوع" کی واقعی اور حقیقی تصویر کھینچی جائے۔ اور اس میں صداقت کا پورا خیال رکھا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ موضوع کی ہو بہو تصویر بنانے کے لئے بہرحال قلم، الفاظ اور ترتیب الفاظ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے۔ کہ تصنیف کو ایک ادبی شاہکار بنانے کے لئے واقعیت اور صداقت کا خون نہیں ہونا چاہیئے ؛

اسی خیال کے ماتحت ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ حیات جاوید کی ظاہری خصوصیات یعنی ترتیب[1] مضامین، اسلوب[2] بیان، اور زبان[3] کا سرسری جائزہ لے لیں۔ اگرچہ یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق اردو ادب کے مورخین بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہمارے لئے ان کی خوشہ چینی شاید چنداں

---

[1] Harold Nicolson

معیوب نہ سمجھی جائے ؛

حیات جاوید ایک طویل اور ضخیم تالیف ہے۔ اور ہوسکتا ہے۔ کہ یہ ضخامت اُس حد سے بڑھے ہوئے جوش عقیدت کے سبب ہو جس کا ذکر گذشتہ سطور میں آچکا ہے۔ ہم مصنف کے ممنون ہیں کہ ان کی مساعی سے سرسید کی طویل اور پُر از واقعات زندگی کے مفصل حالات ہمیں مل گئے ہیں۔ جو مواقع بوجہ معاصر ہونے کے انہیں حاصل تھے۔ با جو نظر ان کی اس زمانے کی تاریخ، ماحول۔ اور علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کے متعلق تھی۔ وہ کسی بعد میں آنے والے کو قدرتاً حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات یہ مبارک بات ہوئی۔ کہ سید صاحب کی لائف کا بیش بہا ذخیرہ ہمارے ادب میں پیدا ہو گیا ہے۔ ملک میں حالی کی ذات اور ان کے کارناموں کے متعلق جو خوشگوار دلچسپی نشوونما پا رہی ہے۔ کیا ہم اس سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں۔ کہ کوئی فاضل حیات جاوید کا ملخص تیار کرتے ہوئے اُردو ادب میں قیمتی اضافہ کریں گے۔ جس سے سرسید اور مولانا حالی کی ارواح پُرفتوح کو مسرت حاصل ہو گی۔ اور ملک اور ادب پر احسان ہو گا ؛

حیات جاوید کے مطالعہ سے باوجود اس کی ضخامت اور طویل الذیل ہونے کے ایک طرح کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اس سے سید صاحب کی لائف کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن اس بات کا کچھ جواب نہیں۔ کہ بعض اوقات لمبے لمبے اور پے در پے اقتباسات بار خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین کو سمیٹا جاتا۔ تو شاید زیادہ دلکشی پیدا ہو جاتی ؛

کتاب سہولت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں سید صاحب کی زندگی کے واقعات اور کارنامے (علمی۔ مذہبی۔ سیاسی) گنائے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں انہی کارناموں پر مفصل تبصرے ہیں۔ اس ترتیب اور تقسیم سے تکرار، اور طول پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی ضخامت کو بڑا بنانے والا ایک عنصر ہے۔ اصولاً تو اس تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن بائیگرافی میں ادبی، سیاسی، اور علمی تنقید کا عنصر ضرورت سے زیادہ داخل ہو گیا ہے (جو بجائے خود

بہت قابل قدر ہے) ؛

اسلوب بیان کی خصوصیات وہی ہیں۔ جو ایک لمبی کتاب کے لئے ضروری ہیں۔ فقرے سادہ لیکن طویل، بیان منطقیانہ اور مدلّل، تحریر سے صداقت، خلوص، ہمدردی، اور یک رنگی ظاہر ہو رہی ہے، ہر ہر پیراگراف سے مولانا حالی کی شخصیت جلوہ گر ہو رہی ہے بمصنّف کو اپنے "ہیرو" کے متعلق جو گہری واقفیت ہے۔ اس کا راز ہر ہر سطر سے آشکارا ہوتا ہے۔ اس لئے بعض بعض بیانات میں مصنف کا اضطراب تفصیل اور جامعیت کے لئے چھلک رہا ہے ؛

کتاب میں سیّد صاحب کی علمی، ادبی، سیاسی، اور مذہبی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ اور اس سلسلے میں کئی موقعوں پر خالص فنی اور اصطلاحی بحث و تحیص کی ضرورت پڑی ہے لیکن بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے عام اسلوب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہی سادگی، وہی پاکیزگی، وہی متانت قایم رکھتے ہیں۔ تفسیر القرآن کے متعلق جو تنقید و تبصرہ ہے۔ اس میں خالص دینی اصطلاحات کا آنا ناگزیر ہے لیکن کوشش یہی ہے۔ کہ جو لکھا جا رہا ہے آسانی سے سمجھا جائے ؛

مولانا کی علمی اور پبلک زندگی کی سب سے بڑی شان یہ ہے۔ کہ ان میں "خود پسندی" بالکل نہیں۔ سرسیّد کی لائف میں جن کے ساتھ عمر کا بہت سا حصہ انہوں نے بسر کیا۔ اس بات کے بیشمار مواقع تھے۔ کہ وہ سیّد صاحب کے کارناموں کے ضمن میں اپنی شہرت علمیت اور بڑائی کا صُور بھی پھونکیں۔ لیکن سوائے چند شاذ مقامات کے ان کا اپنا ذکر اس ضخیم کتاب میں کہیں نہ ملے گا ؛

اس خوبی کے ساتھ ایک وصف یہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے۔ کہ انہوں نے طعن و تعریض سے اکثر احتراز کیا ہے، مولانا حالی نے حیات جاوید میں مولانا شبلی کے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" پر جو اظہار رائے کیا ہے اس میں ناراضگی یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں لیکن یہی مولانا شبلی ہیں جنہوں نے حالی کی حیات جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے۔ اس کا لب و لہجہ درشتی کی طرف مائل ہے۔ مقالات میں امام ابن تیمیہ کے ذکر میں مجدد کے اوصاف و شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "لیکن آج کل صرف یورپ کی تقلید کافی ہے"۔ (ص ۲۹۸) مولانا حالی نے سیّد صاحب کے مجدّد یا ریفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ یہ اس پر چوٹ ہے۔ اس قسم کی

---

[1] اس بحث کے لئے مشہور انشاپرداز مہدی حسن کا مضمون "شبلی حالی کی معاصرانہ چشمک" ملاحظہ ہو ؛

تعریضیں حالی کی تحریروں میں بہت کم پائی جائیں گی ؛

کہا جاتا ہے کہ مولانا حالی اپنے اسلوب بیان میں سرسید کے مقلد تھے۔ اور غالباً یہ زیادہ غلط نہیں، سید صاحب کی تحریروں میں عالمانہ صفائی نہیں تھی۔ مولانا حالی کی تحریروں میں علمیت کی شان نظر آتی ہے، ہاں سید صاحب کی طرح الفاظ کی تراش خراش، تشبیہ و استعارہ کے تکلفات، شاعری اور خیال آرائی، بات کم اور عبارت طویل، قافیہ پیمائی اور جادو طرازی، ان کی کتابوں میں نہ ملے گی۔ نظم و نثر دونوں میں انہوں نے اپنے اس شعر پر عمل کیا ہے ؎

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

حیات جاوید میں مولانا کا طرز تحریر تشریحی ہے۔ مثلاً ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی تشریح اور توجیہ کے لئے بہت سا وقت صرف فرماتے ہیں جس سے ان کی یہ کتاب "تبلیغی" بن گئی ہے لیکن یہ نقص شاید صرف حیات جاوید میں پایا جاتا ہے، اس معاملے میں حیات سعدی اور یادگار اور مقدمہ شعر و شاعری بے عیب ہیں۔ کیونکہ وہاں "ہیرو" کی صفائی پیش کرنے کے لئے انہیں اتنی بے قراری نہیں ؛

موجودہ تصنیف میں ایک خاص بات بہت نمایاں ہے (اور شاید دوسری تصانیف بھی کسی حد تک اس میں شریک ہیں) اور وہ یہ ہے۔ کہ بعض جگہ بے موقع "وعظ و نصیحت" شروع کر دیتے ہیں، اور مسلمانوں کو حسن اخلاق اور ہمدردی قوم پر ابھارتے ہیں۔ جس سے یہ سوانحعمری "یادگاری" اور "تبلیغی" بن جاتی ہے لیکن یہ چیز اس زمانے کے ماحول اور کتاب کے مقصد کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس عہد کے اکثر مصنف اسی طریق عمل کے پابند ہیں ؛

حالی میں "جوش بیان" کی کمی ہے۔ سید صاحب کو ۱۸۵۷ء کے ماحول میں دکھلاتے ہیں لیکن تمام واقعات کا ذکر اس سکون سے کر رہے ہیں، گویا کہ وہ ایک قوم کا خفیف سا اضطراب تھا۔ جس نامور شخصیت کی سوانح کے لئے وہ حیات جاوید جیسی کتاب لکھتے ہیں۔ اس کی وفات کی تقریب پر صرف معاصرین کے مراثی اور ماتمی تقریروں اور تحریروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور زبان قلم مارے شدت غم کے بعض رسمی الفاظ سے آگے نہیں بڑھتی ؛

گذشتہ سطور میں سٹائل کی جن کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے لئے مستثنیات تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہر کلیہ کے لئے مستثنےٰ کا ہونا ضروری ہے ؛

سید محمد عبداللہ

(ترجمہ)

ادبیاتِ ایران

ایران فی الحال جادۂ ترقی ادبیات میں اکثر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ دوسرے ممالک میں مرور دہور سے ادبیات نے تنوع پیدا کر لیا ہے اور اسی پر تو تنوع سے تمامی طبقاتِ ملت کی روحوں کو اپنا مسخر کر لیا ہے۔ اور ہر مرد و عورت۔ طفل و جوان و پیر اور امیر و غریب سب کو راغب پڑھنے پر بنا دیا ہے۔ جو باعث ترقی معنوی افراد قوم ہو گیا لیکن ایرانی بدبختی سے جادۂ اسلاف سے قدم باہر رکھنے کو مایہ تخریب ادب جانتے ہیں۔ اور عموماً وہی جوہر استبدادی سیاسی ایرانی جو دنیا میں مشہور ہے۔ درباره ادبیات بھی دیکھا جاتا ہے چنانچہ جب کوئی لکھنے والا قدم اٹھاتا ہے۔ تو اس کی نظر صرف گروہ ادبا و فضلا پر منحصر رہتی ہے۔ اور ادنیٰ توجہ بھی دوسرے گروہ کی طرف نہیں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور سادہ و بے تکلف عبارات لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی پیش نظر نہیں ہوتے۔ مختصر یہ کہ ڈپیا کرسیی ادبی کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ مسئلہ مخصوص ایران ایسی سلطنت کے لئے کہ جہاں کی جہالت و عدم اعتناء ہر طرح کی ترقی گروہ مردم کے لئے مانع ہے بہت زیادہ سرمایہ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو علم و دانش سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اور سالک مسالک حقایق رہ کر راہ کسب قوت و غذاء روحی میں منہمک ہیں۔ لیکن وہ اشخاص کہ بعجواء ھم کالانعام بل ھم اضل میں شامل ہیں۔ اگر کوئی ان کی فکر نہ لے اور ان کی پرواہ نہ کرے۔ تو یہ تا قیام قیامت جہل و ذلت و تاریکی میں حیران و سرگردان رہیں گے۔

اکثر ممالک متمدنہ میں اسی قسم کے خیالات باعث تاسیس تعلیم عمومی جبری ہوئے ہیں۔ یعنی ارباب علم و بینش و فضل و کمال کو یہ منظور ہوا۔ کہ عوام بھی مراتب علم و معرفت سے بہرہ یاب ہو جائیں

اگر ایسا نہ ہو۔ اور اہل فضل یہ خیال کریں کہ آخر کار خود عوام خوبہائے علم کو سمجھ کے اس کے کسب وتحصیل کے درپے ہوں گے ۔ اور کسی پر لازم نہیں ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ان کی اصلاح میں صرف کرے ۔ ہرگز ایسا نہیں کہ عوام اپنے آپ اس قسم کے خیالات میں پڑیں۔ اگر یہ ادعا مبنی بحقیقت ہوتا تواب تک ایرانی کب کے باسواد ہو گئے ہوتے ۔ بجائے اس کے کہ تقریباً دو فیصدی بھی پڑھے لکھے نہیں ہیں کم سے کم ایک تہائی یا چوتھائی قوم ایرانی پڑھی لکھی ہوتی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بہت سے ہمارے ہموطن اشخاص اعیان وبزرگان وتجار میں سے جنہیں ہر طرح کے اسباب حاصل ہیں پھر بھی اب تک ایک شخص ایسا نہیں کہ ایک مہینہ بھی اپنے اوقات کا تحصیل نوشت وخواند میں صرف کرے اور کورسوادی ہی بہم پہنچالے ۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے ملک میں ارباب قلم وفن تحریر عموماً عوام سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ اور اسی انشاء غامض اور عوام نفہم کا تتبع کرتے ہیں ۔ باوجودیکہ ممالک متمدنہ کی یونیورسٹیوں میں کہ جن کے سررشتہ ترقی ہاتھ لگ گیا ہے انشاء سادہ وبے تکلف اور عوام فہم ہی کو تمام اقسام انشاء پر اختیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس ملک کے لوگ مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اور انشاء مشکل کے سمجھنے میں چنداں عاجز نہیں۔ پھر بھی انشاء سادہ ان کے نزدیک مستحسن اور ممدوح ہے۔ اور لکھنے والے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہی زبان رائج اور معمولی جسے لوگ کوچہ وبازار میں بولتے ہیں۔ اسی کو تعبیرات واصطلاحات متداولہ کے ساتھ لباس ادبی میں لایا جائے اور نکات صنعتی سے آراستہ کر کے تحریر میں لایا جائے ۔ جتنے اکثر علمائے متبحر بھی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اپنی تصنیفات اور تحریرات کو جہاں تک ہو سکے زبان سادہ میں لکھیں ۔ علاوہ ازیں بیشتر علماء مطالب کے سمجھانے میں علمی حقایق کو پیرایہ حکایت میں بیان کرتے ہیں ۔ چنانچہ عالم ومنجم مشہور فلاماریون فرانسیسی کہ زمانہ موجودہ کے مشہور ترین علماء میں سے ہے بہت سے مسائل مہمہ علم ہیئت ونجوم وریاضی کو بطور افسانہ وناول بیان کرتا ہے ۔ اور یہ ناول فی الحال اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو گئے ہیں ۔ اور دنیا ان سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہی ہے

حالانکہ اگر وہ چاہتا تو صرف اپنے ہمسر علما و فضلا کو طرف خطاب قرار دیتا اس صورت میں اس کا وقت کم صرف ہوتا۔ لیکن اس کی صدا اُن چند علماء کے کان تک پہنچتی جن کو مخصوصًا ہیئت و نجوم سے تعلق خاطر ہے۔ حالانکہ اس وقت اس کی آواز تمام دنیا میں گونج رہی ہے۔ اور کروڑوں بنی نوع انسانی کی جانیں اسرار طبعی اور ادراک حسن بے نہایت آفرینش سے آشنا ہو کر لذت یاب ہو رہی ہیں ٭

جب کسی کی توجہ ادبیات حالیہ فرنگستان پر ہو تو ممکن ہے۔ کہ نظر اولیٰ میں کثرت افسانہ کو۔ جو فی الحال رکن اعظم ادبیات فرنگستان ہے۔ اس بات پر محمول کرے کہ ادبیات فرنگستان خرابی و نقصانات کی طرف جا رہے ہیں۔ درصورتیکہ بے شک و شبہ کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں ترقی ادبی بجواب فرنگستان میں ہے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زندگانی اہل فرنگ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ امر بہت واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب بھی مثل چھری۔ کانٹا۔ جراب اور رومال کے ان کے لوازم حیات سے ہو گئی ہے۔ بے شک اس کا عمدہ سبب انشاء کا صورت افسانہ و حکایت میں آجانا ہے ٭

افسانہ سے علاوہ منافع مذکورہ کے دوسرے اہم فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ درحقیقت اُن لوگوں کے لئے جنہیں کسب معاش میں روزانہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے وقت فرصت انشاء رومانی مدرسہ کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ مدرسہ میں جا کر اُن معلومات کی تکمیل نہیں کر سکتے جو فی الحال روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اور نہ ان کا دماغ ہی اتنا ہوتا ہے کہ علمی اور فلسفی کتابوں کا مطالعہ کر کے معرفت حاصل کریں۔ مگر افسانہ زبان شیریں اور طرز دلکش و لذت بخش سے بہت سے لازم اور مفید معلومات ہم کو سکھاتا ہے۔ جس سے دماغ اور جان کو تازگی اور فرحت و نشاط حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ معلومات تاریخی یا علمی ہوں یا فلسفی و اخلاقی ٭

علاوہ اس کے ایک قوم کے لوگ جو اختلاف شغل و کار و معاشرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے حالات خیالات حتیٰ کہ جزئیات نشست و برخاست سے بھی ناواقف ہوتے ہیں افسانہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف اور ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شہری نہیں

جانتا کہ دیہات میں دلہن دولھا کے گھر کس طرح جاتی ہے۔ اور دیہاتی کو نہیں معلوم کہ شہر کی عورتیں دن کیسے بسر کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ شہر کے فقرا اسی شہر کے اغنیاء کے کاروبار سے اور اس کے برعکس متمول اور بڑے لوگ ماتحتوں اور خادموں کی زندگانی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہمارے ایران میں بڑے بڑے شہروں کے رہنے والوں کے کان تک ایک دوسرے کے اوضاع و اخلاق و عادات کے حالات نہیں پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ باشندگان **قوچان** نہ جانتے ہوں کہ طہران میں بقر عید کیونکر ہوتی ہے۔ اور باتوں کا قیاس اسی پر کر لو۔ افسانہ ایک قوم کے گروہ ہائے مختلفہ کو ایک دوسرے سے آگاہ اور آشنا بنا دیتا ہے۔ شہری کو دیہاتی سے۔ ملازم حکومت کو تاجر سے۔ کرد کو بلوچی سے۔ قشقائی کو گیلک سے۔ پابند شریعت کو صوفی سے۔ صوفی کو زردشتی (آتش پرست) سے۔ زردشتی کو بابی سے۔ طلبہ کو پہلوانوں سے۔ کچہری والے کو بازاری سے نزدیک کر کے ہزاروں اختلاف مغائرت تعصب آمیز کو جو بوجہ جہالت و نادانی و عدم آشنائی ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہوئے ہیں دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تمام اقوام و ممالک کے حالات تمدنی و اندرونی و روحانی سے واقف اور خبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اور کتب تاریخی نہیں پڑھنا چاہتے ہیں کہ جو صرف زندگانی سیاسی و فوجی ایک ملک و قوم کی اور وہ بھی بطور ناقص و ناکافی بتاتی ہیں [illegible] اور مطمئن ہونا چاہیں کوئی طریقہ اس ملک و ملت کے حالات معلوم کرنے کا اس ملک کے افسانہ پڑھنے سے بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ فی الحال مثلاً کوئی خان کرد جو کسی دامن کوہ میں وسط کردستان میں رہتا ہے۔ افسانہ کے وسیلہ سے بہت کچھ جزئیات معاشرت و رسوم اہل آئس لینڈ سے واقف ہو سکتا ہے۔ جو دنیا کے سرے پر وسط بحر اوقیانوس میں واقع ہے اور ممکن ہے کہ اب تک وہاں کسی ایرانی کا قدم نہ پہنچا ہو۔ اور اسی طرح اس کے برعکس +

کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم و ملت کے حالات اخلاقی اور خصائل مخصوصہ کے دکھانے کے لئے افسانہ سے بہتر کوئی آئینہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دور بیٹھ کے ملت روسیہ کے پہچاننے کے لئے **تولستوئی** اور **دوستوویسکی** کی کتابوں کے پڑھنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ اسی طرح

اگر ایک شخص ایرانیوں کو جاننا چاہے تو موریر کی کتاب **حاجی بابا** اور **جنگ ترکمان** اور **قنبر علی** مصنفہ **کاؤنٹ گوبینو** سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی ؛

چونکہ انسان عموماً افسانہ ایسی چیزوں کے پڑھنے کی طرف راغب اور ذاتاً مائل ہے۔ لہٰذا اس کے وسیلہ سے ہر طرح کی سیاسی یا علاوہ سیاسی تبلیغ (پروپگنڈا) کی جا سکتی ہے۔ اگر الجزائر میں سنکوئیچ لمستانی ایسے ماہر مصنف ہوتے کہ ان کے افسانے یوروپ اور امریکہ میں مشہور ہوتے تو ہر ایک افسانہ سو فوجوں اور بہت سے فصیح و بلیغ لکچروں کا کام دیتا جس طرح سنکوئیچ کے رومانوں نے لوگوں کی محبت و شفقت کو اس سلطنت اور قوم کی طرف جذب اور مائل کیا۔ اور عام اہل دنیا کی فکروں کو ان کا معین و مددگار بنا دیا ؛

سب سے بڑھ کے فائدہ افسانہ اور انشاء رومانی کا یہ ہے جو ایک قوم اور سلطنت کی زبان کو عاید ہوتا ہے۔ فقط انشاء رومانی ہی ہے جو خواہ بشکل کتاب یا تھیٹر یا اخبار مواقع استعمال کلمات و محاورات و ضرب الامثال و ترکیب کلام مختلف و لہجہ ہائے گوناگون پیدا کرتا ہے۔ حتےٰ کہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ملت کے مختلف طبقات کی گفتار کا گراموفون ہے۔ حالانکہ انشائے قدیمی (کلاسیک) اور علمی اس خدمت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور شاذونادر اُن کلمات کے استعمال کا موقع پیدا کر سکتا ہے۔ جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مثلاً کم اتفاق واقع ہوتا ہے کہ ایک قصیدہ یا غزل گو شاعر کہ یہ دونوں صنف کلام ایران میں مرغوب تر ہیں عید نوروز کے موقع پر یا دربارہ شکار ایسی نظم لکھے کہ جس میں نوروز اور شکار کے تمام کلمات و اصطلاحات و تعبیرات وغیرہ جو شکار اور نوروز کے مناسب ہیں کسی قصیدہ یا قطعہ میں صرف کرے۔ اگر ایسا ارادہ بھی کرے تو مجبوراً بہت سے کلمات اور تعبیرات اہم سے اسے صرف نظر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بعض کلمات منافی وزن شعر ہوں گے اور بعضے فصاحت قصیدہ سے خارج ؛

یہ دائرہ کلمات و تعبیرات کے محدود ہونے ہی کا سبب ہے کہ اغیار جو فارسی کو کتابیں پڑھ کے حاصل کرتے ہیں باوجودیکہ اس سہل زبان کی تحصیل میں ایک مدت دراز صرف کر دیتے ہیں

پھر بھی جب ہم سے فارسی بولتے ہیں۔ تو ہم ایرانیوں کو ان کی فارسی پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے مثلاً عثمانی کہ تعلیم و تعلم زبان فارسی ان کے مدارس میں لازمی ہے۔ انہیں چند الفاظ دوست اور معشوقہ کے لیے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے یار۔ دلدار۔ جاناں۔ دلبر۔ نگار وغیرہ۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ یار مثلاً چمٹے سے آگ جان میں لگاتا ہے۔ یا اس کی ضرب دست چہرہ رقیب گستاخ پر ملک اور کشیدہ (تھپیڑ) کہلاتی ہے ؛

میں خود ایک عثمانی ترک سے ملا جس کو ہزارہا اشعار دیوان شعراء ایران کے زبانی یاد تھے باوجود اس کے ہم مجبور ہوئے کہ اپنے سادہ مطالب کو فرانسیسی میں ایک دوسرے سے ادا کیے کیونکہ اس کی فارسی ہم اور ہماری فارسی وہ کمتر سمجھتا تھا۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ ایسی کتابیں جو زبان حال رائج میں لکھی گئی ہوں ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ جن سے وہ فارسی سیکھیں۔ اور ہمارے انشاپرداز عموماً اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کہ نثر میں لکھیں۔ اور اگر نثر لکھنا بھی چاہتے ہیں تو طرز تحریر گلستان سے قدم باہر نہیں رکھتے ؛

باربیہ دو مینار مشہور مستشرق فرانسیسی تمثیلات میرزا فتح علی آخوند کے ترجمہ کے مقدمہ میں کسی ایسی کتاب کے نہ ہونے کے بارہ میں جو زبان فارسی معمولی میں لکھی گئی ہو۔ اور یورپین طالب علموں کو فارسی سیکھنے میں کام آئے لکھتے ہیں ؛۔

خود اہل مشرق سے درخواست کرنا چاہیے کہ ایک نمونہ اور سرمشق اپنی زبان رائج کا ہمارے لئے مہیا کریں لیکن بدقسمتی سے اس قسم کی کتابیں خود ان کے پاس کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اور ایسے شخص کے لئے جو قواعد اور ذوق ادبی عالم اسلام سے آشنا ہے۔ یہ کمی نثر زبان رائج کی کسی طرح موجب تعجب نہیں ہے چونکہ عالم اسلام میں اگر کوئی شخص بولنے کے موافق کوئی کتاب یا اخبار لکھنا چاہے۔ تو اس میں وہ اپنی کسر شان اور توہین اور آمیزش در مقدسات اور حکم خیانت در علم معانی و بیان سمجھتا ہے اور ایسی سعی لغو اور باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ موجب لعن وطعن ہوتا ہے ؛

تعجب اس بات کا ہے کہ تمام اس عہد آخر میں ہمیشہ مصنفین جیسے حسن علی خان امیر نظام

ومیرزا ابوالقاسم قائم مقام ومیرزا عبدالوہاب نشاط جو صاف اور سادہ لکھا کرتے تھے اور متقدمین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ مورد تحسین عام ہوئے اور ان کے مصنفات میں سے جو ہاتھ آیا متعدد بار چھپ چکا ہے۔ پھر بھی ہمارے ادیب اس سے تنبہ حاصل نہیں کرتے اور ان کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہوتا ۔

المختصر ہم نے جو یہ کہا کہ انشا ءحکایتی استعمال کلمات کے لئے بہترین انشا ہے ظاہر ہے کہ جب کلمات اور لغات رائجہ کسی جگہ محفوظ ہو جائیں گے اور ان کے محل استعمال معین اور واضح ہونگے تو کسی وقت میں اور تعبیرات قدیم درمیان سے اُٹھ جائیں گے اور ان کی جگہ نئے کلمات اور تعبیرات لے لیں گے اور کتاب ہائے افسانہ وقصہ بہترین خزانہ ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ زبان کے لئے کتب لغات و فرہنگ سے بھی بہتر ہونگے۔ کیونکہ لغات چاہے کتنا ہی مفصل اور مشرح ہوں۔ پھر بھی محل استعمال لغات و اصطلاحات جیسا کہ چاہیئے معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ افسانہ برعکس لغات کما حقہ، اس امر سے عہدہ برآ ہوتا ہے ۔

علاوہ اس کے بہت سے کلمات وتعبیرات و اصطلاحات و اشارات لسانی ایسے بھی ہیں جو ہرگز کتب لغات میں نہیں آسکتے۔ جیسے کہ وہ کلمات جو عموماً مشہدی اور را و باشوں میں معمول ہیں ۔

(باقی دارد)

شاداں

راسا اور ابوالفضل

پنڈت موہن لال وشنو لال پنڈیا اپنے مضمون میں جس کا خلاصہ ہم اپنی پہلی قسط میں درج کر آئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "چند چھند ورمن مہیما" میں جو سمبت ۱۶۲۹ بک / ۱۵۷۲ء مطابق سنہ ۹۸۰ھ کی تالیف ہے۔ مذکور ہے کہ سمبت ۱۶۲۷ بک / ۱۵۷۰ء میں جلال الدین اکبر پادشاہ نے پرتھی راج راسو اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے سنی تھی ؛

یہ بیان اگر صحیح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ راسا جلال الدین اکبر کے عہد میں موجود تھا لیکن جو تاریخ پنڈت جی دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس تاریخ میں ایک یا دو دہائی کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ ہندویات میں اکبر کا شغف اس عہد سے بعد کا قصہ ہے

بعض وجوہ ہمارے پاس ایسے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ راسا اکبر کے عہد میں موجود تھا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں وجود میں آیا ہو۔ ابوالفضل کے بعض بیانات سے جن کی تفصیل ذیل میں آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راسا کے بعض مطالب سے واقف ہے۔ لیکن یا تو راسا اس کی موجودہ شکل میں اس کے پاس نہیں ہے یا کوئی اور تالیف جس کے مضامین راسا سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر بعض امور میں تناقض اس کے سامنے ہے۔

ابوالفضل مسلمانی تاریخ کے ان بیانات سے جو شہاب الدین کے حالات میں مفصل ملتے ہیں اعراض کر کے ہندی مآخذ کی سند پر کہتا ہے کہ پرتھی راج نے شہاب الدین کو سات مرتبہ شکست دی اور آٹھویں مرتبہ اس سے مغلوب ہوا۔ چنانچہ :-

"ہندی نامہا برگوید ہفت بار (بہ) سلطان پیکار آراست و شکست داد۔ پانصد و ہشتاد و ہشت ہجری نزدیک تھانیسر ہشتم بار در نبرد گرفتار شد (ص ۵۳۱ - آئین اکبری مرتبہ بلاکمین) سلطان سے پہلے (بہ) میرا اضافہ ہے۔ جو قلمی نسخہ کی سند پر کیا گیا ہے ؛

یہ بیان یقیناً راسا کے بیانات کے مخالف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے بیس سے زیادہ مرتبہ پرتھی راج سے شکست کھائی۔ پکڑا گیا اور زرِ فدیہ دے کر رہا ہوا۔ ابوالفضل کا بیان ممکن ہے کہ ہمیر مہا کاویہ سے ماخوذ ہو جو کہا جاتا ہے سمت ۱۴۶۰ بکرمی کی تالیف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل گویا ہے :-

" راجہ را صد گونا مور ملازم بود۔ ہر یکے را سامنت گفتے شگفت کاری ایشان در کالبد گفت درنگنجد و عادت بخرد نپذیرد"۔ یہ اشارہ ہے ان سامنتوں کے ان مبالغہ آمیز اوصاف کی طرف جو راسا میں ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ مثلاً سات آدمی باری باری لڑکر شام تک سات ہزار آدمی قتل کرتے ہیں۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔ ایک ہی ضرب میں ہاتھی کی سونڈ اُڑ جاتی ہے۔ ان سامنتوں کے سر اگرچہ تن سے جدا ہو جاتے ہیں لیکن دھڑ بدستور جنگ میں مصروف رہتا ہے اور بمشکل تمام ٹھنڈا پڑتا ہے۔ اسی لیئے ابوالفضل کہتا ہے کہ ان قصوں کو عقل قبول نہیں کرسکتی۔ مگر قرین عقل مسلمانی تاریخ کے بیان کو ٹھکرا کر ہندو بیان کو ترجیح دینا اور پھر عقل کا سوال اٹھانا ہمارے نزدیک ابوالفضل کی زیادتی ہے۔

اکبر کا یہ زبردست مؤرخ راسا کے اس مشہور قصہ سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے۔ جس میں جے چند والی قنوج راجسو جگ مناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جے چند اس تقریب کے موقعہ پر تمام راجاؤں کو دعوت دیتا ہے۔ سب آتے ہیں مگر پرتھی راج شرکت سے انکار کرتا ہے۔ جے چند اس کا مجسمہ طیار کرا کر بطور دربان کھڑا کر دیتا ہے۔ پرتھی راج اس توہین پر مشتعل ہو کر پانسو گھڑچڑھوں کے ساتھ الیغار کرتا ہوا قنوج پہنچ کر اپنا بُت اٹھا لے جاتا ہے جے چند کی لڑکی یہ خبر سن کر پرتھی راج پر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے۔ باپ کو پتہ لگتا ہے۔ وہ گھر سے نکال دیتا ہے پرتھی راج کو ان باتوں کی خبر لگتی ہے۔ وہ چاند اسجاٹ کو جے چند کے دربار میں جانے کے واسطے آمادہ کر کے خود مع اپنے سامنتوں کے بھیس بدل کر ملازم کی حیثیت سے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور موقعہ پا کر قنوج کی شہزادی کو لے کر نکلتا ہے۔ پرتھی راج کے وہ سامنت مختلف

بھروپوں میں اس کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک ایک سامنت جے چند کی فوجوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے گوبند رائے گہلوت سد راہ ہوا اور بڑے معرکے انجام دے کر مارا گیا اس نے سات ہزار آدمی مارے۔ اس کے بعد نرسنگھ دیو اور چاندا اور پنڈیر اور سارو بول سولنکی اور پالہن دیو کچھواہہ مع دو بھائیوں کے عجیب وغریب کارہای نمایاں سر کرکے راہی عدم ہوئے۔ علےٰ ہذا باقی سامنتوں پر گذری۔ اور سب کے سب راہ میں کام آئے اور راجہ مع چاندا بھاٹ اور دو بھائیوں کے اپنی نئی رانی کو لے کر دلی پہنچ گیا۔ ابوالفضل کی اصل عبارت ذیل میں درج ہے :-

"چنان برگزارند راجہ جے چند راٹھور فرماں روای ہندوستان در قنوج دادگری کردی و دیگر راجہا لختے نیایش بدو نمودی و از فراخی مشرب بسیاری ایرانی و تورانی پرستار بودی (یہ اشارہ ہے مسلمانی فوجوں کی طرف جو جے چند کے ہاں ملازم بتائی جاتی ہیں) سگالش جگ راجسو فرا پیش گرفت و در سرانجام آن شد و ناگزران او آنست کہ راجہا بخدمت گری قیام نمایند تا دیگ شوئی و آتش فروزی بدینہا باز گردد۔ و نیز دران انجمن گزین دختر خود را باہمین راجہ پیوند بخشد۔ راجہ پتھورا نیز سگالش رفتن داشت ناگاہ یکی را بر زبان رفت۔ با وجود سلطنت چوہان اندیشۂ راجسو او را سزا نبود۔ راجہ آتش حمیت برافروخت و باز ماند۔ راجہ جے چند بلشکر کشی رو آورد۔ کاردیدگان درازی کار و نزدیکی ساعت گذارده باز آوردند و بچارۂ انجام این جشن پیکر راجہ پتھورا از طلا ساختہ بدربانی نشاندند۔ راجہ ازین آگہی برآشفت و با پانصد گزیدہ مرد بطرز ناشناساں رہ نوردید و ناگہانہ بدان ہنگامہ در پیوست۔ آن تمثال را بر داشت۔ فراوان مردم راجان بشکردہ بہاریہ پیمائی باز گردید۔ دختر راجہ کہ آمادۂ دیگرے بود از شنید داستان مردانگی شیفتۂ پتھورا شد و تن بدان نداد۔ پدر رنجیدہ از شبستان بیرون آورد و از برای او منزلی جداگانہ بر ساخت۔ پتھورا ازین آگہی برشوریدہ و بخواہش پیوند او برگشت و بدین قرار گرفت کہ چاندا باد فروش کہ از دمسازان او بہ لیست ؟ بعنوان نیایش گری پیش جے چند رود و راجہ با برخی گزیدہ مردم بآئین ملازمان ہمراہ باشد۔ شوق اندیشہ

بکر وار آورد و بدین طلسم ہوش مندی و جادوی مردانگی جویای آرزو مندرا بر گرفت و شگرف کاری ونیز دستی بملک خود باز گردید و آن صد سامنت رنگونا گون لباس ہمراہ داشت۔ یکی پس از دیگری استادہ فوجہا بشکست نخستین گوبند رای گہلوت بجنگ ایستاد و کارنامہا بجا آوردہ فروشد ہفت ہزار کس در آویزۂ او سیلاب نیستی در شدند۔ سپس زسنگہ دیو وچاندا و پندیر وسار و صول سولنکی و پالہن دیو کچھواہہ باہر دو برادر اولین روز یکی پس از دیگری شگرف کار یہا کردہ نقد زندگی بمردانگی سپردند۔ وآن رادمردان کارزار ہمہ در راہ فروشدند و راجہ با چاندا باد فروش و دو برادر راہ عروس بدہلی آورد و جہانی بشگفت زار افتاد" (صہ ۵۳۲) ؎

میں اس تمام بیان کا راسا کے بیان سے بخوف طوالت مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ راسا میں جزویات اور آرائشی حصہ کی اس قدر بھرمار ہے کہ اس سے ایک بیدھا سادا مسلسل بیان لینا ایک داستان لکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے میں پہلے دن کی جنگ کے بعض خط وخال یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین ان کا فرق خود ملاحظہ کرلیں۔ اس کے لئے راسو سار کو میں نے اپنا رہبر بنا لیا ہے اور بے حد اختصار سے کام لیا ہے ؎

"سات ہزار ملیچھ فوج نے جن کے افسر میر ہمام اور میر گردان تھے سامنتوں پر حملہ کیا۔ ان کی روک تھام کے لئے گوبند رای گہلوٹ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لے کر آگے بڑھا اور دو دستہ شمشیر زنی شروع کر دی۔ اور دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ آخر میر ہمام خاں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ میر نے اس پر تومر (گرز یا نیزہ) کا وار کیا اور چاہتا تھا کہ کمان ڈال کر کھینچ لے۔ گوبند رای بروقت اُچھل کر الگ ہو گیا اور وار خالی دیا۔ اس پر میر نے بانک کا ہاتھ مارا۔ لیکن بجائے زیر ہونے کے اپنے دشمن پر جھپٹا۔ میر نے ایسا نیزہ مارا کہ کلیجہ کے پار نکل گیا۔ راجپوت نے اس پر بھی کونت کا ہاتھ مارا۔ اتنے میں میر نے اس کا سر اڑا دیا۔ سر تو گر گیا مگر دھڑ نے آفت مچا دی۔ کٹار کے ایک ہی وار میں میر کو تو مردۂ صد سالہ بنا دیا اس کے بعد چار اور میروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اتنے میں آراس (آرائش) کا زنبور کلیجہ میں لگا اور گہلوٹ کا تن بے سر لاش بن کر

گر پڑا۔ مسلمانی فوج اب زور باندھ کر آگے بڑھی ؛

ادھر سے پجّون رای نے مورچہ لیا۔ اس کے مقابلہ کو پانسو مسلمان سپاہی بڑھے۔ یہ دیکھ کر کیہر رای۔ کنٹھیر پرمار۔ پیپار رای۔ پڑھیار۔ بھوہارای چندیل۔ بھوپ کچّارای چالک۔ اور داہیا نرسنگھ رای پانچ سامنت پیدل ہو کر اس کی امداد کو آئے۔ اور حریف کو للکارا۔ خوب ہتیار چلا۔ گھمسان کا معرکہ رہا۔ آخر میں پجّون رای کا سر کٹ کر الگ جا گرا۔ مگر دھڑ نے وہ کار نمایاں کیا جسے دیکھ کر دیوتا بھی عش عش کرنے لگے۔ اس نے دم بھر میں ساری مسلمان فوج کو تتر بتّر کر دیا۔ پجّون رای کے ختم ہوتے ہوتے تیسرا پہر ختم ہو چکا تھا ؛

اب حریف کی طرف سے باگھ رای گھیلا اور میر کمود خاں نے ساونتوں پر یورش کی۔ اس طرف سے چند پنڈیر نے ہتیار کیا۔ اور مست ہاتھی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گیا۔ ہزاروں میروں کو کاٹتا چھانٹتا میر کمود خاں کے مقابلہ میں آیا۔ میر نے اس کے بھالا مارا اِدھر سے چند نے سیل مارا۔ دونوں کے وار بھرپور پڑے اور دونوں کا کام تمام ہو گیا ؛

پنڈیر کے کھیت رہتے ہی ادھر سے کرمبھ رائے نے اور اُدھر سے باگھ رای گھیلے نے ہتیار سنبھالے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ پہلے تلواروں سے لڑے جب تلواریں ٹوٹ گئیں۔ کٹاریں پکڑیں اور وار چلے۔ اس گھمسان میں پجّون رائے کا سیرن میر سے سامنا ہو گیا۔ سیرن نے پجّون کے سینے میں نیزہ پیل دیا۔ جس سے پجّون رای بے جان ہو کر زمین پر گرا۔ مگر گرتے گرتے حریف کے تلوار کا ہاتھ مارتا گیا ؛

پجّون رای کو گرتا دیکھ کر نرسنگھ رای داہیا سیرن کے مقابلہ میں آیا۔ سیرن نے پہلے تو اس پر بان (تیر) چلایا۔ لیکن جب وہ بان کو خاطر میں نہ لایا۔ تب اس نے تلوار کا وار کیا۔ اتنے میں نرسنگھ کا ہاتھ بھی چل چکا تھا۔ الغرض دونوں ڈھیر ہو گئے ؛

کرمبھ رای کے مرنے پر اس کا سگا بھائی پلہن میدان میں اترا۔ اور خوب دادِ شجاعت دے کر آخر کار ہلاک ہوا ؛

اس کے بعد بچّون رای کا فرزند ملے سنگھ چار تلواریں باندھ کر حریف پر دوڑا۔ کرمبہ کے خاندان کے اور دو چار بھائی بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اس بہادر نے ایسی صف شکنی کی۔ کہ دشمن کی فوج نے بھی اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ اس نے جس سوار کے ہاتھ مارا زرہ بکتر سمیت کاٹ گرا دیا۔ ایک ہی ہاتھ میں کئی کئی زبردست جوانوں کی گردنیں کاٹ دیتا تھا۔ میر اور سامنت دونوں اس کی دلاوری کی داد دیتے تھے۔ زخمی بچّون رای بھی اپنے فرزند کی بہادری دیکھ کر پھولوں نہیں سماتا تھا۔ اس کے ساٹھ گہرے زخم آئے۔ تب کہیں وہ بے جان ہو کر گرا۔

اب دشمن نے اس جماعت پر ہاتھیوں کو ریل دیا۔ کنہ چوہان اسی وقت تلوار لے کر ان ہاتھیوں کی طرف جھپٹا۔ وہ ان سینکڑوں ہاتھیوں سے اس طرح لڑ رہا تھا۔ جیسے کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے پٹھوں کو زور کراتا ہو۔ زبردست ہاتھی اس کی شمشیر کا زخم چکھ کر چیخ اٹھتے۔ کالے کالے ہاتھیوں میں اس کی تلوار بادلوں میں بجلی کی طرح کوندھ رہی تھی۔ ان کے زخموں سے خون جھرنے کی طرح بہ رہا تھا۔ اس خونی دریا میں کٹی سونڈیں مگرمچھ اور ڈھالیں کچھوے معلوم ہوتی تھیں۔ اُدھر کنہ بیہ قہر ڈہا رہا تھا۔

ادھر سارنگ رای سولنکی غنیم کی فوج کے سر تن سے جدا کر رہا تھا۔ جس میر پر اس کا ہاتھ پڑا۔ سر خربوزے کی طرح کٹ کر دُور جا گرا۔ آخر کئی دشمنوں نے مل کر اسے موت کے گھاٹ اُتارا۔ اتنے میں اندھیرا بھی ہو چکا تھا۔ اور جنگ ختم ہوئی۔

آج کی جنگ میں دشمن کے سات ہزار مسلمان۔ دو ہزار گھوڑے اور بہت سے ہاتھی کام آئے اور ادھر صرف سات سامنت کھیت رہے۔ رات کے وقت لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور نرسنگھ رای داہیا۔ گوبند رای گہلوت۔ چند پنڈیر۔ سارنگ رای سولنکی۔ پلہن رای سالا۔ سورنے سنگھ وغیرہم کی لاشیں جب سامنے لا کر رکھی گئیں تو پرتھی راج روتا ہوا زخمی بچّون رای کے لپٹ گیا۔ گوبند رای ابھی تک سسک رہا تھا۔

ابوالفضل کا بیان بظاہر راسا کے بیان پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔لیکن اگر غور کی جائے تو ان میں کافی اختلاف موجود ہے۔آئین اکبری میں گوبند رای اور راسا میں گوبند رای ہے۔جو بقول ابوالفضل تن تنہا سات ہزار آدمی قتل کرتا ہے۔ راسا میں یہ تعداد ساتوں ساونتوں کی کارگذاری کا نتیجہ ہے۔آئین میں چند پنڈیر ایک فرد واحد کو دو شخص مانا گیا ہے۔ یعنے چاندا علحدہ اور پنڈیر علحدہ آئین میں سارو ھول سولنکی راسا میں سارنگ رای سولنکی ہے۔آئین میں نرسنگھ دیو راسا میں نرسنگھ رای ہے۔آئین کی رو سے ان سات ساونتوں کے یہ نام ہیں :-

(۱) گوبند رای گہلوٹ (۲) نرسنگھ دیو (۳) چاندا (۴) پنڈیر (۵) سارد ہول سولنکی (۶) پالہن دیو (۷) برادر پالہن دیو (۸) برادر پالہن دیو * اس طرح آٹھ ساونت بنتے ہیں ور ابوالفضل سات بتاتا ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ چاندا پنڈیرا ابوالفضل کے نزدیک ایک شخص ہے جس کو اس کے مرتب نے دو شخص بنادیا اور آئین کے مذکورہ بالا متن میں چاندا اور پنڈیر کے درمیان واؤ غلط لایا گیا ہے لیکن راسا کا متن بھی ایسے نقائص سے پاک نہیں - راسا کے تفصیلی بیان میں یہ ساونت مارے جاتے ہیں *

(۱) گوبند رای گہلوت (۲) ہجن رای (بار اول) (۳) چند پنڈیر (۴) ہجن رای (بار دوم) (۵) نرسنگھ رای (۶) کرمبہ (۷) پلہن (۸) ملے سنگھ (۹) سارنگ رای سولنکی۔مگر مقتولین کی فہرست میں صرف چھ نام ملتے ہیں یعنے (۱)، (۵)، (۳)، (۹)، (۷)، (۸)۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ فہرست میں پچون رای کی شمولیت جس کو راسو سار میں دومرتبہ مقتول دکھایا گیا ہے - بالکل غیر ضروری ہے وہ قتل نہیں ہوتا اور آیندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زخمی ہوتا ہے باقی نام آئین اور راسا میں تقریباً مماثل ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آئین میں پالہن کے دو بھائیوں کے نام نہیں دیئے گئے جو راسا میں موجود ہیں۔ یعنے کرمبہ اور ملے سنگھ *

ابوالفضل اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس واقعہ کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے جے چند والی قنوج کے ساتھ دوستی کر لی اور لشکر لے کر لڑنے آیا۔

اور پرتھی راج کا بڑا علاقہ فتح کر لیا۔ پرتھی راج اپنی نئی رانی پر اس قدر فریفتہ تھا۔ کہ اس کو دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہیں تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ شہاب الدین کی آمد کی اس کو اطلاع دے سکتا آخر اراکین دولت نے جمع ہو کر چاندا کو ساتوں ڈیوڑھیوں سے پار کر کے حرم سرا میں بھجوایا۔ وہ پرتھی راج کو ہوش میں لایا۔ پرتھی راج اپنی گذشتہ فتوحات پر مغرور حسب معمول تھوڑا سا لشکر لے کر میدانِ کارزار میں جا دھمکا۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ اس کے دل چلے سامنت پیوند خاک ہو چکے تھے اِدھر معاملاتِ سلطنت بالکل ابتر و درہم تھے اور جے چند جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر اس کی امداد کرتا رہتا تھا۔ اُلٹا اس کے دشمن کا مددگار ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتھی راج نے بُری طرح شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور شاہ اسے غزنیں لے گیا۔ چنانچہ آئین :-

"از بخت برگشتگی راجہ بدان مہین بانو شیفتہ شد و از ہمہ واپرواخت۔ چوں سالی برین گذشت سلطان شہاب الدین ازین داستان با راجہ جے چند طرز دوستی پیش نہاد۔ سپس لشکرہا فراہم آوردہ بہ پیکار بر آمد۔ بسیاری جا بر گرفت۔ کس را یارای گذارش چہ کہ دسترس نبود۔ آخر اولیای دولت فراہم آمدہ چاندا را از ہفت در گذرانیدند و او بحرم سرا در شدہ لختے راجہ را بشورش در آورد۔ و از غرور فیروزی بسان ہر بار قدری لشکر فراہم آوردہ کارزار پیش گرفت۔ چون دلاوران والا بسیج درین مرتبہ نبودند و کار سلطنت از رونق افتادہ بود و جے چند کہ ہموارہ کمک می کرد۔ بر خلاف پیشین مددگار غنیم شد۔ درین ناوروگاہ راجہ گرفتار آمد و سلطان دستگیر کردہ بغزنین برد" (ص ۵۳۲)

اس بیان کا اکثر حصہ اگرچہ معتبر تاریخ کی رو سے بے بنیاد ہے مگر ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر بھی ابوالفضل راسا کی خوشہ چینی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل اسی قصہ کو لے بیٹھتا ہے۔ جس میں اندھا پرتھی راج چاندا بھاٹ کی نشان دہی سے آواز پر تیر مار کر سلطان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ یہ روایت بھی یقیناً اس کو راسا سے ملی ہے۔ وھُوَ ھذا :-

"چاندا از حقیقت منشی و وفاداری بغزنین شتافت و سلطان را ملازمت نمود و نوازش یافت و بہ پختہ کاری راجہ را دریافت و در زندان دمسازی نمود۔ گفت چنان بخاطر میرسد کہ من نزد سلطان

تیر اندازی ترا برگویم۔ او میل تماشہ خواہد کرد۔ دران زمان کار او را بساز۔ قرار داد بجای آمد و سلطان را تیر دوزگر دانید۔ ہوا خواہان راجہ و چاندا را از ہم گذرانیدند (صفحہ ۵۲۲ آئین اکبری)

سلطان کی سات مرتبہ شکست کا قصہ اگرچہ ابوالفضل نے ہندو روایت کی بنا پر تسلیم کر لیا ہے مگر بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ سلطان معز الدین محمد بن سام کے سوانح حیات میں ان شکستوں کے لئے کوئی مناسب موقعہ نظر نہیں آتا ؛

جے چند کے لشکر میں مسلمانی فوجوں کا موجود ہونا پھر بیان واقع نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں قلب ہندوستان میں مسلمانوں کا پایا جانا غیر اغلب ہے۔ سواحلی مقامات پر البتہ مسلمان موجود ہیں لیکن ہندو رزمیہ کا یہ بیان صدائے بازگشت ہے۔ اس عہد کی جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہو کر ہندوؤں کے ساتھ ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور فوجی خدمات کے لئے عام طور پر پسند کئے جاتے ہیں ؛

سلطان شہاب الدین کا اندھے پرتھی راج کے تیر سے مارے جانے کا قصہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سلطان موصوف حسب بیان طبقات ناصری ملاحدہ کے ہاتھ سے غزنیں جاتے وقت منزل دمیک پر مارا جاتا ہے۔ قطعہ ذیل جو کسی ہمعصر شاعر کے قلم کا نوشتہ ہے۔ طبقات میں محفوظ ہے :-

شہادت ملک بحر و بر معز الدین ۔۔۔ کز ابتدائے جہان مثل او نیامد یک

سوم زغرۂ شعبان بسال شش صد و دو ۔۔۔ فتاده در رہ غزنیں بمنزل دمیک

طبقات سے بھی قدیم سند ہمارے پاس فخر مدبر کی سلسلۃ الانساب کی ہے جو بعہد قطب الدین ایبک تالیف ہوئی ہے اور جس کا دیباچہ ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں چھاپا ہے۔ اس تالیف میں بھی سلطان کا قتل منزل دمیک میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ :-

" و چون بمنزل گاہ دمیک رسید حکم و تقدیر ایزدی عز اسمہ کہ در ازل براندہ بود و قرنی زیادت نمازی بحق شہید شد و برحمت خدای پیوست" (صفحہ ۲۹ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۱۹۲۷ء۔ طبع رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ؛)

محمود شیرانی

الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعہ

مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں میں نے ایک مضمون "علامہ ابن الفوطی" پر شائع کیا تھا۔ ان کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسوم بہ "حوادث المائۃ السابعہ" کا ذکر اس مضمون میں[1] ہے۔ جس کا پورا نام حاجی خلیفہ نے "الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعۃ" لکھا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں المکتبۃ العربیۃ بغداد نے اس کتاب کو شائع کیا تھا۔ لیکن مضمون مذکور کو لکھتے وقت مجھے اس کے چھپ چکنے کا علم نہ تھا ورنہ میں اس وقت ضرور اس کو معرض بحث میں لاتا۔ مطبوعہ اڈیشن کے ناشر استاد مصطفیٰ جواد ہیں۔ جنہوں نے اپنے دیباچے میں کتاب اور اس کے مصنف کو ناظرین سے روشناس کیا ہے۔ شروع میں چار صفحے کا ایک مقدمہ محمد رضا الشبیبی سابق وزیر معارف کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب مذکور (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے اور عربی کی دیگر کتب تواریخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے۔ جس قلمی نسخے سے اس کو طبع کیا گیا ہے وہ ناقص الاوّل ہے لہٰذا مصنّف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں ۶۲۶ھ کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۷۰۰ھ کے اخیر پر تمام ہوتا ہے۔ یہ واحد قلمی نسخہ ابتدائً شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق جرجس صفا کے کتب خانے میں تھا جس نے ۱۹۱۳ء میں رسالہ المشرق میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور اس میں بتلایا کہ وہ بظاہر مصنّف کا خود نوشتہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں جا بجا جملوں کو کاٹ کر ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحوں پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ پورا صفحہ یا اس کا کچھ حصّہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے وغیرہ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد

---

[1] دیکھو میگزین مذکور صـ۶۔

اس نسخے کو مصر کے مشہور فاضل اور رئیس احمد تیمور پاشا نے جرجس صفا سے خرید لیا۔ اور اس کی ایک عکسی نقل مکتبۃ الاوقاف العراقیہ بغداد کو بطور ہدیہ بھیجی۔ اسی نقل سے یہ مطبوعہ اڈیشن شائع کی گئی ہے ؛

افسوس ہے۔ کہ کتاب کی طباعت عمدہ نہیں ہوئی اور متن کی تصحیح میں بھی زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کا اور اس کے مصنف کا نام دریافت کرنے میں تحقیق و تفتیش سے کام نہیں لیا گیا۔ ہمارے نزدیک یہ امر بدرجۂ غایت مشکوک ہے کہ یہ کتاب " الحوادث الجامعۃ" ہے اور یہ کہ اس کے مصنف ابن الفوطی ہیں ؛

ناشر کے پاس جو دلیلیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ یہ کتاب " الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعۃ" ہے۔ وہ نہایت ضعیف ہیں اور کچھ ایسی قابل توجہ نہیں ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ کتاب کے متن میں ۶۲۶ھ سے ۷۰۰ھ تک کے واقعات تو موجود ہیں اور دو جگہ پر مصنف نے یوں لکھا ہے۔ کہ "ہم اس واقعہ کو اوپر بیان کر آئے ہیں"۔ اور ان اوپر بیان کئے ہوئے واقعات میں سے ایک واقعہ ۶۱۴ھ کا ہے اور دوسرا ۶۱۶ھ کا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کتاب غالباً ساتویں صدی کے آغاز سے شروع کی گئی ہے۔ لہذا "حوادث المأتہ السابعۃ" کا نام اس پر صادق آتا ہے اور یقیناً یہ وہی کتاب ہے جس کے مؤلف ابن الفوطی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ۶۹۶ھ کے واقعات میں جہاں مصنف نے سلطان غازان خان کے بغداد آنے اور مدرسہ مستنصریہ کا کتب خانہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ لکھے ہیں " فدخل خزانۃ الکتب و لمحہا" یعنی سلطان کتب خانے میں داخل ہوا اور اسکو ملاحظہ کیا۔ چونکہ اس زمانے میں ابن الفوطی اس کتب خانے کے لائبریرین تھے۔ اس لئے ان الفاظ سے فوراً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ انہی کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خاص طور سے کتب خانے میں داخل ہونے اور معائنہ کرنے کا ذکر وہی شخص کرے گا۔ جس کا اس ذکر سے کوئی خاص مقصد ہو یعنی اس کو کتب خانے کی تخصیص منظور ہو۔ سوائے لائبریرین کے ایسی تخصیص کس کو منظور ہوگی ؟

پہلی دلیل تو بالکل بے وسروپا ہے۔ اگر مصنف نے ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ کتاب ۶۰۱ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی تصنیف کا جزو ہو جو کئی جلدوں میں لکھی گئی ہو اور عربی تواریخ کے عام قاعدے کے مطابق آدمؑ کے وقت سے شروع ہوتی ہو۔ ایسی تصنیف میں ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے کونسی چیز مانع ہو گی؟ دوسری دلیل بھی اگرچہ بظاہر بے معنی ہے تاہم اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک قطعی جواب موجود ہے۔ میں نے اپنے پہلے مضمون میں جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے واضح طور سے یہ دکھلا دیا ہے۔ کہ ابن الفوطی کے عہدۂ لائبریرین کا زمانہ ۶۹۴ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ کہ جب سلطان غازان خان کتب خانہ مستنصریہ کو دیکھنے آیا ہے تو اس وقت ابن الفوطی نہیں بلکہ جمال الدین یاقوت المخازن وہاں کے لائبریرین تھے البتہ وہ ان کی معیت میں اس وقت کتب خانے میں موجود ضرور تھے[1]۔ سطور ذیل میں میں ان وجوہات کو بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میرا یہ قیاس ہے۔ کہ یہ کتاب ابن الفوطی کی "الحوادث الجامعۃ" نہیں ہے۔

علامہ ابن الفوطی کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں۔ کہ وہ ۶۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۵۶ھ میں جب ہولاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا تو یہ قیدیوں میں گرفتار ہو گئے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ان کو رہا کرایا اور اپنے ساتھ مراغہ لے گئے۔ سات آٹھ برس تک ان کو پڑھایا لکھایا۔ پھر اپنے کتب خانے کا خازن مقرر کر دیا۔ ۶۷۹ھ تک وہ اس خدمت پر مامور رہے پھر بغداد چلے آئے اور اپنی زندگی کا باقی حصہ وہیں گذارا۔ ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی نے جتنا بڑا احسان ان پر کیا وہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف ان کو غلامی کی زندگی سے بچا لیا بلکہ اپنی تعلیم و تربیت سے ان کو علامۂ عصر بنا دیا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب "تلخیص مجمع الآداب" میں جہاں کہیں خواجہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ

---

[1] اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۶ ح ۲

"مولانا" یا "مولانا السعید" کے الفاظ اضافہ کرتے ہیں[1]۔ لیکن مطبوعہ "الحوادث الجامعۃ" میں جہاں خواجہ نصیر الدین کی وفات کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔ "و توفی بعدہ خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد بن الطوسی فی ثامن عشر ذی الحجۃ[2]" صرف چھ یا سات سطریں لکھی ہیں جن میں خواجہ کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ اس مختصر عبارت سے ذرّہ بھر بھی یہ پایا جاتا ہے کہ لکھنے والا اس کی وفات سے متأثر ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ چلتے چلتے ایک معمولی واقعہ کی طرح چند سطروں میں اس کا ذکر کر کے آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو مقام پر خواجہ کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ تو صرف اتنا لکھا ہے کہ "وصل السلطان اباقاخان الی بغداد فی خدمتہ الامراء والعساکر و خواجہ نصیر الدین طوسی[3]" اور دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ ۶۶۲ھ میں خواجہ نصیر الدین طوسی بغداد میں وارد ہوئے۔ پھر واسط اور بصرہ گئے اور رصدگاہِ مراغہ کے لئے بہت سی کتابیں خریدیں۔ "فیہا (یعنی فی سنہ ۶۶۲) وصل نصیر الدین محمد الطوسی الی بغداد . . . . ثم انحدر الی واسط والبصرۃ وجمع من العراق کتبا کثیرۃ لأجل الرصد[4]"۔ ہمیں معلوم ہے۔ کہ ۶۶۲ھ میں ابن الفوطی رصدگاہِ مراغہ کے کتب خانے میں خازن کے عہدے پر مامور تھے۔ لیکن اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ لکھنے والے کو خواجہ سے یا رصدگاہ کی لائبریری سے کوئی مخصوص دلچسپی یا لگاؤ نہیں ہے ٭

علامہ تاج الدین علی بن انجب السّاعی (المتوفی ۶۷۴ھ) ابن الفوطی کے شیخ تھے ۔ اور محی الدین یوسف بن الجوزی حدیث میں ان کے استاد تھے۔ ان دونو بزرگوں کے ذکر میں بھی "الحوادث الجامعۃ" کے مصنّف نے ان کا اپنے ساتھ کوئی تعلق ظاہر نہیں کیا۔ ابن الساعی کی وفات پر لکھتا ہے :۔ "وفیہا توفی تاج الدین علی بن أنجب بن عبد اللہ المعروف بابن الساعی المؤرّخ وکان مولدہ سنۃ ثلاث وتسعین وخمس مائۃ . . .[5]"، ابن الجوزی کا نام اسطرح

[1] دیکھو اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۳، ۱۴، ۱۵۔ [2] صفحہ ۳۸۰ [3] صفحہ ۳۷۵ [4] صفحہ ۳۵۰

[5] صفحہ ۳۸۶ ٭

لیتا ہے :۔ "و تولی العمل فی ذلک استاذ الدار محی الدین یوسف بن الجوزی۔ . . . [۱] " واقعۂ بغداد میں جو مشاہیر قتل ہوئے ان کی فہرست میں [۲] ابن الجوزی کا نام صرف اس طرح لکھا ہے :۔ "محیی الدین بن الجوزی استاذ الدار" ساتویں صدی کا ایک ذی علم اپنے استادوں کے نام ایسی لاپروائی اور بے توجہی سے ہرگز نہیں لے سکتا ؛

۶۵۶ھ میں بغداد کی المناک تباہی کے وقت ابن الفوطی وہاں موجود تھے ۔ اور انہوں نے وہ محشر خیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۴۔ ۱۵ برس کی تھی۔ یہ وہ عمر ہے جبکہ ایسے واقعات کا اثر دل پر نہایت گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دیکھنے والا خود بھی مورد آفات بنا ہو۔ انہوں نے اپنے گھر کی بربادی اپنے سامنے دیکھی اور خدا جانے اپنے اعزہ واقارب میں سے کتنوں کا خون اپنی آنکھوں سے بہتے دیکھا ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود ان خونخوار تاتاریوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے ۔ ایسے عبرت انگیز ذاتی تجربوں کے بعد ہم کو ضرور ان سے توقع ہونی چاہیئے ۔ کہ وہ خرابی بغداد کا ایک مؤثر نوحہ ہمیں سنائیں گے۔ وہ خود شاعر تھے۔ اور شاعروں کے قدردان تھے۔ طبیعت یقیناً حسّاس پائی ہوگی۔ باخیر۔ اگر اپنے بیان میں شاعری نہ بھی دکھاتے تاہم اپنے ان چشم دید واقعات کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ تو کرتے ۔ برخلاف اس توقع کے انہوں نے ۶۵۶ھ کے حوادث کو خاصا اختصار کے ساتھ لکھا ہے [۳] ۔ اور کہیں کسی جملے سے یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ لکھنے والا ان سب باتوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا یا ان سے متأثر ہوا تھا۔ بلکہ اس کے عمومی انداز بیان سے اس کی بے تعلقی خاصی واضح ہوتی ہے ؛

۶۵۷ھ میں ہولاکو خاں نے مراغہ میں جو رصدگاہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے لئے بنائی اور جہاں ابن الفوطی نے اپنی زندگی کا مفید ترین حصہ اور وہ بھی اکیس برس کا طویل زمانہ گذارا ۔ اس کا ذکر "الحوادث الجامعہ" میں اس قدر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ کہ ہم بجنسہ ان الفاظ کو

---

[۱] صفحہ ۲۱۰ ۔ [۲] صفحہ ۳۲۸ ، [۳] ص ۳۲۳ - ۳۳۷ .

یہاں لکھ دیتے ہیں :-

"وفیہا (یعنی فی سنۃ ۶۵۷) وضع نصیر الدین طوسی الرصد بمراغہ و

عین فیہ جماعۃ یتولون عملہ الی ان انتحر فی سنۃ اثنتین وسبعین[1]"

کیا یہ مناسب موقع نہ تھا۔ کہ ابن الفوطی اس مقام پر رصد کا ذکر ذرا زیادہ دلچسپی کے ساتھ کرتے۔ اور ایسے الفاظ میں کرتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے ساتھ ان کا ذاتی تعلق ظاہر ہوتا ؟

۶۷۹ھ میں عطا ملک جوینی نے ابن الفوطی کو مراغہ سے بغداد بلا لیا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیا[2]۔ ساتھ ہی وہ مدرسہ مستنصریہ کی وسیع لائبریری کے خازن بھی مقرر کئے گئے "الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعۃ" ضرور ہے۔ کہ انہوں نے ۷۰۰ھ کے بعد لکھی ہوگی۔ ۶۷۹ھ اور ۷۰۰ھ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے وہ ان کے چشمدید تھے۔ اس لئے طبعی طور پر ہمیں یہ اُمید تھی۔ کہ ان واقعات کو وہ سابقہ واقعات کی نسبت زیادہ مفصّل لکھیں گے۔ لیکن حالت برعکس ہے ۶۵۶ھ تک کے واقعات کو مصنّف نے جس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ بعد کے واقعات میں نہیں ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے بیان زیادہ مختصر ہوتا جاتا ہے۔ شروع شروع کے سالوں میں ہر سال کے حوادث آٹھ آٹھ دس دس صفحوں میں مرقوم ہیں۔ برخلاف اس کے آخری سالوں کو (خصوصاً ۶۹۰ھ کے بعد) ایک ایک دو دو صفحوں میں ختم کر دیا ہے۔ یہ صورت حالات ابن الفوطی کے مصنّف ہونے پر دلالت نہیں کرتی ؛

لیکن سب سے قوی دلیل جو ہم اس بارے میں پیش کر سکتے ہیں یہ ہے۔ کہ "الحوادث الجامعۃ" کی مطبوعہ ایڈیشن کے شروع میں قلمی نسخے کے ایک صفحے کا فوٹو نمونۂ خط کے طور پر دیا گیا ہے۔ اوپر ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ فاضل ایڈیٹر کے نزدیک قلمی نسخہ مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ علامہ ابن الفوطی کے خط کا نمونہ ہے۔ میں نے اپنے سابق مضمون میں تلخیص مجمع الآداب مؤلفہ ابن الفوطی کی جلد خامس پر تبصرہ کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ وہ علامہ موصوف کے اپنے ہاتھ کی لکھی

---

[1] ص ۳۴۱، [2] اورنٹیل کالج میگزین ص ۱۶ [3] میگزین مذکور ص ۳ ؛

ہوئی ہے۔ وہ اس وقت مخدومی پرنسپل محمد شفیع کے کتاب خانے میں ہے۔ اور انہوں نے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء میں اس کے دو صفحوں کا فوٹوگراف شائع کیا ہے۔ خطاطی کے ان دو نمونوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر مقابلہ کرنے سے فوراً یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ الحوادث الجامعہ والا نمونہ یقیناً ابن الفوطی کے زمانے سے بہت بعد کا خط ہے۔ ہم اس بات کے ماننے سے انکار نہیں کرتے کہ وہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوگا۔ لیکن وہ مصنّف ابن الفوطی نہیں۔ بلکہ تقریبًا ایک صدی بعد کا کوئی آدمی ہے جیسا کہ نمونۂ خط سے ظاہر ہے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں مصر و شام میں بہت سی تاریخی کتابیں لکھی گئیں اور ان میں سے بعض بہت بڑے پیمانے پر ہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ مطبوعہ کتاب ان میں سے کسی کا ایک جزو ہے۔ میں نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ لیکن افسوس کہ کہیں بھی مصنّف نے اپنا یا اپنی کسی اور تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس کا کچھ حال معلوم ہو سکتا۔

فاضل ایڈیٹر کے دیباچے سے علّامہ ابن الفوطی کے متعلق بعض نئی اطلاعات میسّر ہوئیں جن کو یہاں لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کو میرے سابق مضمون کا تتمّہ سمجھنا چاہیئے۔

"تلخیص مجمع الآداب" ابن الفوطی کی جلد خامس جس کا ابھی ذکر ہوا مصنّف کی خود نوشتہ ہے۔ محمد رضا الشبیبی نے مطبوعہ کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں وہ اطلاع دیتے ہیں کہ اس کی چوتھی جلد کہ وہ بھی مصنّف کی خود نوشتہ ہے۔ دمشق میں دارالکتب الظاہریہ میں موجود ہے[1]۔

علامہ ابن الفوطی کی تالیفات مجموعی طور پر تقریبًا تین سو جلدوں میں تھیں[2]۔ جن کو ضرور ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوگا۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان تین سو جلدوں کے علاوہ انہوں نے دوسرے مصنفوں کی کتابوں کو اور خاصی ضخیم کتابوں کو اپنے قلم سے نقل کیا! فاضل ایڈیٹر نے اپنے مقدّمے میں ذیل کی عبارت

---

[1] صفحہ ب [2] دیکھو میرا پہلا مضمون

صفدی اور ابن حجر کے حوالے سے لکھی ہے :-

قال الصفدی . . . عنی بالحدیث (یعنی ابن الفوطی) وقرأ بنفسہ وکتب بخطہ الملیح کثیراً من الکتب القدیمۃ، قال ابن حجر " ملکت بخطہ خریدۃ القصر للعماد الکاتب فی اربع مجلدات فی قطع الکبیر (کذا) قدمتہا لصاحب الیمن فأثابنی علیہا ثواباً جزیلاً " [1]

ایسے بزرگوں کو اپنے وقت میں چھاپہ خانوں کی کیا ضرورت تھی ؟

محمد اقبال

بابا فرید گنج شکر، شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

اس مضمون کو ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعض حصے خصوصیت کے ساتھ ان اصحاب کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ جو اصلی پنجابی متون سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو بغیر کسی قابل ذکر تصرف کے بجنسہٖ چھاپ دیا گیا۔ تاکہ مضمون نگار کا نقطۂ نظر پوری طرح سے واضح ہو۔ بعض اکابر صوفیہ کا ذکر اس طریق کے مطابق نہیں ہے۔ جو ہم میں متعارف ہیں مگر ایک غیر مسلم مضمون نگار اگر اس سے پوری طرح مانوس نہ ہو تو باعث تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ "وہ خذ ما صفا" پر عمل پیرا ہونگے ۔ ایڈیٹر

۱- جس سوال کا حل مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ گورو نانک کی ملاقات ان تینوں درویشوں میں سے کس سے ہوئی اور آدگرنتھ اور بابا نانک کی جنم ساکھیوں میں جو کلام فرید سے منسوب ہے۔ وہ کس کا یا کن کن کا ہے ۔

---

[1] صفحہ س ۔

۲۔ جن کتب سے ہم نے مندرجہ ذیل جواب کی ترتیب میں استناد کیا ہے۔ وہ یہ ہیں :۔

ا۔ گورو گرنتھ صاحب کا قلمی نسخہ جو کرتار پور میں ہے۔ اور جس کے اختتام میں سنہ ۱۶۰۴ء ثبت ہے ۔

ب۔ بابا نانک کی ایک سوانح عمری جو پنجاب یونیورسٹی کے قلمی نسخہ ۴۱۴۱ میں شامل ہے۔ اس نسخہ کی تاریخ تحریر ۱۷۰۱ء ہے ۔

ج۔ خلاصۃ التواریخ جو ۱۶۹۵-۹۶ء میں تحریر ہوئی ۔

د۔ کہیں کہیں ہم نے سیر الاولیا۔ اخبار الاخیار۔ فوائد الفواد۔ تاریخ فرشتہ۔ آئین اکبری۔ اور تحقیقات چشتی سے استصواب کیا ہے اور اقتباسات لئے ہیں ۔

۳۔ بابا نانک کا عہد حیات ۱۴۶۹-۱۵۳۸ء ہے۔ گورو امرداس تیسرے گورو کا ۱۴۷۹-۱۵۷۴ء اور گورو ارجن دیو گورو گرنتھ صاحب کے مؤلف کا ۱۵۶۳-۱۶۰۶ء ۔

۴۔ پہلے ہم شیخ فرید الدین ثانی سے نپٹ لیتے ہیں۔ خلاصۃ التواریخ (دہلی ۱۹۱۸ء) میں مرقوم ہے (صفحہ ۳۴-۳۵) :۔

" سہرند۔ از شہرہائے دیرین از اعمال سامانہ سلطان فیروز شاہ در زمان فرماں روائی خویش سنہ ہفت صد وشصت ہجری آں را از سامانہ جدا ساختہ پرگنہ علیحدہ مقرر ساخت و روز بروز آبادی و رونق آں زیادہ گشت۔ اگرچہ دراں خطہ بسیارے از نزدیکان درگاہ الٰہی خوابگاہ دارند اما از اولیاے زمان حال شیخ فرید الدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی دراں شہر آسودہ اند و ایں ہر دو اولیاے عظام در زمان حضرت شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۲۷-۱۶۵۸ء) بہدایت خلایق کامروا بودند و طوایف انام ارادت آوردہ بہرہ دینی مے اندوختند۔ اکنوں از اولاد ایشاں سجادہ نشین ہستند "

۵۔ اوپر کی تحریر سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ ۱۶۰۴ء میں تالیف شدہ آدگرنتھ میں جو کلام شیخ فرید کی طرف منسوب ہے وہ ان کا نہیں ہے اور نہ وہ شلوک جن پر

تنقید کے رنگ میں نانک (۱۴۶۹ - ۱۵۳۸) اور امرداس (۱۴۷۹ - ۱۵۷۴) نے جوابی شلوک لکھے (جو نیچے درج ہوں گے) شیخ فرید ثانی کا کلام ہے (فرید ثانی کے زمانہ کے لئے دیکھو نمبر ۹ نیچے جہاں مزید تائیدی ثبوت دیا ہے)۔

۶ - ۱۷۰۱ء میں نقل شدہ جنم ساکھی (ب) میں یوں درج ہے (صفحات ۵۸۴/۲ اور ۵۸۹/۱ - ساکھی نمبر ۱۷):-

"راوی کے اس پار اور ویاہ (بیاس) کے آدھ میں ماجھہ کے بیچ میں جنگل ہیں اُتراہ (نیراہی؟) پٹھانوں کے گاؤں تھے۔ اُن میں بابا نانک آنکلا۔ دو تین کوس تک اُجاڑ تھی۔ وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا۔ فرید کے تخت پر براہم (ابراہیم) بالا راجہ تھا۔ اس کا مرید لکڑیاں چننے کے لئے آیا ہوا تھا۔ کامل درویش خبردار۔ خدا کا پیارا پیر کے حکم کے مطابق لکڑیاں چننے کے لئے آیا تھا۔ اس اُجاڑ میں باباجی بیٹھے تھے۔ مردانہ رباب بجا رہا تھا۔ مردانہ نے سلوک پڑھا . . . ."

۷ - انڈیا آفس - لندن - کے ایک قلمی نسخہ کی ایک فوٹو زنکوگراف کردہ جلد (ڈیرہ وون ۱۸۸۵ء) یونیورسٹی لائبریری - لاہور میں ہے۔ اس "جنم ساکھی (د) بابا نانک" کو سترھویں صدی عیسوی کے نصف اول کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں لکھا ہے (صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۶):-

"راوی چناؤ (چناب) دیکھ کر اجاڑ میں سے ہوکر چلا۔ پٹن دیس میں آنکلا۔ پٹن سے تین کوس پر اُجاڑ تھی۔ وہاں آ بیٹھا۔ مردانہ ساتھ تھا۔ پٹن کا پیر شیخ فرید تھا۔ اس کے تخت پر شیخ برہم (ابراہیم) تھا۔ اُس کا ایک مرید صبح کے وقت لکڑیاں چُننے آیا تھا۔ اس کا نام شیخ کمال تھا۔"

کامل درویش کے بجائے اس نسخہ میں شیخ کمال تحریر ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے)

۸ - بھائی گورداس بھلہ کی تاریخ وفات ۱۶۳۷ء ہے۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے سکھ دھرم قبول کیا۔ اس کے قلم سے ایک وار ہے۔ جو حالاتِ نانک پر مشتمل ہے - اُس وار میں

یوں لکھا ہے۔(وار نمبر ا۔پوڑی نمبر ۴۴): اچل وٹالہ (ضلع گورداسپور) کے میلے سے بابا ملتان کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں ملتان کا پیر دودھ کا کٹورا بھر کر لایا۔ بابا نے بغل سے چنبیلی کا پھول نکال کر دودھ سے لبالب بھرے کٹورے کے اوپر رکھ دیا۔ ملتان کی زیارت کر کے بابا کرتارپور آیا۔

۹۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی تاریخ وفات مختلف کتابوں میں مختلف لکھی گئی ہے۔ بیل (اورینٹل بایوگرفیکل) ۱۲۶۵ء تسلیم کرتا ہے اور صاحب خلاصۃ التواریخ روز شنبہ پنجم محرم سال ششصد وشصت وہفت ہجری یا ۱۲۶۴ء۔ گیانی لدھا سنگھ فرید کوٹی نے اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں اس نے شیخ فرید کا شجرہ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شجرہ شیخ شاہ محمد غوثؒ سے جو اس وقت چلہ بابا فرید گنج شکر واقعہ ریاست فرید کوٹ میں گدی نشین ہیں۔ حاصل ہوا۔ اس شجرہ (نسباولی) کی رُو سے شیخ ابراہیم دسویں پُشت متصوّر ہوتے ہیں۔ اگر فی کس ۲۵ برس کی میعاد زیست تعین کریں تو ابراہیم کا زمانہ بابا گنج شکر کی تاریخ وفات سے ۲۲۵ برس بعد قرار پاتا ہے یعنی ۱۲۶۵ + ۲۲۵ یا ۱۴۹۰ء کے قریب قریب شروع ہوتا ہے۔ اور یہ زمانہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی قلمی محررہ ۱۷۰۱ء کے مطابق گورو نانک اپنے پہلے سفر کے دوران میں دوآبہ باری کے علاقوں کی سیاحت کر چکے تھے۔

۱۰۔ پس ہماری رائے میں بابا نانک کے ہم عصر شیخ براہم یا ابراہیم تھے۔ انہی سے نانک کی ملاقات ہوئی اور نانک کو شاید پہلے پہل انہی سے وہ کلام ملا جس کے متعلق تحقیق کا ہم اب آغاز کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ شجرہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو پاک پٹن کے گدی نشینوں کے قول کے مطابق ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے) اس فہرست میں شیخ ابراہیم کی گدی نشینی کی تاریخ ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء ہے۔ گورو صاحب اس وقت حیات تھے۔

۱۱۔ اوپر ہم کنایتہً عرض کر چکے ہیں۔ کہ نانک اور امرداس ہر دو کو "فرید" سے منسوب کلام سے اظہارِ اختلاف کرنا پڑا اور طرفین کے شلوک پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نانک اور امرداس کا

کلامِ جوابی" ہے ؛

۱۲- رہی یہ بات کہ کیا وہ کلام تحریر کی صورت میں نانک اور امرداس تک پہنچا یا کسی کی زبان سے جس کلام کے مضمون سے انہوں نے اختلاف رائے کی بنا پر جوابی شلوک کہے یا کہ وہ کلام خود مصنف کی زبان سے اُن تک پہنچا۔ کیا وہ اشعار جو جنم ساکھی ب میں شیخ ابراہیم نے نانک سے کہے لکھے ہیں وہ خود شیخ ابراہیم کے تھے یا اس گدی کے قائم کرنے والے فرید کے تھے۔ بہر کیف اگر جنم ساکھی اور آدگرنتھ دونوں میں درج اشعار میں فرید کا نام موجود ہے تو ہمیں یہ شک کرنے کی کوئی گنجایش نہیں کہ وہ خود ابراہیم کے بھی ہو سکتے ہیں ؛

۱۳- اب ہم جنم ساکھی ب کے اشعار کو لیتے ہیں اور نمبر ۱۴ میں انہی اشعار کی اس صورت کو لینگے جس میں وہ شری گوروگرنتھ صاحب مؤلفہ ۱۶۰۴ء میں درج ہو چکے تھے ؛

(۱) نانک - جنم ساکھی ب : آپے پٹی، قلم آپ، اُپر لیکھ بھی توں
ایکو کہئیے نانکا دوجا کاہے کوں

(۲) شیخ ابراہیم - اک صاحب تے ڈوہ ہادی
ہِتوں کیہڑا سیوی (یں)، تے کیہڑا ردی (یں)

(۳) نانک - ہک صاحب ہک حد - ہکو سیویں دُوجے رد
دُوجا کاہے سِمریئے جمّے تے مرجائے ہکو سمرو نانکا جل تھل رہیا سمائے

(۴) ابراہیم :- پاڑ پٹولا دھج کریں کملڑی پہراں ؛ جنی ویسیں سہہ ملے سُوں سیئی ویس کراں

(۵) نانک - کاہے پٹولا دھج کریں کمل پہریں کائے ؛ گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت رکھیں ٹھائے
گھر ہی مُندھ وویں پر نیت سار سمالے ؛ نانک بلدیاں ڈھل نہ ہووئی جے نیت اس کرئیے

(۶) ابراہیم - نِنڈھی تھی نہ راویا وڈی تھی گیتاس ؛ دھن کو کیندی گور پئی تے سہہ نہ ملیا س

(۷) نانک - محل کچجی مروڑی کالی منوں کُسدھ ؛ جے گنہ ہو ون تاں پر روے نانک اوگن مُندھ

(۸) ابراہیم - کون سُو اکھر کون گن کون سو منیا منت ؛ کون سو ویس میں کریں جت وس آوی کنت

(۹) ۱- نِون سُوا کمتر کھون گُن جیبھا منیاں منت ﴿ ابہ ترے بھنیں ویس کریں تاں وس آوی کنت
سیوا کرے جو کنت کی کنت تسی کا ہوئے ﴿ گر بی کنت نہ پایئے بھاویں کھری سوالیو ہوئے
سیوا تس بھاوسی جا کوں ندر کرئے ﴿ نانک سبھے سہیاں پرے کنت تسی کا ہوئے

جنم ساکھی (د) میں اوپر ہی کی عبارات ہیں ﴿

۱۴ - شلوک نمبر ۶ گوروگرنتھ صاحب میں یوں ہے :-

فریدا انڈھی کنٹ نہ راویو وڈی تھی مُئیاس
دھن کوکیندی گور میں تیں سہ ناں ملیاس

نمبر ۴ یوں ہے :-

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہریوں ﴿ جنی ویسیں سہ ملے اہی ویس کریوں

نمبر ۵ - جو نمبر ۴ کا جواب ہے - وہ گورو نانک دیو سے نہیں بلکہ گُورو امرداس (۱۵۷۴ - ۱۴۷۹) سے منسوب ہے - اس جوابی شلوک کے پہلے محلّہ ۳ لکھا ہے - نیز جوابی کلام نمبر ۵ کا دوسرا شلوک گوروگرنتھ صاحب میں پہلے شلوک کے ساتھ درج نہیں - دوسرا شلوک کہاں پر ہے یہ میں ابھی تک معلوم نہیں کرسکا ﴿

یہی شلوک کبیر کے مجموعہ کلام میں معمولی اختلاف کے ساتھ ملتا ہے (دیکھو میری انگریزی کتاب کبیر اینڈ دی بھگتی مووِمنٹ) ﴿

نمبر ۸ اور نمبر ۹ کے متعلق یوں ہے کہ نمبر ۹ کا دوسرا اور تیسرا شلوک پہلے کے ساتھ گوروگرنتھ صاحب میں درج نہیں - اور نمبر ۸ بالکل وہی عبارت ہے - فرید لفظ دونوں مجموعوں میں نہیں - نہ ہی گُوروگرنتھ صاحب کے مطابق سوال وجواب دونوں میں نانک ہی کا نام ہے - اگرچہ نمبر ۸ سالم اور نمبر ۹ کا پہلا شلوک "سلوک فریدجی" کے عنوان سے درج ہیں ﴿

۱۵ - گوروگرنتھ صاحب میں اس طرح کے اختلافی اور جوابی شلوک ایک طرف فرید کے علاوہ کبیر سے بھی متعلق ہیں - اور دوسری طرف نانک اور امرداس کے علاوہ گوروارجن دیو مؤلّف آدگرنتھ کے

قلم سے بھی موجود ہیں ۔ ذیل کی اطلاعات معنوی اور تاریخی اعتبار سے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں :-

فرید :-

فریدا کالی جنہیں نہ ۔ راویا دھولی رادے کوئے کرسائیں سیوں پرہڑی رنگ نویلا ہوئے

گوروامرداس :-

فریدا کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چیت کریئے آپنا لائیاں پرم نہ لگ ای جے لوچے سبھ کوئے
ایہہ پرم پیالہ خصم کا جیں بھاوے تیں دے

فرید :-

فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے جو تن رتے رب سیئوں تن تن رت نہ ہوئے

گوروامرداس :-

ایہ تن سبھو رت ہے رت بن تن نہ ہوئے جو سہہ رتے آپنے تت تن لوبھ رت نہ ہوئے
بھے پئے تن کھین ہوئے لوبھ رت وچوں جائے جیوں بیسنتر دھات سدھ ہوئے تیوں کا بھو دُرمت میل گوائے
نانک تے جن سوہنے جے رتے ہر رنگ لائے

فرید :-

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہرے اوں جنہی ویسیں سہہ ملے سے ای ویس کرے اوں

گوروامرداس :-

کاٹے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہریئے نانک گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت راس کریئے

فرید :-

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے لاہ اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ

گوروارجن دیو :-

فریدا خالق خلق میں خلق وسے رب ماہیں مندا کسنوں آکھیئے جاں تس بن کوئی ناہیں

فرید :- فریدا میں جانیا دکھ مجھ کوں دکھ سبائے جگ ہوا وچے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ

(باقی دارد) موہن سنگھ دیوانہ

تنقید و تبصرہ

(۱) "ندیم" مدیر سید ریاست علی ندوی .. چندہ سالانہ للعہ ر ...... ملنے کا پتہ:۔
دفتر "ندیم" خانقاہ منعیہ، رام ساگر روڈ، گیا

یہ صوبہ بہار کا مشہور علمی و ادبی اُردو ماہنامہ ہے۔ جسے اب سید ریاست علی ندوی مرتب فرما رہے ہیں۔ سید ریاست علی ندوی اپنی رفاقت دار المصنفین، اعظم گڈھ کے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں، اور تاریخ صقلیہ کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں آپ کی محنت و کاوش، اور قابلیت و لیاقت ایک دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ "ندیم" کے یہ مرتب جدید شاندار مقاصد و عزائم لے کر اُٹھے ہیں، امید ہے کہ آپ کی ادارت میں "ندیم" بہت جلد ترقی کر کے ملک کے کامیاب علمی و ادبی رسائل میں ممتاز حیثیت حاصل کرے گا اور صوبہ بہار کے علم و ادب میں قابل قدر اضافہ کا موجب ہوگا۔

پیش نظر پرچہ نومبر ۱۹۳۷ء کا نمبر ہے۔ نظم و نثر دونوں کا معیار اچھا خاصہ ہے۔ تصویروں کے انتخاب میں بھی حسن ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ علمی و تاریخی مضامین میں "ہندوستان کے عہد اسلامی میں تعلیم کا نظام" اور "اسپین موجودہ خانہ جنگی سے پہلے" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسانوں میں "میرا نامہ اعمال" بھی قابل تعریف ہے۔

رسالہ کی ظاہری دلفریبیوں کے نقطۂ نظر سے کاغذ تو عمدہ ہے، مگر کتابت میں عُمدگی اور پاکیزگی کی اور زیادہ ضرورت ہے تاکہ یہ رسالہ صوبہ کے مستقبل کے رسائل کے لئے بہترین نمونہ بن سکے۔

اہل بہار سے ہماری پُر زور درخواست ہے۔ کہ وہ "ندیم" کو پڑھیں، خود خریدیں، اور اپنے احباب کو خریدنے کی ترغیب دلائیں، تاکہ سید ریاست علی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے صوبہ کی علمی اور ادبی خدمات سجا لاسکیں۔

عبد القیوم (ایمکلو ڈعربک ریسرچ سٹوڈنٹ)

(۲) **واقعاتِ اظفری** (ص ۲۰۲ ۔ طباعت عمدہ، دلپسند ٹائپ ۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے ۔ ملنے کا پتہ ۔ مدراس یونیورسٹی ۔)

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے ۔ کہ روزنامچے، خود نوشت سوانح عمریاں، اور سفرنامے جس قدر دلچسپ ہوتے ہیں۔ اسی قدر مفید اور پُراز معلومات بھی ہوتے ہیں اس میں شبہ نہیں۔ کہ خود نوشت سوانحعمریوں میں بعض نقائص بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کے صفحات میں تصنّع کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ تاہم اگر سوانح نگار، حقیقت کو ملحوظِ خاطر رکھنے والا ہو۔ تو یہ صنف سوانح عمری کی سب اصناف سے زیادہ مقبول ہو سکتی ہے ۔

خاندانِ مغلیہ کی یہ ایک عجیب خصوصیت تھی۔ کہ اس کے افراد اگر ایک طرف شجاعت وجرأت میں ممتاز تھے۔ تو دوسری طرف ذوقِ علم سے متصف اور زیورِ حکمت سے آراستہ بھی تھے تیمور کی تُوزک، حسین بیقرا کی مجالس العشاق، الغ بیگ کی زیج، حیدر گورگان کی تاریخ رشیدی بابر اور جہانگیر کی تزوکات، اورنگ زیب کے رقعات، دارا شکوہ کی تصانیف، جہاں آرا کی مونس الارواح وغیرہ، زیب النسا کی شعروشاعری ہمارے دعوےٰ کی دلیل ہے ۔

اورنگ زیب کے بعد اگرچہ سلطنت مغلیہ میں انحطاط آ گیا۔ اور خاندان تیموریہ کے افراد ان پرانے اوصاف سے خالی ہوتے گئے۔ تاہم کچھ نہ کچھ مٹے ہوئے نشان اب بھی باقی تھے۔ اس دَور میں بھی مغل شاہزادے شعروسخن کا شوق کیا کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض صاحب تصانیف بھی تھے ۔

مدراس یونیورسٹی کا شعبہ فارسی و اردو ہمارے تشکریہ کا مستحق ہے۔ کہ اس کی سرپرستی میں خاندانِ مغلیہ کے ایک غیر معمولی فرد کی ایک تصنیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ زیرِ تبصرہ کتاب واقعاتِ اظفری میرزا محمد ظہیر الدین علی بخت گورگانی کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ اظفری شاہ عالم بادشاہ دہلی کے ہم جد اور ہم عصر تھے۔ ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ تیس سال تک اس زمانہ کی نامبارک رسم کے مطابق قلعہ معلّی میں قید رہے۔ اس کے

بعد وہاں سے روپوش ہو کر جے پور۔ انبیر، لکھنؤ اور بنگالہ گئے اور بالآخر مدراس میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔

شاہ عالم ثانی کا عہد ایک دور اختلال تھا۔ اس میں مرہٹہ گردی، غلام قادر روہیلہ کا تخت دہلی پر متمکن ہونا اور تیموریوں کا بالکل بے بس ہو جانا ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تاہم اظفری کو قلعہ معلی کے اندرونی واقعات سے جو واقفیت ہے۔ وہ شاید کسی اور کو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات اظفری میں بعض حالات زیادہ مفصل ملتے ہیں خصوصاً غلام قادر کی حرکات ناشائستہ کا ذکر نہایت شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اظفری کی بعض اور تصانیف میں بھی یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تیموری خاندان کی تباہی کا درد بہت گہرا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ تیموریوں میں ترکی حسیات کی کمی ہو گئی ہے، اس کتاب میں شاہ عالم بادشاہ کی وعدہ خلافیوں کو اپنے خاندان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتا ہے۔ اظفری نے غلام قادر روہیلہ کے ہنگامہ میں بادشاہ کی بہت سی خدمات انجام دیں لیکن ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد کوئی صلہ نہ ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ اظفری کی یہ کتاب اس تاریک دور کے بہت سے پوشیدہ اسرار کو بے نقاب کرتی ہے چونکہ اس میں سیر و سفر کے حالات بھی ہیں۔ اس لئے اس کی جغرافیائی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا قلعہ معلی کے جزئیات، اس زمانے کے معتقدات اور دیگر رسوم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے، اظفری نے انگریزوں کے اخلاق و عادات کا جو مرقع اس کتاب میں کھینچا ہے۔ اس سے اس کے مطالعہ و مشاہدہ کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ موجودہ تصانیف کے علاوہ اظفری کی دوسری تصانیف کا حال بھی اس کتاب سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔

اظفری اپنے زمانے کی رسم کے مطابق بعض واقعات کو بہت پھیلا کر لکھتا ہے، حالانکہ ان کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں لیکن یہی اس زمانے کا مذاق تھا۔

زیر تبصرہ کتاب، اظفری کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جو جناب عبد الستار صاحب منشی فاضل نے کیا۔ اور اب جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے۔ ترجمہ جیسا کہ توقع تھی عمدہ اور رواں معلوم ہوتا ہے جس کی خوبی کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ بادی النظر میں یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔

سید محمد عبد اللہ

۳۔ صحیفۃ التکوین

(مصنفہ ہز ہائنیس محمد ناصر الملک والئے چترال ۔ص ۲۷۰ ۔طباعت کتابت اعلےٰ ۔مصور، ظاہری زیب وزینت کے لحاظ سے بہت عمدہ ۔قیمت ۲ روپیہ ۸ آنے ۔ مجلد کی قیمت ۳ روپے ملنے کا پتہ ۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور)

ایک مغربی محقق کا قول ہے ۔کہ گذشتہ ایک صدی کے دوران میں یورپ کے افکار وتصورات کو جس قدر ڈاروِن کے نظریۂ ارتقا نے متاثر کیا اتنا کسی اور خیال نے نہیں کیا ۔یہی وہ عقیدہ ہے ۔جس نے مذہب پر تنقید وتبصرہ کی تحریک کو تقویت دی ۔یہی وہ علمی مسئلہ ہے ۔جس نے یورپ میں" استعماری رجحانات" کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقتِ ثابتہ بنا دیا ۔ اور یہی وہ نظریہ ہے ۔جس نے اس استعماری اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے جنگی سپرٹ کو نشوونما دی ۔

۱۸ ویں ۱۹ ویں صدی میں ، ایشیا کے ممالک میں مشرق ومغرب کی جو آویزش رونما ہوئی ، اس کا ایک خاصہ یہ تھا ۔کہ یورپ نے مشرق اور مشرقیات کو بے حد متاثر کیا ۔اور یہ اثر سیاسیات کے علاوہ مذہب اور دینیات تک پر حاوی ہو گیا ۔

اسلامی ممالک میں جدید گروہ نے مذہب اور سائنس میں تطبیق دینے کی کوشش کی اور وہ مسائل جن کی طرف خاص توجہ کی گئی ۔ ان میں سے ایک "مسئلہ ارتقا" بھی تھا ۔ اس گروہ میں سر سید اور علامہ شبلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ہمارے اپنے زمانے میں جناب عنایت اللہ خان صاحب المشرقی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں" ارتقا" کے علمی اصول کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

جو حضرات علمی مسائل کو قرآن سے ثابت کرنے کے خیال میں منہمک ہیں ۔ان کی کاوشوں کو بعض اکابر علم زیادہ پسند نہیں کرتے ۔کیونکہ سائنس کے اکتشافات اکثر نظری ہوتے ہیں ۔ اور ان میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ۔تاہم علمی رجحان رکھنے والوں کی طرف سے

قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کا یہ شوق و شغف کچھ کم لائق تحسین نہیں ؎

ہز ہائینس والئے چترال ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے فرماں روائی اور علم دوستی کو باہم تطبیق دیتے ہوئے ایک ایسی کتاب لکھی ہے۔ جسے بجا طور پر اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؎

"صحیفۃ التکوین" دراصل حیاتیات کے اہم مسئلہ کے متعلق ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق، زندگی کی ابتدا اور ارتقا سے بحث ہے۔ مصنف نے دیباچہ کتاب میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ اس کتاب کی غرض و غایت یہ نہیں ہے کہ سائنسدانوں کے نظریات کو بزور تاویل قرآن مجید سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ یہ اقدام اس حقیقت کی بنا پر ہے۔ کہ چونکہ سائنسدانوں کے بعض تجربات و مشاہدات، قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان مسائل کا بیان کر دینا یا ان کی تشریح کر دینا کسی طرح بھی قرآن مجید کی تقدیس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ علی الخصوص جبکہ گذشتہ زمانے میں بعض اکابر ائمہ و صوفیہ نے بھی قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ شلاً امام فخر رازی امام راغب اصفہانی، و دیگر اشاعرہ کرام نے اپنے زمانے کے علمی مسلمات کو قرآن کی روشنی میں بامعان نظر دیکھ کر اپنے نتائج تحقیق کو تصنیفات کی صورت میں پیش کیا ہے ؎

ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ مصنف نے "مسئلہ ارتقا" کے متعلق جہاں تک کہ اسکا تعلق مغربی کشف حقایق سے ہے۔ گہری واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ پھر جہاں تک کہ اس کا تعلق آیاتِ قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے۔ وہ بھی کافی غور و تفکر اور مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔ اگرچہ 'نظم' علمی مسائل کے بیان کے لئے کوئی موزون اور تسلی بخش ذریعۂ اظہارِ خیال نہیں۔ تاہم موجودہ کتاب کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ شعر و قافیہ کی دشواریوں نے وضاحت کے راستے میں کوئی خاص مشکلات نہیں پیدا کیں ؎

یہ کتاب ارتقائے حیات کے مختلف مراحل کا جس شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتی ہے

اس کی جزئیات سے بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں ہمارے فاضل مصنف اور شاعر نے سب کچھ کہنے کے باوجود دامن احتیاط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

عام خیال تو یہ ہے۔ جو ڈاروِن کے نظریہ نسل انسانی کی ایک خاص بات ہے۔ کہ انسان اپنے ابتدائی ادوار زندگی میں بندر یا نسناس تھا یا اس سے مماثل تھا۔ اور اسی سے اس نے ترقی کی ہے۔ بظاہر یہ خیال قرآن حکیم کے عقیدہ خلافت بشری سے ٹکراتا نظر آتا ہے لیکن ناظرین ہمارے مصنف کی حسّ دینی سے ضرور متاثر ہوں گے۔ جب وہ مندرجہ ذیل اشعار میں حضرت ڈاروِن سے اختلاف کرتے دکھائی دیں گے :۔

در ارو پا ڈاروِن فرزانہ — لیک از دین خدا بیگانہ
کرد او انکار ذات کبریا — گفت از خود کرد عالم ارتقا
گفتۂ او را نسازی حرزِ جان — نیست انسان ہرگز از بوزینگان
قربتِ انسان با بوزینہ نیست — بین این دو رشتہ دیرینہ نیست

آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

نزدِ من پیدائشِ ابُ البشر — بود چون عیسیٰ ز مادر بے پدر
ہر چہ خواہد خالق ارض و سما — می شود ز انسان بلا چون و چرا

فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ کہ میں نے ابلیس اور آدمؑ کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بھی منظوم کیا تھا اور تمام اسرار کی پردہ کشائی کا ارادہ تھا۔ لیکن جمہور سے ڈر کر میں نے حذف کر دیا ہے۔

بہر تسکین دل ملائے من — شد تلف آن لؤلوئے لالائے من
آنچہ قرآن گفت آمنا بگو — منکشف گردد ورِ معنی بہ تو

وہ چھپے ہوئے اسرار جن کے متعلق آیاتِ قرآنی نے صراحت نہیں کی اور فہم انسانی نے

مختلف ادوار میں انکے متعلق مختلف تصورات قائم کئے ہیں۔ مصنف کی نظر سے اوجھل نہیں۔ ان ہیں مصنف کی ساری دلیل " واللہ اعلم بالصواب " پر ختم ہو جاتی ہے ؛

جہاں کتاب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ وہاں ہمارے خیال میں اس بات کی بھی ضرورت تھی۔ کہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف ذرا زیادہ عام فہم الفاظ میں مسئلہ ارتقا کی باریکیوں سے پردہ اٹھا دیتے۔ تاکہ علما کے علاوہ عوام بھی کتاب سے فائدہ اٹھاتے۔ کیونکہ یہ نظریہ جس قدر زیادہ مشہور ہے۔ اسی قدر مشکل اور پیچیدہ بھی ہے ؛

امید ہے۔ کہ وہ فارسی دان حضرات جنہیں دینی اور علمی گتھیوں کے سلجھانے کا شوق رہتا ہے۔ اس کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مصنف کے ذوق اور جستجو کی داد دیں گے، دوسری طرف وہ ارباب علم جن کو خلق انسان کے متعلق مغربی نظریوں سے آگاہی مطلوب ہے اس کتاب سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے ؛

سید محمد عبداللہ

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۷ء

۳۶۸، ۳۸۰ (؟) ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۴۳، ۴۴۱، ۴۴۴
۴۶۸، ۴۷۷، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۹۴، ۱۰: ۳، ۲۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۵۶، ۶۶،
۷۰، ۷۸، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۹۰، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۵۶،
۱۶۰، ۱۷۳، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۹،
۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۲۸۱،
۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۳،
۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷،
۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۵۴، ۳۵۸، ۳۸۳، ۳۹۵، ۴۴۷،
۱۱: ۴، ۹ (؟)، ۱۵، ۳۵، ۴۶، ۵۵، ۶۶، ۷۸، ۱۰۹، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۶۸،
۱۶۹، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۷، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۸۷، ۲۹۳، ۲۹۷،
۳۰۴، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۴۰، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۰،
۳۷۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۴،
۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۳، ۴۲۴،
۴۲۸، ۱۲: ۲، ۴، ۹، ۱۱، ۱۴، ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۳۰، ۳۷، ۵۴، ۶۰،
۶۲، ۶۷، ۷۰، ۷۱، ۷۴، ۷۷، ۸۵، ۸۷، ۹۲، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۳،
۱۰۴، ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲،
۱۵۳، ۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۵،
۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶،
۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۵۷، ۲۶۱،
۲۶۲، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۴، ۳۰۶، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۶،
۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۶،

۳۸۸، ۳۹۶، ۴۰۷، ۱۳: ۸، ۲۴، ۳۰، ۴۹، ۴۴، ۷۴، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۲،
۱۵۷ (؟)، ۱۷۰ (؟)، ۱۷۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۶۱،
۲۷۱، ۳۱۱، ۳۲۳ (؟)، ۳۵۰، ۳۶۴، ۳۶۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۳۴،
۴۲۵، ۴۴۶، ۴۷۵، ۴۸۲، ۴۹۴، ۱۴: ۲۶، ۴۳، ۸۹، ۹۱، ۱۱۱،
۱۲۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۷۸، ۱۸۸، ۲۰۸ (؟)، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۶۶، ۲۷۲،
۲۸۱، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۲۲، ۳۳۰، ۳۳۷، ۳۵۱، ۳۷۷،
۳۷۸، ۱۵: ۱۹، ۵۲، ۸۵، ۸۶، ۸۹، ۹۰، ۹۴، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۸، ۱۸۹،
۱۹۵، ۲۳۴، ۲۴۲ (؟)، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۵۴ (؟)، ۲۸۱،
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۳۱، ۳۳۳،
۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۶،
۳۶۸، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۳، ۳۹۶، ۴۰۱، ۴۱۳، ۴۲۸، ۱۶: ۷، ۱۱،
۱۹، ۲۱، ۴۹، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۷۹، ۸۲، ۸۴، ۸۷، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۸،
۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۵۶، ۱۶۹، ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۲۹،
۲۳۲، ۲۳۹، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۸۵، ۲۹۶، ۲۹۹، ۱۷: ۶، ۸، ۹،
۱۳، ۱۷، ۱۹، ۲۶، ۳۴، ۴۵، ۶۲، ۷۰، ۹۴، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۳،
۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۱۶،
۲۲۲، ۲۴۱، ۲۶۱، ۲۶۷، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵ (؟)،
۳۲۰، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۲، ۳۵۸، ۳۶۴،
۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۸۲، ۳۸۳،
۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۴، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۵، ۴۲۷، ۴۲۸،

ز

۹: ۲۰، ۱۰۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۴۸، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۵۹، ۳۸۶، ۴۰۵،
۴۷۳، ۱۰: ۴، ۲۰۰، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۲۴۶، ۴۰۰، ۴۳۴،
۴۴۵، ۱۱: ۵۸، ۱۸۴، ۱۹۳، ۲۱۱، ۲۸۳، ۳۱۶، ۳۶۰، ۳۷۵،
۳۹۱، ۴۰۳، ۴۱۸، ۴۲۲، ۱۲: ۴، ۱۹، ۳۶، ۶۴، ۱۷، ۷۷، ۱۵۰، ۱۶۶،
۲۳۴، ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۲۴، ۳۲۷، ۳۵۲،
۳۵۴، ۳۶۱، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۷، ۳۷۹، ۴۰۳، ۱۳: ۱۲، ۱۸، ۵۵،
۷۹، ۸۹، ۹۵، ۹۸، ۱۴۱، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۷، ۲۰۴، ۲۸۱، ۲۲۸،
۲۳۵، ۲۳۷، ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۳۵، ۳۴۸، ۳۶۲، ۳۸۷، ۴۰۷،
۴۱۲، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۶۱، ۴۹۳، ۴۹۹، ۱۴: ۹، ۱۷، ۲۲، ۵۹، ۶۹،
۱۷، ۱۳۶، ۱۸۱، ۲۵۳، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۴، ۳۳۸، ۳۴۶،
۳۷۱، ۳۷۶، ۱۵: ۶، ۱۴، ۱۸، ۳۴، ۴۱، ۴۳، ۸۳، (؟) ۸۴، ۱۱۹،
۱۲۳، ۱۴۲، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۹۸، ۲۰۷، ۲۲۵،
۲۲۹، ۲۳۲، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۷۰، ۳۱۵، ۳۴۴، ۳۸۳، ۳۸۴،
۳۸۶، ۴۰۷، ۴۰۹، ۱۶: ۴۶، ۴۷، ۵۵، ۸۹، ۹۰، ۱۱۷، ۱۳۰،
۱۵۵، ۱۷۷، ۱۹۱، ۲۳۳، ۲۵۳، ۲۷۷، ۲۸۴، ۱۷: ۱۹، ۹۱،
۱۰۸، ۱۴۵، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۱۱، ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۴۲،
۲۵۰(؟)، ۲۷۵، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۶۴، ۴۰۲، ۴۴۳، ۱۸: ۳۰،
۳۲(؟)، ۴۳، ۵۵، ۹۰، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۲، ۲۶۸،
۲۷۱، ۳۱۵، ۱۹: ۳۹، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۴، ۲۱۸، ۲۳۶،
۲۴۴، ۲۶۰، ۲۸۶، ۲۹۵، ۳۰۸، ۳۱۰، ۲۰: ۱۱، ۱۲، ۱۶، ۱۷، ۲۱،
۲۵، ۴۹، ۱۰۲، ۱۷۶، ۱۹۸، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۶۰، ۳۷۲، ۳۷۹،

س

۴۹۵، **۲**: ۶۶، ۹۶، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۳۵۶(؟)،

۴۰۳، ۴۱۶، ۴۳۲، ۴۶۴، ۴۶۵، **۳**:- ۶۳، ۸۶، ۹۲، ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۴۶، ۱۶۱،

۱۶۸، ۱۷۶، ۱۹۲، ۲۶۷، ۳۵۶، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۹، ۴۸۴، ۴۸۴، **۴**: ۱، ۲۱، ۱۲۶،

۳۵، ۱۱۱، ۱۶۴، ۱۸۶، ۲۳۸، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۰، ۳۱۷، ۳۲۴، ۴۴۷، ۴۵۷،

۵: ۱۲۶، ۳۲۳، **۶**: ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۵۱، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۷۸،

۳۴۰، ۳۴۹، ۳۸۰، **۷**: ۴۳، ۵۳، ۵۵، ۱۰۴، ۱۲۷، ۱۳۹،

۱۴۰، ۱۵۵، ۳۴۰، **۸**: ۱۱۳، ۱۳۴، ۲۱۱، ۲۸۸، ۳۷۹، ۳۸۳، ۳۸۹،

۹: ۲۷، ۱۲۰، ۱۴۸، ۲۳۳، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۶۶، ۳۶۳

۴۴۸، **۱۰**: ۱۷، ۴۳، ۱۵۰، ۲۲۱، ۲۸۳، ۳۶۶، ۳۹۰، ۴۱۵، ۴، ۴۴۴،

۱۱: ۴۹، ۶۵، ۷۰، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۳۸، ۱۵۵، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۴،

۲۶۳، ۳۲۱، ۳۶۱، ۳۸۸، **۱۲**: ۱۴۳، ۱۵۴، ۲۱۶، ۲۹۴، ۳۲۹، ۴۰۴،

۱۳: ۸، ۷۲، ۹۷، ۱۴۷، ۲۳۱، ۳۲۶، ۴۲۲، ۴۳۲، ۴۷۳، ۴۸۵،

۵۰۳، ۵۰۵، **۱۴**: ۴۷، ۱۱۱، ۱۴۵، ۱۵۹، ۱۶۲، ۲۰۹، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۷۹،

۲۸۳، ۳۰۴، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۶،

۱۵: ۲۰، ۲۵، ۲۷، ۶۶، ۹۳، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۹۲، ۲۱۵، ۴۲۲

۲۲۳، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۷۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۳۳، ۳۴۲، ۳۶۱، ۴۲۲،

۱۶: ۹، ۴۹، ۵۴، ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۱۰۵، ۱۸۸، ۱۹۵، ۲۳۳، ۲۷۷، **۱۷**:

۳۸، ۹۶، ۱۱۴، ۱۷۰، ۱۸۳، ۲۳۲، ۳۴۶، ۴۱، ۴، **۱۸**: ۴، ۸۱، ۱۷۳،

۱۷۴، ۱۸۳، ۲۰۰، ۲۹۷، ۳۱۱، **۱۹**: ۱۱، ۹۶، ۱۴۵، ۱۹۵، ۲۰۷،

۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۸۰، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۵۹، ۳۶۷،

۲۰: ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۷۳، ۲۹۳، ۲۵۴، ۳۶۴!

ش

٩٧، ١١٠، ١٧٠، ٢٢٩، ٢٣٠، ٣٠٦، ٣٢٧، ٤: ٩، ٥٠، ٥٧، ٨٣،
٩٧، ٩٨، ٩٨، ١٦٥، ١٧٠، ٢٥٥، ٣٠٠، ٣٢٨، ٣٣٦، ٣٩٥، ٤١٧، ٤٢٢، ٤٣٤،
٧: ٣٩، ٤٢، ٤٧، ٩٠، ٩٦، ١١٤، ١٢٩، ١٨٢، ١٨٦، ١٨٩، ١٩٩،
٢٠٠، ٢٠٣، ٢٠٥، ٢١٩، ٢٢٨، ٢٣٢، ٢٣٤، ٢٤١، ٢٤٧، ٢٦٦، ٢٨
٢٨٣، ٢٨٤، ٢٨٧، ٢٨٩، ٢٩٩، ٣١٧، ٣٤١، ٨: ٩١، ٩٤، ١١٤، ٢٠٦،
٣١٨، ٣٢٦، ٣٥٠، ٣٥٨، ٣٩٤، ٩: ٣٩، ٤٦، ٤٧، ٨٢، ٨٧، ٩٤، ١٤٤
١٩٩، ٣٥٣، ٣٧١، ٣٧٨، ٤٠٠، ٤٥٨، ١٠: ١٦، ١٨، ١٤١، ٢٤٧، ١٠٠،
١٢٣، ١٣٢، ١٥٧، ١٧: ١٧٤، ٢١٩، ٢٢٣، ٢٤٨، ٢٨٨، ٣٤٧، ٤
١١: ٩٦، ١٥٠، ١٥٤، ٢٥٩، ٢٧٢، ٢٧٨، ٣٦٨، ٤٠١، ١٢: ٢٨،
٣٥، ٣٦، ٧٥، ١١٢، ١٢٠، ١٣٠، ١٤٣، ١٥٩، ١٨٧، ١٩٧، ٢٦٤، ٣٢٦،
٣٣٦، ٣٨٥، ١٣: ٢٤، ٢١٨، ٢٣٩، ٣٤٣، ٣٤٢، ٣٦١، ٣٧٠،
٤٠٧، ٤٣٣، ٤٤١، ٤٧٠، ٤٧١، ٤٨١، ١٤: ١٨٠، ٢٢٠، ٢٨٥،
٣٥٧، ١٥: ٥٠، ١٢٠، ١٣٩، ٣١٤، ١٦: ٢٣٦، ٢٦٤، ٢٦٥،
٢٧٠، ١٧: ٣١، ٤٢، ١٢٤، ٢٠٨، ٢٧٣، ٣٢١، ٣٢٣، ٣٥٣، ٣٧٨،
٣٩٣، ٤١٢، ١٨: ٧٠، ١٥٤، ١٩٤، ٢١١، ٢١٤، ٢١٤، ٢٧٤، ٢٩٠ (؟)،
٣٠٤، ٣١٣، ١٩: ٢٧، ٥٢، ٩١، ١٤٦، ٣٦٩، ٢٠: ٨٨، ٩٤، ١١٤
١٥٠، ٢٠٦، ٢٣١، ٢٥١، ٣٥٤، ٣٦٧؛

شَمِر ٦: ٢٩٩، ٢٠: ٢٨؛
شَمِر بن الحارث الضَّبِّي ٤: ١٢٦ (؟)، ٧: ٣٠٨، ١٧: ٣٠٩،
ابو شَمِر بن حُجْر ٥: ١٥٢ (؟)،
الشَّمَرْدَل ٣: ١٤١، ٩: ٥٤٤؛

ص

ض

۹: ۴۳۳، ۱۰: ۱۰۹، ۴۰۵، ۴؛ ۱۳: ۵۷، ۱۵: ۱۶۸، ۱۹: ۲۷۵، ۲۰: ۹۷، ۳۰۴؛
ضَیغم الاَسَدِیّ ۱۵: ۱۶، ۲؛

ط

الطائی ۳: ۴۹۶، ۹: ۳۸، ۱۲: ۲۵۷، ۱۶: ۴۹؛
طالب بن ابی طالب بن عبد المطلب ۱۷: ۳۶۹؛
ابو طالب بن عبد المطلب [عم الرسول (ص)] ۱: ۱۶۳، ۲۳۷،
۲: ۲۲۵، ۲۵۵، ۳: ۳۵۵، ۴۶۰، ۴۷۱، ۶: ۳۷، ۱۰۲، ۴۶۰، ۷: ۲۰۴،
۸: ۲۸۰، ۹: ۶۳، ۱۲: ۲۷۶، ۴۰۰، ۴، ۱۳: ۱۹، ۹۹، ۱۴۲، ۳۱۴، ۵۱۸،
۱۴: ۸۸، ۱۰۰، ۱۸۹، ۲۶۲، ۱۵: ۱۲۰، ۲۹۸، ۱۷: ۳۰۴، ۱۸: ۷۸،
۱۹: ۶۴؛
طالق بن عدی — ملاحظہ ہو طَلْق بن عدی
ابن الطَّثَرِیَّۃ (اسمہ یزید) ۷: ۱۷۲، ۱۸۴، ۸: ۲۶۵، ۱۰: ۴، ۱۰، ۱۲:
۷۰، ۷۴، ۱۳: ۱۰۲، ۱۶: ۲۳۰، ۱۷: ۲۴۸، ۱۹: ۳۲۲؛
طَرَفَۃ بن العَبْد ۱: ۲۱، ۳۱، ۱۶۸، ۲۰۱، ۲۸۶، ۳۱۳، ۳۲۴، ۳۴۷، ۳۴۳،
۲: ۱۹، ۳۷، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۷۴، ۱۷۵، ۲۸۴، ۲۸۹، ۳۲۱،
۳۲۴، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۵۳، ۴۰۷، ۴۵۸، ۴۶۳، ۴، ۳: ۱۹، ۸۵،
۱۴۹، ۱۵۸، ۱۷۶، ۲۲۰، ۳۱۶، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۵۸، ۳۹۶،
۴۰۷، ۴۴، ۴۴؛ ۴۸۴، ۴: ۴، ۴۲، ۷۶، ۸۶، ۹۴، ۱۰۴، ۱۴۲،
۱۹۵، ۲۰۱، ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۶۴، ۲۷۷، ۳۱۶، ۳۳۱، ۳۹۹،

ع

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۳) | بابت ماہ مئی ۱۹۳۸ء | عدد مسلسل ۵۳

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس (لاہور) میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

نوٹ:- مضمون نگار حضرات کی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے:

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجرائے سے غرض یہ ہے کہ احیاو ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا ؛ سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۳ ؏ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط وکتابت وترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط وکتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(۱۱) سر رچرڈ برٹن

(Sir Richard Burton)

سر رچرڈ برٹن نے پچھلی صدی میں انگلستان میں بحیثیت ایک نڈر سیاح اور متبحر زبان دان کے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے بعض ایسے کم و بیش غیر معروف حصوں میں پہنچا جہاں ابھی تک کسی مغربی سیاح کا گزر نہیں ہوا تھا۔ یہاں ہمیں صرف اس کی سیاحت عرب سے سروکار ہے۔

برٹن ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھا۔ جبکہ اس نے عرب کی سیاحت کا ارادہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۳ء میں وہ اسکندریہ پہنچا۔ یہاں اس نے نہ صرف مشرقی لباس اختیار کیا بلکہ شیخ عبداللہ نام اختیار کرکے مشرقی نشست و برخاست اور عربی طرزِ معاشرت کی عادت ڈالی۔ اسکندریہ سے قاہرہ آیا۔ تحریری عربی وہ اس سے پیشتر ہندوستان میں سیکھ چکا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر اس نے مزید بول چال کی مشق پیدا کی اور بالآخر دیگر مصریوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے جہاز میں سوار ہو کر ساحل حجاز کی طرف روانہ ہوا اور ینبوع کے بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مدینہ پہنچا اور ایک مدنی کے ہاں قیام کیا اور روضہ شریفہ۔ مسجد قبا اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کی۔ برٹن نے مدینہ کی آب و ہوا، وہاں کی مخلوط آبادی، باشندوں کے عادات و خصائل، طرزِ معاشرت، اُن کے مکانات اور مشاغل کی اپنے سفرنامہ میں بہت دلچسپ تفصیل لکھی ہے۔ مدینہ سے وہ شامی قافلہ کے ساتھ جس میں تقریباً سات ہزار لوگ شامل تھے، درب الشرقی کے راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے اس راستہ سے کسی مغربی سیاح نے سفر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ برکہارٹ اس سے پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ درب السلطانی کے راستہ سے گیا تھا۔

برٹن نے شہر مکہ، حرم شریف اور مناسک حج کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ اس سے پہلے برکھارٹ ان کو تفصیلاً بیان کر چکا تھا۔ اس لئے برٹن کے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا۔ کہ وہ برکھارٹ کی تفصیل کا اعادہ کرے۔ چنانچہ اس نے مؤخر الذکر کے صحت بیان کی بجا تعریف کر کے بالعموم اس پر صاد کیا ہے، اور اس کے بیان پر صرف چند ایسے مقامات کی تفصیل کا اضافہ کیا ہے۔ جو مکہ کے نواحی میں ہیں اور جن کو برکھارٹ نے نہیں دیکھا تھا۔

اختتام حج اور مکہ میں چندے قیام کرنے کے بعد برٹن جدہ کے راستہ سے واپس وطن لوٹا اور اپنے حالات سفر میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ذیل میں درج[1] ہے۔ اس کا سفرنامہ بذات خود ایک اہم اور لائق یادگار کارنامہ تھا۔ مگر اس کا سفرنامہ بھی اس سے کچھ کم قابل ذکر نہیں۔ ملک عرب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان پر برٹن کے سفرنامہ کو کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ جو شے برٹن کے مشاہدہ میں آئی، اس نے اس کی نوک قلم سے ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے اور وہ عربوں کی جبلّت اور سرشت کو ایسی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان کے اوضاع و اطوار۔ اور عادات و خصائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں غیر معمولی طور پہ کامیاب ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کے زور بیان اور ظرافت کی چاشنی نے اس کے سفرنامہ کو اور بھی زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے ایک ہسپانی عُرف علی بیگ، برکھارٹ اور دیگر اشخاص نے حرمین کی زیارت کی تھی مگر اُن کے نام اور کارنامے عوام کے ذہن سے اُتر چکے تھے۔ اور جب برٹن کا دلچسپ اور بدیع المثال سفرنامہ شائع ہوا تو عوام نے یہی خیال کیا کہ اہل یورپ میں سے برٹن پہلا شخص ہے، جسے اپنی زبان دانی، حوصلہ مندی اور جرأت کی بدولت مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مگر علمی اور جغرافی لحاظ سے برٹن کے سفر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ برکھارٹ اور دیگر سیاح حجاز میں سفر کر چکے تھے اور وہاں کے جغرافی اور معاشرتی کوائف بیان کر چکے تھے۔

---

[1] A Pilgrimage to al-Medina and Mecca (London, 1855)

برٹن کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ اگر ممکن ہو تو حجاز پہنچ کر وہاں ضروری ذرائع و وسائل حاصل کرکے ربع الخالی کو قطع کرے۔ مگر وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ خود بدویوں کا بھی اس بیابان میں کم گزر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے منصوبہ کو ترک کرنا پڑا۔ ربع الخالی کو قطع کرنا برٹن کے ہموطن برٹرم ٹومس کے لئے مقدّر ہو چکا تھا۔ جیساکہ ہم آئندہ بیان کریں گے ؛

سفر حجاز کے تقریباً پچیس سال بعد برٹن کو ارض مدین میں تحقیقات کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ اگرچہ زمانہ قدیم میں مدین کے گردونواح میں مختلف قیمتی معدنیات خصوصاً سونے کی خاطر لوگ عرصہ تک کھدائی کرتے رہے تھے۔ مگر ان کی کھدائی محض سطحی تھی۔ اور معدنی ذخیرہ کے ختم ہو جانے کے سبب سے یا مناسب آلات کے موجود نہ ہونے کے باعث یہ کام مدّت سے بند ہو چکا تھا۔ جن دنوں مصر میں خدیو اسمٰعیل پاشا حکمران تھا۔ ایک مصری تاجر اس علاقہ سے کچھ ریت لایا جس میں سونا ملا ہوا تھا۔ برٹن بھی اُن دنوں مصر میں تھا۔ اس نے فوراً یہ نتیجہ نکالا کہ مدین کے علاقہ میں اب بھی ضرور سونے کی کان ہوگی۔ خدیو کو جب ان حالات سے اطلاع ہوئی تو اس نے برٹن کو مدین جانے اور حکومتِ مصر کی طرف سے وہاں کھدائی کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ برٹن چند رفیقوں اور ایک حراستی دستۂ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ مدین کے علاقہ میں پہنچ کر دیکھا کہ متعدّد مقامات پر کھدائی کے نشانات موجود ہیں۔ مگر یہ کھدائی محض سطحی تھی۔ علاوہ ازیں اس نے اٹھارہ شہروں کے کھنڈر دیکھے جہاں صرف دیواروں کی بنیادیں اور بھٹیوں کے چند ایک نشان موجود تھے۔ یہاں اُسے کچھ قدیم سکے بھی ملے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہاں تانبا بھی کثیر مقدار میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چاندی، سونے اور لوہے کے بھی آثار ملے۔ برٹن نے اپنے سفر مدین کے حالات اور نتائج تحقیقات کو حسب ذیل دو کتابوں میں قلمبند کیا ہے[1] ؛

---

[1] *Gold Mines of Midian (London, 1878);*
The Land of Midian Revisited (London 1879);

برٹن نے بلاد السومال اور وسط افریقہ کی بھی سیاحت کی تھی۔ علم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ سفر خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اُن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

برٹن بحیثیت الف لیلہ کے مترجم کے بھی خاصی شہرت کا مالک ہے۔ اگرچہ اُس سے پہلے علاوہ دیگر فرنگی مترجموں کے اڈورڈ لین نے اس کا انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں لنڈن سے ۱۸۴۰ء میں شائع کیا تھا۔ مگر یہ ترجمہ مکمل نہ تھا۔ کیونکہ لین نے یا تو بعض حکایات کو مختصر کر دیا تھا اور یا ایسے مقامات کو جہاں عریان بیانی اور فحش نگاری تھی۔ بالکل قلمزد کر دیا تھا۔ برٹن نے نہ صرف اس مشہور مجموعہ حکایات کا من وعن ترجمہ کیا۔ بلکہ توضیح مطالب کے لئے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اسنے بہت سے حواشی کا اضافہ کیا۔ ان میں سے بعض حواشی ایسے معاملات پر ہیں۔ جو بالعموم معرض بحث میں نہیں آتے یا انہیں زبان قلم پر لانے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

(۱۲) پالگریو

(Palgrave)

پالگریو قومیت کے لحاظ سے انگریز اور باپ کی طرف سے یہودی النسل تھا۔ برٹن کے سفر حجاز کے تقریباً دس سال بعد دیارِ عرب میں وارد ہوا۔ اس کی سیاحت کا مقصد غالباً سراغرسانی اور جاسوسی تھا۔ کیونکہ وہ خود ہی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ اس کے تمام اخراجات سفر کی کفالت نپولین سوم شہنشاہِ فرانس نے کی تھی۔ ان دنوں نہر سویز کے اجراء کا مسئلہ درپیش تھا۔ ممکن ہے کہ شاہ مذکور کو اسی مناسبت سے دیارِ عرب کے سیاسی حالات دریافت کرنا مقصود ہو اور وہ سویز کے متصل علاقوں کے عربی شیوخ اور امیروں کو اپنا حلیف بنانا چاہتا ہو۔

بہر حال پالگریو ایک شامی شخص کے ہمراہ عربی نام اور عربی لباس اختیار کر کے معان (جنوبی فلسطین) سے روانہ ہو کر وادی سرحان کے راستہ سے الجوف کے مشہور نخلستان میں پہنچا۔ اور وہاں اپنے آپ کو ایک شامی طبیب ظاہر کیا اور تقریباً تین ہفتے مقیم رہا۔ اس سے پہلے والن بھی الجوف

سے گذر چکا تھا ۔ پالگریو نے الجوف کا جو بیان اپنے سفرنامہ میں دیا ہے ۔ وہ والن کے بیان سے بالعموم مطابقت رکھتا ہے ۔ مگر زیادہ مفصل ہے ۔ وہاں سے اس نے بنورشید کے پایۂ تخت حائل کا رُخ کیا اور راستہ میں صحراء نفود کو قطع کیا ۔ پالگریو پہلا مغربی سیاح ہے جس نے وہاں کے فلج یعنی گھوڑے کی نعل کی شکل کے ریتیلے گڑھوں کو دیکھا اور نفود کے بیان میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ اگرچہ بعد کے سیاحوں نے اس قسم کے گڑھوں کے ساتھ جو اس صحرا کے خصوصیات سے شمار ہوتے ہیں زیادہ اعتناء کیا ہے ۔ یہ گڑھے جن کو عرب لوگ فلج کہتے ہیں ۔ کئی گز گہرے اور مدوّر شکل کے ہوتے ہیں ۔ محققین کے درمیان ان کی اصل اور طرز ساخت میں اختلاف ہے ۔ مگر قرینِ قیاس یہی امر ہے ۔ کہ یہ گڑھے باریک اور گہری ریت پر زور دار ہوا کے مسلسل اثر سے پیدا ہوتے ہیں ۔ فلج کی مخصوص شکل یہ ہے ۔ کہ اس کی گہرائی کے تین اطراف بلند مدوّر ٹیلے سے محصور ہوتے ہیں ۔ اور چوتھی جانب ہوا کے رُخ پر خالی ہوتی ہے ۔ اس قسم کے گڑھے یا ٹیلے مغربی پنجاب کے ریتیلے علاقوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر دیکھے جا سکتے ہیں ؂

صحراء نفود کو قطع کر کے پالگریو بنو شمر کے علاقہ کے مشہور شہر حائل میں پہنچا ۔ جہاں اُن دنوں بنورشید کی حکومت تھی ۔ حائل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے ۔ جن کے قدیم نام اجاٌ اور سلمیٰ ہیں اور جن کو آجکل مجموعی طور پر جبلِ شمر کہتے ہیں ۔ کیونکہ ایک عرصہ سے قبیلہ شمر وہاں آباد ہے ۔ بنورشید نے حسن تدبیر سے ایک منظم اور پُرامن حکومت قائم کر رکھی تھی ۔ جس سے وہاں کی آبادی میں روزافزوں ترقی اور فارغ البالی اور تجارت میں خوشحالی رونما تھی ۔ پالگریو یہاں کئی ماہ تک مقیم رہا ۔ اور چند مرتبہ حائل کے امیر کی خدمت میں بھی باریاب ہوا اور اپنے اختیار کردہ پیشہ طبابت کے واسطہ سے اُسے وہاں کے تقریبًا ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے وہاں کے نخلستانوں ، لوگوں کے ذرائع معاش اور ان کی گھریلو زندگی کو تفصیل سے بیان کیا ہے[۱] ؂

---

[۱] Narrative of a Year's Journey through Central and Eastern Arabia (London 1865);

حائل سے پالگریو نجد کی طرف چلا اور علاقہ قصیم کے شہروں بُریدہ اور عنیزہ سے ہوتا ہوا نجد کے پایۂ تخت ریاض میں پہنچا۔ پالگریو وہاں سات ہفتے مقیم رہا اور وہاں کے مذہبی عقائد و اعمال، اور عام طرزِ زندگی کا مطالعہ کرتا رہا۔ بالآخر لوگوں نے اور خصوصاً اہل حکومت نے اُسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اندریں حالات وہ اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک رات چپکے سے ریاض سے نکل پڑا اور مشرقی ساحل کا رُخ کیا۔

پالگریو شہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آسایش پسند شخص تھا۔ چنانچہ اس نے ساحلی علاقہ کے نخلستانی شہروں شلاً خصوف، حسا اور قطیف وغیرہ میں جہاں کے لوگ نسبتاً خوشحال حضری زندگی کے نازونعمت کے خوگر اور وہابیت کے تشدّد سے نفور تھے۔ بڑے مزے کے دن گذارے پالگریو نے اپنے سفرنامہ میں ان کی طرزِ زندگی کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اُن کی معاشرت کی تعریف میں رطب اللسان ہے مگر اہل بادیہ کے لئے اس کے پاس کسی قسم کی ہمدردی یا ستائش نہیں۔

علم جغرافیہ کے لحاظ سے پالگریو کی سیاحت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس نے کوئی بڑا اکتشاف نہیں کیا۔ بلکہ مختلف اقطاعِ عرب کی جو جغرافی کیفیت اس نے لکھی ہے بعد کے سیاحوں کے بیان سے مقابلہ کرنے پر مشکوک ٹھہرتی ہے۔ یا تو وہ خلافِ حقیقت ہے یا مبالغہ آمیز۔ اس کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ سیاحت میں اس کے پیشِ نظر کوئی علمی غرض نہ تھی۔ دورانِ سفر میں اس نے جغرافی تحقیقات اور علمی تدقیقات سے سروکار نہ رکھا تھا اور واپسی پر اپنا سفرنامہ محض اپنے حافظہ کی بنا پر لکھا تھا۔

حضری عربوں کی معاشرت اور عادات کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ مصنّف کے دلآویز اندازِ بیان کے سبب سے بہت دلچسپ ہے اور بعد کے سیاحوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ مگر افسوس کہ ملک کے جغرافیہ اور دیگر امور کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ اس پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۳) گوارمانی

(Guarmani)

پالگریو کی سیاحت کے تھوڑی ہی مدت بعد ایک دیگر مغربی سیاح (گوارمانی) کو قصیم کے علاقہ تک ان تمام دیارِ عرب میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پالگریو کا گذر ہوا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ شہنشاہِ فرانس کو (غالباً پالگریو کی رپورٹ کا واسطہ سے) اپنے اصطبل کے لیے عربی نسل کے اصیل گھوڑوں کو اُن کے اصلی وطن سے منگوانے کا شوق چرایا۔ ان کی خرید کے لیے اس کی نگاہِ انتخاب گوارمانی پر پڑی جو قومیت کے لحاظ سے اطالوی تھا اور القدس (یروشلم) میں ایک مغربی حکومت کے گماشتہ کی حیثیت سے ایک عرصہ دراز تک مقیم رہ چکا تھا۔ بلکہ اس سے پیشتر بھیس بدل کر وہ اندرون عرب میں الجوف تک سفر بھی کر چکا تھا ٭

چنانچہ ۱۸۶۴ء کے آغاز میں اس نے اندرونِ عرب کا راستہ لیا۔ شام کے مشرق میں قبیلہ رُوَلہ آباد ہے۔ چونکہ اس قبیلہ اور اس کے سردار کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے۔ اس لئے اُن کی حفاظت اور حمایت میں صحرائے نفود کے کنارے ہوتا ہوا وہ جلد تیماء تک جا پہنچا۔ اور وہاں مسلمانی وضع اختیار کر کے اپنا نام خلیل آغا رکھا اور اپنے آپ کو ترک ظاہر کیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ میں والیٔ دمشق کا گماشتہ ہوں اور سلطانی اصطبل کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہوں۔ تیماء کے جنوبی حرّہ کو قطع کر کے گوارمانی خیبر کے مقام پر پہنچا۔ وہ پہلا مغربی سیّاح ہے جو اس مشہور اور قدیم نخلستان میں وارد ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں اتنے حبشی آباد ہیں کہ وہ بلاد السودان کا ایک قطعہ معلوم ہوتا تھا۔ امیر حائل کی طرف سے وہاں ایک حبشی امیر مقرر تھا۔ جو گوارمانی کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ چونکہ یہاں گھوڑے نہ تھے اسلئے اس نے قصیم کا رُخ کیا۔ یہاں عُنَیزہ میں عبداللہ نجدی ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ اس نے نووارد کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور معاندانہ انداز اختیار کیا۔ اسلئے گوارمانی کو مجبوراً واپس حائل آنا پڑا ٭

حائل اور اس کے نواحی میں گوارمانی بلا روک ٹوک پھرتا رہا۔ اگرچہ اس سے پہلے والن اور پالگریو بھی حائل میں رہ چکے تھے۔ مگر ان کی واقفیت اور علم صرف حائل کے شہر اور وہاں کے باشندوں تک محدود تھا۔ مگر گوارمانی نے جبل شمر کے نواحی میں تمام قریوں اور قبیلہ شمر کے بدویوں کو چل پھر کر دیکھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبل شمر کے مغرب میں بہت سے قریے ہیں جو در اصل قبیلہ مذکور کی قوت و اقتدار کا اصلی مرکز ہیں ؛

واپسی پر گوارمانی نے اطالوی زبان میں اپنا سفرنامہ لکھا۔ جس کا عنوان ذیل میں درج ہے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے اپنے فراہم کردہ جغرافی معلومات اور دیگر ذاتی مشاہدات اور واقعات بے کم و کاست صحیح صحیح قلمبند کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانۂ سیاحت میں علاقہ شمر میں ایسا امن و امان قائم تھا کہ وہاں کا سفر و سیاحت اس کے وطن اٹلی سے بھی زیادہ بے خطر تھا۔ گوارمانی نے اگرچہ پالگریو کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر بہت سی باتوں میں اس کے سفرنامہ سے پالگریو کے بیانات کی تصحیح ہوتی ہے۔ چونکہ اسے شمالی نجد میں اِدھر اُدھر کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور اس کے پاس ایک اچھی کمپاس (قطب نما) بھی تھی۔ اسلئے اس کی اطلاعات سلسلہ ہائے کوہ کے رُخ اور مقامات کے محل وقوع اور ان کے باہمی فاصلہ کے متعلق اپنے پیشرو سیاحوں کے بیانات کی نسبت زیادہ درست اور قابل اعتماد ہیں۔ اسی لئے اس کے بیانات اور فراہم کردہ معلومات جغرافیہ نگاروں کے لئے شمالی نجد اور شمالی حجاز کا نقشہ تیار کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں ؛

عنایت اللہ

(ملتان)

Carlo Guarmani, Il Neged settentrionale. Itinerario da Gerusalemme a Aneizeh nel Cassim (Jerusalem, 1866) Northern Nejd, translated by D. Carruthers. (London, 1917);

عہدِ شمسی کا ایک مؤرّخ شاعر

مولانا منہاج الدین ابو عمر عثمان بن مولانا سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان بن مولانا منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن عبد الخالق الجوزجانی طبقاتِ ناصری کے مؤلّف جو منہاج سراج منہاج کے مختصر نام سے مشہور ہیں۔ اعلےٰ پایہ کے مؤرخ ہونے کے علاوہ فن شعر میں ایک خاص رتبہ رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کا کوئی دیوان موجود نہیں اور اگر موجود تھا بھی تو زمانہ کی دستبرد سے ہم تک نہیں پہنچا۔ غالب احتمال یہی ہے کہ نہیں تھا۔ اسلئے کہ ان کے معاصرین یا خود مؤلف نے جہاں اپنے حالات یا دیگر امور کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے متعلق اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ ہاں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک بلند رتبہ شاعر تھے۔ کیونکہ ان کی تالیف میں نہ صرف مدحیہ قصائد ملتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر چند رباعیات اور قطعات بھی نظر آتے ہیں۔ زمانۂ حبس کی ایک نظم کے چند اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ مجموعہ اس فن میں ان کی مہارت تامہ پر کافی دال ہے ۔

منہاج سراج منہاج کی زندگی کے مکمل حالات ان کی اپنی زبانی جا بجا طبقات میں ملتے ہیں۔ میجر راورٹی نے نہایت کدوکاوش سے انہیں یکجا جمع کر کے اپنے انگریزی ترجمہ طبقات جلد دوم کے خاتمہ میں درج کر دیا ہے اور جن کا اعادہ یہاں محقق کی نظر میں اگرچہ نامناسب معلوم ہوگا۔ لیکن اس موقع پر جبکہ مولانا کی شاعری کا تبصرہ منظور ہے۔ یہاں ان حالات کا بر سبیل اختصار تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا ۔

مصنف کے اپنے بیان کے مطابق ان کے والد جو اس وقت فیروزکوہ میں سلطان غیاث الدین محمد سام کی خدمت میں تھے۔ ۵۹۱ھ میں سلطان بہاؤالدین سام والئے بامیان و طخارستان کی خواہش پر سلطان غیاث الدین سے اجازت لے کر بامیان چلے آئے۔ یہاں بڑا اعزاز پایا اور قاضی فوج کے عہدے پر سرفراز ہونے کے علاوہ دو مدرسوں اور ان کے اوقاف کے

متولّی قرار دیئے گئے اور حُسنِ خدمات کے صلہ میں انعام و اکرام سے بھی مالامال ہوئے - یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہمارے مولانا کی عمر تین برس کی تھی[1] ؛

ان کی والدہ سلطان غیاث الدین محمد سام کی دختر شہزادی ماہ ملک الملقب بہ جلال الدنیا والدین کی دودھ شریک اور ہم مکتب تھی اور چونکہ وہ شہزادی کی خدمت میں رہتی تھی - اس لئے مولانا نے بھی شاہی حرم کی فضا میں پرورش پائی اور یہاں ہی تربیت حاصل کی اور سنِ بلوغ تک اسی بارگاہ میں رہے[2] - چنانچہ ایک موقع پر بسبیل تذکرہ فرماتے ہیں - کہ ۶۰۷ھ میں میں فیروزکوہ میں سلطان کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا - جب امیر منکوریس زرد سوار خول چکان توبرہ لٹکائے - ملک رکن الدین محمود کا سر پیچ میں ڈالے آیا اور محل کے اندر داخل ہو گیا[3] ؛

۶۲۴ھ میں جب ان کی عمر بروئے حساب ۳۵ سال کی بنتی ہے - وہ پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچتے ہیں[4] ؛

ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے موقع پر جو ۶۴۴ھ میں وقوع پذیر ہوتی ہے - ایک مدحیہ قصیدہ لکھتے ہیں[5] ع

بیست سالست تاکہ منہاج سراج خستہ را

دردعا گوئی ایں حضرت فرازپاشش است

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو ہندوستان میں رہتے بیس سال گذر چکے تھے ؛

خود منہاج سراج منہاج نے اپنی تاریخ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں کیا - مگر سہ سالگی[6] اور ہژدہ سالگی[7] کے حساب سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پیدائش ۵۸۹ھ کے قریب ہوئی - یہ وہ زمانہ ہے - جب ان کا خاندان سلطنت کے پایۂ تخت فیروزکوہ میں مقیم تھا اور سلطان غیاث الدّین محمد سام کی حکومت کا دور تھا - ۵۹۱ھ میں ان کے والد توبامیان کی طرف چلے گئے - لیکن مولانا اپنی والدہ کے ساتھ شہزادی ماہ ملک کے محل میں رہے اور شہزادی کے التفات سے شاہی حرم میں امیرزادوں کی طرح

۱؎ طب ص ۱۰۷ ۲؎ طب ص ۱۲۸، ۸۵ ۳؎ طب ص ۸۰ ۴؎ طب ص ۱۴۳، ۱۲، ۱ ۵؎ طب ص ۲۰۲ ؛ ۶؎ طب ص ۱۰۷ - ۷؎ طب ص ۸۸

پرورش پاتے رہے۔ شہزادی ماہ ملک خود علم دوست تھیں۔ انہوں نے محل میں ایک کتب خانہ بھی جمع کر رکھا تھا۔ اس کتب خانہ میں مولانا نے ۶۰۲ھ میں فخر الدین مبارک شاہ مرورودی کی کتاب منظوم "نسبت نامہ" دیکھی تھی[1]۔ جیسا کہ وہ اپنی تالیف میں ذکر کرتے ہیں۔ ان بعض مشاہدات سے ظاہر ہے کہ وہ چودہ سال تک شاہی محل میں زیر سرپرستی ملکہ ماہ ملک تربیت پاتے رہے۔ بلکہ ۶۱۰ھ میں بھی ہم انہیں ان کے بیان کے مطابق فیروزکوہ میں مقیم دیکھتے ہیں

مولانا نے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے۔ چنانچہ ۶۱۷ھ میں وہ حصار تولک میں موجود ہیں اور ان کے بھائی شہر وحصار فیروزکوہ میں[2]۔ تو ۶۱۸ھ میں ولایت گزیو و تمران میں۔ پھر اسی سال غور واپس آتے ہیں[3]۔ اس کے بعد ۶۲۱، ۲۲ھ میں دوبار حصار تولک سے رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے قہستان جاتے ہیں اور تیسری بار ۶۲۳ھ میں ملک رکن الدین بختیار کی طرف سے ملک تاج الدین ینالتگین شاہ سیستان کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے اسی سال بادشاہ قہستان کے ہاں سفیر بن کر جاتے ہیں۔ مگر وہاں سے پھر خیسار میں ملک رکن الدین کے پاس اقامت گزین ہوتے ہیں۔ لیکن اسی سال ہندوستان کے سفر کا عزم کر کے ملک سے اجازت لے کر سامان سفر کی خریداری کے لئے فراہ میں پہنچتے ہیں۔ اس وقت ینالتگین قہستانی ملاحدین سے جنگ کر کے شکست خوردہ آتا ہے اور چاہتا ہے کہ معارف سے کسی فرد کو شمس الدین محتشم فرمانده قہستان سے مصالحت ومعاہدہ کرا دینے کے لئے بھیجے مگر اس کے ملازمین میں سے اس کام پر جانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ اتنے میں اسے مولانا کے فراہ کے قریب پہنچنے کی خبر ملتی ہے۔ وہ ایک سازوالا گھوڑا اور امراء اور ملازمین کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کرتا ہے۔ اور مولانا کو اپنے پاس بلاتا ہے اور انہیں سفیر بنا کر ملک رکن الدین کو ان کے ہمراہ کرتا ہے۔ محتشم اس وقت نیہ میں اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ مولانا قہستان سے نیہ واپس آتے ہیں اور شرائطِ صلح طے کر کے واپس لوٹتے ہیں۔ ینالتگین انہیں دوبارہ جانے کے لئے کہتا ہے۔

---

[1] طب ص ۲۸ [2] طب ص ۳۴۴ [3] طب ص ۱۵۲، ۳۴، ۳۷

لیکن وہ انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ قید میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مگر ملک رکن الدین کی مداخلت سے رہائی حاصل کرتے ہیں[۱]۔

سنہ ۶۲۴ھ میں وہ خراسان سے غزنی اور سمقان [نبیان (راورٹی)] کے راستے کشتی کے ذریعہ روز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاولی کو اُچہ پہنچتے ہیں۔ اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں اُچہ کے مدرسہ فیروزی کی عنان انتظام ان کے سپرد کر دی جاتی ہے اور ساتھ ملک ناصر الدین قباچہ کے صاحبزادے بہرام شاہ کی افواج کے قاضی مقرر ہوتے ہیں۔ یکم ربیع الاولی سنہ ۶۲۵ھ کو شمس الدین التمش کی افواج اُچہ کی طرف پیشقدمی کرتی ہیں اور ۲۷ جمادی الاولی کو اُچہ اور ۲ جمادی الآخر کو قلعہ بکر فتح ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاہی فوجیں رمضان سنہ ۶۲۵ھ میں دہلی روانہ ہوئیں اور مولانا بھی سلطان کے ساتھ دہلی آ گئے۔ جہاں سنہ ۶۲۹ھ تک مقیم رہے[۲]۔ اسکے بعد گوالیار کی مہم پر سلطان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ گیارہ ماہ تک گوالیار کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثنا میں مولانا نے ۹۵ مرتبہ تذکیر گوئی کی[۳]۔ ان مجالس میں خود سلطان حاضر ہوتا۔ عید الاضحی کے موقعہ پر مولانا نے سلطان کے حکم سے امامت نماز کا فرض ادا کیا اور خطبہ پڑھا۔ سلطان نے خلعت سے سرفراز کیا۔ ۲۶ ماہ صفر سنہ ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا اور مولانا وہاں کے قاضی، خطیب، امام، محتسب اور باقی تمام امور شرعیہ کے حاکم مقرر ہوئے اور تشریفات فاخرہ اور انعامات وافرہ عطا ہوئے[۴]۔

سنہ ۶۳۵ھ میں بعہد سلطان رضیۃ الدین وہ گوالیار سے دہلی چلے آئے اور اسی سال شعبان کے مہینے میں سلطان نے دہلی کے مدرسہ ناصریہ کا انتظام اور عہدۂ قضائے گوالیار ان کے سپرد کئے[۵]۔

سنہ ۶۳۷ھ میں معز الدین بہرام شاہ بن التمش تخت نشین ہوا۔ امراء و وزراء نے حلف وفاداری اٹھایا۔ سلطان کو سیدھا سادھا حاکم سمجھ کر وزیر نے من مانی کارروائیاں کرنی شروع کیں۔ سلطان کو

---

۱ طب صفحہ ۳۶، ۴۱، ۴۲ و ۴۴ ۲ طب ص ۱۴۴، ۱۶۲ ۳ طب ص ۱۷۵ ۴ طب ص ۱۷۵، ۱۷۹، ۲۴۹ ۵ طب ص ۱۸۸، ۲۵۶۔

علم ہؤا تو بہت جھنجھلایا اور عنان سلطنت سنبھالنے کے درپے ہؤا ۔ دو سال تک برابر عجیب فتنے برپا رہے ۔ ۶۳۹ھ میں لاہور پر مغلوں کی یورش ہوئی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سلطان نے یہ خبر سنی تو سراسیمہ ہؤا اور لوگوں کی ہمدردی بروئے کار لانے کے لئے دہلی میں قصر سفید میں ایک اجتماع کروایا ۔ جہاں مولانا کو وعظ کرنے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد سلطان نے مولانا کو شنبہ کے دن ۱۰ رجمادی الاولی ۶۳۹ھ میں پہلی بار دہلی کا بلکہ تمام قلمرو کا قاضی مقرر کیا اور تشریف وعواطف سے ممتاز کیا[۱] اسی سال دہلی میں فساد برپا ہؤا ۔ سلطان کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ۔ مولانا نے اور دوسرے امرا نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں پورا پورا حصّہ لیا لیکن بے سُود رہا ۔ خود مولانا پر قاتلانہ حملہ ہؤا ۔ چونکہ مسلح تھے ۔ اس لئے حملہ آور کو جرأت نہ ہوئی[۲]

مولانا اس صورتِ حالات میں ۶۴۰ھ میں لکھنوتی چلے جاتے ہیں[۳] ۔ جہاں سے ۶۴۳ھ میں دوشنبہ ۱۴ ر ماہ صفر کو طغانخان کی معیت میں واپس دہلی آتے ہیں ۔ اسوقت علاؤالدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروزشاہ سریر آرائے دہلی تھا ۔ الغ خان اعظم کی سفارش پر پنجشنبہ ۱۷ ر ماہ صفر ۶۴۳ھ کو یعنی تین روز بعد حدود دہلی ۔ مدرسہ ناصریہ اور اس کے اوقاف کی تولیت اور گوالیار کی قضا اور جامع مسجد کی تذکیرات پہلے کی طرح ان کے سپرد ہوگئیں اور ایک گھوڑا مع زین خلعت میں مرحمت ہؤا[۴]

یکشنبہ ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو سلطان ناصر الدنیا والدین محمود بن التتمش تخت سلطنت پر متمکن ہؤا ۔ اس بادشاہ کے زمانہ میں مولانا دو بار قاضی ممالک ہندوستان مقرر ہوئے ۔ ایک دفعہ ۶۴۹-۶۵۱ھ اور دوسری دفعہ ۶۵۳ھ میں ۔ اور ۶۵۲ھ میں صدر جہاں کے خطاب سے سربلند ہوئے[۵] ۔ مولانا نے اور بھی دیگر سیاسی واقعات میں حصہ لیا ہے جن سے ہمیں ان کی بلند شخصیت کی شناخت میں بہت مدد ملتی ہے ۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ کی بلند پایہ ہستی تھے ۔

---

۱ طبقات ۱۹۵ ۔ ۲ طبقات ۱۹۶-۱۹۷ ۔ ۳ طبقات ۱۹۸-۲۴۳-۲۶۳ ۔ ۴ طبقات ۲۰۰ ۔ ۵ طبقات ۲۱۹ ۔

وہ طبعاً خدا دوست تھے اور اہل اللہ کی صحبت میں کافی وقت گذارتے۔ غوثی نے اپنے تذکرہ گلزارِ ابرار میں انہیں مشائخ کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کیوں مولانا نے اپنی تاریخ میں اولیاء کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ اعتراض صوفیانہ نقطۂ نظر سے ہے۔ طبقات مولانا مورخ کی حیثیت سے لکھنے بیٹھے تھے اور اس میں انہوں نے ایک تاریخ دان کے فرائض بجالانے کی کوشش کی ہے اور یہی شاید مناسب بھی تھا۔

۶۵۸ھ میں انہوں نے طبقات کو ختم کر دیا[1] اور اپنے بادشاہ ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ کے نام پر اسے معنون کیا[2] اور اس کے نام پر ہی اس کا نام طبقاتِ ناصری رکھا۔ اس کا کچھ حصہ الغ خاں اعظم کی خدمت میں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمانروا ہوتا ہے۔ پیش کیا تو اس نے بیس ہزار جیتل اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا۔ خود سلطان ناصر الدین نے اس تالیف کے پیش ہوتے وقت اپنے کندھے کی چادر اتار کر مولانا کے کندھے پر ڈال دی اور انعام میں ایک گانو اور دس ہزار جیتل دیئے جانے کا حکم دیا[3]۔

۶۵۸ھ کے بعد مولانا کے واقعاتِ حیات و ممات کی بابت ہم کو کوئی اطلاع نہیں۔ تکمیل کتاب کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وعدہ کیا ہے کہ زندگی رہی تو باقی حالات بھی سپردِ قلم کئے جائیں گے[4]۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ان کو موقع نہ ملا۔ جس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ طبقات کے عنقریب بعد وہ رحلت گرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔ سید علی حسن نے اپنے تذکرہ[5] میں ان کی عمر ہشتاد و چہار سال لکھی ہے۔ اگر یہ روایت کسی صحیح ماخذ پر مبنی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پندرہ سال اور جیئے۔ لیکن نہ معلوم یہ وقت کہاں گذارا۔ اور کیا کرتے رہے۔

اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم مولانا کی شاعری پر ایک نگاہ ڈالیں۔ بدقسمتی سے یہ موضوع عدمِ دستیابی مواد کی بنا پر بہت کچھ تشنہ رہتا نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی کوئی یادگار باقی نہیں۔

۱؎ طب ۳۱۶-۴۵۲ ۲؎ طب ۲ ۳؎ طب ۴۵۲ ۴؎ طب ۲۲۷ ۵؎ صبح گلشن

یہ وہ زمانہ تھا جب خاندان شمسی کی حکومت کی ابھی ابتدا تھی اور ان کی تمام تر توجہ نئی فتوحات اور قیام سلطنت اور انتظام مملکت کی طرف مبذول تھی۔ ایسی مصروفیت کے وقت میں سلاطین کا طبقۂ شعرا کی طرف متوجہ ہونا قدرے مشکل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس زمانے کی شعری یادگاریں کم دستیاب ہوتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی شاعر کا دیوان تک نہیں ملا۔ تاج الدین ریزہ، محمد عوفی، حسن نظامی مصنف تاج المآثر اور سلطان ناصر الدین قباچہ کے دربار کے چند شعراء کے اشعار نہایت قلیل تعداد میں ملے ہیں +

اسی جماعت میں ہمارے مولانا کا بھی شمار ہونا چاہیئے۔ ان کو اوّل تو ہندوستان کے عہدۂ قضا و تذکیر و درباداری سے ہی فرصت نہیں تھی اور جو وقت ان سے بچتا۔ دیگر امور کے علاوہ تصنیف و تالیف میں صرف ہوتا۔ 'ناصری نامہ' لکھا اور 'طبقات ناصری' تالیف کی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ہم خیال کرتے ہیں۔ شعرگوئی کا مشغلہ بھی موقع بموقع جاری تھا۔ اگرچہ شعرگوئی ان کا پیشہ نہیں تھا۔ لیکن تذکیرگوئی کی طرح یہ فن بھی ان کو اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان چند اشعار سے جو ہمیں طبقات اور دیگر تذکیروں سے ملتے ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ فن شعر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اکثر قصائد سے جو سلاطین کی تخت نشینی کے موقعوں پر انہوں نے تصنیف کئے اور جن کا بہت کم حصہ بدقسمتی سے ہم تک پہنچا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ درباری شاعر بھی تھے +

مولانا کی طبیعت کا رجحان شرعیات کے علاوہ تصوّف کی چاشنی سے بھی ذوق یاب تھا ان کی مجالس تذکیر میں جو نہایت دلچسپ ہوتیں اور جن میں لوگوں کا کثرت سے ہجوم رہتا۔ انکی رباعیات جو تمام کی تمام صوفیانہ خیالات سے مملو تھیں حاضرین کے قلوب کو جذب کرنے میں ایک خاص تاثیر رکھتی تھیں۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا قول ہے" شیخ قاضی منہاج جرجانی صاحب طبقات ناصری بزرگ بود و از افاضل روزگار از اہل وجد و سماع بود۔ چوں قاضی شد این کار استقامت گرفت [1]" +

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۹۰

شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۴ھ - ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر دوشنبہ کو ان کی مجلس تذکیر میں حاضر ہوتا۔ ایک دن حسب معمول ایک تذکیر میں شامل تھا۔ مولٰنا نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب لعل دلبران خوش کردن ۔۔۔ وآہنگ سر زلف مشوش کردن

امروز خوش ست ولیکن فردا خوش نیست ۔۔۔ خود را چو خسی لقمۂ آتش کردن

میں سنتے ہی بے خود ہو گیا اور تقریباً ایک ساعت اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا[1]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منبر پر ان کے وعظ و تذکیر نرے خشک مسائل شرعیہ کے بیانات کے حامل نہیں ہوتے تھے بلکہ مولٰنا اپنے شعر و سخن کی امداد سے بڑی حد تک ان کو پُر ذوق و پُر لطف بنا دیتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود کی سلطنت کے دائمی قیام کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ رباعی طبقاتِ ناصری میں لکھتے ہیں[2] ؎

شہ را خضر از جام ساقی باد ۔۔۔ ایوان درش چو چرخ نہ طاقی باد

نام طبقات تا در جہاں باقیست ۔۔۔ محمود شہ ناصر دیں باقی باد

مولٰنا کے قصائد اپنے انداز اور اپنی نوعیت میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ ان کی بندش قدما کی طرح پیچدار نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض وقت ان میں مشکل الفاظ آجاتے ہیں۔ ان قصائد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تشبیب و تمہید کی پابندی سے آزاد ہیں۔ طوالت اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ کل قصیدہ بغیر تکلفات کے سیدھے سادے طریق سے چند مدحیہ اشعار پر ختم ہو جاتا ہے۔

اب ہم ان قصائد کا ذکر کریں گے جو مولٰنا نے مختلف مواقع پر کہے۔

ملک ناصر الدین ابوبکر بن سیف الدین سوری بن ملک شہاب الدین بن حسین حاکم مدائن غور کی خدمت میں مولٰنا نے چند سال گذارے اور ۶۱۸ھ میں غالباً جب وہ غور کی طرف روانہ ہونے والے تھے تو ملک ناصر الدین سے ایک طولانی قصیدہ کے ذریعے جس میں اپنی شادی کے

---

[1] اخبار الاخیار ۹۱ [2] طب ۲۵۲ [3] طبقات میں "شہاب" لکھا ہوا ہے۔ جو نہ عروض سے اور نہ معنی کے لحاظ سے ٹھیک بیٹھتا ہے۔

حالات بھی درج کئے تھے۔ ایک گھوڑے کے عطیہ کے لئے درخواست کی۔ ملک وہ قصیدہ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور ان کی استدعا کے مطابق ایک سہ سالہ زردہ اسپ عنایت کیا۔

افسوس ہے۔ کہ مولینا نے اپنے اس دلچسپ قصیدہ کا ایک شعر بھی کہیں درج نہیں کیا سنہ ۶۲۳ھ میں جب مولنا ینالتگین کی سفارت پر قہستان جانے سے انکار کرتے ہیں اور ۴۳ دن کے لئے قید کر دیئے جاتے ہیں۔ مولانا نے اپنے قید کے حالات پر مشتمل ایک حبسیہ قصیدہ نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیا[1]۔ یہ قصیدہ چونکہ کتاب کی تالیف کے وقت موجود نہ تھا اسلئے صرف ان چند اشعار پر ہی اختصار کیا ہے:۔

تا کی بلور اشک مرا چرخ زمردی	بر کہربای روی دھد لون لسُبدی
آہم چو دود عود قماری است بی عجب	ای آب دیدہ گر تو گلاب مصعدی
بی ددرسیر برتم سیہ و نی بدی چرا[2]	محبوسم و اسیر بکوہ صفھندی (صغہیدی)
سیمرغ نیستم من و این کہ نہ کوہ قاف	طوطی و حبس خوش نبود تا بسرمدی
منہاج راہ راست تو در رہ کشادہ بہ	بر قلعہ راہ راست نیابد زمسندی

سنہ ۶۳۷ھ میں جب معز الدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا اور امرا و ملوک نے بیعت کی منہاج بھی اس زمرہ میں شامل تھے۔ چنانچہ بیعت کے موقع پر یہ قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھ کر خدمت میں پیش کیا[3]:

زہی در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی	ببین در رایت شاہی علامات جہانبانی
معز الدین و الدنیا مغیث الخلق تا خلقی	سلیمان سانت در فرمانست ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی ہنداست ارث دودہ شمسی	بحمد اللہ ز فرزندان توئی التمش ثانی[4]

---

[1] طبقات ص ۴۱۷ [2] قلمی نسخہ میں "نی شر سرت و نی بدی جرا"۔ میں یہ لکھا ہے۔ میں اس کی تصحیح سے عاجز ہوں۔ [3] طبقات ص ۱۹۱۔ [4] اپنے طبقات کے مطبوعہ نسخے میں سب جگہ التمش مرقوم ہے۔ لیکن اشعار بالا میں عروض کے لحاظ سے یہ نام التتمش صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ تمام موجودہ مؤرخین نے اسے التمش ہی لکھا ہے اور غلط العام زبان زد خلائق ہے

چو دیدنت ہمہ عالم کہ برحق وارث ملکی | درت را قبلہ گہ کردند ہم قاصی و ہم دانی
چو منہاج سراج این است خلقان را دعائے تو | کہ یارب بر سریر ملک و دولت جاودان مانی
بہ عہدت را ست چون نیزہ جہان گردند ہم عالم | کہ جز در طرۂ پرچم نہ بیند کس پریشانی

مولانا نے اس قصیدہ کے صرف انہی ابیات پر قناعت کی ہے ؛

جب سلطان ناصرالدین محمود شاہ سنہ ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ سلطنت کے تمام فاضل و اماثل نے دعا و ثنا کہی۔ منہاج نے بھی کچھ نظم و نثر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے دل کھولکر سلطان کی مدح میں لکھی۔ یہ چند اشعار اس قصیدہ سے منقول ہیں[۱] ؛

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است | ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است
آن جہاندار یی کہ سقف چرخ از ایوان او | در علو مرتبت گوئی فرودین پوشش است
فرق فرقد سا و راست و دست و پای دولتش | فر تاج است و نگین و زیب تخت و بالش است
سکہ را از القاب میمونش چہ انداز است فخر | خطبہ را از اسم ہمایونش چہ مایہ نازش است
راحت دلہا است روح عدو او بار وح خلق | بندگی دو دمانش زانکہ در آمیزش است
چاکر ایوان او ہر جا کہ ترک و تازکی | بندۂ فرمان او ہر جا کہ ہندو گبرش است
وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین | ہر کرا ز انصاف در چشم بصیرت بنیش است
دولتش حساد را در ہر زمان صد شومت است | صولتش احباب را در ہر مکان صد رامش است
گرچہ بشگفتش گل دولت ولی از صد یکی | چون نہال است او کہ باغ ملک را نو بالش است
تیغ زنگاریش چون شنگرف ریز آمد مطیع | شاخ و برگ نقش عمر دشمنان در ریزش است
از ہیب زخم گرزگاو سارش بین کہ چوں | را کب شبرنگ فلک در لرزہ و در تابش است
تا نوای بزم ملکش راست شد زیر او فتاد | حاسد اندر چنگ غم چون زیر ان در نالش است
گاہ گشت از انقلاب جور باد ایمن چو کوہ | در پناہ عہد عدلش چون کہ ہر آرامش است

---

[۱] طب ص ۲۰۲ ؛

ای شہنشاہی کہ ذیل عفو و دست بذل تو
محرم و محتاج راہم پوشش و ہم پاشش است

مبیت سالست تا کہ منہاج سراج خستہ را
در دعا گوئی این حضرت فراز پاشش است

از برائی نصرت و تائید شاہ بندگانش
در دعا در کوشش است و در دعا در خواہش است

محور چرخ جلالت باد خاک در گہت
تا کہ خاک و چرخ در آرامش و در جنبش است

گردش اہل زمین بر وفق فرمان تو باد
تا بروج آسمان گرد زمین در گردش است

اور دوسرا حسب ذیل ہے[1]؛

شاہ را چون نام خویشش عاقبت محمود باد
نصرت و تائید حق با عزم او مشدود باد

دوستان را زی بقا و دشمنان را زی فنا
نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد

در جہان باب امان از عدل او مفتوح باد
باب بیدادی بہ عہدش مغلق و مسدود باد

چون حسودش شد بطالع از فلک منحوس ورد
طالع او در پناہ ایزدی مسعود باد

سفرۂ ملک جہان را دودۂ او شمع بس
چہرۂ اعدای او در دیدہا چون دود باد

اہل ایمان را زچتر و رایتش امن و امان است
سایہ بان دین حقند ظل شان ممدود باد

مقصدش بر فضل حق چون تکیہ گہ دارد مدام
بی توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد

خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است
شاہد بخت جوان بر تاج او مشہود باد

دولتش بر مدت احمد مبارک آمدہ است
ملک محمودی ہمیون فی مسلم زوز باد

داعی این سلطنت منہاج را ورد این دعا
تا کہ باد و خاک و آب و آتش است مورود باد

سنہ ۶۵۸ھ میں خراسان سے ہلاکو مغل پسر تولی بن چنگیز خان کے ایلچی دہلی کی طرف آئے تو انہیں سلطان ناصر الدین کے حکم سے منازل مارو تہ کے قریب اتارا گیا اور اس اثنا میں انکے استقبال کے لئے ایک شاندار دربار سجایا گیا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار کی شان و شوکت اور چمک دمک دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ منہاج نے اسی موقعہ پر یہ قصیدہ لکھا جسے کسی راوی نے پڑھا تھا[2]

---

[1] طب ص ۲۰۰ [2] طب ص ۳۱۹؛

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح ھذا البزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالتہ ملکہ — ومزید امکان ورفعۃ شان

زہی جشنی کز او اطراف چوں خلد بریں گشتہ — خہی بزمی کز و اکناف عدل راستین گشتہ
ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ
ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش — ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش رہین گشتہ
شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی — سزای چتر شاہی لایق تخت و نگین گشتہ
چو خاقانان کین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفرست و بجاں حامی دین گشتہ
مبارک باد بر اسلام این بزم شہ عالم — کزین ترتیب ہندوستان بسی خوشتر زچین گشتہ
ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ زدرگاہش — چو منہاج سراج از جان دعاگوی کمین گشتہ

طبقات کو ناصر الدین محمود کے نام سے موسوم کرتے وقت منہاج نے ایک دلپذیر پیرایہ میں چند اشعار لکھے اور اسمیں اپنی غلطیوں کے لئے معافی کا طالب ہوا۔ چنانچہ[1]

ہرچہ کردم سماع بنوشتم — اصل نقل و سماع گوش بود
درگذار خطا چو دید کریم — زانکہ با عز و عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق مہتری دریافت — نزد صبر ش صبر چو نوش بود
دامن عفو پرورش مدام — در رہ حلم عیب پوش بود
بدعا یاد دار دش منہاج — گرچہ اندر قفس خموش بود

طبقات کا ایک نسخہ منہاج نے الغ خان اعظم کی خدمت میں پیش کیا تو خان اعظم نے ۴۰ ہزار چیتل اور ماہی صباحی، ایک دستہ سنجاب اور ایک دستہ روباہ روانہ فرمایا۔ منہاج نے شکرانہ کے طور پر یہ قطعہ کہا[2] اور اس نسخہ کی پشت پر تحریر کردیا۔

شہریار جہاں الغ خاں آنکہ — خان البزرسیت و شاہ سمک

---

[1] طب ۲۵۲ [2] طب ۲۵۳ ؎

هر که از حضرتش قبولی یافت　　　پیش هرگز نگشت رو بفلک

پیش او کیست حاتم طائی　　　نزد او چیست یحیی برمک

کرد از لوح خاطر منهاج　　　غصه دهر را باحسان حک

بشنود این سخن زمن همه خلق　　　از طریق یقین نه از ره شک

نبود نه مرا است قسم کرم　　　دیگر از اهمه ازاں صد یک

هر دعائی که گویمش از جان　　　کند آمین آن بصدق ملک

طبقات کے علاوہ ان کی ایک اور اہم یادگار 'ناصری نامہ' ہے جو نظم میں ہے۔ مولانا نے کئی موقعوں پر طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تالیف کا نام سلطان ناصر الدین محمود کے نام پر 'ناصری نامہ' رکھا گیا۔ ۶۴۵ھ میں ناصر الدین محمود مع الغ خان اعظم پانی پت سے ہوتے ہوئے قنوج کی حدود میں پہنچتا ہے وہاں قلعہ نندنہ (راورٹی تلسندہ) کو سر کرنے میں لگ جاتا ہے اور آخر فتح کرتا ہے[1]۔ مصنف نے اس کتاب میں اسی مہم کے چشم دید واقعات نظم کئے ہیں۔ نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس تالیف کا کوئی نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا۔

قاضی منہاج سراج عربی زبان میں کافی دسترس رکھنے کے علاوہ عربی شعر کہنے پر بھی قادر تھے۔ انہوں نے امام یحیی بن اعقب رض کے عربی قصیدہ کا فارسی میں ترجمہ[2] کیا ہے اسکے علاوہ ایک فارسی قصیدہ کی ابتدا میں جو پہلے درج ہو چکا ہے انہوں نے دو شعر عربی میں بھی رقم فرمائے[3] چنانچہ

قد صادف الرضوان ایام الوری　　　من روح هذا البزم للسلطان

لازال یبقی فی جلالة ملکه　　　ومزید امکان ورفعة شان

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض تذکروں میں جن میں 'ہفت اقلیم'، 'صبح گلشن' اور 'گلزار ابرار' قابل ذکر ہیں۔ ہمارے مضمون کے موضوع قاضی منہاج سراج اور ان کے والد سراج منہاج کے ناموں میں تخلیط پیدا کر کے باپ کی رباعیات بیٹے کے نام درج کر دیں۔ اسی طرح 'مجمع النفائس'

---

[1] طب ص ۲۱۰　[2] طب ص ۲۴۳　[3] طب ص ۳۲۰

اور گل رعنا میں بیٹے کی تصنیف باپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ یعنی سراج منہاج کو مؤلف طبقات ناصری لکھ دیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے اور جو کچھ کہ محمد عوفی نے مولانا سراج کے متعلق لکھا۔ وہی انہوں نے مولانا منہاج کے بارے میں تحریر کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ بعض تذکروں میں لاہوری لکھے گئے ہیں۔ درانحالیکہ مولانا منہاج خود اپنے ساتھ جوزجانی لکھتے ہیں۔ جو گوزگان کا معرب ہے ؛

مولانا منہاج نے طبقات میں اپنے والد کی جائے پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں لکھا لیکن محمد عوفی معاصر وقت نے ان کی جائے ولادت لاہور اور مقام نشاء سمرقند بتایا ہے اور انہیں 'ملک الکلام' اور 'فصیح العجم' کے خطاب سے یاد کیا ہے[1]۔ خود مولانا منہاج بھی انکو 'اعجوبۃ الزمان' اور 'افصح العجم'[2] لکھتے ہیں۔ ان کی چند رباعیات کا اندراج یہاں بیجا نہ ہوگا ؛

آن دل کہ ز ہجر درد ناکش کردی
وز ہر شادی کہ بود پاکش کردی

از خوئی تو آگہم کہ ناگہ ناگہ
آوازہ در افگند کہ ہلاکش کردی

دل را برخ خوب تو میل افتادست
جان دیدہ بر امید لبت بکشادست

چشم آب زان خاک درت خواہد بود
گر عمر وفا کند قرار این دادست

جب سلطان معز الدین سام نے ۵۸۱ھ میں لاہور پر لشکر کشی کی اور فتح پائی تو مولانا سراج کو ہندوستان کے عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ لیکن انہوں نے تھوڑا وقت یہاں گذارا۔ انکی وفات ۵۹۰ھ اور ۶۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ جب وہ سلطان غیاث الدین سام کی طرف سے خلیفہ الناصر الدین اللہ کی خدمت میں سفارت پر جا رہے تھے[3] ؛

آغا عبد الستار خاں

—— (٭) ——

[1] لباب الالباب جلد اول ص۲۸۲ [2] طبقات ص۱۱۱ [3] طبقات ص۶۱ ؛

بابا فرید گنج شکرؒ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۸ء)

گوروارجن دیو :-

فرید اجھوم رنگاولی منجھ وِسُولا باگ — جو جن پیر نوازیا تناں انچ نہ لاگ

گوروارجن دیو :-

فرید اعمر سُہاوڑی سنگ سونڑی دیہہ — وِرلے کیئی پائین جناں پیارے نیہہ

گوروارجن دیو :-

فرید اگرب جناں وڈیائیاں دھن جوبن آگاہ — خالی چلے دھنی سیئوں ٹبے جیوں مینہاہ

گوروارجن دیو :- فرید اکنت رنگاولاوڈا وے مختاج - اللہ سیتی رتیاں ایہہ سچاواں ساج

" " " فرید ادُکھ سُکھ اِک کر دل تے لاہ وِکار - اللہ بھاوے سو بھلا تاں لبھی دربار

" " " فرید ادُنی وجائی وجدی توں بھی وجیں نال - سوئی جیونا وجدا جس اللہ کر دا سار

" " " فرید ادِل رتا اِس دُنی سیوں دُنی نہ کِتے کم - مِثل فقیراں گاکھڑی سو پائیے پور کرم (شلوک ۱۲۰)

۱۶- گورو گرنتھ صاحب میں شلوک نمبر ۱۱۲، ۱۱۳ جہاں سلوک فرید جی کے عنوان کے نیچے درج ہیں وہاں وہ گورو نانک کی بانی کے نیچے بھی کسی دوسری جگہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں

۱۷- شلوک نمبر ۱۱۸ میں فرید کا نام موجود ہے ؛

۱۸- شلوک نمبر ۱۱۴ سے لے کر ۱۳۰ تک سوائے شلوک نمبر ۱۱۸ کے جس میں فرید کا نام ہے اور ۱۲۱ کے جس میں 'نانک' آتا ہے - باقی سب میں نہ نانک آتا ہے نہ فرید ؛

۱۹- جنم ساکھی ب کے مطابق ۱۲۶ شیخ ابراہیم نے کہا اور ۱۲۷ اسکے جواب میں بابا نانک نے کہا

۲۰- پڑھنے والوں پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ فرید سے منسوب شلوکوں میں ہر ایک میں فرید نہیں آیا۔ مثلاً نمبر ۳، ۵، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۴۰، ۴۵، ۶۴، ۶۵، ۷۲، ۷۷، ۸۴، ۸۶، ۹۱،

۹۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں فرید کا نام نہیں ؞

اگرچہ ذیل کے شلوک گورو نانک، گورو امرداس، یا گورو ارجن دیو سے منسوب ہیں۔ مگر ان میں فرید کا نام آتا ہے۔ بطور خطابِ مخاطب کے ؞۔

۱۴، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ ؞

۲۱ - ذیل کے شلوک جوابی معلوم ہوتے ہیں۔ جوابی اشعار میں کہیں نانک کا نام ہے، کہیں نہیں۔ اُن پر محلّہ یعنی کس گُورو کی تصنیف ہے۔ درج نہیں، اِن کو پہلے گورو نانک ہی سے منسوب کیا جانا چاہیئے۔ یہ اطلاع جنم ساکھیوں کی اطلاعوں پر اضافہ سمجھئے ؞

فرید۔ ۳۱ سُہرے ڈھوئی ناں لہے پیئے ناہیں تھاؤں ؞ پر واڑہی نہ پُچھئی دھن سوہاگن ناؤں

نانک۔ ۳۲۔ سا ہُرے پیئے کنت کی کنت اگم اتھاہ ؞ نانک سو سہاگنی جو بھاوے بے پرواہ

فرید۔ ۶۴۔ کلّر کیری چھپڑی آئے اُلتھے ہنجھ ؞ چُنجو بوڑن ناں پیئیں اُڈن سندی ڈنجھ

نانک۔ ۶۵۔ ہنس اُڈر کودھرے پیا لوک وڈارن جائے ؞ گہلا لوک نہ جاندا ہنس نہ کودھر کھائے

فرید۔ ۸۵۔ فریدا دُکھاں سیتی دیہہ گیا سُولاں سیتی رات ؞ کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپّر وات

نانک۔ ۸۶۔ لمی لمی ندی وہے کند ھیں کیرے ہیت ؞ بیڑے نوں کپّر کیا کرے جے پاتن رہے سُچیت

فرید۔ ۹۱۔ کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھایا ماس ؞ اے دوئے نیناں مت چھوہو پر دیکھن کی آس

نانک۔ ۹۲۔ کاگا چونڈ نہ پنجرا بسے تاں اُڈر جاہیں ؞ جت پنجرے میرا سہہ وسے ماس نہ تِدو کھاہیں

فرید۔ ۱۱۲۔ پہلے پہرے پُھلڑا پھل بھی پچھّا رات ؞ جو جاگن لہن سے سائیں کنوں دات

نانک۔ ۱۱۳۔ داتیں صاحب سندیاں کیا چلّے تس نال ؞ اِک جاگندے ناں لہن اِکناں سُتیاں دئے اُٹھال

فرید۔ ۱۱۹۔ تن تپے تنّور جیوں بالن ہڈ بلن ؞ پیریں تھکاں سِر جُلاں جے موںہہ پری ملن

نانک۔ ۱۲۰۔ تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال ؞ سِر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری نہال

فرید۔ ۱۲۱۔ ہوں ڈھونڈیندی سجناں سجن میںڈے نال ؞ نانک الکھ نہ لکھئے گورمکھ دیئے وِکھال

فرید { ۱۲۲۔ ہنساں ویکھ ترندیاں بگاں آیا چاؤ ٭ ڈُب موئے بگ بپڑے سرتل اُپر پاؤ
۱۲۳۔ میں جانیاں ڈُہنس ہے تاں میں کیا سنگ ٭ جے جاناں بگ بپڑا جنم نہ بھیڑیں انگ

نانک۔ ۱۲۴۔ کیا ہنس کیا بگلا جاکوُں ندر دھرے ٭ جے تِس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے

فرید۔ ۱۲۹۔ اِک پھکا ناں گالاٹے سبھناں میں سچّا دھنی ٭ حیاؤ نہ کیہی ٹھاہ مانک سبھ اَمولویں

نانک۔ ۱۳۰۔ سبھناں من مانک ٹھاہن مُول مچانگواں ٭ جے تو پریا دی سِک حیا وِ نہ ٹھاہے کہیں دا

۲۲ - اپنی اس رائے کی تائید میں کہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے جو شلوک گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔ اُن میں سے کچھ شلوک جن میں نانک کا نام نہیں آتا اور جن کا مضمون جوابی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے - ضرور نانک - پہلے گورو - کے ہیں۔ ہم ذیل کی اطلاع پیش کرتے ہیں اور اس ثبوت کی طرف سکھ صاحبان کی توجہ بھی دلاتے ہیں ٭

گورو گرنتھ صاحب میں "سلوک واراں تے ودھیک" کے عنوان کے نیچے ذیل کے شلوک گورو نانک دیو کی تصنیف سے درج ہیں۔ یہی شلوک پھر "شلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہیں ٭

تن نہ تپاٹے تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال ٭ سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری سمال - ۱۸
سبھنیں گھٹیں سہہ وسے سہہ بن گھٹ نہ کوئے ٭ نانک تے سوہاگنی جِناں گورمکھ پرگٹ ہوئے - ۱۹

نمبر ۱۸ "سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۰ ہے اور فرید کے نمبر ۱۱۹ کے جواب میں سری اگ وار میں گورو نانک صاحب کے قلم سے مترشح یہ شلوک بتایا گیا ہے ٭۔

داتیں صاحب سندیاں کیا چلے تِس نال ٭ اِک جاگندے نال لہن اکناں سُتیاں دئے اٹھال

یہی شلوک "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے نمبر ۱۱۳ ہے - یعنی فرید کے نمبر ۱۱۲ کا جواب - اسی سری راگ وار میں گورو نانک دیو کا یہ شلوک ہے ٭۔

کیا ہنس کیا بگلا جاں کوُں ندر کرے ٭ جو تِس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے

"یہ سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۴ ہے - فرید کے نمبر ۱۲۳ کے جواب میں ٭

۲۳- جنم ساکھی منقول ۱۸۷۱ء میں شیخ ابراہیم اور گورونانک کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں منسلک اشعار پر ایک نظر پھر دوڑائی جاتی ہے (دیکھو نمبر ۱۳ اوپر) +

آپے پٹی قلم آپ، اپر لیکھ بھی توں ایکو کہیئے نانکا دُوجا کاہے کوں

یہ گوروگرنتھ صاحب میں ایک جگہ تحریر ہے۔ وار راگ ملار میں +

شیخ ابراہیم کا سوال" اک صاحب تے . . . . ردی" گوروگرنتھ صاحب میں کہیں درج نہیں نہ ہی نانک کے اس سوال کے جواب کا پہلا یا دوسرا حصّہ درج ہے +

ابراہیم کا دوسرا منظوم سوال یا بیان کبیر سے بھی منسوب ہے۔ گُوروگرنتھ صاحب میں یہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے۔ اور وہاں پر لفظ "فریدا" شروع میں ہے۔ یعنی یہ شعر شیخ فرید کا ہے نہ کہ شیخ ابراہیم کی تصنیف۔ نمبر اس کا ۱۰۲ ہے۔ مگر بخلاف جنم ساکھی کے، اس کا جواب نانک کی تصنیف نہیں۔ بلکہ تیسرے گورو امرداس صاحب کے قلم سے ہے اور الفاظ شلوک کے گوروگرنتھ صاحب میں جنم ساکھی کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ گوروگرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ۱۰۴ ہے۔ شلوک یوں ہے امرداس جی کا :-

کاہے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہریئے نانک گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت اس کریئے

چار کے بجائے دو ہی مصرعے ہیں +

شیخ ابراہیم کا کہا ہؤا تیسرا شلوک بھی گُوروگرنتھ صاحب کے مطابق فرید کا شلوک ہے۔ شروع میں فریدا ہے۔ وہاں اس کا نمبر ۴ ہے اور عبارت قدرے مختلف ہے جنم ساکھی سے :

فریدا تنڈ جیس کنت نہ راویو وڈی تھی مؤئیاسی دھن کوکیندی گور میں تیں سہہ ناں ملیاس

اس کا جواب نانک کی طرف سے "سلوک فرید" کے نیچے درج نہیں۔ بلکہ گوروگرنتھ صاحب میں راگ مارو کی وار میں تحریر ہے۔ جس کی عبارت یوں ہے :-

محل کچجی مڑوڑی کالی منوں کسُدھ جے گُن ہوون تا پر رسئے نانک اوگن مُندھ

جنم ساکھی اور گوروگرنتھ صاحب میں کوئی فرق نہیں +

شیخ ابراہیم کا کہا ہُوا چوتھا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں نمبر ۱۲۶ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے ذرا سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ :-

کون سُو اکھر کون گُن کون سو منیاں منت   کون سو ویسو ہوں کریں جت وس آوے کنت

مگر فرید کا نام اس میں نہیں - اس سے یقینی طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ کس کا شلوک ہے - اس کے جواب میں شلوک نمبر ۱۲۷ گورو گرنتھ صاحب میں اوپر کے شلوک کے بعد درج ہے - مگر اس میں نانک کا نام نہیں اور جنم ساکھی کے برخلاف چھ مصرعے نہیں - صرف دو ہی مصرعوں کا ایک شلوک ہے :-

نوِن سُو اکھر کھون گن جیبھا منیاں منت   اے ترے بھینڑیں بیس کر تاوس آوی کنت

۲۴- ہم نے اوپر دیکھا کہ گورو گرنتھ صاحب میں کس قدر احتیاط - تحقیق اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے " سلوک شیخ فرید کے" کے زیرِ عنوان جو جوابی شلوک سکھ گورو صاحبان کے درج ہوئے - انہیں گورو صاحبان کی بانی میں مختلف راگوں کے نیچے دوسری جگہوں پر گورو گرنتھ صاحب میں درج کر دیا تاکہ شک وشبہ کی گنجایش نہ رہے - مثال کے طور پر گورو ارجن دیو جی نے فرید کے شلوکوں کے جواب میں چند ایسے بھی شلوک کہے جن میں فرید سے خطاب تھا - یعنی شروع میں لفظ فریدا آتا تھا - اس سے یہ شک گذر سکتا تھا - کہ شاید یہ جوابی شلوک خود فرید ہی کے ہوں - گورو صاحب نے اپنے یہ جوابی شلوک فریدا لفظ والے ، اپنے کلام میں کسی دوسری جگہ درج کر دیئے - تاکہ پڑھنے والوں کو دھوکا نہ ہو - یہی برتاؤ کبیر کے جواب میں کہے اپنے شلوکوں سے گورو ارجن دیو نے کیا - ایسے شلوکوں سے جن میں کبیر سے خطاب کی وجہ سے لفظ کبیرا شروع میں رکھا تھا - مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ اغلب ہے - کہ پڑھنے والے اس شلوک کو کبیر کی اپنی تصنیف مان لیں ؀

بابا فرید کا ایک غضب کا مؤثر شلوک تھا :-

فریدا میں جانیا دُکھ مجھ کو دُکھ سبائے جگّ   اوچے چڑھ کے دیکھیا تا گھر گھر ایہا اگّ

اُس کے جواب میں گوروارجن دیو نے لکھا:۔

فریدا بھوم رنگاولی منجھ وِسُولا باگ

جو جن پیر نوا جیا تناں انچ نہ لاگ

'سلوک شیخ فرید کے' میں بھی اس شلوک کے پہلے محلہ ۵ لکھ دیا اور اس شلوک کو الگ
بھی رام کلی کی وار میں درج کر دیا۔ یہی حال نیچے کے شلوک سے کیا۔ جو فرید کے ایک دوسرے
شلوک کے جواب میں کہا تھا۔

گورُوارجن دیو:۔

فریدا عمر سُہاوڑی سنگ سوونڑی دیہہ   وِرلے کائی پائین جنہاں پیارے نیہہ

یہی بات گوروامر دیو کے جوابی شلوکوں کے متعلق گورو گرنتھ صاحب میں واضح کر دی گئی ہے
بابا فرید کا شلوک نمبر ۱۵ ہے۔ جس کے جواب میں گوروامرداس جی نے اشعار نمبر ۵۲ کہے۔
وہ جوابی اشعار "سلوک شیخ فرید" کے نیچے بھی درج ہیں۔ اور رام کلی کی وار میں بھی تحریر ہیں۔ گوروامرداس
جی کی دوسری بانی کے ساتھ۔

۲۵۔ اوپر کے ثبوتوں سے یہ واضح ہوا۔ کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج "شلوک شیخ فرید کے"
کسی مسلمان درویش فرید کے تھے۔ جو گورونانک دیو (۱۵۳۸ - ۱۴۶۹)۔ گوروامرداس (۱۵۷۴
۱۴۷۹)۔ اور گوروارجن دیو (۱۶۰۶ - ۱۵۶۳) کے زیر مطالعہ رہے۔ یہ شلوک نہ شیخ ابراہیم کے ہیں
نہ ہی فرید ثانی کے۔ جس کسی درویش کے ہیں وہ فرید ۱۴۶۹ سے پہلے گذر چکا تھا۔ پندرھویں صدی
یا اس سے پہلے کے ایک مسلمان فقیر کا ملتانی زبان کا کلام ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تحقیق۔ توجہ۔
اور تحسین کا مستحق ہے۔

۲۶۔ یہاں تک تو ہم نے شلوکوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں فرید کا اور کلام بھی ہے
جس کی طرف مسلمان محققوں کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں ہندی اور اُردو
زبانوں کے ارتقا اور تدریج اور تعمیر پر اس فرید کے کلام سے کافی سے زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے۔

فرید کی دوسری بانی تین راگوں کے نیچے گورُو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اب تک ہم شلوک ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ اس شلوک کو دوہا اور ساکھی بھی کہا گیا ہے۔ جیسے کبیر کے دوہے جنہیں خود کبیر ساکھیاں کہتا ہے۔ دوہے کے علاوہ ایک اور نظمی صورت ہے۔ جسے پادیا پد یا شبد یا شن پد کہتے آئے ہیں۔ اور جو شلوک کے ساتھ خاص و عام میں مقبول و منظور ہوئی۔ اس شبد کے اجزائے تعمیر ان نمونوں سے ہویدا ہوں گے *

راگ آسا۔ شبد نمبرا۔

(آسا راگ میں ملتانی کلام نہایت کثرت سے لکھا جاتا ہے۔ یہ راگ اس علاقہ سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ اور بیشتر اس راگ میں کہی ہوئی چیزوں میں ملتانی کا عنصر غالب ہے جیسا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج سکھ گوروؤں کے کلام سے ظاہر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ ہر ایک راگ کا جس طرح خاص خاص مضمون سے تعلق ہے۔ اسی طرح اس کا خاص تعلق خاص بولی، خاص علاقہ یا دیس، خاص وقت اور خاص عروضی صورت سے بھی ہے)*

آسا شیخ فرید جیو کی بانی

دلوں محبت جنہہ سیئی سچیا   جنہہ من ہور مکھ ہور سے کانڈھے کچیا (۱)

رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے   وسریا جنہہ نام تے بھوئے بھار تھئے (۱)

رہاؤ

آپ لیئے لڑ لائے در درویش سے   تنہہ دھن جنیندی ماؤ آئے سپھل سے (۲)

پروردگار اپار اگم بے انت توں   جنہاں پچھاتا سچ چُماں پیر موُں (۳)

تیری پنہ خدا لئے توں بخشندگی   شیخ فریدے خیر دیجے بندگی (۴)

آسا نمبر۲

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے   ایہہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے (۱)

آج ملاوا شیخ فریدٹا کم کونجڑیاں منوں مچندڑیاں (۱)

رہاؤ

جے جاناں مر جاییٔے گھم نہ آییٔے   جھوٹھی دنیا لگ نہ آپ ونجاییٔے (۲)

بولیٔے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولیٔے   جو گور دسے واٹ مریداں جولیٔے (۳)

چھیل لنگھندے پار گوری من دھیریا   کنچن ونّے پاسے کلوت چیریا (۴)

شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا   جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیس گیا (۵)

کتّک کونجاں چیت ڈو ساون بجلیاں   سیالے سوہندیاں پر گل باہڑیاں (۶)

چلّے چلّن ہار وچارا لیٔے منوں   گنڈھیندیاں چھ ماہ تڑندیاں ہِکّ کھنو (۷)

جمیں پچھّے اسمان فریدا کھیوٹ کِن گئے   جالن گوراں نال اُلامے جی سہے (۸)

(۲)

راگ سُوہی

(جو کچھ آسا راگ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کا اطلاق راگ سوہی پر بھی سمجھنا چاہیئے)

شبد نمبر ۳   راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروروں   باول ہوئی سو سہہ لوروں

تیں سہہ من میں کیا روس   مجھ اوگن سہہ ناہی دوس (۱)

تیں صاحب کی میں سار نہ جانی   جوبن کھوئے پاچھے پچھتانی (۱)

رہاؤ

کالی کوئل توں کِت گُن کالی   اپنے پریتم کے ہوں برہے جالی

پریں بہونی کِت سُکھ پایٔے   جا ہوئے کرپال تاں پربھو ملائے (۲)

وِدھن کھوہی مُندھ اکیلی   ناں کو ساتھی ناں کو بیلی

کر کرپا پربھ سادھ سنگ میلی   جاں پھر ویکھاں تاں میرا اللہ بیلی (۳)

واٹ ہماری کھری اُڈینی   کھنیوں تکھی بہت پئینی

اُس اوپر ہے مارگ میرا   شیخ فریدا پنتھ سمہار سویرا (۴)

(۱)

نمبر ۴ سُوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دُہیلا (۱)

ہتھ نہ لائے کسنبھڑے جل جاسی ڈھولا (۱)

رہاوُ

اِک آپی نے پتلی سہہ کیرے بولا دُودھا تھنیں نہ آوئی پھر ہوئے نہ میلا (۲)

کہے فرید سہیلیو سہہ الائسی ہنس چلسی ڈُمناں ایہ تن ڈھیری تھیسی (۳)

(۲)

۲۷۔ کیا یہ شیخ فرید جس کا کلام اوپر درج ہوا۔ اور جو گوُرو نانک سے پہلے ہو چکا تھا۔ شیخ بابا فریدالدین گنج شکر اجودھنی یاپٹنی ہے ؟

اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں کلام شیخ فرید مندرجہ گوُرو گرنتھ صاحب کے مضامین اور زبان دونوں پر غور کرنا ہوگا۔ اور اس بات کا جواب بھی دینا ہوگا کہ کیا فرید گنج شکر کے زمانہ سے پہلے یا اسی عصر میں کسی اور مصنف نے پنجابی (لاہوری۔ ملتانی وغیرہ) میں کوئی نظم و نثر تصنیف کی ؟ کیا شیخ فرید کا کلام 'ملتانی' ہے ؟ کیا اس کلام کی اندرونی مضمونی شہادت ایسی ہے ۔ جو فرید کے حالات، عادات، خیالات سے جو تذکروں میں درج ہیں۔ کوئی تطابق رکھتی ہے ؟ کیا گورونانک۔ گورو امرداس۔ گورو ارجن دیو کو بابا فرید گنج شکرؒ کے کچھ حالات معلوم تھے ؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ انہوں نے دوسرے نامور، معروف بھگتوں کے کلام کے جمع کرنے میں نہایت تحقیق اور تدقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ فریدالدّین ملقب بہ گنج شکرؒ المشہور بابا فرید یا شیخ فرید کے کلام کے جمع کرنے میں بھی اسی احتیاط اور تجسّس کو روا رکھا ہوگا؟ کیا گوُرونانک کو جو کہ ملتان اور پتن وغیرہ علاقوں میں کافی دیر تک سیاحت کرتے رہے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اُن اطراف میں فریدالدین گنج شکرؒ بابا فرید کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان شیخ بابا فرید کا کلام لوگوں کی زبانوں پر ہے ؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بابا نانک نے بابا فرید کا کچھ کلام فرید کے

جانشین یا خلیفہ ابراہیم سے حاصل کیا ہو؟

ہو سکتا ہے کہ کچھ کلام گورو امرداس نے بھی جو نانک سے دس ہی برس بعد تولد ہوئے۔ اور جنہوں نے بابا سے انتیس برس بعد رحلت فرمائی جمع کیا ہو؟ یا کچھ اشعار گورو ارجن دیو نے گورو گرنتھ صاحب کی تالیف و ترتیب کے وقت بہم پہنچائے ہوں؟

۲۸- پہلے ہم بابا فریدالدینؒ ملقب بہ گنج شکر کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کلام شیخ فرید کُل کا کُل درج کرینگے معہ اُردو ترجمہ کے۔ پھر مقابلہ کریں گے۔ کہ کیا یہ کلام بابا فریدِ گنج شکرؒ کا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کلام کی لسانی خصوصیات پر غور کریں گے۔ سارے کلام کا انڈکس تیار کریں گے۔ آخر میں فرید کے عہد سے پہلے کے مصنفین اور اس کے قریبی معاصر اور بعد میں آنے والے شعرا کا کچھ ذکر معہ مضمون و لسانی مقابلہ کے کریں گے۔

پرنسپل محمد شفیع صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ حالات بابا فرید کے لئے سیرالاولیا کو دوسرے تذکروں پر ترجیح دینی چاہیئے۔ یہ تذکرہ مولانا میر خورد خلیفہ حضرت سلطان المشائخؒ نے ۸۰۰ھ ۱۳۹۷ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرہ کے بیانات کی تائید و تردید کے لئے ہم تاریخ فرشتہ اور فواید الفواد (امیر حسن) سے مدد لے سکتے ہیں۔ "سیرالاولیاء" لالہ چرنجی لال جینی رئیس قدیم درگاہ حضرت نظام الدین اولیا واقع غیاث پور نے دہلی سے ۱۸۸۵ء میں شایع کی۔

سیرالاولیا سے ضروری فارسی عبارات اخذ کر کے نیچے دی جاتی ہیں:-

"شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین . . . جد بزرگوار شیخ قاضی شعیب باسہ پسر و اتباع و خیل در دیار لاہور تشریف آوردند در قصبہ قسور (قصور) نزول فرمودند۔ . . . بعدہٗ قضائے کھتوال کہ از ملتان نزدیک است بقاضی شعیب مفوض شد و آنجا سکونت کرد۔ حق تعالے از دودمان این بزرگ بادشاہے (فرید) را پیدا آورد۔ . . . منقول است کہ شیخ (فرید) از عنفوانِ جوانی کہ قوت کامرانی است بعبادت و محبتِ باری تعالیٰ مشغول گشت و ترکے بہ یک باری پیش گرفت واز خویش و پیوند جدا شد۔ چوں نیت صادق بود۔۔

ہم دریں حال شیخ بجہتِ تعلیم درملتان رفت .... شیخ در مسجدے فرود آمد . . .
قطب الدین بختیار از اوش درملتان رسیدہ . . . وخلاصۂ ایں سخن ایں مصراع است کہ
دریں باب برزبانِ سلطان المشائخ گذشتہ است مصرع بیرونِ درون بہ کہ درونِ بیروں *
شیخ (فرید) فرمود من ذمتے کہ درآں جامۂ پارہ داشتم دریں جامۂ نو نیافتم۔
بعد آنکہ بخلافت شیخ قطب الدین مخصوص شد وخلق ہجوم کرد و مطلوب ستر بود از شہر (دہلی)
درہانسی رفت۔ آنجا ساکن شد ومجاہدہ ومشغولی ظاہر و باطن مشغول گشت وخود را مستور
مے داشت ونمے خواست کہ ہیچ آفریدہ برحال او مطلع شود .... جامہاء شیخ شیوخ العالم
رنگیں و پارہ بود . . . چوں در ہانسی عظمت وکرامت شیخ خلق را روشن شد ازیں جا نیز
طرف کھتوال رفت کہ وطن قدیم آبا واجداد ایں بادشاہِ دیں بود ومدتے آنجا مشغول بود . . .
پس پشت نماز گاہ کھتوال مشغول مے باشد . . . شیخ جلال الدین تبریزی آں انار پارہ
کرد وخوردن گرفت۔ شیخ (فرید) صایم بود افطار نکرد . . . . از آنجا در اجودہن آمد کہ مقامے
مجہول بود۔ بروایتے شانزدہ سال وبروایتے بیست وچہار سال تا آخر عمر در اجودہن ماندہ
وآں مقام بوجود مبارکِ او قبلۂ ہندوستان وخراسان شد . . . در کھتوال کہ معاش کمتر
باشد ومقامے مجہول است ساکن گشت۔ چوں آں مقام از ملتان نزدیک است آنجا مستور
نماند۔ بارہا خواستے کہ از آنجا ہم برود در لاہور کہ خراب است وآبے رواں دارد سکونت سازد
فی الجملہ آخر عمر در اجودہن گذرانید۔ مقصود ازیں حکایت آں است کہ خود را مستور داشت۔
ودر اشتہار نکوشید۔ بارہا برزبانِ مبارک ایں بیت رفتے ؎ ہر کہ در بند نام وآوازہ است
خانۂ او برونِ دروازہ است . . . . درہانسی . . . درآں ایام شیخ (فرید) را روزہ داودی
بود . . . بخاطر شیخ علی گشت کہ چہ نیکو بودے کہ شیخ (فرید) را صوم دوام بودے . . . . .
شیخ (فرید) گفت آنچہ برخاطر خاصگانِ حق گذشت تکفل کردم . . . کار شیخ (فرید) دیگر بود
ترکِ خلق گرفت۔ ودشت وبیابان اختیار کرد۔ یعنی در اجودہن ساکن گشت۔ بنائِ درویشانہ

بچیزہاے کہ در آں دیار خبز وچوں پیلو و مانند آں قانع گشت . . . یعنی پیوستہ درباز بودے
وطعام ونعمت موجود۔ از کرم خدا۔ و آیندہ و روندہ را ازاں نصیب شدے . . . .
ظاہر و باطن یک روش داشت . . . . بیشتر افطارِ شیخ (فرید) بشربت بودے . . . بعدہٗ
پیش از نماز دو نان بروغن چرب کردے وبیاوردندے۔ آں دو نان کم از یک آثار بودے
یک نان پارہ کردے بحاضراں رسانیدے ویک نانِ دیگر خود خوردے۔ وازیں نان خاص
ہم کسے را کہ خاصے ہم نصیب کردے۔ بعد از اداے نماز شام مشغول شدے۔ بعد ازاں
مائدہ پیش او آوردندے وطعام از ہر لون بودے۔ چوں طعام خرچ شدے پیش طعام دیگر
نخوردے مگر باز بوقت افطار روز دیگر . . . یک شب بوقت استراحت . . . کھٹلے
جنگلی راست کردند۔ ہماں گلیم کہ برآں روز نشستے ہماں بالاے کھٹ انداختندے۔ چنانچہ
آں گلیم تا پایاں نمے رسید۔ آنجا کہ موضع پاے مبارک ایشاں بود شقہ آوردندے ونہادندے
کہ اگر آں شقہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے . . . ویک عصاے بود کہ از
قطب الدین یافتہ بود آں را مے آوردند وجانب سر آں کھٹ مے داشتند۔ شیخ (فرید)
بداں متکا کردے واستراحت فرمودے۔ وبداں دست فرود آوردے وتقبیل کردے
. . . شیخ (فرید) بیشتر نانِ زنبیل خوردے البتہ بوقت افطار یک دو پر کالہ نان زنبیل پیش بودے
. . . وقتے براے شیخ (فرید) خادم یک دانگ را نمک وام کرد۔ شیخ بنور باطن دریافت
فرمود دریں طعام بوئے تصرف مے آید . . . . روا نباشد کہ من ایں طعام بخورم
. . . چوں وقتِ افطار شد در خانہ خدمت شیخ چیزے موجود نبود کہ ازآں افطار شود
شیخ (فرید) را حرم بسیار بود۔ وقتے نیز حرم ایشاں بخدمت شیخ آمد وگفت خواجہ امروز فلاں
پسر از سبب گرسنگی در معرض ہلاکت شدہ است۔ شیخ سر از مشغولی برآوردند وفرمودند مسعود
بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق درآید واز جہاں سفر کند رسنے در پاے او بندی وبیروں بفگنی
وبیائی۔ بعدہٗ سلطان المشائخ فرمودند خواجہؒ کہ خوش خورد وخوش خسپد دعوے محبتِ خدا

کند دروغ گفتہ باشد ۞

شیخ (فرید) خواست کہ مجاہدہ پیش گیرد . . . سہ روز چیزے نخورد . . . سہ روز دیگر طے کرد . . . چوں وقت افطار شد ہیچ طعامے پیدا نشد ۔ تا یک پاس شب گذشت ضعف غالب تر شد ۔ دست مبارک جانب زمین فراز کرد و چند سنگ ریزہ کہ از زمین برداشت در دہان مبارک خود انداخت ۔ آں سنگ ریزہ از برکت دہن مبارک او شکر شد . . . باخویش گفت نباید کہ از غایت ضعف از طاعت باز مانم ۔ باز چند سنگریزہ بستد در دہن انداخت شکر شد . . . آنچہ از غیب برسد بداں افطار کنی . . . شیخ قطب الدین (شیخ فرید را) فرمود کہ ہلا برو چلہ معکوس بردار ۔ چلۂ معکوس آں باشد کہ چہل روز یا چہل شب ہائے خود بر رشتہ بندند و در چاہے سرنگوں خدائے تعالےٰ را عبادت کنند . . . شیخ (فرید) عزیمت چلہ معکوس مصمم فرمود لیکن بنوعے کہ ایں معنی مستور ماند ۔ بعدہٗ در طلبِ مقامے شد کہ آنجا مسجدے باشد ۔ و در وِن آں مسجد چاہے و نزدیک آں چاہ درختے کہ شاخ آں درخت بر سر آں چاہ رسیدہ باشد و در آں مسجد مؤذنے باشد متدین ۔ لایق صحبتِ درویشاں باشد و صاحب سر ایشاں ۞

. . . شیخ ایں چنیں مقامے . . . تفحص کردند . . . تا آنکہ در خطہ اُچہ رسید ۔ آنجا مسجدے یافت . . . مؤذنے کہ نام او خواجہ رشید الدین . . . بعدہٗ سرنگون خود را

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

شبلی فکرِ جدید سے کیونکر رُوشناس ہوئے؟

ایک مصنّف اور شاعر اپنے سفر زندگی میں جن جن واقعات وحالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان کا اثر اس کے لوح قلب پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ نقوش آہستہ آہستہ اس کے رجحان کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے میں ممد ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ اس کو محسوس کرتا ہے۔ پھر یہی حسیّات، ایک خاص ذہنی حالت۔ اور ایک خاص تصوّر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اگرچہ مولانا شبلیؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت پرانے طریقے پر ہوئی۔ لیکن خارجی واقعات اور معاشرتی ماحول ان کے تصورات اور رجحانات میں وقتاً فوقتاً بعض نمایاں انقلاب پیدا کرتے رہے جن کا سمجھنا اور اندازہ لگانا، ہمارے لئے نہائت ضروری ہے۔

شبلیؔ کی ابتدا یہ تھی۔ کہ انہیں دنیا میں وہابیوں کی تردید سے زیادہ کوئی مشغلہ دلچسپ نظر نہ آتا تھا۔ اسکا مقابلہ اس معراج کمال سے کیجئے جب یہی شبلی ہمارے سامنے ایک بلند پایہ محقق، ایک بے نظیر مؤرّخ اور ایک بے مثال ماہر علم کلام کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔

فضل وکمال کی یہ منزل کیونکر طے ہوئی؟ اس کا سراغ لگانے میں آج ہم بعض خارجی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے شبلی کے رجحان پر گہرا اثر ڈالا اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی بتائینگے کہ شبلی یورپ کے افکار سے کیونکر واقف ہوئے؟ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ شبلی شروع میں ایک متعصّب حنفی تھے اسکات المعتدی میں جو وہابیوں کی تردید میں ایک عربی رسالہ ہے۔ وہی پرانا زاویہ نگاہ نظر آتا ہے۔ مولانا کی ایک قدیم اُردو تحریر امام کے پیچھے نماز باجماعت میں فاتحہ نہ پڑھنے کے مسئلہ پر موجود ہے۔ جس میں سادگی اور برجستگی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ ان جذبات ہی کو اُصولِ دین سمجھنے والا شبلیؔ کسی دن ہندوستان کا

بہترین مصلحِ ادب اور نقادِ اسلامیات بنے گا ؛

ہندوستان اور مسلمانانِ ہندوستان جس دَور سے گذر رہے تھے - اس کا ان اوراق میں بار بار اعادہ ہو چکا ہے - اُن پر سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ذہنی اور علمی انحطاط بھی غالب تھا - تقلید اور اشخاص پرستی مسلمانوں پر اس درجہ مستولی تھی - کہ اس سے سر مُو انحراف کرنے والا ایک جنبشِ قلم دین سے خارج ہو سکتا تھا - غرض مسلمانوں کی علمی ضمیر بے حد مضطرب تھی اور ان کا سیاسی شعور نہایت ناپختہ - ان دنوں اسلام کی تاریخ، روایات اور کلچر پر دو طرف سے حملے ہو رہے تھے ادھر مسیحی مبلغین مناظرانہ رنگ میں اسلامی تعلیم کا تجزیہ اور تخریب کر رہے تھے - اُدھر یورپ میں مستشرقین کی نوزائیدہ جماعت، جدید اصول تنقید کے مطابق اسلام اور اس کے تمدن پر حملے کر رہی تھی - سرسید احمد خان مرحوم سب سے پہلے اس معاملے میں مدافعت کے لئے سینہ سپر ہوئے - انہوں نے ہی سب سے پہلے اس چیز کی طرف توجہ کی - کہ یورپ کے حملوں کا جواب یورپ ہی کے طریقہ پر ہونا چاہیئے اور اسلام اور علوم اسلام کی حفاظت کے لئے مغربی اصول سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے - سید صاحب نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو جو رواج دیا - اس سے علاوہ سیاسی اور مقامی اغراض کے ایک غرض یہ بھی تھی - کہ مسلمان یورپ کے دلائل سے باخبر ہوں اور پھر ان ہی دلائل سے یورپ کا مقابلہ کریں - چنانچہ خود انہوں نے خطباتِ احمدیہ کو مرتب کیا اور اپنے معاصرین کے لئے ایک شاہراہِ عمل تجویز کر دی ؛

لیکن افسوس کہ سید صاحب علوم اسلامیہ سے کماحقہ، واقف نہ تھے - وہ اس مدافعانہ جنگ میں مغرب اور مغرب کے اصول کی طرف زیادہ مائل ہو گئے - ان کا ماحول اسلامی نہ تھا - وہ جب منقولات سے جواب پیدا نہ کر سکتے تھے - تو مغربی طرز کا اجتہاد کر لیتے تھے - ان کے ترکش کے اکثر تیر مغربی زہر میں بجھے ہوئے تھے - جن کا اثر

بعض اوقات خود نیز انداز پذیر ہو جاتا تھا۔ پھر انگریزی تعلیم کا اثر جسقدر زیادہ پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر شکوک و اوہام دین کے متعلق زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ سید صاحب نے آزادی اور عدم تقلید کا جو سبق سکھایا۔ اس سے نوجوان طبقہ میں لا ادریت اور دہریت پھیلنے لگی۔ جس کے آثار خود سید صاحب نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔

کارکنانِ قضا و قدر کو یہ منظور ہوا کہ ہندوں کا ایک طالب علم شبلی جو ابھی ابھی کنز اور قدوری کی بھول بھلیاں میں مبتلا تھا۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے اور بیک وقت دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ اِدھر علما میں آزادی کی سپرٹ پیدا کرے اور اُدھر یورپ کے سیلاب کا مقابلہ کرے۔

۱۸۸۲ء میں ہمارا نوعمر مولوی اپنے بھائی محمد مہدی کو کالج میں داخل کرانے کے لئے علیگڈھ گیا۔ وہاں سر سید احمد خان سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں کی فطرت کو ایک دوسرے کی پیاس تھی۔ سید صاحب نے مولانا کو کالج کی پروفیسری پیش کی جو قبول کر لی گئی۔ شبلی کی زندگی میں اس واقعہ سے ایک اہم انقلاب آیا۔ اگر خدانخواستہ سید صاحب کالج کی پروفیسری نہ پیش کرتے۔ یا شبلی اس کو قبول نہ کرتے۔ تو آج دنیا شبلی کو اس حیثیت سے نہ جانتی اور وہ بیش بہا تصنیفات بھی موجود نہ ہوتیں جو آج ہمارے علم و ادب کی رونق ہیں۔

اگرچہ شبلی کی طبیعت میں علمی مذاق قدرت کا عطیہ تھا جس کی ابتدائی تربیت انہوں نے پہلے تو ان نامی گرامی اساتذہ کے زیر سایہ کی اور پھر اعظم گڑھ کے "فیاض کتاب فروش" کی دکان کے ایک گوشہ میں اس کو اور جلا ملی۔ تاہم جب وہ دار العلوم میں پہنچے تو وہاں انہیں ہر طرف ایک نئی دنیا نظر آئی۔ اِدھر نوجوانان کالج تھے۔ جو نئے نئے ولولے لے کر میدان میں آئے ہوئے تھے۔ اور جن کی زبان پر سید صاحب کی تلقین کی بدولت "قوم قوم" کے الفاظ بطور ورد جاری تھے۔ اُن کی پُرجوش

گفتگوئیں، ان کے بلند ارادے، ان کے جذبات وحسیات سب کے سب زندہ دل اور بیدار دماغ شبلی کو نڑپانے کے لئے کافی تھے ؛

اس ساز وسامان اور رونق بزم سے کہیں زیادہ میر مجلس کی عظمت اور اسکی بینظیر ہمت اور جوش، جو اپنے خلوص کی وجہ سے مُردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا رہی تھی ان کے خطبات، ان کا علوم اسلامیہ کو از سر نو زندہ کرنے کا خیال، بیرونی حملوں کا تسلی بخش جواب دینے کی زبردست خواہش، نازک احساس شبلی کے سوز وساز میں کیوں اضافہ نہ کرتیں ؛

سید صاحب کا کتب خانہ مشرق ومغرب کی بہترین اور منتخب کتابوں کا مجموعہ تھا۔ شبلی کے علمی ذوق وشوق کو پورا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں" میں جس حالت میں ہوں۔ اچھا ہوں۔ سید صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت مجھے عام اجازت دے رکھی ہے۔ اور اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے[1]"۔ پھر فرماتے ہیں" سید صاحب کے پاس تاریخ اور جغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں۔ جن کو حقیقت میں ہیں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے[2]" ؛

یہیں انہوں نے ۱۸ ویں صدی کے نامور مؤرخ گبن کی شہرۂ آفاق کتاب کا مطالعہ کیا۔ جس کے اثرات کا ہم آئندہ صفحات میں پتہ چلائیں گے ؛

شبلی اس کتب خانہ کی الماریوں کے پاس گھنٹوں کھڑے مطالعہ کرتے اور جب تھک جاتے تو وہیں بیٹھ جاتے ؛

سید صاحب کے دائرۂ علمیہ میں ایک افرنگی بزرگ بھی تھے۔ جن کو دنیا آرنلڈ کے نام سے جانتی ہے۔ لیکن ہم ان کو مصنف "پریچنگ اف اسلام"، شبلی کے فرنچ

---

[1] مکاتیب، جلد ۱۔ ص ۶۰ [2] ایضاً۔ ص ۶۰ ؛

کے استاذ اور سفر روم و شام میں جہاز کے ہم سفر کے طور پر جانتے ہیں۔ کالج کا یہ دور بھی ایک مبارک دور تھا۔ جس میں مذاکرۂ علمی کے لیئے ان بزرگوں کا عجیب و غریب اجتماع اتفاقات زمانہ نے قایم کر دیا تھا۔

اسی زمانے میں آرنلڈ نے اپنی کتاب "پریچنگ اوف اسلام" لکھی۔ جس کے سلسلے میں شبلی سے استفادہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کا عام رجحان وہی ہے۔ جو علیگڈھ کا اور اس عہد کا مسلّم رجحان ہے۔ یعنی یہ کہ مذہب کی عام مقبولیت اور اس کی اعلےٰ تعلیم ہی اس کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ اسلام دنیا میں بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کی اصولی سادگی اور فطری پاکیزگی اس کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ کتاب کے وسیع مضامین کو دیکھ کر جن میں تاریخی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں مدرسۃ العلوم کے پروفیسر شبلی کا کتنا حصہ ہوگا۔ اس کے برعکس شبلی کی کتابوں میں جہاد کی تعلیم کے متعلق جو دھیما رجحان پایا جاتا ہے۔ اسکو "پریچنگ" کے اصول سے کس قدر مطابقت ہے۔ شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ۔ اور آرنلڈ نے شبلی سے عربی زبان سیکھی۔

سفرنامہ کی سطور میں شبلی نے آرنلڈ کے ساتھ اپنے پُر محبت تعلقات کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے اس اثر کا پتہ چلانا مشکل نہیں۔ جو صاحب موصوف نے ہمارے مؤرخ پر ڈالا ہوگا۔

بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی ایک پختہ خیال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ شبلی یورپ کے اثرات سے بالکل آزاد تھے۔ یہ لوگ غالبًا اس کوشش سے یہ مقصد رکھتے ہیں۔ کہ اس طریق سے شبلی کے اجتہاد اور مذہبی رتبہ کو ثابت کریں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ خیال بہت حد تک غلط ہے۔ انسان خارجی اثرات کی مخلوق ہے یہی اثرات جو بتقاضائے مشیّت ایزدی اشخاص و افراد سے دوچار ہوتے ہیں۔ زندگی

سکے سارے رجحان اور غایت کو تبدیل کرتے ہیں۔ شبلیؔ کے متعلق بھی یہی ہؤا۔ اور اگر شبلیؔ ان اثرات سے متأثر نہ ہوتے تو ممکن ہے کہ آج یہ سطور لکھنے کی نوبت نہ آتی ؛

آئندہ صفحات میں ہم ان مغربی اثرات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے۔ کہ شبلیؔ کی زندگی پر علاوہ ملک کے سیاسی ماحول اور مسلمانوں کے انحطاط کے سب سے زیادہ اثر مغربؔ کا پڑا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ شبلیؔ نے ان اثرات کو، اپنی اسلامی طبیعت اور اسلامی روایات سے کس طرح تطبیق دی۔ لیکن شروع سے لے کر آخر تک شبلیؔ نے مغربی رجحان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا ڈاکٹر لاٹنر کی کتاب "سنین اسلام" نے شبلیؔ کے[1] ایک خفیف سی راہ عمل پیدا کی اور پہلے پہل مغربی طرز کی ایک تالیف کا دلدادہ بنایا ؛

خطباتِ احمدیہ نے یہ بتایا۔ کہ یہی فرض موجودہ وقت کا اہم ترین فرض ہے۔ سیّد صاحب نے شبلیؔ میں مغربی اثرات کو قبول کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیّت پیدا کر دی۔ یوروپ کی خدمت علم اور علوم اسلامیہ کی قدر دانی اور نادر کتابوں کی اشاعت نے تعصّب کو دُور کر دیا اور شبلیؔ کے قلب میں "مشرق و مغرب کے امتزاج" کی خواہش بیدار ہوگئی۔ چنانچہ شبلیؔ کا تمام سرمایۂ تصنیف اسی ایک خواہش کا مظہر ہے ؛

بہر حال کالج کے سارے زمانۂ قیام میں شبلیؔ مغربی اثرات کے اندر کھیلتے رہے اور ان کی مشرقی فطرت اس قوت کو اپنے سانچے میں ڈھالتی رہی۔ چنانچہ اسی کے نقوش، صبح امید (۱۸۸۴)۔ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۱۸۸۷)۔ رسائل اور المامون وغیرہ میں صاف طور پر نمایاں ہیں۔ جیساکہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے ؛

۱۸۹۲ء میں شبلیؔ نے الفاروق کے لئے ذخیرۂ معلومات جمع کرنے اور بعض نادر کتب کا پتہ چلانے کے لئے روم، مصر اور شام کا سفر اختیار کیا۔ یہی خیال تھا جس نے

---

[1] سفرنامہ ص ۱ ؛

اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا۔ کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے۔ اُن سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے"۔ لیکن اس سیر و سیاحت کے دوران میں شبلی کی زیادہ تر توجہ ان ممالک کے علمی، تمدنی اور کلچرل حالات کے مطالعہ کی طرف مبذول رہی۔ ان امور کے متعلق شبلی نے جگہ جگہ پھر کر مختلف "پرابلم" پر غور کیا۔ اور اکثر چیزوں کے اسباب و علل کے دریافت کرنے کی کوشش کی ؎

یہ عجیب بات ہے۔ کہ ان اسلامی سلطنتوں کی سیاحت کے دوران میں اور اس کے بعد شبلی کے تصوّرات مختلف مسائل کے متعلق تقریباً وہی رہے۔ بلکہ جو نقوش اور جو آب و رنگ پہلے ذرا ہلکا تھا۔ اب تیز تر ہو گیا۔ یعنی ہندوستان میں قوم کی بےبسی کا جو احساس ستا رہا تھا۔ اس نے ترکی اور روم اور شام میں پہنچ کر اور بھی مجروح کر دیا شبلی نے محسوس کیا۔" کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے۔ تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے" ؎

ہندوستان میں شبلی جس امتزاج جدید و قدیم کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل تھے مصر اور روم و شام میں پہنچ کر اس مقصد کے حل کرنے کے مسائل پر بخوبی غور ہوتا رہا۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت ہندوستان میں تھی۔ وہاں بھی جدید جماعت کو اسی مرض کا شکار پایا۔ پرانی تعلیم میں جو کمزوریاں یہاں نظر آتی تھیں۔ ان کی حالت وہاں بھی کسی طرح بہتر نہ تھی۔ شبلی یہ محسوس کرتے تھے۔ کہ" وہاں پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے۔ اور دونوں سے مل کر کوئی مرکّب مزاج پیدا نہیں ہوا"؎

؎ سفرنامہ۔ ص ۸ ؎

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں تمام اسلامی ممالک میں سیاسی اور ملی زندگی میں ایک انقلاب یکساں طور پر برپا تھا۔ اور اس انقلاب کے اسباب ہر جگہ تقریباً ایک ہی تھے۔ یعنی سلطنت کے فرق کے علاوہ تمام ملکوں میں قدیم و جدید کے درمیان اثرات مغرب کے ماتحت ایک کشمکش برپا تھی۔ اور ملک و قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو قلب ماہیت کیا کرتی ہے۔ ان تمام مشاہدات کا خلاصہ صرف اس قدر ہے۔ کہ شبلی کے دماغ نے ہندوستان میں جو صالح مغربی اثرات قبول کئے تھے انکا رنگ سفر میں زیادہ گہرا ہو گیا۔ اور ان کا جو حصہ غیر معتدل تھا اور جس کے خلاف شبلی کی ضمیر میں ایک ہیجان یہاں پیدا ہو چکا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت نے اس خفیف ہیجان کو ایک باقاعدہ اور زبردست "احتجاج" کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ یہ مغربی سیر و سیاحت بھی دراصل شبلی پر خارجی اثرات پڑنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے ۔

مصر ایک عرصہ سے اسلامی دنیا میں دماغ کا درجہ رکھتا ہے۔ علی الخصوص اس زمانے سے جب کہ نپولین اعظم کی کشور کشائیوں نے مصر کو بھی فتح کئے بغیر نہ چھوڑا۔ یہی دَور تھا۔ جبکہ یہ ملک پہلی دفعہ مغربی اثرات سے روشناس ہؤا۔ مصر جدید کے بانی محمد علی پاشا نے تمام سوسائٹی کی بنیاد نئے اصولوں پر رکھنے کی جوان تھک کوششیں کی ہیں۔ ان کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔ اس کے بعد وہاں کے علما و فضلا نے علوم و فنون کے اندر نئی روح پھونکنے کے لئے شبانہ روز محنتیں کیں۔ پریس کی آزادی اور علوم کے نظریہ ہائے جدید نے مصر کو اسلامی دنیا میں اثر و تاثیر کا ایک نہایت ہی خوشگوار سرچشمہ بنا دیا اور باوجودیکہ جامعہ ازہر ابھی تک قدیم نظام تعلیم کے ساتھ وفادارانہ وابستگی رکھتا تھا۔ ملک میں "مغرب پسند" علما کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ جس کی کوششوں کے طفیل انگریزی لٹریچر کا ایک منتخب سرمایہ عربی زبان

میں منتقل ہوچکا تھا۔ اور بہت سی" اورینٹل تصانیف" بھی شایع ہوکر اکناف و اطراف ملک میں پھیل چکی تھیں ؎

ہندوستان بھی مصر کے اس اثر سے محفوظ نہ تھا۔ اور سیاسی حالات نے مصری اور ہندوستانی مسلمانوں کے تعلقات کو اور بھی مضبوط بنا رکھا تھا پس شبلی ان اثرات سے کیسے بچ سکتے تھے ؎

مصر سے جو لٹریچر شایع ہوتا تھا۔ شبلی اس کو منگوایا کرتے تھے۔ وہاں کی تعلیمی اور علمی تحریکوں کی رفتار کا بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "نصاب تعلیم میں برسوں غور کرچکا ہوں۔ مصر کی اصلاحات کو دیکھتا رہتا ہوں۔ وہاں سے جدید کتابیں جواب تک کسی کے پاس نہیں پہنچیں۔ ان کو منگوایا گیا ہے[1]" وہاں کے علماء سے خط و کتابت برابر جاری رکھتے تھے۔ سید رشید رضا مصری جو المنار کے ایڈیٹر تھے۔ شبلی کی دعوت پر ندوہ میں تشریف لائے۔ ایک علمی بحث و مباحثہ کے وجہ سے خود مصر بھی مولانا کی ذات سے بخوبی روشناس ہوچکا تھا۔ مصر کے مشہور مورخ جرجی زیدان نے اپنی کتاب" تمدن اسلام کی تاریخ" میں شبلی کی علمی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ اور تصانیف شبلی سے حوالے نقل کئے ہیں۔ اس تصنیف پر شبلی نے ایک تنقید عربی زبان میں لکھی تھی جو المنار میں شایع ہوئی ؎

ان تفاصیل سے ہمیں صرف اس قدر غرض ہے۔ کہ شبلی کی ذہنی تربیت میں مصر کا کچھ کم حصہ نہیں۔ اور درحقیقت مصر بھی" مغربی اصول علمی" سے شبلی کی واقفیت کا ایک واسطہ تھا۔ انگریزی کی بہت سی کتابیں جو شاید شبلی کے مطالعہ میں نہ آسکتیں۔ عربی کے توسط سے ہندوستان پہنچیں۔ اور شبلی نے ان کے مطالب سے استفادہ کیا۔ کارلائل کی کتاب" ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" عربی لباس میں ہی شبلی کے پاس آئی

---

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۵۲ ؎

جنہوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "کارلائل کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اچھا ترجمہ کیا ہے۔ میرے کام کی چیز ہے[1]۔" یہ کیونکر شبلی کے کام کی چیز تھی۔ آئندہ سطور میں اس کے اثرات کا ہم ذکر کرینگے ؛

مصر میں ایلیڈ کا ترجمہ ہوتا ہے۔ شبلی کی نظر سے گذرتا ہے۔ فرید وجدی اسلام کے ثبوت اور فلسفہ حال کی تطبیق پر مصر سے ایک پرچہ نکالتے ہیں۔ شبلی اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں " ماہوار نکلتا ہے۔ زور کا پرچہ ہے اور واقعی عمدہ ہے۔ ایڈیٹر فرنچ اور جرمن زبان کا ماہر ہے[2]۔"

ان تعلقات نے شبلی کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ مختصراً یہ کہ یورپ کے ماخذ زیادہ آسانی کے ساتھ شبلی کی نظر سے گذرے۔ اور انہوں نے ذاتی مطالعہ سے یورپ کے اصول علمی کے متعلق رائے قائم کی[1]۔ علمی زاویہ نگاہ میں ناقدانہ بصیرت پیدا ہوئی۔ جو وسعتِ مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جو علمی ماحول کی تنگی سے یقیناً محدود ہو جاتی[2]۔ شبلی کے " رجحان معقولیت " کو ترقی ہوئی[3]۔ شبلی کی سیاسی حسیات جو ان کی اکثر تصانیف کی جان ہیں۔ زیادہ بیدار ہوئیں اور بین الاقوامی اسلامیت کا جذبہ جو حیات شبلی کے دورِ آخر میں ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بہت نشو و نما پا چکا تھا۔ زیادہ مشتعل ہوا ؛

شبلی کے شاگردوں اور دوستوں کی ایک بہت بڑی جماعت انگریزی تعلیم سے بہرہ ور تھی۔ ان کے اپنے خاندان میں انگریزی تعلیم کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ان کے حقیقی بھائی مہدی اور جنید وکیل تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی مولانا حمید الدین مشرقی اور مغربی تعلیم کے جامع تھے۔ پھر دوستوں میں شیخ عبد القادر ایم۔ اے (الفنسٹن کالج بمبئی)۔ ایم مہدی حسن (مصنف افادات)۔ سید نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) اور عطیہ فیضی۔ شاگردوں میں سید سلیمان اور مولانا عبد الماجد وغیرہ سب انگریزی سے واقف

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۲۱۱ [2] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۴۹ ؛

تھے۔ شبلؔی کی زندگی کی یہ ایک عجیب و غریب خصوصیّت ہے۔ کہ اس کا اکثر و بیشتر حصّہ علمی افادہ و استفادہ، اور شاگردوں کی تربیت میں گذرا۔ مولاؔنا نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے علمی مذاق کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا۔ اس کا مختصر سا خاکہ ہمکو مکاتیب سے مل سکتا ہے،

اس سلسلے میں سب سے پُرلطف بات یہ ہے۔ کہ شبلی اپنی تصانیف کی ترتیب و تحریر کے دوران میں اپنے ان انگریزی دان دوستوں اور شاگردوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ عربؔی اور اُردو ترجموں کے ذریعے جن مغربی تصانیف تک پہنچنا مشکل تھا ان کے مطالب اور معانی ان لوگوں کے ذریعے معلوم کئے۔ کسی کو لکھا" فارسی شاعری میں تخیل کی چند مثال حسب خیالات یورپ لکھ بھیجو"۔ مولانا حمیدالدین کو شکایت کے لہجے میں لکھتے ہیں" کاش حکمائے یورپ کے خیالات سے واقف کرتے"۔ عبدالماجد سے میؔور۔ ولہاوزؔن۔ نولدکؔی اور فارسؔٹر کی کتابوں اور تحقیقات کا خلاصہ مانگتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر کو لکھتے ہیں"۔ رزمیہ یا اخلاقی شاعری پر انگریزی کا نمونہ چاہتا ہوں"۔

غرض قدم قدم پر اپنی اس نوتربیت یافتہ جماعت سے یورؔپ کی کتابوں کے سلسلے میں فائدہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو یہ مقصد تھا۔ کہ یہ لوگ بھی اسی ذوق سے متصف ہو جائیں۔ جو اُن کا اپنا خاصہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ان کی توجہ کسی وقت یورؔپ کے اثرات سے غافل نہ رہے۔ جن کے سلسلے میں انہوں نے مدت سے" خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل کر رکھا تھا۔ اس انہماک کے پیش نظر، ہمارے مصنف اور مؤرخ کی بیدار مغزی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ جس نے تصنیف و تالیف پر قلم اٹھانے سے پہلے، ہر مسئلہ و مضمون کے متعلق مشرق اور مغرب کے بنیادی اصول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ہر مسئلہ کے متعلق ایک نقادانہ رائے قائم کی۔

سید محمد عبد اللہ

تبصرہ و تنقید

۱۔ ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء

(سنہ ۴۲۱ھ تا سنہ ۶۷۹ھ)

(از ڈاکٹر اقبال حسین صاحب ایم اے پی ۔ ایل پی ایچ ڈی فارسی لکچرر پٹنہ کالج)

یہ مسرت کا مقام ہے ۔ کہ ہندوستان کے قدیم شعرای فارسی کے متعلق تحقیقات کا شوق ملک میں پیدا ہونے لگا ہے اور زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے سند یافتہ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے لگے ہیں ۔ ڈاکٹر وحید مرزا عربی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے حضرت امیر خسرو کی حیات و مصنفات پر ایک عالمانہ تبصرہ بزبان انگریزی تالیف کیا ۔ جس کو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے مصارف سے طبع کیا ۔ سید یوشع جونیر لکچرر فارسی مدراس یونیورسٹی نے فتوح السلاطین تالیف سنہ ۷۵۰ھ کا دیباچہ بنام عصامی نامہ حال ہی میں شائع کیا ہے ۔ اب ڈاکٹر اقبال حسین ایم ۔ اے ، بی ۔ ایل ، پی ایچ ۔ ڈی ، فارسی لکچرر پٹنہ کالج نے امیر خسرو کے پیشروؤں پر ایک انگریزی مقالہ سپرد قلم کیا ہے ۔ جو مع دیباچہ و انڈکس وغیرہ چھوٹی تقطیع کے دو سو چونتیس صفحات پر شامل ہے اور اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے ۔ اس رسالہ کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مقالہ ہذا ہمارے ملک کے مشہور استاد ڈاکٹر عظیم الدین کی رہبری اور سر ڈینی سن راس اور ڈاکٹر ہادی حسن کے قیمتی مشوروں کے ساتھ طیار ہوا ہے ۔ پٹنہ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے واسطے پیش کیا گیا اور منظور ہوا اور اسی یونیورسٹی نے اسے طبع کیا ۔ قدیم شعرائے ہند پر قلم اٹھانا کوہ کندن و کاہ بر آوردن کا مترادف ہے اور ڈاکٹر اقبال حسین اس سنگلاخ اور

بنجر زمین میں اپنی تیشہ زنی اور جگر کاوی پر مستحق مبارکباد ہیں ۔

یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ خالص مشرقی موضوعات پر بھی ہمارے نونہال ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ناروا اور غیر مفید ضوابط کی بنا پر انگریزی زبان میں اپنے مقالے لکھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں جن سے ملکی زبانوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی ۔ ہمیں رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے ۔ جب ہم مقالہ نگار کو سلطان شمس الدین التمش کے پورے نام "السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التمش" کے ترجمہ کے ساتھ بعبارت ذیل کشمکش میں مصروف پاتے ہیں :۔

"The mighty sultan, sun of the Empire and the Faith, Conquest laden Iltutmish."

اگر ڈاکٹر صاحب نے "ابو المظفر" کا ترجمہ 'کانکوئسٹ لیڈن' (فتح سے لدا) کر دیا تو اس میں ڈاکٹر صاحب کا کیا قصور ہے ۔ قصور ان ضوابط کا ہے ۔ جو ہمیں انگریزی لکھنے اور پھر متعارف انگریزی لکھنے پر مجبور کرتے ہیں ۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ۔

مقالۂ ہذا میں چھ شاعروں ابو عبداللہ النکتی ۔ ابو الفرج رونی ۔ مسعود سعد سلمان ۔ تاج الدین ریزہ ۔ شہاب مہرہ ۔ اور عمید سنامی کا مذکور ہے اور جس قدر ذرائع معلومات ان شعرا کے لئے میسّر ہیں ۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے ۔ اور سارے مواد کو ایک خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے ۔ اہل پنجاب کے لئے شاید یہ اطلاع موجب اطمینان ہو کہ ڈاکٹر صاحب کی فہرست کے ان چھ شعرا میں سے چار پنجاب سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ یعنے ابو عبداللہ النکتی ۔ ابو الفرج رونی ۔ مسعود سعد سلمان ۔ عمید سنامی ۔

ڈاکٹر صاحب نے شاید ہندوستان زائی کی شرط قائم کر کے اس عہد کے دیگر شعرا کو اپنی فہرست سے خارج کر دیا ہے ۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب جو بقول عوفی "احرار خطۂ لوہور (لاہور)" سے تعلق رکھتا ہے اور مولانا سراج منہاج لوہوری المولد

کا ادخال تو ان کی فہرست میں ضروری تھا۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ ایسے بیرونی شعرا جنکی شاعری ہندوستان کی سرزمین میں پرورش اور نشو ونما پاتی ہے۔ ہندی نژاد شعرا کے ساتھ ساتھ ہندیت کے استحقاق میں دوش بدوش ہیں۔ اگر قطب الدین ایبک۔ التمش۔ بلبن اور بابر کا شمار سلاطین ہند میں ہو سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وطنیت کے تنگ خیال کی بنا پر ان شعر گویوں کو ہندی شاعروں کے طبقے سے خارج رکھا جائے۔ اسی خیال نے شاید انہیں ملتان کے تمام شعراء کو جو ناصر الدین قباچہ کے دربار سے متعلق تھے (مثلاً شمس الدین محمد کاتب بلخی۔ فضلی۔ ضیاء الدین سجزی وغیرہم) اپنی فہرست میں شامل کرنے سے باز رکھا ہے۔ قباچہ کو علم و فضل و شعر و سخن سے خاص دلبستگی تھی۔ اور اس کے دربار میں اچھے اچھے فضلا و شعرا جمع تھے۔ اور اس کثرت سے تھے۔ کہ مجد الدولہ سید الافاضل نے ایک علیحدہ تذکرہ ان کے ذکر میں تالیف کیا تھا اور نمونہ کلام بھی کثرت سے دیا تھا ؛

جس قدر شعرا ڈاکٹر صاحب نے لئے ان کے تعلق میں بھی تمام مباحث کے ساتھ کافی داد نہیں دی گئی۔ ابوالفرج کے دیوان کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا تو اس عہد کے سیاسی و تاریخی و دیگر مسائل پر نئی روشنی پڑتی۔ وہ افغانوں اور جاٹوں (جبنت) کو مشرک لکھ رہا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ افغان اور جاٹ اس وقت تک من حیث القوم مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے ہاں سب سے پہلے دہلی۔ میرٹھ (میرت)، اور بدایوں (بداوون) کا ذکر آتا ہے ؛

ابوالفرج کے باپ کا نام مسعود ہے۔ مگر یہ کونسا مسعود ہے۔ ایک مسعود رازی ہے جسے سلطان مسعود شہید نے اس جرم میں کہ اس نے سلجوقیوں کی بڑھتی طاقت کے توڑنے کا ایک قصیدہ میں مخلصانہ مشورہ دیا تھا ؎

مخالفان تو موران بدند مار شدند برآر زود ز موران مار گشتہ دمار

جو مسعود کو برا معلوم ہوا۔ ہندوستان میں جلا وطن کر دیا۔ بعد میں ایک قصیدہ کی بنا پر

سنہ ۴۳۱ھ میں اگرچہ قصور معاف کر دیا اور تنخواہ جہلم (جیلم) کے معاملہ پر مقرر کر دی۔ مگر حکم دیا کہ ہندوستان ہی میں رہے اور غزنی نہ آنے پائے۔ ادھر خود ابوالفرج اپنے باپ کو مسعودی کے کے نام سے یاد کرتا ہے اور امیر سیف الدولہ محمود سے اپنے نام پر اس کی تنخواہ کی بحالی کا مستدعی ہے۔ چنانچہ

کز وجوہی کہ داشت مسعودی کند آنرا ملک بدان تمکین

ص ۲۵ پر سیف الدولہ محمود کے ایک جشن کے سلسلہ میں مسعود سعد سلمان کے دیوان سے ایک تاریخ دے کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ابوالفرج نے اس کی تاریخ نہیں دی۔ مگر ابوالفرج نے جو ایک تاریخ دی تھی ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی نظر التفات نہیں ڈالی وھو ہٰذا :—

خسروا بندہ را بلو ہاور در مدیح تو شعرہاست متین

ہر یکی کردہ راوی انشاد در سنہ اربع سنہ و ستین

آخری لفظ کی قرأت میں اختلاف ہے سبعین اور تسعین بھی قلمی نسخوں میں ملتا ہے۔ جس میں تسعین تو صریحاً غلط ہے۔ سنہ کی جگہ 'مایہ' بھی ملتا ہے۔ جس سے مراد ۴۷۰ھ یا ۴۶۶ھ ہو سکتا ہے ؛

بعض موقعوں پر غیر ضروری مباحث داخل کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۵، ۲۷ و ۲۸ پر سلطان ابراہیم غزنوی کے جلوس و وفات کے سنین کے تعلق میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم سنہ ۴۵۰ھ یا سنہ ۴۵۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس کا سال جلوس سنہ ۴۵۰ھ ہے۔ اگرچہ متعدد مآخذ گنا دیئے۔ مگر یہ فیصلہ نہیں کیا۔ کہ اس کی تخت نشینی کا صحیح سال کیا ہے۔ ابراہیم کے جلوس کے لئے سب سے قدیم اور معتبر مؤرخ ابوالفضل بیہقی ہے۔ اس نے یہ تاریخ بدیں الفاظ دی ہے :—

" روز دوشنبہ نوزدہم صفر سنہ احدی و خمسین و اربعمائۃ "۔ (۱۹ صفر سنہ ۴۵۱ھ مطابق

۶ر اپریل ۱۰۵۹ء) ٭

اس طرح ابراہیم کی وفات کے لئے ہر دو روایت ۴۸۲ھ و ۴۹۲ھ تحریر کرنا۔ اور مؤخر الذکر سال کی تصدیق کے لئے برٹش میوزیم کے سکوں کی شہادت پیش کرنا ہمارے نزدیک تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ آج ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو ابراہیم کی وفات ۴۸۲ھ میں تصوّر کرتا ہو ٭

صلا ابوالفرج رونی کی وفات کے متعلق مختلف اقوال دینا کہ صحف ابراہیمی میں ۴۸۹ھ مرآت عالم میں ۴۸۲ھ۔ نشتر عشق میں ۴۹۰ھ۔ جن میں آخری تاریخ ڈاکٹر کی نگاہ میں صحت کے زیادہ قریب ہے اور کہ وہ ۴۹۲ھ کے بعد تک زندہ رہا۔ ہمارے نزدیک تصویر کا نیم رخ دکھانا ہے۔ اگر ہم ڈاکٹر کی جگہ ہوتے تو اس استدلال کو جہاں انہوں نے ختم کیا ہے۔ وہاں سے یوں شروع کرتے۔ کہ سلطان مسعود ثالث ۴۹۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے اور ابوالفرج رونی نے اس کی مدح میں سولہ سترہ کے قریب قصائد اور چند قطعات لکھے۔ جو اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کے جلوس سے بدرجۂ اقل چند سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔ وہ مسعود کی تاجپوشی کے موقعہ پر قصیدہ لکھتا ہے۔ دوسرے قصیدہ میں شاہ موصوف کے اک دنتے ہاتھی کی طرف تلمیح ہے سہ

بشکل پیل یک دند سش نگہ کن   نعم چون پیل یکدندش ہزار است

"یک دند"۔ اک دنتا۔ 'دند' پنجابی شکل ہے ہندی 'دانت' کی۔ ایک قصیدہ یورش قنوج کے ذکر میں ہے۔ شاہ موصوف ہندوستان میں 'موہند' کے قریب سے جو کوہ سوالک میں ایک درہ کا نام ہے۔ گذرتا ہوا ببشیہ ہرمایہ ؟ کو عبور کرکے 'سنکت' ہوتا ہوا قنوج پہنچتا ہے اور 'ملہی' والیِ قنوج سے کچھ پیل و مال پر صلح کرکے واپس ہوتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ میں فتح قنوج اور نشاط صید کی مبارکباد دی جاتی ہے۔ ایک قصیدہ اس وقت لکھا ہے۔ جب مسعود افغانوں اور جاٹوں کو عید قربان کے ایام میں سزا دیتا ہے۔ ایک قصیدہ شاعر نے اس وقت نظم کیا۔

جب غزنیں میں بارگاہ خلافت سے بادشاہ کے لئے "عہد ولوا" آیا ہے۔ اور شہر میں عام خوشیاں منائی جا رہی ہیں (ہمارے قیاس میں خلیفہ المستظہر کی یہ سفارت مسعود کے پاس ۴۹۴ھ سے قبل نہیں پہنچ سکتی) ایک قصیدہ کسی جدید عمارت کی تعریف میں ہے۔ جو مسعود نے اپنے لئے بنوائی۔ موسم سرما کی آمد پر ایک اور قصیدہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شاعر بادشاہ کو غزنیں کے سرد سیر سے ہندوستان کے گرم سیر کی طرف جانے اور قنوج و بنارس فتح کرنے کی تحریص کرتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ کسی غزو کی مبارکباد میں تحریر ہوا ہے۔ جس کی خوشی میں جشن بھی منایا جاتا ہے۔ دو قصیدے غالباً لاہور میں مسعود کی دوبارہ آمد پر مرقوم ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور دیگر قصاید ابوالفرج نے خاص خاص موقعوں پر لکھے ہوں گے۔ جن کے لئے ایک مدت درکار ہے۔ ادھر مسعود کے باپ ابراہیم کی تعریف میں ابوالفرج کے ہاں کل چھ سات قصیدے ملتے ہیں جس سے بظاہر یہی قیاس قایم کیا جا سکتا ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں ابوالفرج کی شاعری کا زمانہ مسعود کے عہد میں زیادہ گزرا ہے۔ اگرچہ اور وجہیں موافق و مخالف لائی جا سکتی ہیں مگر ان واقعات کی بنا پر یہ استدلال قابلِ قبول ہوگا۔ کہ مسعود کی شان میں یہ قصیدے شاعر نے کئی سال کے عرصے میں لکھے ہوں گے۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کی تخت نشینی سے جو ۴۹۲ھ میں ہوتی ہے کئی سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔

اس مدت کی حدبندی کے لئے ہم دو تاریخیں پیش کرتے ہیں (۱) شاعر نے سلطان مسعود کی شان میں جشن آبان کے موقعہ پر جب ایام عید بھی تھے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے ؎

جشن آبان بر و ہمایوں باد   شاہ را روی بخت گلگوں باد

آبان اور عید کی تلمیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جشن ۱۰ آبان ۴۷۱ یزدجردی کو منایا گیا ہوگا۔ جو ۱۱ ذی الحجہ ۴۹۵ھ کے مطابق ہے۔ (۲) ایک اور قصیدہ میں (ع آمد آن تیر ماہ سر د سخن) جو خواجہ ابوسعد بابو کی مدح میں ہے۔ شاعر نے فارسی مہینے "تیر" اور "روزہ کشائی و عید" کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قصیدہ ہذا ایسے سنہ میں لکھا گیا ہوگا۔ جب تیر اور رمضان

اکٹھے آئے ہیں۔ ۱۰ ارتیر ۴۷۳ھ یزدجردی کو تاریخ یکم رمضان ۴۹۷ھ واقع ہوتی ہے۔ ان تاریخوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفرج رونی ۴۹۷ھ تک تو زندہ ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر پانچویں صدی کے اختتام تک بقید حیات ہو۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال بہ نسبت اُس استدلال کے جس میں زیادہ تر متاخر تذکرہ نگاروں کے اقوال و آرا منقول ہیں زیادہ قرین صحت اور فیصلہ کن ہے ؛

ص۲۷۔ ابوالفرج کے پہلے ممدوح ابراہیم کے ذکر میں ڈاکٹر نے اس کے خطابات اور تاریخ جلوس و وفات پر بحث کرنے کے سوا اور کوئی کام کی بات نہیں کہی ؛

ص۲۹۔ ابوالفرج کے دوسرے ممدوح علاءالدین مسعود کے تذکرہ میں بھی کوئی بات نہیں پیدا کی۔ وہی تاریخ جلوس و وفات اور خطابات پر بحث ہے۔ زیادہ زور اس بات پر صرف ہوا ہے۔ کہ تاریخ روضۃ الصفا میں جلال الدولہ جو اس کا خطاب درج ہے۔ بالکل غلط ہے۔ اس کے لئے سکوں تک کی شہادت پیش ہوئی ہے ؛

ص۳۱۔ تیسرا ممدوح سیف الدولہ ہے۔ ڈاکٹر اگر چاہتے تو اس کے متعلق خواجہ مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی کے دیوانوں کے مطالعہ سے ہندوستان میں اسکے کارناموں کی تفصیل دے سکتے تھے ؛

(۴) خواجہ منصور بن سعید بن احمد بن حسن میمندی (۵) ثقۃ الملک طاہر بن علی بن مشکان (۶) ابونصر پارسی (۷) خواجہ ابوسعد بابو (۸) ابوالقاسم خاص (۹) ابورشد رشید خاص (۱۰) عبدالحمید بن احمد بن عبدالصمد (۱۱) محمد بہروز پر ڈاکٹر نے کام کے اور قیمتی نوٹ لکھے ہیں ؛

(۱۲) نجم الدین ابا حلیم زریر شیبانی کو ڈاکٹر سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد کا سپہ سالار مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ سلطان ابراہیم کے عہد میں تھا۔ وہ ایک ادنٰے سپاہی کے درجہ سے ترقی کرتے کرتے سپہ سالار ہند بن گیا۔ اس کے کارنامے دورِ محمودی کی یاد دلاتے ہیں

وہ ایک طرف بنارس (بارنسی) اور دوسری طرف سومنات پہنچا ہے۔ تھانیسر (تانیسر) کو مغلوب اور قنوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹھ (میرت) اس کے حلقۂ اثر میں ہے اور النکی والی دہلی کی سزادہی کے لئے جس نے میرٹھ پر تاخت کی تھی طیاری میں مصروف ہے۔ اتنے میں سلطان ابراہیم کی آمد کی خبر پہنچتی ہے۔ زریر کی تقصیر کا ہمیں علم نہیں مگر وہ باغی و غدّار قرار دیا جاتا ہے اور ایک قلعہ میں پناہ لیتا ہے۔ جہاں سے محاصرہ کے بعد گرفتار ہو کر ابراہیم کے سامنے لایا جاتا ہے اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے ؛

یہاں ہم کچھ اشعار جو اباحلیم کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواجہ مسعود کے دیوان سے نقل کرتے ہیں :-

بگو بدان کہ خلاف خدایگان خواہد — کہ کارنامۂ بے مغز را یکی برخوان

نگاہ کن کہ چو بر خویشتن بہ پیچید از وی — چگونہ روی بدو داد محنت و حرمان

شدش فرامش آنحال کآمد از جاجرم — نمد قبائی پوشیدہ پارۂ خلقان

براہ مرکب او بود پیر لاشہ خری — ز چوب کردہ رکاب و ز لیف کردہ عنان

ہمہ فراغت او آنکہ گرم خفتی شب — ہمہ تنعم او آنکہ سیر خوردی نان

لباس خویش پشم و بساط زمش خاک — سلیح و آلت خاشاک و نان و انبان

بفر دولت و اقبال شہریار اجل — بقدر و زینت بگذاشت تارک از کیوان

چو یافت از ملک شرق زور و زہرہ و شیر — بدو سپرد ملک مرغزار ہندستان

ز رزم جویان دادش چہل ہزار سوار — چو تیغ آختہ قد و چو نیزہ بستہ میان

ولایتی کہ بدو داد خسرو عالم — ہزار رای فزون بود در نواحی آن

بطول بود ز مہبارہ تا بآسارو — بعرض بود ز کشمیر تا بہ سیبستان

چو مار پیچان بودی ز حد تیغش رای — چو برگ لرزان بودی ز نوک تیرش خان

چو از قبائل نسبت ہمی بشیبان کرد — شدند بر فلک از مفخرش ہمی شیبان

بدان سیاہ و بدانخواستہ فریفتہ شد — بگشت در سر بیہوش و مغز او عصیان
بہ نیم ساعت کفران نہ ہر چہ نعمت داشت — ہمی نشاندش آری چنین کند کفران
طلوع بودش چون نجم و نجم نام و نسب — غروب باشد آری پس از طلوع بدان
بقرب خسرو شد محترق چنین باشد — ہر آنستارہ کہ با آفتاب کرد قران
کدام حصن ز ہند او حصار خواست گرفت — کہ نہ بدولت سلطان براوی شد زندان
چو فوجی از سپہ شاہ روی داد بدو — ہمہ نشاط وی اندوہ گشت و سود زیان
غرو بموکب خسرو چو گرد حصن نجاست — گرفت سخت گریبان بخت او خذلان
سعادت ملک او را فرو کشید ز حصن — بغل دو دست و بہنجواست نہ نہار و امان
شکوہ شاہ نجم کرد چون کمان پشتش — گلوی او بزہ اندر کشید ہیچو کمان

(دیوان مسعود سعد سلمان ص۱۴۴، طبع ایران۔ ابو القاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

ابا حلیم کے حسرتناک انجام کے بعد غالباً ایالت ہند سیف الدولہ محمود کے سپرد ہوتی ہے جو ابراہیم کا خلف اکبر تھا ۔

انوری پر ابوالفرج کے اثر کے متعلق کافی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے مگر ایک بات رہ گئی۔ انوری نے ابوالفرج کے تتبع میں جو قصیدے لکھے ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا ۔

ص۹۷ سے ص۱۴۶ تک مسعود سعد سلمان کا تفصیلی مذکور ہے۔ اس شاعر کے باب میں جو اطلاع ڈاکٹر صاحب نے دی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی اپنے مضمون میں جو خواجہ مسعود پر لکھا ہے دے چکے ہیں ۔ ان بیانات کی تکرار اور دوبارہ چھان بین کی بجائے اگر ڈاکٹر مسعود کے ہاں ایسے امور پر جو ہند و غزنہ کے تعلقات اور ہندوستانی معاملات سے متعلق ہیں توجہ دیتے تو ان کے لئے نیازینہ اور ہمارے لئے معلومات کا جدید ماخذ بن جاتا ۔

مسعود کے والد سعد سلمان کے ذکر میں ایک امر قابل اضافہ ہے کہ وہ ۴۲۷ھ میں بعہد سلطان مسعود شہید جب شہزادہ مجدود والی ہند مقرر ہوتا ہے۔ مستوفی کے منصب پر سرفراز ہو کر ہندوستان آتے ہیں۔ تب سے یہ خاندان اس سرزمین میں آباد ہو گیا۔ تاریخ بیہقی میں آتا ہے" وی را شہزادہ مجدود ۔ ۔ حاجب باسپاہ دادند و بو منصور پسر ابوالقاسم علی نوکی از دیوان ما باوی بدبیری رفت و سعد سلمان بہ مستوفی، و حل و عقد سرہنگ محمد بستند" صفحہ ۲۶۲۔

صفحہ ۸۶۔ محمد بہیلیم (Mohammad Bhylim) یہ نام پڑھ کر ہر شخص چونک اٹھے گا۔ طبقات ناصری میں رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ محمد باہلیم ہے۔ مگر فخر مدبر نے کتاب آداب الحرب میں جو بعہد سلطان شمس الدین التمش تصنیف ہوئی ہے محمد باحلیم مذکور ہے اور یہی شکل صحیح ہے۔ آداب الحرب میں سلطان بہرام شاہ اور محمد باحلیم کی جنگ کا قصہ بھی تفصیلاً مرقوم ہے۔ ولایت ملتان (مولتان) کے ایک گانو کیکوز کے پاس جس کے ایک طرف پانی اور دلدل تھا۔ یہ جنگ واقع ہوئی۔ محمد باحلیم کا اکثر لشکر اس دلدل میں تلف ہو گیا۔

صفحہ ۱۰۵ و صفحہ ۱۰۶۔ چالندر۔ ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں جہاں کہیں اس شہر کا ذکر کیا۔ چالندر باجیم فارسی لکھا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس مقام کا نام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تقلید میں انہوں نے یہ قرأت اختیار کی جو غلط ہے۔ لیکن مرزا ایرانی ہیں اور ہندوستان کے جغرافیے سے ناواقف۔ صحیح نام جالندھر ہے۔ جو پنجاب کے ضلع جالندھر کا صدر مقام ہونے کے علاوہ لدھیانہ اور امرتسر کے درمیان شمال مغربی ریلوے کا اسٹیشن اور صوبہ پنجاب کا مشہور و معروف شہر ہے۔

مسعود سعد سلمان کے تذکرہ میں ڈاکٹر صاحب بڑی حد تک میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے فاضلانہ رسالہ "مسعود سعد سلمان" کے ممنون ہیں جس کا پروفیسر براون نے انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ مگر اس ممنونیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ بغیر

ایسے رہبر کامل کے مسعود سعد سلمان کے سفر حیات کی منازل اور ان کے نشیب و فراز طے کرنا ڈاکٹر صاحب کے لئے نہایت دشوار ہو جاتا۔ تاہم میرزا کی طرف ان کا رویہ حریفانہ ہے۔ وہ میرزا کے رسالہ کا اسی وقت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ جب اس سے اختلاف منظور ہوتا ہے ایسی حالت میں اکثر وہ اپنا راستہ گم کر جاتے ہیں۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس بیراہ روی کی ایک آدھ مثال پر قناعت کرتے ہیں :-

(۱) صنا۱س عفوِ سلطان نامدار رضی بر شب من فگند نور قمر

اس شعر کی سند پر میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے یہ رائے قایم کی کہ خواجہ مسعود کو پہلی قید سے جو دہ سالہ تھی سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنی زندگی ہی میں رہا کر دیا تھا اور ہر شخص ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کرے گا۔ خود شاعر کے اپنے بیان سے زیادہ کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ڈاکٹر اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" سلطان رضی سے میرزا محمد خاں کی مراد سلطان ابراہیم ہے۔ اگرچہ بعض غیر مشہور تاریخوں میں سلطان ابراہیم کو 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا ہو مگر رضی اس موقع پر اسم صفت کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اور سلطان ابراہیم مراد نہیں۔ نہ اس کے بے شمار سکوں پر یہ خطاب پایا جاتا" صنا۱

ڈاکٹر اس حد تک تو سچے ہیں۔ کہ ابراہیم کے سکوں میں یہ نام (رضی) نہیں ملتا اور ملتا بھی کہاں سے جب اس کی زندگی میں یہ خطاب اس کے لئے استعمال ہی نہیں ہوا۔ ہمارے ڈاکٹر اس لفظ کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہیں اور اسی لئے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ متوفی سلاطین کے لئے ضابطہ تھا۔ کہ سرکاری دفاتر اور تاریخوں میں خاص خاص ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ فارسی میں یہ قاعدہ بنو سامان کے عہد سے رائج ہے۔ احمد بن اسمٰعیل سامانی کو 'امیر شہید' نصر بن احمد کو 'امیر سعید'۔ نوح بن نصر کو 'امیر حمید'۔ عبدالملک کو 'امیر سدید'۔ سلطان محمود کو 'امیر ماضی' ہمایوں کو 'جنت آشیانی' اکبر کو 'عرش آشیانی' اور عالمگیر کو خلد مکان کہتے تھے اسی طرح

ابراہیم بن مسعود غزنوی وفات کے بعد 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا۔ مسعود کے شعر بالا میں 'سلطان رضی' سے مراد یقیناً ابراہیم غزنوی ہے اور میرزا محمد کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔

ڈاکٹر کا یہ مقولہ کہ 'رضی' غیر متعارف تاریخوں میں آتا ہوگا۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ اکثر معتبر تاریخوں میں اس کا استعمال ہورہا ہے۔ طبقاتِ ناصری سے ایک مثال عرض ہے

"وتختِ سلطنت بہ سلطان رضی' ابراہیم علیہ الرحمۃ رسیدہ بود۔" (ص۲۴۳)

(۲) ص۲۵ تا ص۲۸ مسعود سعد سلمان نے کسی ابوالفرج کے خلاف ایک قطعہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

بوالفرج شرم نامدت کہ بخبث ــــــ بہ چنین حبس و بند م افگندی

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ابوالفرج ہمارے شاعر کو قید میں ڈلواتا ہے۔ اس ابوالفرج کے متعلق مسعود کے تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر نے شاعر مشہور ابوالفرج رونی کا نام لیا ہے۔ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مسعود کے دیوان سے دو ابوالفرج تلاش کئے پہلا یہی ابوالفرج رونی اور دوسرا ابوالفرج نصر بن رستم جو نائب دیوان ہند ہے۔ یہ مسعود کی قیدِ ثانی کا ذکر ہے جو واقعہ سلطان مسعود کے دور میں پیش آتا ہے۔ میرزا نے نمبر اول کو تو اس بنا پر خارج کر دیا کہ مسعود کے قطعات سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شاعروں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور نمبر دوم کو یوں بری کر دیا کہ سلطان سابق کے عہد میں وفات پا چکا تھا۔ جیسا کہ اس کے مرثیے سے جو خود خواجہ مسعود نے لکھا ہے ثابت ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں ÷

ہمارے ڈاکٹر ان امور کو جاننے کے باوجود ایک نہایت عجیب اور نرالے استدلال سے ابوالفرج نصر بن رستم کو مسعود کی قید کا مجرم گردانتے ہیں۔ قطعہ مذکورہ کے آخری شعر میں وہ مسعود کی ایک دھمکی

زود خواہی درود بے شبہت ــــــ بر تخمی کہ خود پراگندی

نقل کر کے لکھتے ہیں۔ کہ مسعود کی یہ دھمکی بالآخر کچھ عرصہ بعد اپنا رنگ لائی جیسا کہ اشعار آیندہ سے جو شاعر نے ابوالفرج نصر بن رستم کو لکھے ہیں ظاہر ہوتا ہے :-

اے کینہ ور زمانۂ غدار خیرہ سار ۔۔۔ بر خیرہ تیرہ کردہ بما بر تو روزگار

بر بندگان اگر بہ ستیز است کار تو ۔۔۔ بر خواجۂ عمید چرائی ستیزہ کار

بر نصر رستم از چہ ستمگار گشتۂ ۔۔۔ در مہتری بنود ستمگر بہ ہیچ کار

آن بوالفرج کہ داد جہان را ز غم فرج ۔۔۔ اکنون ہم از جہان تو بر آری ہمی دمار

مگر ڈاکٹر یہ بیان نہیں کرتے کہ اس دھمکی نے آخر کیا گل کھلایا۔ قصہ مختصر ان اشعار اور قطعہ کی بنا پر نیز اس بنا پر کہ مطبوعہ دیوان میں ابوالفرج نصر بن رستم کا نام قطعہ مذکورہ کی سرخی میں درج ہے ڈاکٹر ملکا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ابوالفرج نصر بن رستم ہے جو ابونصر پارسی کی تباہی اور اس کے متوسلین کی (جن میں مسعود سعد سلمان بھی شامل ہے) قید و بند کا بانی کار ہے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ابیات بالا کی روشنی میں کس طرح اس خلاف توقع نتیجہ پر پہنچے۔ ان اشعار سے برخلاف اس کے کہ مسعود کی کسی دھمکی کی ایفا مترشح ہو ابوالفرج نصر بن رستم کے ساتھ شاعر کی دلی ہمدردی اور غمخواری ثابت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج اپنے عہدۂ امارت سے معزول ہو گیا ہے اور شاعر اس کی تسلی اور دلدہی میں یہ قصیدہ لکھتا ہے۔ ابتدا میں زمانہ کو خطاب کرتا ہے کہ "تیری بیباکیوں نے ہماری اوقات تلخ کر دی ہے خیر ہم غریبوں کو تو جتنا جی چاہے ستالے مگر خواجہ عمید نصر بن رستم پر کیوں ظلم روا رکھتا ہے۔ اس نے تو اپنے دور امارت میں کبھی ستم سے کام نہیں لیا۔ وہی ابوالفرج جس نے دنیا کو ظلم سے نجات دی اور تو اب بھی بدستور دنیا کی ہلاکت میں مصروف ہے"۔ اس کے بعد شاعر اپنے ممدوح کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ "چاند کو گھٹنے سے شرم نہیں محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔ گھٹنے ہی سے بڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اور چودھویں کا چاند بن جاتا ہے۔ گردش فلکی ہمیشہ نحوست میں قائم نہیں رہے گی سعادت کی طرف بھی کروٹ بدلے گی۔ آخر ایک دن تیری مراد بر آئے گی

اور دنیا تیری زنی پر ناز کرے گی، چنانچہ

اے چون مہ چہار دہ در کاہش و کمی | مہ راز کاستن نبود ہیچ ننگ و عار
مہ ار ہمہ تمام نکاہد از آنچہ ہست | آخر بر آید از فلک ار چہ نزار وزار
آخر فزون شود کہ فزونی ز کاستن است | وز لستنی آروش بہ بلندی دہ و چہار
این گردش فلک نہ ہمہ بر نحوستست | آخر سعاد نیست در ین اختر مدار
آخر بکام دل رسی و ہوائے دل | آخر زمانہ با تو کند باز افتخار

(دیوان مسعود ص۱ - طبع ابوالقاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

یہ اشعار ڈاکٹر صاحب کے منقولہ بالا اشعار کے عین بعد آتے ہیں۔ اور قصیدہ اس دعا پر ختم ہوتا ہے ؎

عز و بقات با دو سرت سبز و تن درست | دلشاد و شاد کام و تن آباد و شاد خوار
مسپار دل باندہ و گیتی ہمی سپر | مگذر تو از جہان و جہان خوش ہمی گذار (ص۱)

مطبوعہ دیوان میں قطعہ مذکور کا ابوالفرج نصر بن رستم کے نام کے ذیل میں دیا جانا کوئی معتبر سند نہیں۔ یہ دیوان بالکل غیر منتقدانہ حالت میں طبع ہوا ہے۔ متن بے حد سقیم ہے اور سرخیوں میں بھی کئی موقعوں پر غلط اندراج ہیں۔ قطعہ کے متعلق دیوان کی تنہا شہادت کافی نہیں اور قطعہ اپنی سرخی کی تائید میں بھی نہیں۔ لیکن جب میرزا محمد اطلاع دے چکے کہ ابوالفرج نصر بن رستم سلطان ابراہیم کے عہد میں وفات پا چکا اور مسعود نے اس کا مرثیہ بھی لکھا۔ اس واضح اور صاف اطلاع کے بعد ڈاکٹر کا نصر بن رستم کو اس کی وفات سے کئی سال بعد ظہور پذیر ہونے والے حبس مسعود سعد سلمان کے لئے ماخوذ کرنا بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یا تو مرزا کے بیان کی تردید کر کے ثابت کرتے کہ ابوالفرج معلوم مسعود کی قید دویم کے وقت زندہ موجود تھا یا بجائے قطعہ کی سرخی پر اعتبار کرنے کے دیوان مسعود کے مخطوطات کی ورق گردانی کرتے اور یہ دکھاتے کہ وہ مرثیہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ میرزا محمد کا اس مرثیے کے اشعار نہ دینا ان کی ثقاہت پر حرف

نہیں لاتا۔ اور نہ ان کے بیان کی اہمیت کو گھٹاتا ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کے دعوے کے واسطے بھی کوئی معقول وجہ یا قرینہ موجود ہے؟
دیوان میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج نصر بن رستم 'عمید ملک' 'سالار' اور 'صاحب دیوان ہند' (وزیر دیوان ہند) ہے۔ مسعود نے اس کی شان میں آٹھ نو قصیدے لکھے ہیں۔ وہ اس کو نہایت ادب اور احترام کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اپنا سرپرست اور مربی تسلیم کرتا ہے۔ اس کا لہجہ نہایت مخلصانہ اور نیازمندانہ ہے اور شاعر پر اس کے احسانات مسلّم ان قصاید میں کسی ناخوشگوار واقعہ کی طرف تلمیح تک نہیں جس کی بنا پر مسعود اس ممدوح کے خلاف اپنی ابرو پر شکن لاتا یا شکایت سے لب آشنا کرتا۔ یہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس کے زوال دولت کے وقت بھی شاعر اس کے ساتھ وفادار رہا ہے۔ جیسا کہ ابیات بالا سے ظاہر ہے۔ پھر مراتب زندگی اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک امیر کبیر اور سالار صاحب اقتدار اور دوسرا اس کا مداح اور متوسل۔ ادھر قطعۂ بالا میں جس ابوالفرج کو شاعر نے خطاب کیا ہے وہ یقیناً شاعر کا ہم رتبہ بلکہ کم رتبہ ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شاعر کے ساتھ سلوک واحسان کرتا الٹے شاعر نے اس کے ساتھ سلوک کئے ہیں۔ چنانچہ مسعود اسی قطعہ میں کہتا ہے :۔

شد فراموشش کز برای تو باز من چہ کردم ز نیک پیوندی

یعنے میں نے اپنی شرافت سے تیرے ساتھ جو سلوک کئے۔ تو نے سب کو نسیاً منسیاً کر دیا کیا ایک رئیس اعظم اور امیر محترم کو اس طرح سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔ یہ شعر بھی قابل غور ہے

تا من اکنون ز غم ہمی گریم تو بہ شادی ز دور بخندی

کہ میں تو غم میں رو رہا ہوں اور تو مجھے روتا دیکھ کر دور سے کھڑا کھڑا ہنس رہا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کیا غمزدہ مسعود کا یہ نالہ ایک امیر والاجاہ کے خلاف فریاد خوانی کا پتہ دیتا ہے یا ایک سنگدل حریف کے برخلاف جو اپنے رقیب کو پامال ہوتا دیکھ کر جوش مسرت میں

بغلیں بجانے لگتا ہے۔ پورے قطعہ کی زبان۔ اس کا اسلوب بیان اور جذبات سب اس خیال کے مؤید ہیں کہ ان کا مخاطب ایک بے وفا دوست اور ہمسر ہے نہ کہ کوئی امیر جلیل القدر ہم ایک شعر اور نقل کرتے ہیں ؎

وین چنین تو نی ترا ست کہ تو   پارسی را کنی شکا وندی

اور اب تو تیرا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ (ابونصر) پارسی کی کرید میں لگ گیا ہے۔ اس شعر سے بھی ہمارے خیال کی تائید مزید ہوتی ہے ؛

یہاں ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جب ایالت ہند عضد الدولہ شیرزاد کے سپرد ہوئی۔ ابونصر پارسی عمید ملک اور نائب مقرر ہوا۔ یہ وہی منصب ہے۔ جس پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو بھی سرفراز دیکھتے ہیں۔ یعنے وہ عمید ملک اور وزیر دیوان ہند ہے ابوالفرج رونی اور مسعود کے قصائد سے یہ امر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ دو شخص ایک وقت میں اسی ایک خدمت پر مامور نہیں ہو سکتے۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے لامحالہ ہمیں ان کے زمانوں میں فرق ماننا پڑے گا۔ ادھر شیرزاد کے دور کے منصبداروں کی فہرست میں جو مسعود کی مثنوی میں محفوظ ہے۔ ابونصر پارسی کا نام ملتا ہے۔ مگر ابوالفرج نصر بن رستم کا نام موجود نہیں۔ اس سے بھی ان کے زمانوں میں تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ لہذا ہم کہیں گے۔ کہ ابوالفرج نصر بن رستم ابراہیم کے دور میں اور ابونصر پارسی مسعود کے عہد میں نائب ہند تھے۔ جب ان کا زمانہ مختلف لازم آگیا تو ان وزیروں کا اسی ایک معاملہ میں بحیثیت فریق مخالف حصہ لینا تقریباً دشوار ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو اس قطعہ کا مخاطب تسلیم نہیں کر سکتے ؛

ہمارا ان دو مثالوں سے یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ ڈاکٹر نے جہاں جہاں میرزا سے مختلف الرای ہونے کی کوشش کی ہے مطلق کامیابی حاصل نہیں کی۔ بلکہ الٹے مشکلات میں گرفتار ہو گئے ؛

باقی رہا یہ سوال کہ اس قطعہ کا مخاطب کونسا ابوالفرج ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف اسی قدر کہیں گے۔ کہ یا تو ہمیں ایک تیسرا ابوالفرج تسلیم کرنا پڑے گا یا پھر ابن احمد رازی کا ہمنوا ہو کر ابوالفرج رونی پر شبہ کی نظریں دوڑانی پڑیں گی۔ ڈاکٹر کو اعتراض ہے کہ ابن احمد نے افسانہ تراش لیا۔ ممکن ہے کہ افسانہ ہو مگر اس افسانہ کے لئے گنجایش ضرور موجود ہے ہو سکتا ہے کہ ابوالفرج رونی نے سعایت کی ہو ع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن۔ رشک و حسد شعرا کی عام خصوصیت ہے۔ خود مسعود سعد سلمان اپنے پہلے حبس کے متعلق تو صاف صاف ایک شاعر ہی کو ملزم قرار دے رہا ہے۔ وہ سلطان ابراہیم سے مخاطب ہے:-

همی ندانم خود را گناهی و جرمی　　مگر سعایت و تلبیس دشمن مکار
ز من نترسد ای شاه خصم ناقص من　　که کار مدح بمن باز گردد آخر کار

(دیوان ص۸۶)

ان اشعار کے ساتھ جب صاحب ہفت اقلیم نے اس قطعہ کو بھی دیکھا۔ جس میں ابوالفرج کا نام مذکور ہے۔ تو وہ قدرتاً اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ابوالفرج رونی ہے۔ جس نے غریب مسعود کو قید میں ڈلوایا۔ اس لئے تذکرہ نگاروں کا یہ اعتقاد اسقدر گمراہ کن نہیں جسقدر ڈاکٹر سمجھے ہیں۔ لاہور میں اس وقت چوٹی کے شاعر صرف دو تھے۔ پہلا مسعود سعد سلمان اور دوسرا ابوالفرج رونی۔ جب مسعود شکایت کرتا ہے کہ میرے ہم پیشہ شاعر نے برنبائے رشک میری بدگوئی کی تاکہ منصب مداحی پر میری بازبحالی نہ ہو سکے۔ تو ظاہر ہے کہ تذکرہ نگاروں کی نگاہیں قدرتاً ابوالفرج رونی پر اٹھیں گی ؛

ص۱۱۱۔ ڈاکٹر کا اعتقاد ہے۔ کہ مسعود نے اگرچہ ملک ارسلان کی شان میں قصائد لکھے لیکن اس کو شاہی عنایت حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے جانشین بہرام شاہ کے دور میں مسعود سعد سلمان ندیمان خاص میں شامل ہے۔ یہ پادشاہ شعرا کا بڑا قدردان تھا اور مسعود کا زمانہ اس کے دربار میں آسایش و راحت سے بسر ہونے لگا ؛

مگر دیوان پر سرسری نظر ڈالنے سے قضیہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ بہرام شاہ کی تعریف میں قصائد کی تعداد چار سے زیادہ نہیں ۔ ادھر ملک ارسلان کی شان میں چھ عدد غزلیات وقطعات کے علاوہ بارہ قصائد ملتے ہیں ۔ ان قصائد میں اس کا انداز بڑی حد تک غیر مکلفانہ ہے ۔ کبھی وہ اپنے متعلق کبھی دوسروں کے متعلق عرض و معروض میں مصروف ہے ۔ ایک قصیدہ میں وہ اپنے پرانے دوست ابونصر پارسی کی وفات کا ذکر کرتا ہے ؎

بونصر پارسی ملکا جان تو سپرد   زیرا سزای مجلس عالی جز آن نداشت (ص۲۱)

پھر اس کے اخلاق و محاسن بیان کر کے کہتا ہے کہ اس نے ترسیٹھ سال کی عمر میں جان دی ۔ مرتے وقت اس کے آخری الفاظ شاہ کی مدح وثنا میں تھے ۔ مرحوم مجھ پر خاص طور سے مہربان تھا ۔ ہم میں دوستی کا یہ سلسلہ چالیس سال سے قائم تھا ۔ اب بادشاہ کو چاہیئے ۔ کہ اس کی اولاد کی عزیز داشت سے غافل نہ رہے ۔

ارسلانی قصائد میں شاعر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی قید کے واقعہ کی طرف تلمیح کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے اواخر عہد سے تعلق رکھتا ہے ۔ ایک موقعہ پر کہتا ہے ؎

ای شاہ جہان فلک ندانست   آنگاہ کہ بر تنم جفا کرد
چون دید مرا بخدمت تو   دانست کہ آن جفا خطا کرد (ص۶۳ دیوان)

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در انتظار رحمت و فضل تو ماندہ ام   ای کردہ روزگار ترا دولت انتظار
داند خدای عرش کہ گیتی قرار داد   کز رنج دل نیابم شبہا ہمی قرار
من بندہ سال سیزدہ محبوس ماندہ ام   جان کندہ ام ز محنت در حبس و در حصار
زین زینہار خوار فلک جان من گریخت   در زینہارت ای ملک زینہار دار
در سمجھای تنگ و خشن ماندہ مستمند   در بندہای سخت بتر ماندہ سوگوار (ص۹۴ دیوان)

اب وہ اپنی بے نوائی اور قرض کے متعلق گویا ہے :-

دارم ہزار دشمن و یکجان و یک تن   لیکن گذشتہ وام من از ششصد ہزار
پیر ضعیف حالم و درویش عاجزم   بر پیری و ضعیفی من بندہ رحمت آر
گیرم گناہگارم و اللہ کہ نیستم   نہ عفو کردہ گنہی ہر گنا ہگار

ان گذارشات سے روشن ہے کہ ملک ارسلان کے ساتھ شاعر کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ اس کی بہت توقعات وابستہ ہیں +

اکثر تذکرہ نگاروں نے مسعود کا سال وفات ۵۱۵ھ مانا ہے۔ ڈاکٹر برخلاف جمہور تقی کاشی کی تقلید میں ۵۲۵ھ لکھتے ہیں۔ جس کے واسطے کوئی معقول وجہ تو موجود نہیں۔ بہرام شاہ ۵۱۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے۔ اس کی مدح میں مسعود نے کل چار قصیدے لکھے ہیں۔ جن سے قیاس ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے عہد میں ہمارا شاعر دیر تک زندہ نہیں رہا۔ اسلئے جو لوگ اس کی وفات ۵۱۵ھ میں بیان کرتے ہیں۔ انکی رائے صحت کے قریب ہے +

مقالہ کا جو حصہ مسعود کی شاعری اور اس کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری رائے میں نہایت مفید اور قیمتی کارگذاری ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اضافہ کی گنجایش محسوس ہوتی ہے۔ عروضی نقطۂ نظر سے خواجہ مسعود کے ہاں بعض جدید اوزان ملتے ہیں اور ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں۔ جن کو ہندی اثرات کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے مثلاً بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ جسے خواجہ نے غزلیات شہوریہ کے نام سے یاد کیا ہے اور غزلیات اسبوعیہ و ایامیہ اور شہر آشوب۔ نظموں کی یہ قسمیں سرزمین پنجاب میں فارسی اور ہندی کے روابط کی یادگار ہیں اور فارسی شاعری کے مورخ کے لئے ان کا جائزہ لینا ازبس ضروری۔ فارسی میں ان نظموں کی روشناسی سے یہ امر تو صاف روشنی میں آجاتا ہے کہ خواجہ مسعود ہندی کی ان اقسام نظم سے یقیناً واقف تھے اور تذکرہ نگاروں کا یہ دعوےٰ کہ خواجہ مسعود نے ہندی میں بھی ایک دیوان یادگار چھوڑا بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا +

یہاں ہم ایک پالغز کا بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں - جو ڈاکٹر صاحب کو پیش آئی -
تاج ریزہ کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں کہ "تقی اوحدی اور رضا قلی خاں نے انوری کے بعض شعر
تاج ریزہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں - مثلاً یہ قصیدہ :-

افزود باز رونق ہر مرغزار گل   چون زیر یافت نالۂ ہر مرغزار گل

حالانکہ دیوان انوری میں موجود ہے - تاج کے حوالے کر دیا ہے" ص۱۶۰

ہماری رائے میں یہ قصیدہ نہ تاج کا ہے نہ انوری کا - اس کا قصہ یہ ہے کہ اہل مطبع
نے کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ صرف یہی قصیدہ بلکہ تاج ریزہ کے کئی اور قصیدے کلیات انوری
میں شامل کر لئے - یہ غلطی قدیم ہے اور انوری کے بعض مخطوطات میں بھی موجود ہے -
تاج کے قصائد زبان کی سادگی و سلاست اور داخلی شہادت کی بنا پر انوری کے کلام
سے جس کی خصوصیت تکلف - دقت بیان اور حسن ادا ہے - بآسانی پہچانے جا سکتے ہیں
قصیدۂ بالا التتمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی تعریف میں ہے اور اس کا نام متن میں
موجود ہے - اسی غیاث الدین کی مدح میں ایک اور قصیدہ ہے جو کلیاتِ انوری میں
ص۸۵ پر پایا جاتا ہے - اس کا مطلع ہے :-

ساقی بیا کہ وقت مے لعل روشن است   میدان خاک تیرہ کنون سبز گلشن است

التتمش کا مدحیہ قصیدہ جو ڈاکٹر نے ص۱۵۴-۱۵۱ پر نقل کیا ہے - کلیات انوری میں
ص۱۳۳ پر مع مطلع موجود ہے - یہی نہیں بلکہ کلیات انوری میں دو قصیدے (ص۸۳ اور ص۲۴۷)
سلطان رکن الدین فیروز کی تعریف میں اور دو قصیدے (ص۸۷ و ص۱۳۶) نظام الملک
قوام الدین محمد جنیدی کی ثنا میں ملتے ہیں - ان میں سے ایک قصیدے میں شاعر اپنی ہندی
نژادی کے متعلق گویا ہے :-

مولد و منشا ببین در خاک ہندستان مرا   نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

(ص۸۹ کلیات انوری)

ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے۔ جب التمش زندہ ہے :۔

راضی ز تو ای رضیۃ الدین ❊ حق قادر ذوالجلال اکرم (ص۲۵۱ کلیات انوری)

ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس موضوع پر رسالہ اُردو (اپریل ۱۹۲۴ء) میں بحث کی ہے۔ جو ص۲۲۷ سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا یہاں اس مختصر پر قناعت کی جاتی ہے ❊

سنام کا تلفظ فی زمانہ بضم اول ہے۔ قدیم تلفظ بضم اول و تشدید دوم ہے۔ سب سے پہلے اس قصبہ کا ذکر عثمان مختاری کے ایک قصیدہ میں آتا ہے جب مسعود ثالث نے اس پر حملہ کیا ہے :۔

خبر رسید کہ اندر نواحی سُنّام ❊ سر حصاری کو داشت باستارہ قران

سنام ریاست پٹیالہ کی عملداری میں پٹیالہ سے ۴۲ میل جانب مغرب نظامت کرمگڑھ میں لدھیانہ جاکھل ریلوے پر واقع ہے ❊

تاج ریزہ۔ شہاب مہمرہ۔ اور عمید سنامی کے سلسلہ میں تمام ذرائع سے ضروری اطلاع فراہم کر لی گئی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ایک دراز عرصہ تک ان شعرا پر جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔ اس پر جدید اضافہ نہیں ہو سکے گا ❊

یہ بعض اختلافی اور اضافی امور جو ہم نے گذشتہ صفحات میں درج کئے۔ ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی مساعی کی قرار واقعی شناخت سے قاصر ہیں۔ بلکہ یہ مقصد ہے۔ کہ مقالے کی دوسری اشاعت کے وقت ہماری ان گذارشات پر بھی غور کر لی جائے ❊

شعرا کا کلام نقل کرتے وقت متن کی تصحیح میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اور پروف تو بڑی عجلت سے پڑھے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ چند مثالیں عرض ہیں :۔

ص۹ پر النکنی کا شعر ے بطراز قد و خرخری زلفین دراز ❊ رستخیز ہمہ خوبان طراز و خرز است

بحالت موجودہ پہلا مصرعہ نہ صرف مہمل بلکہ خارج از وزن ہے۔ وزن کی خاطر ہمیں "بطراز [ی] قد و خر [خیزی ؟ ی زلفین دراز" پڑھنا ہوگا۔ لیکن دوسرے مصرعہ میں 'طراز' اور 'خزر' کا استعمال مقتضی ہے۔ کہ پہلے مصرع میں بھی یہ الفاظ آنے چاہئیں۔ اس صورت میں ہمیں مصرع اوّل میں یوں ترمیم کرنی ہوگی ع بطراز [ی] قد [ی] و [آن خزری نی لف] دراز"

ص۱۵۵ ۔ انوری کا شعر ؎ وینک ای صورت منصورتہ باغی نہ سرای الخ

مصرع ہذا میں 'منصورتہ' کی جگہ 'منصوریہ' چاہیئے۔ جو شہر طوس کے ایک باغ و عمارت کا نام ہے۔ اس کا ذکر معاصر تاریخوں میں بکثرت آتا ہے۔ انوری نے کئی موقعوں پر اپنے اشعار میں منصوریہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ؎

منصوریہ ہر گزنت در آمد بضمیر　　کآید بدرت موکب میمون وزیر

تاریخ جہانگشای جوینی (جلد سوم ص۳۴ و ص۱۰۱) میں بھی اس کا مذکور آتا ہے۔

پروف کی بعض غلطیاں ذیل میں بقید صفحہ و سطر دی جاتی ہیں :۔

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۲۲/۷	کہ مسعود	کہ سعد مسعود	۱۵۸/۵	نبات	بنات
۲۲/۸	اشارتی	اشعاری	۱۵۸/۱۶	عطرگر	عطرکز
۴۵/۴	خیرہ ساز	خیرہ سار	۱۵۹/۲	بمن	یمن
۶۱/۴	بطالع	بطالعی	۱۵۹/۴	روی و	رو ولی
۶۲/۱۱	کہ	گہ	۱۶۸/۶	معانی	امانی
۶۳/۴	بیالاید	بپالاید	۱۶۸/۹	تگبیرم	نگبیرم
۶۷/۱	لہاور	لہاوور	۱۶۹/۶	ستائی	ستانی
۱۲۴/۴	برآمد	برآمد [ابر؟]	۱۶۹/۷	شد	شدہ
۱۳۴/۱۲	عناد	عناء	۱۶۹/۹	طبعم	طمعم

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۱۷۱/۱	دم کوزہ	دم کورہ	۱۹۳/۵	خونین	خونی
۱۷۱/۵	بشبہہ	بشبہ	۱۹۴/۴	تیز تر	تیز پر
۱۷۱/۱۲	اول	زاول	۱۹۴/۸	سوزپسر	سوگ پسر
۱۹۳/۱	چنگ بندد	چنگ وبندو	۱۹۵/۹	مینازد	میسازد ؟
۱۹۳/۳	رشک او	رشک چنگ او			

کتاب پر قیمت درج نہیں۔ مصنف سے پٹنہ کالج پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے ؛

"ش"

۲۔ فارسی ادب کی تلمیحات واشارات

برائے امیدواران امتحانات یونیورسٹی از میٹرک تا ایم۔ اے بزبان انگریزی

(از جناب زال شہر یار رستم ایرانی بی۔ اے، ایس۔ ٹی سی، مدرس فارسی سینٹ میریز ہائی سکول بمبئی ۱۰)

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ فارسی ادب کی مستعملہ تلمیحات مذہبی۔ تاریخی و افسانوی مع ضروری تشریح درج ہیں۔ جن کا جاننا ہر فارسی آموز کے واسطے لازمی ہے جو لوگ انگریزی کے ذریعے فارسی سیکھتے ہیں۔ ان کے لئے رسالہ ہذا بڑی حد تک مفید ثابت ہوگا۔ اس کے ذریعہ صفحات ہیں۔ جن میں تین سو چودہ تلمیحات کی شرح دی گئی ہے ان میں ایک چوتھائی ایسی ہیں جو مکرر آئی ہیں۔ اصطلاحات پہلے فارسی خط میں بعدہٗ انگریزی خط میں دی ہیں۔ انگریزی تلفظ میں ہمارے خیال میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً ص۴۹ پر مہر گیاہ کو 'meher-e-Gyah' اور ناقۂ صالح کو 'Naqa-ye-Saleh'۔ نامہ سیاہ کو 'Nameh-ye-Siyeh' اور نخشب کو 'Nakh-Shab'۔ قلمبند کیا ہے۔ بعض اوقات اسی لفظ کے ایک سے زیادہ تلفظ

دیے ہیں۔ مثلاً ۷ میں سبکتگین کو سبکتگین Sabaktagin اور ص ۱۳۹ میں سبکتگین Sabuktegin تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی بدگمان اعتراض کرے تو زال شہریار رستم صاحب ایرانی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دو تلفظ دیئے اور تم دونوں سے مطمئن نہیں۔ اور سچ بھی تو ہے آخر آٹھ آنے میں جو اس رسالہ کی قیمت ہے اور کتنے تلفظ دیئے جاتے۔ بابل کے متعلق بھی جناب مؤلف نے اور تسامح سے کام لیا ہے یعنے ص ۳۱ میں بابل اور ص ۷۵ میں بابُل اور ص ۳۰ میں بابلی کو 'بابُلی' Baboli رقم کیا۔ تلفظ میں ایسا تصرف انگریزی خواں ہندوستانی کیا کم کیا کرتے ہیں پھر ہم کس منہ سے مؤلف کی جو ایرانی ہیں شکایت کریں ؛

چغلخوری اخلاقی لحاظ سے ایک بدنما عیب ہے مگر تدبیر نگار میں ہنر اسلئے ہم مبصر کے اس مبارک وصف یعنے غمازی سے کام لے کر عرض کرتے ہیں کہ صاحب رسالہ کے نزدیک ص ۱۶۰ میں 'دم عیسیٰ' اور 'مسیحا دم' ایک دوسرے کے مرادف ہیں ص ۱۱۴ میں 'رستم وستان' کو بلا اضافت لکھا ہے مصنف کی رائے میں جو سفید ہاتھی رستم نے ہلاک کیا تھا وہ بادشاہ کا تھا اگرچہ فردوسی کی روایت سے خود سپہدار زال یعنے رستم کے باپ کا تھا۔ کہ پیل سپید سپہبد زبند۔ رہا گشت و آمد بمردم گزند۔ اسی طرح اسفندیار مؤلف کے نزدیک ایران کا بادشاہ ہے حالانکہ تخت ایران کے ارمان ہیں وہ رستم سے جنگ کرکے مارا جاتا ہے ص ۲۹ میں ایاز کو محمود کا حبشی غلام بتایا ہے اگرچہ ہمیں ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔ اسکے نام ایاز او یماق سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ ترکی الاصل ہے۔ فرخی ۔ امیر جنگجو ایاز او یماق ۔ دل و بازوی خسرو روز پیکار ص ۱۳۹ میں سبکتگین کو غزنوی خاندان کا بانی بتایا ہے اگرچہ مورخین الپتگین کو یہ عزت دیتے ہیں ؛

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر اغلاط کی جو سرزد ہوئی ہیں صاحب رسالہ اشاعت ثانی میں تصحیح کر دینگے۔ ہم نے یہاں رسالہ کی انگریزی کی خامیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے۔ ٹائپ اور چھپائی اعلیٰ اور آٹھ آنے میں جو اسکی قیمت ہے۔ طالب علموں کے لئے یہ سودا برا نہیں ؛

ملنے کا پتہ :۔ حاجی آغا شیرازی و فرزندان کتاب فروشان۔ عمر کھاڈی بمبئی ۹

"ش"

۳۔ مکاتیب غالب ۔ براضافہ مقدمہ وحواشی از منشی امتیاز علی صاحب عرشی۔ ناظم کتابخانہ ریاست رامپور (بسلسلہ مطبوعات کتابخانہ رامپور نمبر ۱) مطبعہ قیمہ بمبئی ۱۹۳۷ء صفحات ۳۲۰ (فہرست مضامین ۲ صفحہ + تقریب ۱۶ صفحہ + دیباچہ ۱۶۷ صفحہ + مکاتیب ۱۲۱ صفحہ + فہرست اشخاص و مقامات و جرائد ۱۱ صفحہ + تصحیح و استدراک ۳ صفحہ) تصاویر علاوہ، قیمت للعہ/ ، مطبعہ قیمہ بمبئی یا جناب مصنف سے طلب کیا جائے +

دنیا میں شہرت و ناموری کا معاملہ بہ ظاہر بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں - جو اپنی زندگی میں اتنے مشہور و ہر دلعزیز تھے۔ کہ کوئی مجلس ادب و شعر ان کے نام کو طراز انعقاد بنائے بغیر عوام کی طرف سے گرمجوشانہ پذیرائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو آہستہ آہستہ ان کی شہرت بھی ختم ہو گئی - اور اب ان کے نام صرف تذکروں کے صفحات بڑھانے کا سروسامان ہیں +

چند لوگ ایسے بھی ہیں - جن کے لئے زندگی میں ان کی حیثیت و مرتبہ یا تمنا و آرزو کے مطابق استقبال کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن جب وہ اپنی حیات مستعار کی مقررہ میعاد کو پورا کر کے موت کی آغوش میں چلے گئے تو ان کے لئے مستقل شہرت و ہر دلعزیزی کے دروازے وا ہو گئے۔ یعنی ان کی آنکھیں بند ہو گئیں تو دنیا کی آنکھیں کھلیں۔ اور ان کے کام کی اہمیت کا صحیح احساس پیدا ہوا +

مروجات کے پابند لیکن غور کیا جائے ۔ تو یہ صورت حالات بالکل قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے دوائر علم و عمل کی طرح ادب و شعر کا شیوہ اختیار کرنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں ۔ بڑا گروہ ایسا ہے جو صرف اپنے ماحول کی عام طلب کا جواب مہیا کر دینا ہی حقیقی کام سمجھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے عہد اور مقام کے

مروجہ مرغوبات سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ وقت کے بازار میں جس جنس کی خرید زیادہ پاتے ہیں۔ اس کی دکان آراستہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی وہ محض عام رجحانات کی ترجمانی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ طرز عمل قدرتی طور پر ان کے لئے وقتی شہرت کا سامان بن جاتا ہے۔ لیکن جب وقت بدل جاتا ہے۔ رجحانات و مرغوبات میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی حاصل کی ہوئی شہرت بھی مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے؛

نئے دور کے رہنما اس کے برعکس جو لوگ وقت کے عام مالوفات میں محصور نہیں رہتے۔ بلکہ مذاق زمانہ کے ممکنات ارتقا کا صحیح اندازہ کر کے نئے راستے نکال لیتے ہیں۔ اور اپنے محدود زمان و مکان کی حدوں کو توڑ کر وسیع تر زمان و مکان پیدا کرتے ہیں۔ ان کو طبعاً اپنے عہد میں اتنی شہرت و ہردلعزیزی حاصل نہیں ہوتی جس کے وہ ہر اعتبار سے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن جب زمانہ ترقی کرتے کرتے ان لوگوں کے نتائج طبع کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی شہرت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ شہرت و ہردلعزیزی ان کے نتائج طبع کی پائداری اور ان کے پیدا کردہ زمان و مکان کی وسعت کے برابر ہوتی ہے

ہندوستان کے اردو شاعروں اور ادیبوں میں سے غالبؔ کا تعلق اسی آخری گروہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی قدر و منزلت اس کی زندگی سے کہیں بڑھ کر اس کی موت کے بعد شروع ہوئی۔ اور زندگیٔ اس میں اضافہ ہو رہا ہے

غالبؔ کا مقام غالبؔ نے خود کہا تھا۔

شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن   کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است

یہ پیشگوئی میرے نزدیک اسی پختہ احساس کا نتیجہ تھی۔ کہ زمانے کا مذاق ضرور بدلے گا۔ اور اس تبدیلی کے بعد لازماً اس کے کلام کی حقیقی اہمیت دنیا پر

پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔ اُردو کے گذشتہ شعراء میں غالبؔ کے سوا کون ہے جس نے اپنے بلند تخیّل اور دلکش اندازِ بیان سے اُردو شاعری کے لئے ایک ایسا جامع اور بدیع سانچہ مہیّا کیا۔ جو بعد کے دَور کی تمام ضرورتوں اور تمام تقاضوں کو پورا کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا؟ دنیا کی ترقی رُک نہیں گئی۔ اور خدا جانے بعد کو آنے والی نسلوں کی ضرورتیں کس قسم کی ہوں گی۔ لیکن تصوّر کا نقاش نئی نئی ضرورتوں کے جتنے نقش مہیّا کر سکتا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھ لینے کے بعد بھی کم از کم میرا اندازہ یہی ہے۔ کہ غالبؔ کا کلام (اس سے میرا مقصود وہ کلام ہے۔ جو "غالبیّت" کا صحیح مرقع ہے) کبھی بھی پرانا نہ ہوگا جس طرح مثلاً ذوقؔ یا دوسرے شعرا کا کلام پُرانا معلوم ہونے لگا ہے۔

غالب کی ہر دلعزیزی کے مظاہر | غالبؔ کے ساتھ اعتناء و توجہّ کی افزائش کے عملی نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے مختصر سے اُردو دیوان کے کئی نہائت پُرتکلف ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ دورِ حاضر کے مشہور مصوّر خان بہادر چغتائی کو اپنے کمالِ مصوری کی نمایش کے لئے کسی جامع اُردو مرقع کی تلاش ہوئی۔ تو ان کی نظرِ انتخاب بھی اسی دیوان پر پڑی۔ جس کے اشعار کی تعداد صرف اٹھارہ سو بتائی جاتی ہے۔ اس دیوان کی اتنی شرحیں لکھی گئیں۔ کہ دُنیا کے صرف معدود شاعروں کے کلام کے ساتھ اس قسم کے شغف کی مثالیں مل سکتی ہیں۔

غالبؔ کی مفصّل سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ اس کے کلام کو بہ اعتبار سنین مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اس کی ایک ایک چیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی اور شائع کی گئی۔ اس سلسلے کی تازہ کڑی "مکاتیبِ غالب" ہے۔ جس پر سرسری تبصرہ موجودہ مقالہ کا موضوع ہے۔

مکاتیب غالب | دربار رام پور کے ساتھ غالبؔ کا گہرا تعلق بارہ برس قائم رہا۔ اس دَور میں اس نے فرمانروایان رام پور کی خدمت میں جو عرائض بھیجے۔ وہ

شاہی دارالانشاء میں محفوظ تھے۔ اعلیحضرت فرمانروائے رام پور کی علم نوازی اور ان کے قابل وزیر اعظم جناب بشیر حسین صاحب زیدی کی توجہ فرمائی سے غالب کے تبرکات کا یہ گرانبہا ذخیرہ ستر پچہتر برس کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ کتابخانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب امتیاز علی صاحب عرشی نے اسے انتہائی کاوش و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اور اس پر ایک مبسوط و مفصّل دیباچہ رقم فرمایا ہے۔ کتاب ٹایپ میں چھپی ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ طباعت کی دیدہ زیبی کے اعتبار سے اوّل درجے کی اُردو کتابوں میں شمار ہونے کے قابل ہے +

کتاب کی عام کیفیت | پوری کتاب کے صفحات قریباً سوا تین سو ہیں۔ ایک سو تراسی ۱۸۳ صفحے کا دیباچہ ہے۔ ایک سو اکیس ۱۲۱ صفحوں میں غالب کے مکاتیب آئے ہیں۔ جن کی کل تعداد ۱۱۷ ہے۔ آخر میں تین انڈکس ہیں۔ ایک رجال و افراد کے متعلق۔ دوسرا مقامات کے متعلق اور تیسرا کتب و جرائد کے متعلق، چار عکس ہیں۔ ایک غالب کا۔ دوسرا فردوس مکان نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کا تیسرا خلد آشیان نواب کلب علی خان بہادر کا۔ چوتھا عکس غالب کے ایک خط کا ہے۔ کتاب پر مبسوط حواشی ہیں۔ جن میں مکاتیب غالب کے ہر مبہم یا کم واضح پہلو کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ خود فرمانروایان رام پور کے بعض جوابی مکاتیب کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ تاکہ غالب کی متعلقہ تحریر کے مفہوم کا کوئی پہلو بھی مخفی نہ رہے۔ اور اس کی بعض گزارشات کے ضمن میں دربار کی طرف سے جو انتظامات ہوئے سو وہ بھی سامنے آ جائیں +

مکاتیب کی تفصیل | غرض کتاب نہ محض اسی اعتبار سے قابل قدر ہے۔ کہ یہ غالب کی غیر مطبوعہ تحریرات کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کلام غالب کے بعض غیر مطبوعہ فارسی اور اُردو قطعات بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی قابل قدر ہے۔ کہ اِس میں ترتیب و تہذیب کا ایک بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس

میں غالب کے کل ایک سو سترہ مکاتیب ہیں۔ جن کا اجمالی مرقع درج ذیل ہے:۔

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	کیفیت
نواب یوسف علی خان ناظم مرحوم	۴۲	پانچ فارسی ہیں باقی سب اردو میں
نواب کلب علی خان مرحوم	۶۵	ایک فارسی ہیں باقی سب اردو میں
نواب زین العابدین خان عرف کلن میاں	۲	اردو میں
میر منشی رام پور	۶	"
خلیفہ احمد علی صاحب احمد رام پوری	۱	"
مولوی محمد حسن خان صاحب مالک مطبع	۱	"

کتاب کی عام حیثیت کے اس سرسری بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تبرکات غالب کے اس نئے گنجینہ کی علمی و ادبی حیثیت کے متعلق بھی چند گزارشات پیش کر دی جائیں ؛

خطوط غالب کی خصوصیات | غالب کے مکاتیب کی خصوصیات کے استقصاء کا یہ موقع نہیں۔ لیکن چند خصوصیات عام طور پر نمایاں ہیں۔ مثلاً :۔

(۱) غالب کا انداز نگارش و انشاء بے حد دلکش۔ بدیع اور بے تکلف ہے۔ اس کی کوئی مثال اس سے پیشتر کے ادیبوں یا اس کے معاصروں میں نہیں ملتی۔ اس کے بعد کے اکابر علم و ادب کے خطوط کے جو مجموعے چھپ کر ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں سے بھی کسی کا انداز نگارش دلربائی میں غالب کے برابر نہیں پہنچتا۔ غالب کے زمانے تک مقفیٰ نثر کا عام دستور تھا۔ لیکن اس میں بڑے تکلفات سے کام لیا جاتا تھا۔ آج ان عبارتوں کو پڑھا جائے تو وہ حد درجہ الجھی ہوئی اور بے مزہ معلوم ہوں گی۔ غالب کے ہاں بھی جا بجا مقفیٰ نثر موجود ہے۔ لیکن اتنی دلکش ہے کہ گویا دوران نگارش میں بغیر کسی عزم و اہتمام کے خود بخود قافیے پیدا ہو گئے ؛

(۲) غالب کے مکاتیب میں اس کے عہد کے مختلف حالات کا جو ذخیرہ

موجود ہے۔ وہ کسی دوسرے ادیب و نثر نگار کی تحریرات میں نہیں ملتا ۔

(۳) غالب کے مکاتیب میں خود اس کی زندگی کے حالات کا بہت بڑا مواد موجود ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ غالب کے خطوط نہ تو اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ اس عہد کا تاریخی یا معاشرتی مرقع مرتب ہو جائے اور نہ ان خطوط کا مقصود یہ تھا کہ آئندہ چل کر یہ غالب کے سوانح حیات کے ماخذ بن جائیں۔ لیکن غالب کا اسلوب بیان ایسا ہے۔ کہ وہ بے تکلف اپنا اور اپنے ماحول کا نقشہ جا بجا پیش کرتا جاتا ہے ۔

(۴) غالب کے مکاتیب میں علمی نکات کا کافی ذخیرہ موجود ہے ۔

مکاتیب غالب کی حیثیت "مکاتیب غالب" کے بیشتر خطوط ایسے ہیں۔ جن کو محض رام پور والے مستقل وظیفے یا موقت عطیات کی رسیدیں سمجھنا چاہیئے بعض خطوط ایسے ہیں۔ جن میں غالب نے اپنی ضروریات پیش کی ہیں۔ لیکن بقیہ خطوط غالب کے انداز تحریر کی محولہ بالا خصوصیات کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یعنی ان میں علمی نکات بھی ہیں۔ غالب کے حالات کے متعلق بھی مواد موجود ہے۔ اس کے عہد کے بعض ، ، معاشرتی اور دوسرے پہلو بھی ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور زیادہ تر خطوط میں اس کا دلکش انداز نگارش بھی قائم ہے۔ اس وجہ سے خطوط غالب کا یہ نیا ذخیرہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ افسوس کہ میں قلت فرصت کے باعث تمام خصوصیات کی مثالیں پیش نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ۔

خلعت غالب کی تفصیل غالب کی مطبوعہ تحریرات میں خلعت کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل اب تک صرف اس قدر معلوم تھی۔ کہ جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید کے علاوہ "سات پارچے" ملا کرتے تھے۔ "مکاتیب غالب" کے ایک خط سے ان سات پارچوں کی تفصیل پہلی مرتبہ معلوم ہوتی ہے۔ یعنی :-

(۱) کمخواب کا ایک تھان (۲) بنارسی تھان سنہری بوٹوں والا (۳) بنارسی سیلا (۴) الوان

کی چادر کنارہ کلابتون (۵) کناوریز کا تھان (۶) الوان کی چادر بے کنارہ (۷) دوشالہ *

مکاتیب کا دیباچہ | حواشی کے علاوہ "مکاتیب غالب" کا دیباچہ بڑا جامع اور فاضلانہ ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلو صرف رام پوری مکاتیب کی بناء پر بیان کئے گئے ہیں۔ دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالب کی وفات کے قریب اس پر آٹھ سو روپے کی رقم بطور قرض موجود تھی۔ جس کے اتارنے کے لئے وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں چند مرتبہ فرمانروائے رام پور کی بارگاہ میں درخواستیں پیش کر چکا تھا اور غالب کی وفات کے بعد اس کی بیگم صاحبہ نے جہاں اپنے گزارے کے لئے دربار رام پور میں درخواستیں بھیجیں۔ وہاں اس آٹھ سو روپے کی رقم کے لئے بھی چند مرتبہ عرض کیا۔ یہ درخواستیں بھی دارالانشا میں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکار انگلشیہ نے غالب کی وفات کے بعد اسکے وظیفہ کی رقم اسکے متبنے حسین علی خان (ابن زین العابدین خان عارف) کے نام منتقل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور بیگم صاحبہ کو اس شرط پر ماہوار دس روپے کی رقم دینی منظور کی تھی۔ کہ وہ کچہری میں پہنچکر اسے وصول کیا کریں۔ لیکن بیگم صاحبہ نے اس سے انکار کر دیا۔ فرمانروائے رام پور نے بیگم صاحبہ کی درخواستوں کے جواب میں نواب مرزا خان داغ کو زبانی حکم دے دیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس حکم کا مفاد کیا تھا *

بعض مسامحات | بہر حال "مکاتیب غالب" مختلف اعتبارات سے غالب کے متعلق لٹریچر میں بڑا قیمتی اضافہ ہے لیکن یہ گزارش غالباً غیر مناسب نہیں سمجھی جائے گی کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں فاضل مرتب سے بعض مسامحتیں بھی سرزد ہو گئیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کتاب کے وقت غالب کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کا وہ مجموعہ ان کے پیش نظر نہ تھا جو "سبد چین" کے نام سے کلیات کے بعد چھپا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "سبد چین" کے مجموعہ کی بعض نظموں کو غیر مطبوعہ قرار دیا گیا ہے۔ "مکاتیب" کے صفحہ ۴۲ کے حاشیہ میں نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کے غسل صحت

کے متعلق چھ شعر کا جو قطعہ تذکرہ انتخاب یادگار کے حوالے سے درج ہے۔ اس کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے کہ اس میں سے ایک شعر ساقط ہے حالانکہ "سبد چین" میں یہ قطعہ چھپا ہوا موجود ہے اور اس کے اشعار چھ یا سات نہیں۔ بلکہ "پینتیس" ہیں۔ بعض اور مسامحتیں بھی ہیں لیکن ان سے کتاب کی قدر و قیمت یا فاضل مرتب کی محنت، دیدہ ریزی اور کمال ترتیب و تحشیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ انکی یہ سعی ہر اعتبار سے مستحق احترام ہے۔ **غلام رسول مہر بی اے**

۴۔ فہرس کتب خانہ سٹی کالج۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ء

یہ سٹی کالج حیدرآباد دکن کی عربی فارسی اور اردو کتابوں کی ایک اجمالی فہرست ہے۔ جسے جناب غلام رسول صاحب مددگار گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد نے مرتب کیا ہے جیسا کہ فہرست نگار نے اپنے دیباچہ میں صراحت کی ہے اس کتب خانہ کی کتابوں کی "ترتیب" کو "فن تقسیم" کے مطابق ہے۔ یہی اصول اس فہرست کی ترتیب میں بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو کتابوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سرسری طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے مرتب کی محنت قابل داد ہے لیکن افسوس ہے کہ "ذیلی تقسیم" میں تاریخ اشاعت و طباعت کے تقدم و تاخر کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مزید براں جابجا غلطیاں بھی نظر آتی ہیں جن میں سے بعض کو کاتب کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آغانی (بجائے اغانی) فہبانی (بجائے ذُبیانی) الشبھی (بجائے الشہی) وجاہت شاداں (بجائے وجاہت شادانی) الشرتونی (بجائے الشرتونی) وغیرہ وغیرہ۔ امید ہے کہ مرتب کی محنت کی قدر کی جائے گی۔ **سید محمد عبداللہ**

اسماء شعرا

جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت فروری ۱۹۳۸ء)

۲۷۹، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۸، ۳۶۳، ۳۷۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۵۹،
۳ : ۶، ۲۰، ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۶، ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۴۸، ۵۲،
۵۵، ۵۸، ۶۵، ۶۶، ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۹۶، ۹۹، ۱۰۱،
۱۰۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۶،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۰ (؟)، ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳،
۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۸۸، ۲۹۵،
۳۰۸، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۸، ۴۴۲، ۴۵۳، ۴۸۳، ۴۸۶، ۴۹۳،
۵۰۷، **۴** : ۴، ۹، ۱۳، ۱۵، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۴۲، ۴۴،
۷۳، ۹۵، ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۸،
۲۰۶، ۲۵۶، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۸۰، ۴۰۴،
۴۴۵، **۵** : ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۵۵، ۷۰، ۷۷، ۸۳، ۸۵، ۸۹، ۹۳،
۱۴۰، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۱، ۲۰۰، ۲۲۹،
۲۵۰، ۲۶۳، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۶،
۳۴۸، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۲، ۴۲۱، **۶** : ۵، ۱۳،
۱۵، ۲۲، ۳۱، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۸۹، ۹۱، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۱،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۸۰، ۱۹۰، ۲۱۰، ۲۱۴،
۲۲۲، ۲۳۳، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۱۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶،
۳۷۸، ۳۹۰، ۴۰۳، ۴۱۴، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۶،
۴۵۸، ۴۶۵، ۴۶۹، **۷** : ۶، ۳۳، ۴۲، ۷۸، ۷۹، ۸۶، ۹۰،
۱۰۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۷۴،
۱۸۲، ۲۰۶، ۲۱۷، ۲۴۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۸، ۳۳۵،

۳۴۶، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۹۲،
۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۳، ۴۱۶، ۴۳۲، **۸** : ۴، ۶ (؟)، ۱۰، ۱۳، ۱۴،
۲۰، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۳۸، ۴۴، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۶۰، ۶۶، ۷۱ (؟)، ۷۴،
۷۵، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۹۲، ۹۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۴۴،
۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۵، ۲۰۶، ۲۷۲، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۲۷، ۳۷۳، ۳۹۹،
۹ : ۹، ۱۵، ۱۶، ۴۲، ۶۹، ۸۵، ۱۰۶، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۴۹، ۱۵۵،
۱۵۶، ۱۵۷، ۱۷۴، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۶ (؟)، ۲۰۳، ۲۱۲، ۲۵۱ (؟)،
۲۹۶، ۲۹۷، ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۲۶، ۳۳۳، ۳۵۷، ۳۶۹، ۳۸۰،
۳۹۵، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۴ (؟)، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۸۳، **۱۰** : ۲، ۱۲، ۳۸،
۶۸، ۱۳۴، ۱۹۱، ۲۱۷، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۰، ۲۷۵، ۳۱۰، ۳۲۶، ۳۵۴،
۳۶۴، ۳۸۰، ۳۸۷، ۳۹۴، ۳۹۸، ۴۲۰، ۴۲۶، **۱۱** : ۶، ۹ (؟)،
۱۹، ۲۹، ۳۱، ۳۸، ۴۶، ۵۱، ۷۰، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۵، ۸۷، ۹۲،
۱۳۲، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۹۱، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۲۶،
۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۶۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۴، ۳۶۷، ۳۸۹، ۴۱۵، ۴۱۷،
۴۲۹، **۱۲** : ۲۲، ۳۵، ۴۲، ۵۱، ۶۸، ۷۴، ۹۲، ۱۳۶، ۱۷۰، ۲۱۸،
۲۲۸، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۰، ۳۲۶، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۸۹، ۳۹۴، **۱۳** : ۳۰،
۸۷، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۵۵، ۱۵۷ (؟)، ۱۷۰ (؟)، ۱۷۲ (؟)،
۲۱۷، ۲۲۵، ۲۳۲، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۴، ۳۱۲، ۳۱۳،
۳۲۳ (؟)، ۳۴۴، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۹۳، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۱۴، ۴۱۸،
۴۳۵، ۴۴۶، ۵۰۱، **۱۴** : ۲، ۴، ۲۲، ۵۰، ۵۵، ۹۷، ۱۰۶، ۱۰۷،
۱۱۷، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۳، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۷۱،

۲۷۵، ۲۸۴، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۳۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۴۹، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۷۰، **۱۵**: ۴۸، ۵۵، ۶۴، ۷۳، ۷۴،
۸۷، ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۳۶،
۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۶،
۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۷، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۹۵، ۳۹۶،
۴۰۱، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۱، **۱۶**: ۷، ۱۰، ۳۰، ۷۷، ۸۴، ۹۹، ۱۰۴، ۱۳۶،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۸۲، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۶۶، **۱۷**: ۲۱، ۴۰، ۴۳، ۴۷،
۷۲، ۸۷، ۱۰۱، ۱۵۵، ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۷۰، ۲۹۵(؟)،
۳۶۵، ۳۷۵، ۳۹۹، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۵۲، **۱۸**: ۱۶، ۳۰، ۵۲، ۵۵،
۹۱، ۱۰۴، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۳۴، ۲۵۰،
۲۸۳، ۲۹۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۰، **۱۹**: ۲۰، ۴۰، ۶۴، ۷۶، ۷۸، ۸۳،
۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۹۲، ۲۰۱(؟)، ۲۱۹،
۲۲۶، ۲۳۳، ۲۶۴، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۹، **۲۰**: ۷، ۱۰، ۵۰، ۷۳،
۷۹، ۸۶، ۹۴، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۷(؟)، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۴۲، ۲۵۳،
۲۵۷، ۲۶۵، ۲۶۷، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۵، ۳۷۵؛

ابن العَجلانِ الهُذَلِی **۱۷**: ۳۷۷؛

العِجلِی **۱۹**: ۳۱۶؛

العُجَیرُ السَّلُولِی **۱**: ۲۹۱، ۴۷۸، **۳**: ۹۰، ۴۴۸، ۴۶۵، **۴**: ۴۴۶،
۶: ۱۸۶، ۱۹۱، ۴۲۹، **۷**: ۲۹۰، ۴۰۰، **۸**: ۶۴، **۹**: ۱۰۹،
۳۲۱، **۱۰**: ۳۴۶، ۳۷۴، **۱۲**: ۳۵۷، ۳۹۳، **۱۳**: ۴۳(؟)، ۱۵۷،

عمرو بن الاھتم ۱۰: ۴۱۸، ۱۱: ۱۵۹، ۱۲: ۲۶۷، ۲۰: ۸۸،
(نیز ملاحظہ ہو عمرو بن الاھیم)

عمرو بن الاَھْیَم ۱۶: ۱۴۸؛

عمرو بن الأیْھَم ۱۶: ۸۰؛

عمرو بن بدرٍ الھذلی ۱۹: ۲۶۴؛

عمرو بن براء ۱۰: ۲۲۱، ۱۱: ۱۸۶؛

عمرو بن جَبَل ۱۴: ۳۶۶؛ (۱۴: ۳۶۷، پر یہی مصرع عمرو بن جمیل کی جانب منسوب ہے)

عمرو بن جَمیل الاسدی ۶: ۳۹۱، ۱۰: ۲۴۵، ۱۴: ۳۶۷، ۱۸: ۳، ۱۴۸؛

عمرو بن جُوَیْن ۷: ۳۶۲ (؟)، ۸: ۳۷۹، ۱۴: ۱۷۸ (؟)؛ (یہ نام عامر بن جوین الطائی سے مشابہ ہے)۔

عمرو بن الحرث ۱۴: ۱۱۰؛

عمرو بن الحرث بن مُضاض بن عمرو ۱۶: ۲۶۴ (؟)؛

عمرو بن حارثۃ (المعروف بالاشعر الزفیان) ۲۰: ۳۲۹؛ (معجم الشعرا میں الزفیان کی بجائے الرقبان مرقوم ہے)۔

عمرو بن حَسّان (من بنی الحرث بن ھمام بن مُرّۃ) ۶: ۴۴۶، ۹: ۹۷، ۱۲: ۱۰۲، ۱۳: ۱۸۷ (؟)، ۴۳۱، ۱۷: ۳۰۴، ۱۹: ۳۴۹؛

عمرو بن الدخل ۶: ۲۷۳، ۳۲۱؛

عمرو بن دَرّاک العبدی ۱۵: ۱۷۷؛

عمرو ذو الکلب الھذلی ۲: ۲۳۲، ۴: ۲۲، ۲۲۰، ۷: ۳۱۱، ۱۲: ۲۹۳، ۱۳: ۴۹، ۱۴۱، ۱۵: ۴۱، ۱۲۵، ۲۱۴، ۳۲۱، ۱۶: ۹۲، ۲۲۱، ۱۹:

غ

ف

۸ : ۱۲۷، ۱۷۲، ۲۰۸، ۲۱۴، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۳۷، ۳۵۲، ۴۱۲،
۹ : ۸۱، ۹۰، ۹۶ (؟)، ۱۸۹، ۱۹۳، ۳۰۵، ۳۱۱، ۳۴۵، ۳۷۲،
۴۲۶، ۴۴۱، ۴۵۶، ۴۷۸، ۴۸۳، ۱۰ : ۱۰، ۵۳، ۷۱، ۱۳۹، ۱۴۲،
۱۴۸، ۱۸۶، ۲۴۵، ۲۶۱، ۲۹۰، ۳۶۱، ۳۶۶، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۹۰،
۴۱۷، ۴۲۵، ۱۱ : ۷، ۳۰، ۳۳، ۴۴، ۴۸، ۵۶، ۵۷ (؟)، ۸۱،
۸۴، ۸۵ (؟)، ۹۲، ۱۱۲، ۱۲۱، ۱۳۲، ۱۴۹، ۱۶۳، ۱۷۹، ۱۹۹، ۲۲۸،
۲۴۴، ۲۴۶، ۲۶۶، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۳۵، ۳۴۳، ۳۴۷، ۱۲ : ۱۶، ۱۸،
۲۱، ۷۵، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۸، ۱۸۹، ۱۹۶،
۲۵۲، ۲۸۴، ۳۱۶، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۷۵، ۳۸۲،
۱۳ : ۱۵، ۲۸، ۳۱، ۳۶، ۳۹، ۴۲، ۷۵، ۷۸، ۱۰۰، ۱۳۸، ۱۵۲،
۱۸۴، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۴۳، ۲۹۵، ۳۶۰، ۴۱۶، ۴۷۷، ۴۹۴، ۵۰۰،
۵۰۸، ۵۰۹، ۱۴ : ۸، ۹، ۲۰، ۳۳، ۶۴، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۰، ۱۷۴،
۲۶۹، ۳۱۰ (؟)، ۳۲۶، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۵۱، ۳۶۴، ۳۶۹، ۱۵ :
۴، ۱۹، ۴۹، ۵۴، ۸۹، ۱۳۷، ۱۴۲، ۲۲۳، ۳۰۱، ۳۳۷، ۳۵۷،
۳۹۶، ۴۰۳، ۴۲۶، ۴۳۱، ۱۶ : ۳۱، ۳۹، ۴۱، ۶۰، ۹۱، ۱۰۸، ۱۳۰،
۱۵۰، ۲۱۱ (؟)، ۲۲۵، ۲۴۶، ۲۵۵، ۲۹۴، ۱۷ : ۷، ۹، ۱۰، ۴۲،
۹۸، ۱۱۶، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۸۴، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۷۵، ۳۲۸،
۳۴۸، ۳۷۹، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۲۳، ۴۲۵، ۱۸ : ۶، ۵۹، ۱۱۳،
۱۵۲، ۱۷۴، ۱۷۶، ۲۲۴، ۳۰۸، ۱۹ : ۱۵، ۱۶، ۳۱، ۶۶، ۷۰، ۷۹،
۱۳۵، ۱۷۴، ۱۸۶، ۲۴۸، ۲۷۵ (؟)، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۴۱، ۳۴۶،
۳۵۴، ۳۵۵، ۲۰ : ۱۶، ۴۳، ۶۲، ۸۴، ۹۵، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۷۵،

ق

(آخری دونوں صفحوں پر عیزارة کی بجائے عیزار مرقوم ہے)۔

ک

۴۶، ۶۲، ۷۰، ۸۵، ۲۱۴، ۳۱۰، ۳۳۳، ۱۷: ۹۱، ۳۵۴، ۱۸: ۷۵؛
۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۹: ۲۷۵، ۳۲۰، ۲۰: ۱۴۳، ۱۹۲، ۲۰۲،
۳۷۹، ۳۸۱؛

ابو کَثْوَۃ ۱۶: ۶۱، ۱۹: ۸۵ (یہاں ابن کثوۃ مرقوم ہے، مگر دونوں جگہ
ایک ہی شعر ہے)؛

کُثَیِّر — ھو کثیر عزۃ

کُثَیِّر بن جابر المحاربی ۲: ۷۲، ۷۵، ۱۰: ۳۰۷، ۱۶: ۱۰۱، ۲۰۶، ۱۸:
۳۳، ۲۴۷؛

کثیر بن سعد ۶: ۲۳۰؛

کُثَیِّر عَزَّۃ (ھو ابن عبدالرحمٰن الخزاعی) ۱: ۴۳، ۴۷، ۸۷، ۸۹، ۱۲۰، ۲۰۰،
۲۲۴، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۴۲، ۳۶۵، ۳۸۳، ۴۰۳، ۴۰۸، ۲:
۲۱، ۲۲، ۷۴، ۹۸، ۱۲۲، ۱۴۵، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۶۳، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۲۱، ۳۷۷ (؟)، ۳۸۷، ۳۹۴، ۴۱۶، ۴۵۳، ۴۷۳، ۴۷۶؛
۳: ۴، ۱۳، ۶۱، ۷۴، ۲۷۵، ۳۲۱، ۳۴۷، ۴۷۲، ۴: ۸، ۳۹،
۵۸، ۸۷، ۹۵، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۹،
۲۱۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۴۳۵، ۴۴۳،
۴۵۰، ۵: ۱۲، ۳۴، ۳۸، ۵۹، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۲،
۱۵۹، ۱۷۳، ۳۹۲، ۶: ۴۱، ۷۱، ۸۲، ۹۵، ۱۳۵، ۱۴۵، ۲۰۲؛
۲۰۷، ۲۱۰، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۳۳، ۳۶۶، ۴۱۰، ۴۱۴، ۴۵۱، ۴۷۱؛
۷: ۵۷، ۵۸، ۱۳۰، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۹۴، ۲۰۱، ۸: ۱۰۳،
۱۶۸، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۶۲(؟)، ۳۸۳، ۹: ۷۴، ۱۵۱، ۲۰۸، ۳۸۶، ۴۲۰،

۴۸۱، **۱۰**: ۴۳، ۵۳، ۵۶، ۱۱۴، ۱۶۰، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۷۵، ۲۹۴،
۳۰۸، ۴۰۲، ۴۴۱، ۴۴۴، **۱۱**: ۱۷، ۴۴، ۵۵، ۶۳، ۸۷، ۱۵۰،
۱۵۴، ۱۶۵، ۳۰۲، ۳۶۳، **۱۲**: ۴۰، ۶۲، ۷۳، ۹۹، ۱۲۷، ۱۳۴،
۱۷۹، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۸، ۳۱۳، ۳۱۹، ۳۴۶،
۳۹۹، **۱۳**: ۹، ۱۰، ۴۱، ۴۷، ۵۸، ۷۱، ۹۲، ۱۰۳، ۱۲۵، ۱۴۶،
۱۶۷، ۱۸۵، ۲۷۷، ۲۸۲، ۳۰۱، ۳۱۲، ۳۲۶، ۳۳۴، ۳۴۴،
۴۰۴، ۴۴۳، ۴۵۶، ۵۱۱، **۱۴**: ۲۵، ۱۰۶، ۱۶۱، ۱۷۷، ۱۷۸،
۱۹۱، ۲۱۷، ۲۹۷، ۳۱۱، ۳۱۸، ۳۳۱، **۱۵**: ۲۵، ۱۰۸، ۱۰۹،
۱۳۲، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۷۹، ۱۸۸، ۲۶۷، ۲۹۱، ۳۳۱، ۳۴۵،
۳۴۶، ۳۵۳، ۴۲۷، **۱۶**: ۱۵، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۹۳،
۲۰۷، ۲۲۰، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۷۰، ۲۸۱، ۲۹۹، **۱۷**: ۱۰،
۷۴، ۸۱، ۱۱۳، ۱۴۸، ۱۷۱، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۷۰،
۲۷۱، ۳۴۰، ۳۴۳، **۱۸**: ۷۳، ۷۷، ۷۹، ۸۷ (؟)،
۱۲۰، ۱۲۷، ۱۴۲، ۲۰۸، ۲۶۴، ۲۹۳، ۳۰۴، **۱۹**: ۱۶،
۳۱، ۳۴، ۴۱، ۶۳، ۷۵، ۸۹، ۱[illegible]، ۱۱۲، ۱۳۵، ۱۶۰، ۱۷۳،
۱۸۹، ۱۹۶، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۹۲، ۳۳۵، ۳۵۷، **۲۰**:
۴۳، ۶۰، ۹۶، ۱۰۴، ۱۵۱، ۱۶۷، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۳۶، ۲۷۴،
۲۸۰، ۲۹۲، ۲۹۸، ۳۰۱؛

کثیر بن العزیرة **۱۳**: ۲۷۱؛
کُثَیِّر بن کُثَیِّر النَّوفَلِیّ **۲**: ۵۱؛
کُثَیِّر بن مُرَدِّدٍ **۶**: ۸، **۱۳**: ۷۳، ۲۴۱، ۳۳۶؛

الکذاب الحرمازی ۷: ۳۰۱، ۱۲: ۲۳ (؟)؛
الکروس بن حصن ۱۴: ۳۱۰؛
الکسعی (ھو محارب بن قیس) ۱: ۲۸۹، ۱۰: ۱۸۶؛
کعب — ھو کعب بن زھیر المزنی
کعب بن ارقم الیشکری ۱۵: ۳۸۲ (؟)؛
کعب الامثال ۱۰: ۲۹۵، ۲۰: ۲۴۷؛
کعب بن جعیل ۲: ۱۴۶، ۴: ۲۴۲، ۶: ۶۹ (؟)، ۱۲: ۳۴، ۱۳:
۲۲۲، ۱۴: ۱۵۷؛
کعب بن زھیر المزنی ۱: ۱۳۹، ۱۴۱، ۲۱۴، ۲۹۲، ۳۶۱، ۳۸۴،
۴۰۹، ۴۳۱، ۴۶۲، ۲: ۱۶۲، ۳۰۵، ۳: ۱۲۸، ۲۱۸،
۲۳۰، ۳۶۳، ۴: ۲۶، ۲۹، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۵۰، ۲۷۹،
۳۲۷، ۳۷۴، ۴۳۹، ۴۵۴، ۵: ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۵۶،
۳۱۳، ۳۲۱، ۳۹۵، ۳۹۷، ۴۲۳، ۶: ۵۲، ۱۶۸، ۱۷۴،
۲۱۶، ۲۶۱، ۳۰۱، ۴۳۵، ۷: ۱۵۸، ۲۰۰، ۲۳۳، ۲۵۴،
۲۵۹، ۳۱۷، ۳۸۱، ۳۸۲، ۸: ۱۲۸، ۳۳۱، ۳۸۴، ۹:
۲۰، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۹، ۶۱، ۱۰۳، ۱۹۸، ۲۴۱، ۴۰۰،
۱۰: ۱۶۲، ۱۹۶، ۲۹۲، ۳۷۰، ۳۸۷، ۴۴۷، ۱۱: ۷۹،
۸۲، ۱۳۲، ۱۳۸، ۲۴۵، ۲۵۳ (؟)، ۲۶۰، ۱۲: ۶۴، ۱۱۰،
۲۰۴، ۲۰۹، ۲۳۶، ۳۱۲، ۳۳۱، ۳۳۹، ۱۳: ۴۱، ۵۴، ۵۶،
۶۳، ۸۰، ۸۵، ۹۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۵۸،
۲۸۲، ۳۰۰، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۵۶، ۳۹۰،

الکلحبۃ الیربوعی (ھو ھبیرۃ بن عبد مناف) ۲ : ۳۸۶، ۴ : ۱۷۷، ۲۸۰،
۶ : ۲۳۵، ۱۰ : ۱۲۳، ۴۰۱ (یہاں ابن الکلحبۃ مرقوم
ہے)، ۱۱ : ۹۴، ۱۲ : ۴۰۵، ۱۵ : ۱۷، ۵۹،
۱۸ : ۸۶؛

کُلیب بن ربیعۃ التغلبی ۶ : ۳۷۷ (؟)؛ ۲۰ : ۳۸۵؛

کلیب الکلابی ۱۲ : ۲۶۸؛

الکمیت ـــــ ھو الکمیت بن زید الاسدی

الکمیت بن ثعلبۃ الاکبر الفقعسی ۵ : ۳۸۶ (؟)، ۷ : ۸،
۱۰ : ۱۴۵ (؟)؛

الکمیت بن زید الاسدی ۱ : ۲۱، ۴۶، ۵۳، ۸۲، ۱۰۵،
۱۱۱، ۱۳۵، ۱۸۷، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۴۰، ۲۶۴، ۲۷۵،
۲۷۹ (؟)، ۲۸۸، ۳۲۱، ۳۲۸، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۱۰،
۴۲۸، ۴۳۴، ۴۵۳، ۴۵۹، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۸،
۴۸۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۲ : ۶، ۱۶، ۲۶، ۲۷، ۳۲،
۳۶، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۶۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۸۸، ۲۱۸،
۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۸۰،
۲۸۴، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۷۲، ۴۰۴، ۴۱۷، ۴۴۷،
۳ : ۳، ۲۴، ۴۳، ۸۵، ۱۷۰، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۵،
۲۰۸، ۲۱۴، ۲۲۷، ۳۶۷، ۳۹۲، ۴۳۴، ۴۴۱،
۴۵۹، ۴۷۰، ۵۰۲، ۴ : ۲۳، ۳۳، ۴۸، ۵۴، ۱۷۱،

۹۶، ۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۸۸، ۱۹۳،
۲۰۳، ۳۰۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۸۱، ۳۹۹، ۴۲۱، ۴۳۸،
۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۶، ۵: ۳۴، ۴۱، ۴۲،
۴۶، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۲،
۲۰۲، ۲۰۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۱۹، ۳۴۶، ۳۵۱، ۳۵۳،
۳۶۴، ۳۷۶، ۴۰۰، ۴۱۳، ۶: ۷، ۸، ۱۲، ۱۵،
۴۶، ۶۹، ۷۱، ۸۸، ۱۶۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۷،
۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۶۱، ۲۶۶،
۳۱۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۵۷، ۴۳۴،
۴۴۷، ۴۴۸، ۴۷۳، ۷: ۳۳، ۴۹، ۷۰، ۸۱،
۱۰۶، ۱۲۳، ۱۵۵، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۳۸، ۲۵۷،
۲۶۰، ۳۱۳، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۷،
۳۶۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۳۰، ۸: ۶، ۹،
۱۴، ۳۴، ۶۰، ۶۳، ۷۷، ۸۶، ۹۰، ۹۷، ۱۰۱،
۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۶،
۲۴۶، ۲۵۳، ۲۶۵، ۲۹۱، ۳۳۶، ۹: ۳۵، ۴۶،
۸۳، ۸۹، ۱۵۹، ۱۶۸، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۱،
۲۱۳، ۲۳۸، ۲۴۸، ۲۶۸، ۳۹۸، ۴۲۵، ۴۲۸،
۴۴۴، ۴۷۶، ۵۰۰، ۱۰: ۷۲، ۹۸، ۱۰۸، ۲۸۱،
۳۱۷، ۳۳۳، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۰، ۴۲۶،
۴۴۵، ۴۵۱، ۱۱: ۲۱، ۴۹، ۵۸، ۱۲۷، ۱۴۶،

۱۴۸، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۴۸،
۲۵۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۵،
۳۷۵، ۴۰۱، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۱، ۱۲: ۳، ۳۶،
۴۷، ۵۸، ۸۱، ۹۰، ۱۳۵، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۳،
۱۹۶، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۵۲، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۶،
۳۰۶، ۳۳۰، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۶۷، ۱۳: ۳، ۱۳،
۲۵، ۴۸، ۶۶، ۶۷، ۸۲، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۰،
۱۱۴، ۱۴۱، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۸،
۲۱۹، ۲۲۵، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۸۰،
۲۸۷، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۶۸، ۳۷۴،
۳۷۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۹، ۴۴۴،
۴۵۳، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۲، ۴۹۹، ۵۱۰، ۵۱۱،
۵۱۵، ۱۴: ۶، ۱۹، ۲۷، ۲۸، ۴۷، ۴۸، ۵۰، ۹۳،
۱۰۵، ۱۲۹، ۱۵۷، ۱۵۸(؟)، ۱۶۴، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰،
۲۰۳، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۷،
۲۷۹، ۲۹۵، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۵۶، ۱۵: ۲۶،
۴۰، ۷۹، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۹،
۱۷۶، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۳۸،
۲۶۰، ۲۹۲، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۸، ۱۶: ۲۰، ۵۲،
۷۹، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۵۸، ۱۹۰، ۲۰۳،
۲۱۸، ۲۷۸، ۲۸۸، ۱۷: ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۳۵،

ل

۱۸۸، ۱۸۹، ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۳۶، ۲۷۸، ۲۷۹،
۲۹۷، ۳۱۰، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۶۶، ۳۷۹،
۳۸۰، ۴۰۸، ۴۵۵، ۴۶۱، ۴۶۷، ۴۷۵، ۴۷۶،
۴۷۷، ۴۸۰، ۴۸۶، **۲** : ۱۳، ۵۸ (؟)، ۷۱،
۱۰۱، ۱۰۵، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۷،
۱۷۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۰۳، ۲۳۷، ۲۴۸، ۲۵۶،
۲۶۴، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۱۹، ۳۴۱، ۳۶۲،
۴۳۳، ۴۳۹، ۴۷۸، **۳** : ۱۶، ۱۸، ۵۳، ۵۸،
۵۹، ۷۸، ۸۵، ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۸۲، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۰، ۲۹۳،
۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۹۱، ۴۰۹،
۴۱۰، ۴۳۵، ۴۵۱، ۴۶۷، ۴۷۳، ۴۹۱، ۵۰۰،
۵۰۳، ۵۰۷، ۵۰۸، **۴** : ۳۵، ۶۴، ۷۱، ۸۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۴۳، ۲۷۳، ۲۷۹،
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۸، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۱،
۳۳۸، ۳۵۷، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۹۷، ۴۰۲، ۴۳۰،
۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۸، ۴۷۴، **۵** : ۴، ۱۹، ۲۰، ۴۵،
۴۸، ۸۸، ۹۶، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۴۲، ۱۵۹، ۱۶۴،
۱۶۶، ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۳،

۲۹۶، ۳۰۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۵۹،
۳۶۱، ۳۸۱، ۳۹۴، ۳۹۶، ۴۰۳، ۶: ۵، ۸،
۱۱، ۱۳، ۲۳، ۲۷، ۴۷، ۴۸، ۶۴، ۶۶، ۹۱،
۱۰۹، ۱۱۸، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۸، ۲۱۹،
۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۶۲، ۲۷۲،
۲۸۰، ۲۸۱، ۲۹۴، ۳۱۴، ۳۳۴، ۳۵۰، ۳۵۳،
۳۵۵، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۰۱،
۴۰۸، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۴۸، ۴۶۳، ۴۶۵، ۷:
۹، ۲۹، ۳۲، ۵۴، ۵۹، ۸۶، ۱۰۳، ۱۱۵، ۱۱۷،
۱۲۶، ۱۳۲، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۷۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۱،
۲۱۷، ۲۲۹، ۲۵۳، ۳۱۹، ۳۸۲، ۳۹۴، ۴۳۱،
۸: ۱۲، ۳۵، ۸۲، ۹۴، ۹۶، ۱۱۲، ۱۶۰، ۱۶۱،
۱۶۴، ۱۷۸، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۲۱، ۲۸۹، ۳۰۹، ۳۲۶،
۳۵۰، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۸، ۹:
۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۵، ۷۰، ۸۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۵،
۱۵۳، ۱۷۱، ۱۸۶، ۲۲۱، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۷۵، ۲۹۳،
۳۰۰، ۳۷۹، ۳۸۶، ۳۹۸، ۴۰۵، ۴۲۷، ۴۴۰،
۴۵۶، ۴۵۷، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۷۷، ۴۷۹،
۴۸۲، ۴۸۸(؟)، ۴۹۳، ۱۰: ۱۱، ۱۸، ۱۹، ۳۹،
۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۵، ۶۶، ۷۹، ۹۱،
۹۴، ۱۰۳، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۴۹،

و برداشتی[1] بخلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند و باز بعضی ازین پیغمبران را چون ابراهیم و موسی و داود علیهم[2] السلام[3] کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آن روزگار را فرمود تا بشریعت عمل کنند و بر دین ایشان باشند و مجموع این رسولان مردم را بدین توحید و خدا[4] پرستی[5] دعوت کردند و از آفتاب و ماهتاب[6] و ستاره و شیطان[7] و بت پرستیدن باز داشتند و هر کدام را ازین رسولان شریعتی مخصوص بود اما همه[8] در توحید خدای[9] متفق بودند چون نوبت رسالت و پیغمبری بر رسول ما محمد مصطفی صلی الله علیه و سلم[*] رسید شریعتهای دیگر منسوخ گشت و او رسول و پیغمبر آخر الزمان[10] شد و همه عالمیان امیر و سلطان و غنی و وزیر و فقیر و صغیر و کبیر را بشریعت او عمل می باید کرد و ترک ملت و شریعتهای گذشته می باید داد، اعتقاد بحق و درست اینست و مسلمانی عبادت ازینست پیشتر ازین

۱۰ بچند سال چنگیز[11] خان خروج کرد و بعضی فرزندان خود را بولایتها و مملکتها فرستاد جوجی[12] خان را بحدود سرای و قرم و دشت قبجاق[13] فرستاد و در انجا نیز بعضی پادشاهان چون اوزبک[14] و جانی خان و ارس خان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بشریعت حضرت[15] محمد مصطفی صلی[16] الله علیه و آله و سلم

۱۱ عمل میکردند و هولاکو خان را بلاد خراسان و عراق ا و نواحی آن مقرر گردانیدند پس ازان

---

[1] آ زبده : ایشان را [2] ک : علیهما الخ [3] زبده : و عیسی و محمد علیهم الصلوة والسلام [4] زبده : خداترسی، [5] ک : مه و ستاره و سلطان، تصحیح از روی زبده، [6] زبده —، [7] زبده : خدای تعالی [8] با آ : و آله و سلم [9] آ : زمان، زبده مثل متن، [10] آ : جنکز، ک آک : جنکیز، ب : جنکیر، با : چنکیر، [11] زبده : جون خانرا [12] آ ب زبده : قفجاق، [13] زبده : اوزنک و جانی خان بر، ک ارس نوشته است بفتح الف، ۱۱ مارک بہ لین پول ص ۲۴۰ نسب نامہ آل جوجی بذیل اوردا و باتو، [14] بب (بہر موضع) : محمد علیہ الصلوة والسلام، آ (بہر موضع) : محمد علیہ السلام، زبده : محمد رسول صلی الله علیه وسلم ؛

بعضی از فرزندان او که حاکم[1] آن ممالک بودند چون آفتاب شریعت محمدی[2] صلی الله علیه و آله وسلم[+] در دل ایشان بود همچنان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بسعادت اسلام مشرف گشته[3] باخرت رفتند چون پادشاه[4] راست گوی[+] غازان و اولجایتو[5] سلطان و پادشاه سعید ابوسعید بهادر، تا نوبت حکومت و فرمان روائی و سلطنت و کامرانی به پدر و مخدوم امیر تیمور گورگان طاب ثراه[6] رسید ایشان نیز در جمیع ممالک بشریعت محمدی[7] صلی الله علیه و آله وسلم[+] عمل فرمودند[8] و در ایام سلطنت و جهانداری ایشان اهل ایمان و اسلام را رونقی هرچه تمامتر بود اکنون که بلطف و فضل خداوند تعالی این ممالک خراسان و ماوراء النهر و عراق و غیرها[9] در قبضهٔ تصرف آمده در تمامی ممالک حکم بموجب شریعت مطهره نبویه میکنند و امر معروف و نهی منکر کرده[11] یرغو[12] و قواعد چنگیز خانی[13] مرتفع است، چون یقین و تحقیق شد ۱۰ که خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا بسبب ایمان و اسلام و عنایت خداوند تعالی است با رعیت بعدل و داد و انصاف زندگانی کردن[14] واجب است[+] امید بموهبت و کرم الله[15] تعالی آنست که ایشان نیز در آن ممالک بشریعت حضرت[16] محمد رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم عمل کنند و مسلمانان[17] را قوت دهند تا باشد که پادشاهی چند روزهٔ دنیا بپادشاهی آخرت که ولَلآخرة[18] خیرٌ لک من الاُولی

---

۱ زبده: بادشاه آن مملکت ۲ زبده: محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم نیز رک برس ۵
۳ زبده: گشتند و ۴ زبده: بادشاهان، ۵ زبده: الجوتو ۶ زبده +: وجعل الجنة مثواه، ۷ فقط در ک، آ: محمد علیه السلام، ب: محمد علیه الصلوة والسلام زبده: محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم، ۸ زبده: کردند ۹ آ: غیر او ۱۰ زبده: وادربایجان وغیرها
۱۱ زبده: می کنند ۱۲ زبده: برعفو دا ۱۳ آ: حبکر خانی، با: چنگیز خان، بب: جنگیر خانی، ک: جنگیز خوانی
۱۴ زبده: گردان ۱۵ آ زبده: خداوند ۱۶ آ زبده ـــ ۱۷ آ: علیه السلام ۱۸ زبده: مسلمانی،
۱۹ زبده: والآخرة، رک به قرآن مجید ۹۳: ۴.

منفصل[1] گردد،

ودرین وقت ازان طرف ایلچیان رسیدند و تحفها آوردند و خبر سلامتی ایشان
و معموری آن ممالک گفتند محبت و دوستی که میان پدران بود بر موجب محبة الآباء
قرابة الابناء تازه گشت ما نیز ازین طرف محمد بخشی ایلچی فرستادیم تا خبر سلامتی
رساند[2] مقرر آنست که بعد ازین راهها گشاده باشند تا بازرگانان[3] بسلامت آیند و روند[4]
که این [معنی[5]] سبب آبادانی ممالک و نیکنامی[6] دنیا و آخرتست توفیق رعایت اتحاد
و مراقبت شرایط وداد رفیق اهل طریق[7] باد!

حضرت خاقان سعید فرمود که ایلچیان اطراف را چون ایلچی محمد[8] قرامان که با
تحف روم آمده بود و ملک قطب الدین سیستانی و ایلچی پیرک ازگرمسیر، مجموع
ملتمسات ایشان را ساخته و همه را بانعام و اکرام نواخته اجازت مراجعت نمود[9] ۱۰
بازرفتند خوشدل و خرم

ذکر شاهان بدخشان و رفتن ایلچی بجانب ایشان

شاه بهاء الدین بدخشانی قاصدی پیش حضرت خاقان سعید فرستاده بود و التماس نموده

---

[1] زبده: بمفصل [2] زبده: برساند، [3] ک: بازرجانان، زبده: بازارکانان [4] زبده: بسلامت روند و آیند، [5] از روی زبده [6] آ زبده: نیکونامی [7] ب: باد تمّ دینی تمّ [8] امیر محمد قرامان که این ایلچی را فرستاد از ۸۰۵ھ تا ۸۲۹ھ در لائی قاونیه (Lycaonia) فرمان روائی کرد رک به فهرست امرای این خانواده در لین پول مقابل ص ۱۸۴، [9] زبده: (ورق ۱۸۸ ا) ایلچی محمد قرامان از بلاد روم آمده بود و تحف و ظرائف آن دیار رسانیده و ملک قطب الدین سجستانی که ذکر او گذشته و پیرک از گرمسیر خود مجموع ملتمسات باجابت مقرون شده باوطان خود مراجعت نمودند +

که معتمدی روان فرمایند تا مال ولایت فرستد و فرزندان[1] خود را بملازمت مشرف سازد و آنحضرت امیر حمزه قتوقور را که از اعیان حضرت بود[2] ارسال فرمود و مشار الیه بآنجا رسید[3] شاه بهاء الدین خیال محال و اندیشه استقلال بخاطر راه داده بود و انقیاد احکام ننمود و با نوکران میرزا ایجل[4] در مقام مقاتله[5] بود، امیر حمزه[6] باز آمده صورت واقعه بعرض رسانید آنحضرت فرمود که امراء کبار امیر مضراب بهادر و امیر سید علی ترخان و امیر فیروزشاه متوجه بلخ شده در ظل چتر[7] فلک سای میرزا ابراهیم سلطان درآیند[8] و امراء به بلخ رسیده میرزا ابراهیم سلطان همه را انعام فرمود و شاهزاده و امرا عزیمت بدخشان نمودند و از راه بغلان[9] باشکمش[10] آمده[11] شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت و لشکرها با امراء به بدخشان درآمدند

---

[1] زبده: فرزند، [2] در زبده +: و در حسن رای و کمال دانش مشار الیه و متفق علیه [3] زبده: دید که شاه بهاو الدین درا(ن) حدود دست تطاول کشاده و پای از حد خود بیرون نهاده است و اندیشه فساد و نقش استقلال را بخاطر راه داده التزام طاعت قبول نکرده و بدان وعدهای وفا ننمود و ملک آثار تمرد و عصیان ازو مشاهده کرد امیر حمزه مراجعت نمود و از و چنان دریافته بود که با اصحاب اطراف که بحدود متصل است بر طمعی مداخلتی می باشد و مترصد فرصتی می کند و باغوای جمعی مفسدان شریر و اغرای قومی فتان شورانگیز اقدام می نماید و با نوکران امیر امیرزاده اعظم ایجیل (کذا)، تو بان که دیوان سرحد بودند جنگ کرده بنیاد مخاصمت و منازعت نهاد بنابرین مقدمان با جمعی از امرای را فرمان شد الخ [4] ک اک: ایجل، آ ب ب: ایکل، [5] ک اک: مقابله ب ب: مقابله آ مثل متن [6] آ ب ب اک: حمزه قتوقو [7] زبده: از انجا بزیر رایت . . . . . . ابراهیم سلطان . . . . . . و امرای آن دیار مثل امیر توکل برلاس و امیر نوشیروان و غیرهما با لشکرها که دران حدود بودند باتفاق عازم بدخشان شوند، [8] آ آ: بقلان، ب ب و زبده: مثل متن [9] ک، بشکمش، تصحیح از روی آ اک آ ب د ب، زبده: ییلاق اشکمش، [10] در زبده: بجای دو سه سطر آینده می گوید: انجا خبر تحقیق کردند که شاه بهاو الدین در داد کوه (کذا) لشکرهای خود جمع کرده است متوجه او شدند چون عساکر منصور نصرهم الله تعالی بتاشخان (کذا ظ طالقان؟) نزول کردند خبر رسید

(باقی حاشیه بر ص ۲۲۹)

و میرزا ابراهیم سلطان[۱] با لشکر پیاده در کشم توقف نمود و شاه بهاء الدین بکوهها سخت و بیشهاء پر درخت رفته بود[۲] با لشکر منصور از کان لعل گذشته بولایت سعبان[۳] و غند[۴] و پامیر[۵] در آمدند و آن مواضع منبع آب جیحو نست، و از انجا نیز گذشته احمال و اثقال شاه بهاء الدین بدست لشکر افتاد و امرا بکوهها بر آمدند که در خیال مردم جبال نبود (از ورق ۲۹۴ الف) که کسی بیگانه بدانجا تواند رفت و هر که بایلی پیش آمد بمال و جان امان یافت، لشکریان بازگشته با غنیمت فراوان بشهر بدخشان رسیدند و حکومت آن ولایت را به شاه[۶] محمود[۷] برادر شاه بهاء الدین دادند که پیشتر بدرگاه عالمپناه آمده بود و آثار نیکو بندگی بظهور آورده، فرمان شد که در پناه رایت میرزا اجل[۸] باشد

۲۹۴ الف

درین اثنا بمسامع[۹] جلال رسید که حرم محترم میرزا الغ بیگ چون صدف بدر دانه آبستن است حضرت[۱۰] خاقان سعید از غایت وداد که نسبت باحفاد و اولاد داشت

۱۰

(بقیه حاشیه متعلق ص ۲۲۸):—

که شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت لشکرها بران سمت روان شدند چون بکشم رسیدند دران موضع... ابراهیم سلطان... با لشکرها پیاده توقف نمودند و جمعی کثیر از امرا ایلغار کرده در پی شاه بهاء الدین میرفتند چون ببدخشان رسیدند شاه بهاء الدین گریخته بود و بطرف کوههای سخت رفته عساکر منصوره بر عقب او روان گشتند بکان لعل رسیدند و ازان گذشته بولایت شغنان و غند پامیر در آمدند — برای مواضع مذکوره متن و حاشیه رک به حواشی ق ص ۲۲۲ بعد و لیستر نج ص ۴۳۶ بعد و خریطه ۹ دران کتاب و خریطه های که وُد Wood در سفرنامه منبع جیحون (لندن ۱۸۷۲ء) دارد، و در دیباچه آن کتاب ص ۱۹ و افغانستان تالیف جمال الدین احمد طبع کابل ۱۳۱۲ھ و خریطه آخر کتاب. حواشی ص ۲۲۹ از ک الف تا آ از روی نسخ دیگر افزوده شد ۲ آ: سعمان، با ق: سعیان، ب ب: سعمال، ا ک: شعبان، — قاترمیر این لفظ را سغنان می خواند (ق ص ۲۲۴ ح ۱)، زبده: شغنان ۳ آ با: عند، ا ک: عند، ق مثل متن، زبده: عند — قاترمیر این لفظ را وغند (= واخان) می خواند (ق ص ۲۲۴ ح ۲) ۴ در جمیع نسخ: بامیر، ۵ زبده: شاه سلطان محمود ۶ زبده: اجل نویان ۷ زبده: از جانب سمرقند خبر رسید ۸ آ — ۹ آ —،

فرمود که آن صدف شرف را قبل از میعاد وضع حمل بخراسان آورند[۱] و بموجب فرموده مهمّای پادشاهانه ترتیب کرده با آغایان و خواجه سرایان از سمرقند متوجه خراسان شدند و نزدیک دارالسلطنة هراة آغایان و خواتین استقبال نموده بباغ زاغان فرود آوردند* و عاشر جمادی الاولی بیکی کا خان زادهٔ همایون قدم از کتم عدم بحیز وجود آمد و چهارشنبه پانزدهم ماه مذکور طوی بعظمت فرمودند،

ذکر احوال ولایت خوارزم که درین سال هشتصد و پانزده داخل دیوان اعلی شد

چون احوال[۲] خوارزم[۳] درین دفتر مسطور نشده رقم قلم آنست که از ابتداء جلوس فرخ فال سال بسال بطریق اجمال باز نماید و شرح وقایع آن ولایت تقریر داده آید، و صورت حال آنست که در زمان واقعهٔ حضرت صاحبقران امیر موسیٰ[۴] کا　۱۰

---

[۱] ک: آوردند، آ ب: مثل متن؛ سلطنه (۱۹۰ الف) فرمان شد تا در باغ زاغان چهار طاقها و تعبیهها ساختند اسباب طوی و مایحتاج آن مهیا گردانیدند خیمها و خرگاهها بانختهای زر و نقره بخوشهای لعل و مروارید مرصع و مزین گردانیدند، انجم در وغا (و عا؟) وسع کنجید و دست اجتهاد بر دامن آن رسید از اسباب عشرت و عیش مهیا شد لعابان شیرین حرکات و مشعبدان چابک طرفات هنرها ی نمودند و بازیها بیرون می آوردند چند روز منجمان ماهر ملازم بودند تا در روز جمعه ثالث جماد الاوّل سنه خمس عشر و ثمانمایه موافق لوئیل درین مکان مبارک بیکی کما (کیا) خانزاده همایون قدم از کتم عدم بخیر (بحیز) وجود آمد، [۲] زبده: واقعات خوارزم در زمان آن دولت (یعنی زمان شاه رخ سلطان)، [۳] زبده: موسی کیا بموجب حکم و فرمان آن حضرت (یعنی تیمور)،

حاکم خوارزم بود و قوم قراتاتار[1] که آنحضرت ایشان را در هشتصد و شش از مملکت روم آورد چنانچه در مجلد اول مفصل است در زمان سلطنت میرزا خلیل سلطان از ولایت[2] ماوراء النهر گریخته بخوارزم[3] رفتند[4] و میان ایشان و امیر موسی[5] کا آتش جنگ افروخته شد[6] و شرار شرارت قراتاتار نواحی خوارزم را سوخته عزم روم کردند و امیر ابدکو[7] امیر الامراء شادی خان[8] از جانب دشت به طمع خوارزم متوجه گشت و امیر موسی کا بماوراء النهر رفته[9] امیر ابدکو در رجب سنه ثمان و ثمانمائه خوارزم را گرفت و امیر انکا[9] را حاکم گذاشته بجانب دشت[10] رفت[11]، و جمعی عراقیان در روز عید رمضان[12] از میرزا خلیل سلطان روگردان شده از سمرقند عزم خوارزم کردند و آنجا رسیده پیر[13] پادشاه بن لقمان پادشاه بن طغاتیمور خان را که در مازندران

---

[1] زبده: تاتاران روم — رک به شرف نامهٔ یزدی ج ۲ ص ۵۰۱ ببعد برای آوردن تیمور قراتاتار را، [2] آ ——، [3] در زبده گوید: و بعضی ازیشان بجانب خوارزم رفتند، [4] زبده: کیبا (بهر موضع)، [5] زبده (۱۹۱اب): و تاتاران غلبه بودند نواحی شهر را غارت کردند و امیر کوکه الخ، [6] این لفظ در نسخ مختلف صورتهای عدیده دارد درین موضع و در سطور ما بعد آ ادکو (و گاهی ایدکو)، بب همواره ادکو، و آ ادکو (و گاهی آدکو) نوشته است، زبده: ارکو (و در بعض مواضع اادکو) — رک به لین پول ص ۲۲۹ برای ادیکو (Edikou) رئیس نوگائی ها بادشاه گر قبچاق و بهمان کتاب ص ۲۳۲ برای سنین شادی بیگ و دیگر خوانین اوروس و آل توقتامش، [7] زبده + : بادشاه دشت قبچاق [8] بعدش در زبده: و جماعت تاتاران متفرق گشتند، [9] ک: البکا، آ: الکا با ق، انکا، بب: الکا، اک: اوکا، زبده: انکا (و جائی، انک و جایی دیگر: آنکه)، [10] زبده: و دشت قبچاق معاودت نمود، [11] زبده + : سنه ثمان و ثمانمایه [12] در جمیع نسخ و ق ۸ پر، تصحیح قیاسی است، [13] زبده: میر،

از مصاف حضرت خاقان سعید گریخته[۱] پناه بخوارزم برده بود بپادشاهی برداشته
زر بسیار که میرزا خلیل سلطان بیشمار بایشان داده بود برسم نثار پریشان کردند
و عازم مازندران شدند و قصهٔ آمدن ایشان بمازندران سبق ذکر یافته[۲] و
امیر انکا[۳] بر قرار حاکم خوارزم بود تا در شهور سنه احدی عشر شادی[۴] خان وفات
یافته فولاد خان پادشاه شد و امیر ایدکو بیوسون معهود صاحب اختیار بوده و
انکا[۵] را طلبیده بغلجه[۶] را حاکم خوارزم ساخت، و فولاد خان در شهور سنه
ثلاث[۷] عشر[*] فوت شده تیمور خان[۸] پسر [تیمور] قتلغ خان پادشاه شد و قصد
امیر ایدکو کرده و او منهزم بخوارزم آمده و یراق[۹] کرده بجانب الوس رفته[*] و در
موضع سام که ده روزهٔ خوارزم[۱۰]ست اجق[۱۱] بهادر و غازان[۱۲] از جانب تیمور

---

۱ زبده (۱۹۲ ا) گفته است که «پیر [پیر] بادشاه بن لغا تیمور که در مازندران از مصاف» تیمور گریخته بود» او نیز بخوارزم رسید پیش امیر انک رفت و حامی جماعت عراقیان گشته ایشان را این (؟) گردانیده، عراقیان در خوارزم خرید و فروخت بسیار کردند» و با پیر بادشاه بیعت کردند» «و زر بسیار بر سر وی پاشیدند و از خوارزم متوجه مازندران گشت

۲ رک به ص ۵۵ و ۶۴ ببعد

۳ ک : ایکا، با: انکا، آ : انکا، زبده : آنکه

۴ زبده : شادی بیگ (بیک ؟ خان)،

۵ ک : ایکا،

۶ ک : نغلجه، آ : لغلجه، با ب : نعلجه، اک : بغلجه، ق ـ (ص ۲۲۶) : Bagledjeh، زبده : تغلمه،

۷ بقول لین پول ص ۲۳۲ پولاد از ۸۱۰ تا ۸۱۵ فرمان روائی کرد

۸ از روی آ و زبده؛ ک و با نام این بادشاه را قتلغ تیمور خان نوشته است، نیز رک به ق ص ۲۲۶،

۹ زبده : «بعد از دو سه ماه براق (یراق؟) لشکر کرده باز جانب الوس روانه شد»،

۱۰ ک ـــ ؛ از روی آ و نسخ دیگر ثبت شد و ق مطابق است با آنها،

۱۱ با : آجق، اک : اجو، ق (ص ۲۲۶) : 'Adjik؛ زبده : احق،

۱۲ آ زبده : غازان، با : دغازیان،

خان باو رسیدند و عزم رزم کردند[1] و بغلجه[2] که پیش ازین حاکم خوارزم با بود بقتل آمده
امیر ایدکو شکسته بخوارزم رسید، و این حال اوائل سنه اربع عشر بود، و دکنه
و غازان متعاقب بخوارزم آمدند و امیر ایدکو را شش ماه محاصره کردند درین ولا
خبر آمد که جلال الدین سلطان پسر تغتمش[3] خان تیمور خان[4] را شکسته اردوی او را
غارت کرد و تیمور خان میرسد، و قاصد جلال الدین سلطان پیغام رسانید* که
پیش ازین تیمور خان بود برای او شمشیری زدید اکنون من خان شدم[5] سعی نمائید
و ایدکو که دشمن ماست بدست آرید[6]، باز جلال الدین سلطان ۱ کس فرستاد که اگر (۲۹۴ب)
ایدکو پسر خود سلطان محمود و خواهر[7] جلال الدین که همین پسر داشت[8] فرستند و
سکه و خطبه بنام[9] ما کنند باو جنگ نکنید و متوجه شوید امیر غازان که[10] خواهر جلال الدین
سلطان در عقد او بود* میل صلح نمود و[11] دکنه که [ ] خواهر تیمور خان داشت آن خبر نابود ۱۰

---

[1] زبده + : در اوائل سنه اربع عشر و ثمانمائه ، [2] آ : معلجه ، بآ : لغلجه ، ب : نعلجه ، آک : بقلجه ، ق : Baghlajah ، زبده : تغلجه ،
[3] آ : نقمش ، بآ : تغتیش ، بب : تقمش ، زبده : تغمش ، [4] زبده (۱۹۲ب) با تیمور خان یاغی شد و جنگ کرده او را بشکست ، و اردوی او را غارت کرده ، تیمور خان با معدودی چند از پیش ایشان بگریخت ، در عقب این خبر ایلچی از پیش جلال الدین سلطان بخوارزم رسید قلتقبوقا نام و استمالت نامه از جلال الدین سلطان بتمام امرا (کذا) از قبل تیمور خان خوارزم را محاصره داشتند مضمون ساخت آنکه [5] آ : شده ام انبه شل من [6] آ : آرند [7] زبده : خواهر جلال الدین سلطان که همین سید محمود پسر ادکو را (کذا) داشت ، [8] در ک ندارد ، از روی آ و دیگر نسخ ثبت شد ، [9] زبده — ، [10] زبده (۱۹۳ب) : فاما امیر دکنه راضی نمی شد در اثنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود نزدیک رسیده است و می رسد و چون ان لشکر او بر خوارزم فرستاده بود باعتماد آنکه لشکر منست متوجه انطرف گشته و امیر غازان بجهت آنکه خواهر جلال الدین (داشت شیود جلال الدین) سلطان بود و امیر دکنه شیوه تیمور خان بود و او نیز خواهر تیمور خان را داشت و دکنه قطعاً بر صلح امیر ادکو راضی نشد ، (بقیه حاشیه بر ص ۲۳۴)

انگاشت درین حال تیمور مغلوک نزدیک خوارزم رسید[۱] غازان وکنه را بشراب مشغول کرده نوکر خود جانخواجه[۲] را فرستاد[۳] تا تیمور خان برگشته بخت را بقتل آورد، وجلال الدین سلطان شنیده از امیر غازان منت دارشد[۴] و نشان فرستاد که[۵] غازان خان[۶] ماست فرموده اورا بحکم ما دانید، و امیر وکنه برای تیمور خان عزا داشت[۷]، وازامراء محاصره خضر اغلان بجهت اروغ[۸] بزرگتر بود، بعد از و دکنه، [۹] بعد از ایشان غازان، درین حال از همه زیادت شد، و امیر ایدکو صلح کرد و او بیرون آمده یکدگر را طوی دادند و امرا ترک محاصره کرده متوجه جلال الدین سلطان شدند،

قجولای[۱۰] بهادر در موضع بلتوقیا[۱۱] بدیشان رسید و بطعنه گفت خوارزم ناگرفته چرا بازگشتید؟ امرا گفتند: ما مدت هفت ماه تمام محاربه و محاصره کرده با ده هزار مرد نتوانستیم گرفت ترا خود سه چهار هزار مرد بیش نیست صلاح بازگشتن است که ما سخن صلح گفته ایم و او پسر خود را پیش خان میفرستد، قجولای گفت: یک نفس من ایدکو را کافیست[۱۲]،

با این غرور عزم خوارزم کرد، و امیر ایدکو خبر یافته استقبال نمود چون لشکر او کمتر بود براه مکر و فریب شب مراحل می پیمود و[۱۳] روز پنهان می بود [

(بقیه حاشیه صفحه ۲۳۳) [۱۰] در اثنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود نزدیک رسیده است — با ب ب اک: تیمور خان (بجای تیمور مغلوک) حاشیه ص ۲۳۴ [۱] ک: بغا نخواجه، تصحیح از روی آ ب و ب ب و آ د زبده و ق، اک — [۲] زبده +: چند بهادران دیگر با او تعیین کرده که بروید و تیمور خان را بقتل آورید، ایشان برفتند و تیمور خان را بقتل آوردند [۳] زبده: و فی الحال ایلچی فرستاد بمضمون لک، [۴] زبده: قائم مقام (بجای خان) [۵] زبده: اما چون این حکم جلال الدین سلطان برسید او از اشارت لشکر معزول شد [۶] زبده: اروق [۷] آ با: قحولای، اک: قجولای، زبده: قحولای، [۸] فقط زبده: برقوقیا [۹] بعدش در زبده +: حالا خود چهار هزار سوار دارم [۱۰] ک ت —، از روی نسخ دیگر و ق نوشته شد، فقط زبده: و بروز فرمود [فرود؟] می آ

چون نزدیک رسیدند امیر ایدکو لشکر خود را دو بخش کرد* وجمعی را فرمود که چون بیاغی رسند جنگ پیش برند و هزیمت شده پریشان شوند وگفته بود که نمد کهنه و جل اسب و توبره بر شکل بوقچها بسته در وقت گریز هر طرف اندازند، چون امیر قجولای رسید و مردم امیر ایدکو جنگ پیش برده گریختند لشکر قجولای بتصور آنکه یاغی همین بود از حرص الجا در قفای هزیمتیان تاختند بیت

ازآدمی عجب چه که ماهی درآب نیز جانرا زحرص در سر کار دهان کند

از طرف دیگر امیر ایدکو بهادر با تیغهای رخشان و سنانهای درفشان رسید قجولای با آنکه لشکر او در پی یاغی رفته بود جز جنگ چاره ندید و کوششهای بهادرانه وحملهای دلاورانه کرده عاقبت بقتل آمد، و امیر ایدکو سر او را بخوارزم فرستاد فرمود که توق او را بر پای کردند و نقاره چیان او نقاره میزدند و یاغی که در پی ۱۰ الجا رفته بود توق خود را دیده جوق جوق میرسیدند و در دام بلا افتاده گردن در ذل غل و دست در قید (و) بند سیدادند تا باین تدبیر هزار آدمی دستگیر شدند و لشکر امیر ایدکو غنیمت گرفته بخوارزم باز آمدند و اسیرانرا بندهای گران نهاده برعایا سپردند مقرر آنکه از بندیان هرکه گریزد نگاه دارنده را بقتل آورده محله او را

ے زبدہ + : امیر ادکو کمتی [کمکی] بیدا ساخته لشکر خود را فرمود که اینجا توقف کنید تا ازان که ایشان ازما بگذرند و در کوچ باشند ما خود را بر ایشان زنیم مردم خود را دو گروه کرد ، یک قوم را بر کنار جنکی [جنگلی] تعیین کرد که جون لشکر یاغی برسید می باید که صف کشیده آغاز محاربت کنید د جون ایشان حمله کنند هزیمت شوید ، ے زبدہ : بر شکل نجها (بقچها) برقفه بندد (؟) سے فقط آ سے ۱۵ ؛ حرص ھے زبدہ : سرور کار جهان ، ے بعدش در زبدہ + : عنان کشاده و سنان کشیده ،

غارت کنند و مردم شهر در زحمت افتادند،

و درین سال یعنی سنهٔ[۱] خمس عشر حضرت خاقان سعید[۲] لشکری نامزد خوارزم فرمود از امرای خراسان[۳] امیر علیکه[۴] و امیر الیاسخواجه با سپاه گران روان شدند و از ماوراء النهر امیر[۵] موسی کا با پنجهزار سوار عازم آن دیار شد[۶] و نزدیک خوارزم بهم پیوستند و در آن زمان مبارکشاه پسر امیر ایدکو حاکم بود و بیکیجک[۷] امیر دیوان و صدر[۸] قاضی[۹]، چون خبر لشکر محقق[۱۰] شد اعیان ملک جمع آمده مشورت کردند اکثر صلاح در صلح میدیدند و بعضی براه جلامی رفتند و باقی جنگ و کارزار اختیار میکردند، درین اثنا امیر علیکه[۱۱] ایلچی فرستاده استمالت گونهٔ داد و صلح جویان ساوری بیرون فرستادند[۱۲] و اکثر[۱۳] [مردم] خوارزم دل بر صلح نهادند، نوکران

۱۰ امیر سید علی ترخان ر ۲۹۵ ل ؛ و امیر الیاسخواجه بطرفی رفته بو[۱۴]دند و جمعی را کشته ۲۹۵ر و اسیر گرفته خوارزمیان متوهم شدند و جمعی که مایل جنگ بودند جرأت نمودند و غلبهٔ تمام از خاص و عام بیرون آمده جنگ درپیوست[۱۵] و چون سخن صلح درمیان بود و لشکریان هر طرف پریشان خوارزمیان آن روز تا شب

---

[۱] ک — ۱ از روی آ نوشته شد، [۲] در زبده + : بمشورت و صواب دید امراء . [۳] در زبده + : امیر علی ترخان ، [۴] آ و ق + : کوکلتاش ، در زبده نامش علی کیاست ، [۵] زبده : حضرت مخدوم ... مغیث الحق والدین الغبیک کورکان پنج هزار سوار مصاحب امیر موسی کیا تعیین فرمود که باتفاق آن لشکر متوجه خوارزم شوند ، [۶] زبده : بیکک [۷] زبده : صدر که قاضی بود ، صاحب اختیار مملکت این سه کس بودند [۸] آ : مقرر ، [۹] زبده : علی کیا ، [۱۰] زبده : آوردند ، [۱۱] از روی زبده ، [۱۲] در زبده + : و خرابی بسیار کرده [۱۳] زبده : و لشکر امرا بسبب آنکه صلح درمیان بود استعداد جنگ ناکرده متفرق بودند ، و بلی [بلی] بسته بودند بعضی از لشکریان پل بگذشتند و بعضی هنوز نگذشته بودند که جنگ درپیوستند و شهریان دران روز جنگهای سخت کردند ،

جنگ سخت کردند[1] وشب آوازه انداختند که امیرایدکو وچنگیز[2] اغلان رسیدند ونقاره شادیانه زوند، امرا روز[3] جرأت[4] ایشان دیدند وشب خبر ایدکو شنیدند[5] هم درشب عنان بعزم مراجعت تافتند وخوارزمیان[6] درعقب آمده احمال وانقال گرفتند[7]،

حضرت خاقان سعید از استماع این خبر متغیر شد[8]، فرمود که امیرسید علی ترخان و امیرشاهملک[9] عزم رزم خوارزم نمایند ولشکر ماوراءالنهر نیز پیش ایشان آیند[10] وآنحضرت هرکرا دانست که دران نوبت بررعیت ظلم کرده بود عتاب وخطاب فرمود و فرمود که چون درین کرت بتوفیق الٰهی خوارزم مسخر شود ازآنجماعت که درآن نوبت جرأت نموده اند انتقام کشند[11] و باقی رعایا را آسیبی نرسانند،

امرا از زوبک خوارزم ر... شنیدند که پسر امیرایدکو مردم خوارزم را خرخشه

---

[1] ب: جنکیر، آ: جنکر، اک با: جنکیز، زبدہ: جنکز، [2] فقط با: زور در حرب، [زبدہ: چون روزانه ایشان جراتی دیده بودند و در شب آن خبر شنیده] [3] بعدش در زبدہ +: تصور کردند که این خبر راست [است] بلی که بسته بودند آن را آتش زدند الخ،

[4] آ با ب اک: بهادران خوارزمی، [5] بعدش در زبدہ (۱۹۶ ب) +: در ذی الحجه سنه ست عشر و ثمانمایه عساکر ماوراءالنهر که بخوارزم رفته بودند بدار السلطنه سمرقند رسیدند، و باقی امرا که بجانب خراسان رفته بودند چون خبر آن حادثه به بندگی حضرت سلطنت شعاری رسانیدند آتش حمیت زبانه زد، [6] در زبدہ بر اینها اسمای امراء ذیل را افزوده است: شیخ لقمان، یادگار شاه، فرمان شیخ، نوشیروان برلاس، [7] در زبدہ گفته است که بماوراءالنهر نیز فرستاد که لشکر بخوارزم روانه گردانند[8] ایشان نیز کرت ثانی ساختگی لشکر کردند ومتوجه شدند امیر سلطان شاه برلاس ودولت خواجه عناق و امیر اسکندر هندو بوقا[9] [10] فقط آ: ستانند،

بسیار کرده و مال بیشمار گرفته بدین بهانه که شما طرف مخالفان داشتید و ساوری بیرون برده و بعضی را کشته و جمعی را مقید ساخته خوارزمیان ازو متنفر اند[1] و نیز شنیده اند که که حضرت خاقان سعید کسی را که بر رعیت خوارزم ظلم کرده گوش و بینی بریده[2] و بدین جهت رعایا طبعاً مایل این طرف اند، و پسر ابدکو متوهم شده بجانب پدر گریخت و امرا این اخبار تحقیق کرده بظاهر شهر فرود آمدند و سادات و علما و اعیان شهر با ساوری و پیشکش بیرون آمده شهر تسلیم کردند، و امرا مظفر و منصور بجانب خراسان و ماوراء النهر باز گشتند،

و امیر شاهملک چند روز ضبط امور و نسق مصالح جمهور و نظم قواعد مملکت و وضع قوانین معدلت فرمود و بمقتضی رای رزین[2] و خاطر دوربین تمام مهام خواص و عوام سرانجام نمود و نوکران نیک بمحافظت آنجا باز داشته ۱۰ متوجه پایه سریر اعلی شد و اوایل[3] سنه ست و عشر* بدار السلطنه هراة رسید و بنوازش فراوان مخصوص گشت و بعد از چندگاه حکومت خوارزم بدو مفوض شد[4] و تا آخر ایام حیوة در تصرف او بود،

ذکر احوال فارس و عراق و گرفتن میرزا اسکندر شهر قم[5] را

میرزا اسکندر چون در ممالک فارس و عراق فرمان فرمای علی الاطلاق شد قصد تسخیر بلدهٔ قم کرد و چند ایلچی بطلب خواجه محمد قمی فرستاد و از مردم خواجه امروی[6] خوش شکل بود او را نیز طلبید و خواجه[7] بهیچ وجه ملتفت نمی شد، میرزا

---

[1] زبده: ازو متنفرق گشته بودند [2] ک: زرین، تصحیح قیاسی است، [3] زبده: در اوایل شهور سنه ست عشر و ثمانمایه، [4] بعدش در زبده + : و مذتهای [5] آ ــــ، [6] فقط ک: مردی، در زبده ذکری ازین امرد نیست، [7] آ، آب، ک: خواجه محمد،

اسکندر عزم محاصرهٔ قم نمود و قلاع نواحی آن را مسخر فرمود[1] و کوتوال قلعهٔ کبو[2] ملی دمه سرنام را مقید به درِ قم برد و در قم مردم جنگی بسیار بودند، جنگهای سخت کردند، و میرزا اسکندر را کاری از پیش نمی رفت[3]، و درین حال نصر الله صحرائی حاکم ساوه اندیشید که هرگاه قم فتح شود نوبت ساوه خواهد بود و با آنکه میان او و محمد قمی نیک نبود عمزادهٔ خود عماد گور را با چند سپاه جلد بمدد فرستاد و خواجه محمد را بدان سبب قوت و شوکت زیادة شد، میرزا اسکندر[4] از ظاهر قم برخواسته خواست باصفهان رود مظفر فراهانی که معتمد خواجه محمد بود کتابتی پیش میرزا اسکندر فرستاد و پیغام داد* که اگر حکومت مالی قم بمن تفویض کنند و بعهد[5] سوگند موکد سازند شهر تسلیم کنم، چون عهد و پیمان استحکام | یافت ر ۲۹۵

آن نمک بحرام آغاز مکر و فریب کرد و با خواجه محمد راست آورد که رعیت قم که ۱۰

اکثر در قلعه بودند بشهر روند تا محافظت شهر نمایند و مردم را در شهر متفرق ساخت و خود با خواص و برادرزادهٔ خواجه محمد امیر محمود[6] در شهر برسم محافظت گشته در هر جا بهر بهانهٔ ملازمان امیر محمود را می گذاشت چنانچه با امیر محمود

---

[1] بعدش در زبده + : چون قلعه کهو وغیره [2] فقط با : کبو، ق مثل متن زبده (سبهار)، کهو (عبارت زبده درین موضع : در قلعه کهو شخصی بود کوتوال از قبل خواجه محمد قمی علی دمه سیر نام او را گرفت) [3] در زبده + : با وجود که بنفت [نفت ؟] بر دیوارها زره [زده] بودند (و) آب در خندق انداخته که دیوار ربعض [ربض] و سور شهر خراب شود فتح آن میسر نشد، [4] زبده : را [از] در قم برخاست و امیر عبد الصمد را در قلعه کهو بگذاشت و امیر عبد الله بروانچی را بمساعدت او تعیین کرد و بعد ازان بجانب اصفهان معاودت نمود، بعد از چند روز مظفر فراهانی که نائب خواجه محمد قمی بود مکتوب پیش امیرزاده اسکندر و امرای او بنشت، [5] ک ـــ ، [6] زبده : محمود بن خواجه ابراهیم بن خواجه عماد قمی، * ک : می کشت، آ با ب مثل متن و ق موافق با آنها، زبده : و بهر موضعی که میرسید یک ده (دو) نفر از ملازمان امیر محمود انجا تعیین می کرد که بمحافظت مشغول باشند)

بیش نزاز پنج شش کس نماند[1] از دروازه کنکان بیرون رفته امیر محمود را گرفت*
و فوجی از لشکر میرزا اسکندر که بمشورت مظفر کافر نعمت در خانقاه خواجه علی
صفی در بیرون همین دروازه بودند از کمین غدر بیرون آمده در شهر ریختند و
امیر محمود را مقید بپای قلعه بردند، خواجه محمد را در قلعه چندان کس نبود که
بدفع یاغی قیام تواند نمود بضرورت بیرون آمده، اورا باصفهان بردند و خواجه
محمد را با برادرزاده[2] بقتل آوردند، و حکومت قم رجوع بعبدالله پرواچی شد
و ضبط مال حسب المعاهده بمظفر مقرر گشت و میرزا اسکندر درین سال اصفهان
را تختگاه ساخت[3] رع

اسفهان را صفای دیگر شد

ذکر احوال مملکت آذربایجان و امیر قرا یوسف[4] ترکمان

امیر قرا یوسف اواخر سنه اربع عشر در الاطاق ییلاق کرده اوائل سنه
خمس بدیار بکر رفت[5] و جهت پسر خود پیر بداق[6]* که اورا بپادشاهی برداشته
بود چنانچه مذکور شد[7]* طوی بزرگ ترتیب نمود ده هزار گوسفند و یکصد مادیان
ذبح فرمود و امرا و اعیان آذربایجان و کلان تران ترکمانان را اسپان[8] نامدار*

---

[1] زبده: متوجه دروازه کرکان شد و گفت بیرون دروازه احتیاط کنیم چون از دروازه بیرون
رفتند مظفر فرهانی امیر محمود را بگرفت، [2] بعدش در زبده + : بعد از تعذیت [تعذیب] بسیار،
[3] بعدش در زبده + : و اکثر عراق عجم و تمامت ممالک فارس در تخت [تحت] تصرف آورد،
[4] بعدش فقط در آ + : بن قرا محمد [5] در زبده + : که امیر قرا عثمان دران جانب بود، [6] ک آ:
پر بداق، با روق (زبده): بوداق، [7] زبده: و چند گاه بود که اسم سلطنت بنام پسر پیر بوداق کرده بود
چنانچه ذکر آن گذشت، — رک بر ص ۲۱۴ س ۱۱، [8] زبده: اسب خاصه،

فہرست مضامین

جلد ۱۴ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۳۸ء | عدد مسلسل ۵۴

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں میں تقسیم ہوتا ہے ۔

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو محمد صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ اُن طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی بالاقساط شایع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی۔ فارسی پنجابی درحروف فارسی، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی درحروف گورمکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے

وقت اشاعت اور قیمت اشتراک | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا
سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۲عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

خط و کتابت و ترسیلِ زر | خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہیئیں۔

محلِ فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلمِ تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرایض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے۔

آتشیں اسلحہ

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۰)

راسا کو جدید تصنیف ماننے کے لئے ایک دلیل ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر توپ و تفنگ گولاں گولیوں گولنداز ان زنبوروں اور ہتھنال وغیرہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تالیف ایک ایسے زمانہ کی یادگار ہے جب آتشی آلات ہندوستان میں عام استعمال میں آرہے تھے۔

پیشتر اس کے کہ میں اصل کتاب سے ان آلات کی مثالیں یہاں مذکور کروں ایلیٹ کا ایک بیان جو اسی سلسلہ میں ہے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ کہتا ہے "اگر ہم معصر ہندو بھاٹ چند پر یقین کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ توپ کے گولے ان ایام میں مستعمل تھے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ متاخرین کے مذاق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے کسی نے ان عبارتوں میں تحریف و الحاق کر دیا ہے قنوج کھنڈ کے ایک سو چالیسویں چھند میں تاتار خاں شہاب الدین کو مسلح ہونے اور آتشیں اسلحہ کے تیار رکھنے کے واسطے کہتا ہے"۔ اس چھند میں ایلیٹ کو فارسی لفظ آتش پر شبہ ہوتا ہے ورنہ باقی عبارت اسکے نزدیک پرانی ہے۔

دو سو ستانویں چھند میں توپوں اور بان کی آواز کا بیان ملتا ہے جو دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ ایلیٹ اس عبارت کو زمانہ حال کی تحریف تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں توپ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

چار سو سولھویں چھند میں رائے گووند کا قتل ایک زنبورک کے ذریعہ سے ہوتا ہے

جس کو ایلیٹ شتر نال کا مرادف مانتا ہے اور ایک حاشیہ میں اضافہ کرتا ہے کہ مسٹر بیمز جنہوں نے چھند کا خاص مطالعہ کیا ہے جب انگلستان آئے مجھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبارتیں ان کے مخطوطے میں نہیں ملتیں (ایلیٹ کی تاریخ جلد ششم ص ۴۶۴ ضمیمہ از ایلیٹ بذیل " ہندوستان میں بارود کا قدیم استعمال " ۔

ایلیٹ کا بیان راسا کے کسی مخطوطے پر مبنی ہے ۔ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ بیمز کی نگاہ سے بچ گئی ہوں ۔ ایلیٹ کے زمانہ کے بعد راسا بنارس میں طبع ہوا ہے اور بیمز کے علی الرغم یہ عبارت راسا میں موجود ہے ۔

راسا میں کافی مقامات پر توپ و بندوق وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۔ ایلیٹ کا یہ خیال کہ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ الحاقی ہوں ہماری سنجیدہ توجہ کا مستحق نہیں ۔ ذیل میں راسا کی داستانوں سے بعض ایسی مثالیں منقول ہیں جن میں آتشیں اسلحہ کا ذکر موجود ہے ۔

(۱) سیواتی مغل کتھا داستان ششم سے ہتھناری دھاری آتش انت ۱ سور رَور انمراد ڈے ۱۱

ص ۳۷۵ ح ۴ چھند ۳۲

(۲) " " " " سے تیر تنک ترواری ۱ نچھ نکرے اُڑا ورن ۱۱

ص ۳۷۶ ح ۴ چھند ۳۵

(۳) انگ پال سمے ۲۸ ویں داستان سے ناری گوری آتش ۱ کوٹ پارس بھر گھائیے ۱۱

ص ۹۲۵ ح ۸ چھند ۶۰

(۴) حسین کتھا نویں داستان سے چلئے ھربان سوسڈ وسے ڈھنٹھ ۱ اگیں ہتھ ناری بھول گرٹھا ۱۱

چھند ۱۰۲ ص ۴۰۴ حصہ چہارم

(۵) " " " " سے چہپ خان گج گھمی ڈنمر ۱ ہتھناری گربان اسنبرا ۱۱

چھند ۱۲۵ ص ۴۰۸ حصہ چہارم

(۶) بھولا راسی سمے یارہویں داستان سے آگبان کمان سستراین ۱ سرسستر کماسے بنراین ۱۱

چھند ۱۵۱ ص ۴۷۲ حصہ پنجم

(۷) بھولا رامی سمے بارہویں داستان سے ہیے ہیے گئے نہ سور بر ۔ ۔ ۔ ۔ ا دکھ بھیانک دیو ۱۱
جنبورا ہنمیر سوں ا بھر بھا رتھ وست تیو ۱۱ (چھند ۲۴۵ صفحہ ۵۰۵ حصہ پنجم)

(۸) سلکھ جدہ تیرہویں داستان سے بجی رن رنگ سرنگی بھیری ا دھری ہتھاری چھتیں او پھیری ۱۱
چھند ۳۴۲ صفحہ ۵۲۵ حصہ پنجم

(۹) پدماوتی سمے بیسویں داستان سے بان نال ہتھنال ا تبک تیر ہر ب سجّے ۱۱
چھند ۵۴ صفحہ ۶۳۸ حصہ ششم

(۱۰) ششرورتا ورن چھبیسویں داستان سے سرناوک بندوک ا ہرنت جن بسن ور سجّے ۱۱
چھند ۵۲ صفحہ ۷۶۶ حصہ ہفتم

(۱۱) " " " " " سے تب راجن ترنگ بجی ا گھی ردڈھ تبک سوکند ۱۱
چھند ۶۲ صفحہ ۷۶۸ حصہ ہفتم

(۱۲) " " " " " سے گرہ کری تپک سوراج ا مرگ چھپتی وھر چلّیے ۱۱
چھند ۶۷ صفحہ ۷۶۹ حصہ ہفتم

(۱۳) " " " " سے ول سنوہ تج چلّیے ا تبک گہی ترتیخ ۱۱ چھند ۱۶ صفحہ ۷۶۸ حصہ ہفتم

(۱۳) ریوا نٹ سمے ۲۷ ویں داستان سے ہتھناری گور جنبور گمن ا دُہُوں بانہ اتھنبتی رکھا ۱۱
چھند ۱۷ صفحہ ۸۹۸ حصہ ہشتم

(۱۴) " " " " " سے نار گوری جنبور ا کوہک ربان الگھان ۱۱
گجّی بھگ پرتھی راج چیت کریو اکولاتن چھند ۱۴ صفحہ ۹۱۲ حصہ ہشتم

(۱۵) انگ پال سمے ۲۸ ویں داستان سے چھٹے نال گولا ہوائی جہنگن ا نکھتر منون جانی تنے تنگن ۱
چھند ۱۸ صفحہ ۹۳۵ حصہ ہشتم

(۱۶) گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان سے دلی پتی الھبٹ چڈھی ا کوہ کبان ہتھناری ۱۱
چھند ۳ صفحہ ۹۴۵ حصہ نہم

(۱۷) گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان سے سوا گین ہتھناری اپار سجن ۔ رتن دکھیت کاٹ دوز بھن ۔۔

چھند ۱۶ صفحہ ۹۴۸ حصہ نہم

(۱۸) " " " " سے تن پیٹھ ہزار او مت چلے ۔ چھ رت جھرنت کری تہلے ۔۔

چھند ۱۶ صفحہ ۹۴۸ حصہ نہم

(۱۹) کانگرہ جدہ پرستاو ۳۵ ویں داستان سے ہے گے رتھ جنز تنگ ۔ گوری جنبور ناری سرا ۔۔

چھند ۵ صفحہ ۱۰۴۶ حصہ نہم

(۲۰) ورگا گیدار ۵۸ ویں داستان سے چھٹین ہتھناری دو دل گوم ولیوسہ گجّیں ۔

اوڈیں آتس جھار جھار دھوم دھوند ھر سجین ۔۔ چھند ۲۲۷ صفحہ ۱۵۴۴ ح ۱۳

(۲۱) جنگم کتھا ۶۰ ویں داستان سے دھری چھپتی وڈھ تپک نٹپ ۔ یکیے ویا وہی ورا ہ ۔۔

چھند ۵۳ صفحہ ۱۵۴۲ حصہ چہاردہم

(۲۲) قنوج سمے ۶۱ ویں داستان سے لکھ گولنداج (گولہ انداز) ۔ لکھ اک نال بھر بجّے ۔۔

چھند ۵۲۸ صفحہ ۱۶۴۳ حصہ چہاردہم

(۲۳) " " " سے تیر تپک سر پہت ۔ گہنت زند گمان ۔۔

بردائی تہاں لرن کوں ۔ حکم مانگے چہوآن ۔۔ چھند ۱۸۷ صفحہ ۱۸۶۱ حصہ شانزدہم

(۲۴) دھیر پنڈیر ۶۴ ویں داستان سے پرسے بھیر کنبہی رن جیت تھی ۔ پرسے بندہ کندھن بھتن ناچھٹی ۔۔

چھند ۲۵۲ صفحہ ۲۰۶۸ حصہ سیزدہم

(۲۵) بڑی لڑائی ۶۶ ویں داستان سے جنبور بھور ننھ ناری بھار ۔ آتس آتش احرت ادبوت پار ۔۔

چھند ۹۲۴ صفحہ ۲۲۶۳ حصہ نوزدہم

میں بخوف طوالت صرف انہی مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔ ایلیٹ نے صرف قنوج سمے میں ان آلات کے ذکر سے یہ خیال کر لیا کہ کسی نے مذاق حال کے ساتھ تطابق دینے کے لئے ان بعض مقامات میں یہ تبدیلی کر دی لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہوتا

تمام کتاب میں آتش فشاں آلات کا مذکور آتا ہے۔ تو ہمیں یقین ہے کہ وہ کسی اور نتیجے پر پہنچتا ؛

اس موقعہ پر قدرتاً ہمارا ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آلات آتشبازی کا کس عہد سے رواج ہوتا ہے۔ یہ سوال اگرچہ مختصر ہے۔ مگر حقیقت میں اس کا جواب بغیر ایک لمبی تحقیقات کے جو کتب تواریخ و لغات کی ورق گردانی سے تعلق رکھتی ہے، نہیں دیا جاسکتا۔ صفحات ذیل اسی تحقیقات پر مبنی ہیں ؛

مغربی مورخین، بارود کی ایجاد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قدیم اہل یونان و ہند و چین و روما غالباً اس مصالحہ سے واقف تھے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات سے کسی ایسے مصالحہ کا پتہ چلتا ہے۔ ورجل کی کتاب اینیڈ کا اقتباس جس میں ایس کے بادشاہ کو جوپیٹر نے برق و رعد کی تقلید کے جرم میں مار ڈالا ہے۔ اس عقیدہ کی تائید میں نقل کیا گیا ہے۔ ڈاین کیسیس اپنی تاریخ روما میں کالیگلا کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ اس نے ایسی ایجاد کی تھی جس میں برق و رعد کی خاصیت تھی اور جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ فلاسٹریس دوسری صدی عیسوی کا مصنف ہندوستان کے دوآبے میں رہنے والی کسی قوم کے ذکر میں گویا ہے کہ اگر اسکندر اعظم ان کے ملک پر فوج کشی کرتا تو کبھی فتح نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ میدان جنگ میں آکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ بلکہ شہر کی دیواروں پر سے طوفان اور صاعقہ باری کے ذریعے سے ان کو برباد کر دیتے ہیں۔ بقول الفنسٹن منوجی نے آتشین تیروں کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔ آئین جنتو میں مرقوم ہے کہ رئیس کو کسی خدع آمیز آلہ یا زہری اسلحہ یا توپ اور بندوق یا کسی اور قسم کے آتشین حربوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے۔ اس فقرہ میں آتشین حربہ سنسکرت لفظ

"اگنی استر" کا اور توپ "شت اگنی" کا بقول ہالہیڈ ترجمہ ہے۔ یہ ایسا حربہ تھا جس سے سو سو آدمی دفعتہً ہلاک کئے جا سکتے تھے۔

کیٹیسیس کا بیان ہے کہ دریائے سندھ کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ ایسا تیل تیار کرتے تھے جو گھڑوں میں بھر کر لکڑی کی عمارت پر پھینکا جاتا تھا۔ جس سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور صرف مٹی ہی سے بجھ سکتا تھا۔ وہ صرف بادشاہ کے لئے طیار کیا جاتا تھا اور دوسرے آدمیوں کو اس کے رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایلین، ایک اور مصنف اس آتش سیال کے متعلق مزید معلومات دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس تیل سے نہ صرف لکڑی جلتی ہے بلکہ حیوان و انسان بھی جل جاتے تھے اور ہندوستان کا پادشاہ اس کی مدد سے شہر اور قلعے فتح کرتا تھا۔ مٹکوں میں بھر کر غنیم کے قلعے کے دروازوں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ دروازے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے تھے۔ فلاسٹریس اس تیل کے متعلق کہتا ہے۔ کہ وہ کسی جانور سے نکالا جاتا تھا اور یہ جانور صرف پادشاہ ہی رکھ سکتا تھا۔ یہ جانور غالباً مگرمچھ ہے۔

ہم ہندوستان میں ایک آتش بست تیر کے استعمال کا بھی مذکور پڑھتے ہیں جو بانس کی نال سے پھینکا جاتا تھا۔ مجمل التواریخ میں جو کسی سنسکرت کتاب سے ۱۱۲۶ء میں عربی میں ترجمہ ہوئی ہے۔ راجہ ہال کے قصہ میں لکھا ہے کہ برہمنوں نے، راجہ کو جب کشمیر کی فوجیں چڑھ آئیں یہ مشورہ دیا کہ مٹی کا ایک ہاتھی بنا کر اپنی فوج کی ہراول میں رکھے۔ الغرض جب کشمیر کی فوج آئی ہاتھی پھٹا اور اس کے شعلوں سے کشمیری فوج کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔ چینیوں کے بیانات سے بھی پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں لڑھکنے والے گھوڑوں کا بھی لڑائی میں، جب زمین موافق ہوتی استعمال تھا۔ ایرانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان متحرک گھوڑوں سے سکندر اعظم نے، فور ہندی سے جنگ کے وقت کام لیا ہے فردوسی نے شاہنامہ میں یہ قصہ یوں

لکھا ہے کہ جب فور ہندی کو سکندر کی لشکر کشی کی اطلاع ملی وہ فوج لے کر مقابلہ کے واسطے نکلا۔ جس میں سب سے پہلی صف ہاتھیوں کی تھی۔ سکندر سے کہا گیا کہ ہاتھیوں کی جنگ بڑا کٹھن کام ہے۔ گھڑ چڑھے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاتھی گھوڑے کو سوار سمیت سونڈ سے اٹھا کر دور پھینک دیتا ہے۔ اس پر سکندر نے اس جانور کی شکل دریافت کی۔ لوگوں نے اس کی تصویر کاغذ پر اتار کر بتائی۔ اس نے حکم دیا کہ موم کا ایک ہاتھی بنایا جائے جب اس کو ہاتھی کا اندازہ ہو گیا اس نے مجلس مشورت منعقد کی۔ رومی، ایرانی، اور مصری لوہار بلوائے گئے۔ انہوں نے حسب ہدایت ایک مجوف گھوڑا اور سوار لوہے کا طیار کیا۔ خول کی ورزیں میخوں سے بند کیں اور گاڑی کے ذریعے سے چلایا۔ خول میں نفت سیاہ بھر دی گئی۔ سکندر نے یہ آلہ پسند کیا اور حکم دیا کہ اس نمونے کے ایک ہزار گھوڑے طیار کئے جائیں۔ ایک ماہ کے اندر یہ گھوڑے طیار ہو گئے۔
جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ آہنی گھوڑوں کو غنیم کے ہاتھیوں کے مقابل رکھا گیا۔ ان میں آگ لگا دی گئی۔ جب گھوڑے بڑھائے گئے اور ہاتھیوں تک پہنچے ان کی سونڈیں آگ سے جلنے لگیں۔ ہاتھی واپس بھاگے۔ ادھر سے سکندر کی فوج نے حملہ کر دیا۔ فور کو شکست ہو گئی۔ یہاں فردوسی کے اشعار بھی نقل کر دیئے جاتے ہیں

چو آگاہ شد فور کامد سپاہ | گزین کرد جا اندر رزم گاہ
بدشت اندرون لشکر انبوہ گشت | زمین از پی پیل چون کوہ گشت
سپاہی کشیدند بر چار میل | پس پشت گردان و در پیش پیل
ز ہندوستان نیز کار آگہان | برفتند نزدیک شاہ جہان
بگفتند او را بسی رزم پیل | کہ او اسپ را افگند بر دو میل
سواری نیارد برابر شدن | نہ چون شد بود روی باز آمدن
کہ خرطوم او از ہوا بر تر است | دگر دون مر او را ز حمل یاور است

بقرطاس بر پیل بنگاشتند | بچشم جهانجوی بگذاشتند
بفرمود تا فیلسوفان روم | یکی پیل کردند پیشش ز موم
چنین گفت کاکنون بپاکیزه رای | که آرد یکی چاره این بجای
نشستند دانش پژوهان بهم | همی چاره جستند از بیش و کم
یکی انجمن کرد از آهنگران | هر آنکس که بودند از ایشان سران
ز رومی و مصری و از پارسی | فزون بود مردان چهل بارسی
یکی بارگی ساختند آهنین | سواری ز آهن ز آهنش زین
بمیخ و بمس درزها دوخته | سوار و تن و باره افروخته
بگردون همی راند پیشش سپاه | درونش بیاگند نفت سیاه
سکندر بدید آن پسند آمدش | خردمند را سودمند آمدش
بفرمود تا زان فزون از هزار | ز آهن بکردند اسپ و سوار
ازان ابرش و بور و خنگ و سیاه | که دیده است هرگز ز آهن سپاه
سر ماهرا کار شد ساخته | وزو چاره گر گشت پرداخته
از آهن سپاهی بگردون براند | که جز با سواران جنگی نماند
چو اسکندر آمد بنزدیک فور | بدید این سپه آن سپه را ز دور
خروش آمد و گرد رزم از دو روی | برفتند گردان پرخاش جوی
باسپ و بنفت اندر آتش زدند | همه لشکر فور بر سر زدند
از آتش برافروخت نفت سیاه | بجنبید ازان کاهنین بد سپاه
چو پیلان بدیدند از ایشان گریز | برفتند با لشکر از جای تیز
ز لشکر برآمد سراسر خروش | بزخم آوریدند پیلان بجوش
چو خرطومهاشان بر آتش گرفت | بماندند از آن پیلبانان شگفت

همه لشکر هند گشتند باز
همان ژنده پیلان گردن فراز
سکندر پس لشکر بدگمان
همی تاخت برسان باد دمان

(شاہنامہ جلد سوم ص ۶۵ ، بمبئی ۱۲۷۵ھ)

مغربی محققین کو پورا پورا شبہ ہے کہ سکندر اعظم کو ہندوستان میں کسی نہ کسی آتشی حربے سے ضرور سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ کونٹس کربٹس مورخ کے ایک فقرے سے اس قسم کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ بعض مصنفین اس رائے پر مُصر ہیں کہ قدیم برہمنوں کے پاس گرجنے والی اور چمکنے والی کلیں ضرور تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مہابھارت، ہری ونس اور سری بھاگوت وغیرہ تصنیفات میں آتشیں حربوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

میں اس موقعہ پر پروفیسر ولسن کی رای بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ سوال کہ آیا قدیم ہندو بارود یا اس قسم کے کس بھڑک اٹھنے والے مصالحہ سے واقف تھے، تاریخی لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔ ان کی طبّی تصنیفات سے ثابت ہے کہ وہ بارود کے منفردہ اجزا سے ضرور واقف تھے کیونکہ یہ اشیاء ان کے ہاں کثرت سے پائی جاتی ہیں مگر ہم صرف اس بنا پر کہ اس کے متعلق کسی اوضح بیان سے دوچار نہیں ہو سکے ہیں اس کے وجود سے انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا علم ان کے ادبیات کے متعلق ابھی تک ناقص حالت میں ہے"۔

ادھر ایلیٹ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا آتشیں حربہ ہند قدیم میں ضرور رائج تھا جو بھڑک اٹھنے والا تھا اور اس کی آتشگیری کا وقت اور طریقہ استعمال کرنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ قصہ مختصر ایسے متحرک آلے استعمال ہوتے تھے جو دروازوں عمارتوں اور دیگر آلات سے پیوست ہو کر فاصلے سے ان میں آگ لگائی جا سکتی تھی۔ ظن غالب ہے کہ شورہ جو باروت کا جزو اعظم اور اس کے بھڑکنے کا موجب

اس ترکیب میں شامل تھا۔ بہرحال یہ تباہی کا آلہ صحیح تاریخی دور کی آمد سے قبل ہی رواج سے جا چکا ہے اور یہ تسلیم کرنے کے واسطے ہمارے پاس کافی وجوہ ہیں کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت صرف ایسے محرّق آلے معلوم تھے جو سادہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ رال یا نفط کے اجزا سے مرکب تھے ؛

یہ بعض اور اسی قسم کے دیگر بیانات جو ٹائمز انسائیکلوپیڈیا اور ایلیٹ کے مذکورہ بالا مضمون میں محفوظ ہیں۔ ہمیں اس عقیدے پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ ہند قدیم میں باروت کا رواج تھا یا اس کی نفوذی طاقت سے اہل ہند واقف تھے۔ اگر ان کے پاس کوئی آتشی آلہ تھا تو وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ضائع ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ مسلمانی فتوحات کے دوران میں جس میں ہندو اور مسلمان فوجیں ہندوستان میں باہم معرکہ آرا ہوئی ہیں۔ کسی ایسے غیر معمولی آلے کا ذکر نہیں ملتا جس سے مسلمان ناآشنا تھے۔ ہندو اگر کسی مصالحہ سے واقف تھے تو کیا ضروری ہے کہ وہ بارود ہو۔ ظن اغلب ہے کہ وہ نفت ہو جس کے چشمے ہندوستان کے مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں ؛

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمانی عہد کا جائزہ لیں جس کے متعلق ہماری معلومات زیادہ یقینی اور قطعی ہے ؛

مسلمانوں نے اپنی جنگوں میں انہی آلات سے کام لیا جو ان ایام میں عام طور پر رائج تھے۔ جنگ کی تاریخ میں حصار کشائی ہر زمانہ میں ایک مشکل مسئلہ رہا ہے جس کی عقدہ کشائی کی ہر عہد میں کوشش کی گئی ہے۔ بیسیوں آلے اور کلیں ایجاد ہوئیں۔ منجملہ ان کے منجنیق۔ دبّابہ۔ کبش۔ عرّادہ۔ چرخ۔ خرک اور رعد تھے۔ نفت کا عام رواج تھا اور جب تک توپ بندوق نے آکر دستور جنگ میں انقلاب پیدا نہ کر دیا۔ یہی آلات مسلمانی عہد میں برابر استعمال میں آتے رہے منجنیق کے

علاوہ پچھلی چاروں اصطلاحیں فارسی میں رائج ہیں ٭

آلاتِ قلعہ کشائی میں منجنیق کا استعمال نہایت قدیم ہے۔ قدیم فنیقی اسے استعمال میں لائے ہیں۔ ان سے یونانیوں اور اسرائیلیوں نے اخذ کی اور پھر دنیا کی دیگر اقوام میں پھیل گئی۔ عرب اس کی ایجاد نمرود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ۲۰۰ ق۔م میں جزیمہ بادشاہ حیرہ نے اس سے کام لیا ہے۔ جب رسولؐ اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ طفیل ابن محمد دوسی بتخانۂ ذی الکفین کے انہدام کی غرض سے بھیجا گیا۔ چار دن بعد اپنے چار سو آدمیوں کے ساتھ واپس آکر مع منجنیق و دبابہ رسول خدا سے ملحق ہو گیا۔ ۶۴ھ میں جب یزید کی فوجوں نے مکّے کا محاصرہ کیا تاریخ طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر دو منجنیقیں نصب کی گئی تھیں۔ پہلی خانہ کعبہ پر اور دوسری صفا و مروہ پر۔ منجنیق انداز ملک حبش کا رہنے والا ایک حبشی تھا۔ ماہ صفر میں تمام مہینے سنگ اندازی جاری رہی۔ ۳ ربیع الاول کو آگ لائی گئی۔ جس کو روئی کی گٹھڑیوں میں رکھا گیا اور گندھک بھی رکھ دی گئی۔ اب یہ گٹھڑیاں منجنیق سے کعبہ میں پھینکی گئیں۔ غلافِ کعبہ میں آگ لگ گئی اور جل گیا دیوار سیاہ ہو گئی اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگ کو بجھا سکتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوُا کہ جب روئی کے پلندے میں آگ لگا کر پھینکا جا رہا تھا تو کَل بگڑ گئی اور پلندہ منجنیق پر ہی جلنے لگا۔ محاصرین نے بہت کوشش کی کہ آگ بجھا دیں مگر ممکن نہ ہوُا۔ یہ اسی روز کا واقعہ ہے جس روز شام میں یزید کا انتقال ہوُا

محمد بن قاسم نے جب ۹۳ھ میں دیبل پر حملہ کیا۔ اس کے پاس ایک منجنیق تھی جس کا نام عروس تھا۔ اسے کام میں لانے کے واسطے پانسو آدمی درکار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس قسم کی منجنیقوں کا نام عروس رکھ دیا گیا ٭

الپ ارسلان سلجوقی ۴۵۵ھ و ۴۶۵ھ اور ارمانوس قیصر روم کی جنگ میں جس میں

قیصر گرفتار ہوتا ہے رومیوں کے پاس ایک عظیم الشان منجنیق تھی جس پر بارہ سو آدمی کام کرتے تھے۔ وہ آٹھ حصوں میں منقسم تھی اور باربرداری کے لئے ایک سو جانور درکار تھے۔ اس منجنیق سے ایک من سے زائد وزن کا پتھر پھینکا جاتا تھا ؛

چنگیز کی اولاد میں منگو قاآن ۶۴۶ھ (۱۲۴۸ء) اپنے عہد سلطنت میں ملاحدہ کی طرف ہلاگو کی پیشقدمی کے وقت چین میں اپنا آدمی بھیج کر وہاں سے منجنیقی استاد اور نفط انداز بلواتا ہے۔ چنانچہ اس کی خدمت میں ایک ہزار چینی خاندان منجنیق سازوں کے پہنچتے ہیں جو ہلاگو کے ساتھ جاتے ہیں۔ عطا ملک جوینی اپنی تاریخ میں رقم پرداز ہیں :-

" وبجانب ختای ایلچی رابطلب استادان منجنیقی و نفط اندازان روان کردند از خطای یک ہزار خانہ ختائی منجنیقی آوردند کہ بزخم سنگ سوراخ سوزن را منفذ جمل می ساختند و تیرہای منجنیق باحکام پی و سریشم استوار کردہ چنانک چون از حضیض عزم اوج کند راجع نگردد (ص۲۷ جہانگشای جوینی، جلد سوم)

جب قوبلای خان ۱۲۵۷ء و ۱۲۹۴ء کی فوجوں نے چین کے شہر سایان فو کا محاصرہ کیا۔ لشکر کی تمام کوشش شہر کی تسخیر میں ناکام رہی۔ اس موقعہ پر بھاری منجنیقوں کی ضرورت تھی۔ جو مغولی لشکر میں ناپید تھیں۔ اس وقت ملک طالب منجنیق ساز نے جو دمشق اور بعلبک سے آیا تھا اپنے فرزندوں ابوبکر و ابراہیم و محمد کے ساتھ بڑی منجنیقیں تیار کیں۔ رشید الدین فضل اللہ کا بیان ہے :-

" و پیش ازان در ختای منجنیق فرنگہ بزرگ نبود و این ملک طالب منجنیق ساز کہ از بعلبک و دمشق آنجا رفتہ بود و فرزندان او ابوبکر و ابراہیم و محمد متعلقان او ہفت منجنیق بزرگ ترتیب کردند و روی بفتح آن شہر نہادند" ؛

(ص۵۱۳ جامع التواریخ، طبع بلوشے)

ہلاگو ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء و ۶۶۳ھ/۱۲۶۵ء نے جب ایران کی طرف پیشقدمی کی اس کے لشکر میں ہزار خانہ وار منجنیق سازوں اور نفط اندازوں کے تھے۔ میافارقین کا جب اس کی فوجوں نے محاصرہ کیا تو کہا جاتا ہے۔ کہ ملک کامل والی میافارقین کے پاس ایک ماہر کامل منجنیقی تھا۔ جس کی نشانہ بازی سے مغولی فوجوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ مجبور ہو کر انہوں نے بدرالدین لُولُو کے منجنیقی کو جو اپنے فن میں یکتا مانا گیا تھا بلوایا اس نے قلعے کی منجنیق کے مقابلہ میں اپنی منجنیق نصب کر دی۔ دونوں استادوں نے بیک وقت پتھر چلائے جو ہوا میں آکر ٹکرائے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مورخ مشہور خواندامیر کے الفاظ ہیں :-

"ملک کامل را منجنیقی بود کہ از زخم سنگ او رخنہ در بنا ء زندگانی سپاہ ایلخان می افتاد و مغولان در دفع او چارہ جوی گشتہ منجنیقی بدرالدین لو لو، را کہ او نیز مہارت کامل حاصل داشت طلب نمودند و چون آن شخص بار دوی ہمایون رسید منجنیقی در برابر منجنیق شہر نصب کرد و آن دو استاد بیکبار سنگہا از منجنیق کشادہ دادہ ہر دو سنگ در فضا ء ہوا باہم باز خوردہ ریز ریز شد۔ مردم اندرون و بیرون از حذاقت آن دو ہنرمند متعجب گشتند"

(حبیب السیر ص۵۷ جزو اول از جلد سیوم طبع بمبئی ۱۸۵۷ء)

غازان خان نے سنہ ۶۹۹ھ میں فتح کرمان کے وقت موصل سے منجنیقی استاد بلوائے جنہوں نے شہر ازمیں تین زبردست منجنیقیں طیار کیں۔ یہ منجنیقیں لے جا کر قلعۂ کرمان کے گرد لگا دی گئیں اور برج شاہ ملک کے گرنے سے قلعہ مسخر ہوا۔ اس کی تفصیل تاریخ وصاف میں جس کی عبارت سے بعض فقرے حذف کر دیئے گئے ہیں حسب ذیل ہے :-

"حکم یرلیغ شد تا از موصل استادان منجنیقی را کہ صاحب مہارت ..... و

قلعہ کشا بودند تعیین کردند و بشیراز آمدند و سہ عدد منجنیق بروج ہیئت جوزا کفۂ شہاب ملتاب . . . ترتیب دادند و عازم کرمان شد۔ پس مدت دہ روز مستعجلان مجلس کارزار بغلاخن منجنیق . . . اہل کرمان را عیش سنگ انداز و رصورت انداز تعلیم کردند۔ بہر سنگی کوہ فرسای کلۂ قلۂ قلعہ رامی شگافتند و اجرای حصار را ور زلزلہ می آوردو ولولہ چون خروشیدن رعد و رنہادسکان می انداخت . . . .
تا برج شاہ ملک را کہ با برج حمل خیال مسامتہ می بست با قرارۂ زمین موازی گردانیدند

ص ۴۳۳

غازان خان کے افسر قتلغ شاہ نوئین نے جب قلعۂ دمشق کا محاصرہ کیا غازانی لشکر میں ایک مشہور منجنیقی تھا جس کا نام حصراوی تھا۔ حاکم دمشق نے جو حصراوی کے کمال سے واقف تھا اس کے سر کے لئے ایک ہزار دینار کے انعام کا اشتہار دے دیا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے اہل قلعہ میں سے ایک شخص قلعہ سے نکل کر بہ تبدیل لباس مغلوں کے لشکر میں داخل ہوتا ہے اور ایک رات موقعہ پا کر حصراوی کے گھر میں گھس جاتا ہے۔ جیسے ہی حصراوی گھر میں قدم رکھتا ہے اس کا سر کاٹ کر اور لے کر قلعہ میں پہنچ جاتا ہے اور انعام موعود حاصل کر لیتا ہے۔ وصاف کی عبارت یہ ہے :-

"استادی منجنیقی حصراوی نام در علم جر الثقیل کامل و ماہر شدہ التزام نمود کہ از چوب صورتی مبنیٔ از معنی والفت مافیہا و تحلت، کہ در عرف لغت منجنیقش خوانند برکار کند و قلعہ را بآسانی مستصفی و مستخلص گرداند بتحصیل و ترتیب اخشاب و آلات مشغول گشت و نزدیک شد کہ عمل با تمام رسد۔ حافظ قلعہ مردی زیرک جہاندیدہ بود و وقت صنعت وحذاقت آن شخص درین حرفت معلوم داشت با قوم خود مشاورت پیوست کہ احوال برین منوال است کہ اگر او ستیز نماید اجزای کوہ بصابات سنگ

منجنیق زیر و زبر ریز ریز کند و این قضیه همگنان را محقق است هر کس که برای استبقای ناموس محصنهٔ اسلام و استیفای مثوبات در عرصات یوم القیام شراو را مندفع گرداند صرهٔ زر که محشواست بهزار دینار او را باشد . . . . از زمرهٔ اشیاع شخصی صاحب شطارت بود از بالای قلعه بشیب آمد و متفحص کار و منتهز زمان اقتدار شد ۔ شبی مفاقصة خود را مجهول وار در رخانهٔ او انداخت و در گوشهٔ مختفی بود ۔ استاد که استاد ال بر عمل کرده بود بخانه معاودت میکند ۔ پای در رخانه نهادن همان بود و زخم بر مقتل خوردن همان ۔ چنانچه مقتضی تهور و بیباکی باشد سراو را بر میدار د عورات و اطفال غلغله و نفیر کنان او با کار د مسلول قصد فرار میکند . . . . با دو سر یکی سر خویش بسلامت یافته بر دوش و یکی سر دشمن بریده از گوش تا گوش بقلعه مراجعت میکند ۔ ساکنان قلعه غلغله بقلعهٔ افلاک میرسانند و در بهای سری . . . . هزار دینار با هزار آفرین نثار کردند و سراو را بر سر نیزه از سر ستیزه برافراشتند“ ۔ ص ۳۸۱

حصراوی کی موت نے قلعۂ دمشق کو مغلوں کی دست برد سے بچا لیا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک ماہر منجنیقی اپنے کمال فن کی بنا پر ان ایام میں قلعوں کی تباہی و بربادی کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا

۶۹۰ھ میں ملک اشرف والی مصر نے فرنگیوں سے طرابلس فتح کر کے عکہ کا رُخ کیا ۔ یہ شہر بھی فرنگیوں کے قبضے میں تھا ۔ اہل قلعہ کو اپنی فوج اور جنگی ذخائر پر بڑا ناز تھا ۔ فصیل پر سے ملک اشرف اور مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ اور مذہبی پیشواؤں کی تبریک کے بعد منجنیقوں سے گولہ باری ۔ ناوک اندازی اور تیرباراں کرنے لگے ۔ آگ اور نفط کے قارورے پھینکے ۔ چنانچہ وصاف :-

” برفع ورجع دعاء جاثلیق و نصب عماد منجنیق و رشق ناوک و پلارک و چرخ دور پرتاب و قذف قواریر نفط و آتش پرتاب معجب و مرتاب شدند “۔

ایک دن فرنگیوں نے جنگ کے دوران میں انتہائی قساوت سے کام لیکر ایک مسلمان قیدی کو جو مدت سے ان کے ہاں قید تھا۔ پتھر کی جگہ منجنیق میں رکھ کر محاصرین میں پھینک دیا۔ اس کی لاش جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے مسلمانوں کی فوج کے درمیان گری۔ ملک اشرف کو قلعہ والوں کی اس وحشیانہ حرکت پر سخت طیش آیا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک قلعہ فتح نہ کرلے گا دم نہ لے گا:۔

" ناگاہ روزی در اثنائے محاربت آن مدابیر اسیری را از مسلمانان کہ در حبس ابد میداشتند بعوض سنگ در منجنیق نہادہ پرتاب کردند۔ ہنوز در فضاء ہوا بود کہ البعاض او کالعہن المنفوش ، متلاشی گشت۔ بعد ازان ملک اشرف را از مشاہدۂ آن حالت وقوف بر استخفاف وجسارت ایشان نائرۂ حفائظ بباد عصبیت دین افروختہ شد۔ بمؤکدات ایمان وشداد مواثیق تمسک جست کہ تا خاک عکہ بر باد فنا ندہد و بآب تیغ آتش قہر در ایشان نزند دست از محاربت و پای از مشا برت کشیدہ ندارد"

(ص ۳۵۱ وصاف)

چنانچہ اس نے نقب زنوں کو حکم دیا کہ کئی موقعوں پر نقب لگائیں جو خندق سے گذر کر فصیل کے پائین تک پہنچ جائے حفر شدہ مقام میں ستون کھڑے کر دیں۔ اور لکڑیاں بھر دیں۔ ادھر اس نے حکم دیا کہ لکڑی کے مربع مستطیل گھر یا خانے تیار کریں۔ ان کے پہیے لگادیں اور سیڑھیاں چاروں طرف جمادیں اور چھت کی گائے کی کھالوں سے پوشش کر دیں تاکہ تیر اور پتھر اس پر کارگر نہ ہو۔ ان خانوں میں تیر اندازوں اور نفط اندازوں کو بٹھا دیا اور کشتیوں کی طرح دھکیل کر آگے بڑھایا۔ اس کے بعد حکم ملا کہ ہر فوجی ایک ایک توبرہ ریت بھر لائے۔ توبروں کی گنتی دو لاکھ ہوئی۔ ان کی ریت سے خندق پاٹ دی گئی۔ ان امور کو سرانجام دینے میں باون دن لگے۔ اس وقت تک نقب زن بھی اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ جمعہ کی

شب کو نقبوں میں آگ دی۔ قلعہ کی دیوار اور برج زمین پر گر پڑے۔ مصری فوجوں نے دھاوا کیا اور قلعہ فتح ہو گیا (صفحہ ۵۱-۳۵۲ وصاف)

قلعہ مہستی کے محاصرے کے وقت امیر تیمور اپنے خیمے سے نکل کر بغرض تسخیر قلعہ کا معائنہ کرنے لگا۔ قلعہ میں ایک گھومنے والی منجنیق نصب تھی۔ جیسے ہی امیر باہر آیا۔ اس منجنیق سے ایک پتھر امیر پر پھینکا گیا۔ پتھر آکر شاہی خیمے کے بالکل قریب گرا اور لڑھک کر خیمے میں چلا گیا۔ امیر کو محصورین کی اس بیباکی پر سخت طیش آیا۔ اسی وقت قلعہ کو امرا پر تقسیم کر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ بیس منجنیقیں قلعہ کے چاروں طرف لگا دی گئیں۔ ان میں سے ایک اس مقام پر لگائی۔ جہاں پتھر آکر گرا تھا۔ اس منجنیق سے جب پہلا پتھر پھینکا گیا سیدھا جا کر قلعہ کی منجنیق کے لگا۔ جس سے وہ ٹوٹ گئی۔ شرف الدین یزدی نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

"ودران حال صاحبقران بے ہمال احتیاط قلعہ می فرمود منجنیق گردان کہ درمیان آن ساختہ بودند و برافراختہ سنگی گران از ہوای بغی وطغیان بجانب آنحضرت انداختند وآن سنگ بنزدیک خیمۂ خاص برزمین خورد وازان جا لغزیدہ باندرون خیمہ افتاد شعلۂ خشم خسروانہ ازان جرأت وبیباکی برافروخت وبرلیغ قضا مضا صدور یافت کہ اطراف قلعہ را برامرا بخش کردہ حصار را مرکز وار درمیان گیرند بہادران ممالک ستان قلعہ کشای بامتثال امر مبادرت نمودہ بیست منجنیق از جوانب آن حصار نصب کردند ازان جملہ یکی درہمان موضع کہ سنگ ایشان فرود آمدہ بود واول سنگی کہ ازان انداختند بہ نیروی دولت قاہرہ بر منجنیق اندرون آمد وآنرا برہم شکست وامثال چنین اتفاقات از اظہر امارات نصر عزیز وفتح مبین نوانذ بود"۔ (صفحہ ۲۸۳ جلد دوم۔ ظفرنامہ۔ طبع کلکتہ)

منجنیقوں کا ذکر اگرچہ تاریخ میں کثرت سے ملتا ہے۔ مگر ان کا مفصل بیان میری نظر سے نہیں گذرا جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ ان کی شکل وشباہت کیا تھی۔ اور

کس طرح کام کرتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے کوئی ایسا بیان نہ مل سکا۔ ہم اس عہد سے اس قدر دُور نکل آئے ہیں کہ اس زمانے کی ادنیٰ ادنےٰ شئے ہمارے لئے ایک معمّے کا حکم رکھتی ہے۔ لاہور کے شاعر ابو عبداللہ روزبہ ابن عبداللہ النکتی نے جو سلطان مسعود شہید غزنوی ۴۲۱ھ و ۴۳۲ھ کے عہد کے شاعر ہیں چند ابیات منجنیق کی چیستان میں جس کا ان ایام میں کافی رواج تھا حوالۂ قلم کئے ہیں۔ ان اشعار سے اس کل کے بعض خط و خال معلوم ہوتے ہیں اور پورا حلیہ ذہن میں نہیں آتا۔ النکتی کا بیان ہے کہ ایک طرف سے زد بان ہے دوسری طرف سے شیطان کے پانو کی طرح چکلی ہے۔ زانو فرجۂ کمان کی طرح کشادہ ہے۔ جس میں ہاتھی کی سی سونڈ لٹک رہی ہے۔ دو آہنی دانت ہیں جو دیو کے پاؤں میں جڑے ہیں۔ سونڈ میں سینکڑوں رسیاں لٹک رہی ہیں۔ لوگ جمع ہو کر ان رسیوں میں سے ایک ایک رسی پکڑ لیتے ہیں۔ گویا رسیوں کے کھینچنے سے لبلبی دبائی جاتی ہے اور پتھر پھینکا جاتا ہے۔ اور ہر شخص دہشت سے کانپنے لگتا ہے۔ چیستان یہ ہے :-

چہ چیز است آن کہ یک سو زد بانست — دگر سو راست ہمچون پای شیطان
سر زانو بسان فرجۂ تیر — از و آویختہ خرطوم پیلان
دو دشنک آہنین بینی مر او را — زدہ آن دشنک را بر پای دیوان
بر آن خرطوم دست صد زلف بینی — ہمی بر تافتہ چون زلف جانان
چو عشاقش بد و انبوہ گردند — بگیرد ہر یکی یک زلف راز ان
بیندازد یکی سندان محکم — شود ہر کس ز بیم و ہول لرزان

(لباب الالباب جلد دوم صفحہ ۵۸)

شاہد صادق میں محمد صادق اصفہانی جو شاہجہان کے عہد کا مصنف ہے۔

منجنیق کا ایک مختصر سا بیان حسب ذیل دیتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ زمانۂ سابق میں منجنیق آلات حصار گیری میں سب سے اہم آلہ تھا۔ اس کی شکل ترازو کی طرح ہوتی ہے۔ ایک پلڑے کو بہت بھاری کر لیا جاتا ہے۔ ہلکے پلڑے میں پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور رسیوں کے ذریعہ سے زمین کی برابر قایم رکھا جاتا ہے تاکہ بھاری پلڑا اونچا چلا جائے۔ اب رسیاں ایک دم کاٹ دی جاتی ہیں جس سے بھاری پلڑا زمین پر آرہتا ہے اور ہلکا پلڑا اونچا ہو جاتا ہے اور جو پتھر اس میں رکھا ہوتا ہے دُور جا کر گرتا ہے ؛

یہ دونوں بیان مَیں سمجھتا ہوں مختلف ساخت کی منجنیقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ایک بیان تاریخ تمدّن اسلام جرجی زیدان سے منقول ہے جو غالباً مغربی وزرائع سے ماخوذ ہے :-

"یہ ایک لکڑی کا سیدھا پھڑ ہے۔ جس کے سرے پر ایک گوپھن نما چیز لٹک رہی ہے۔ اس میں پتھر رکھ کر پھڑ کو تسموں کے ذریعے پیچھے کی جانب کھینچتے ہیں۔ پھڑ کے نیچے ایک مضبوط کمانی لگی ہے۔ جس وقت کمانی پوری طرح دب جاتی ہے یکایک اسے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ پھڑ زور کے ساتھ آگے کو جھکے ہوئے ایک مسطح تختے پر جا گرتا ہے اور پتھر نکل کر دُور جا پڑتا ہے۔"

(تاریخ تمدن اسلام ص۱۹۴ ترجمہ از مولوی محمد حلیم۔ طبع روز بازار امرت سر)

کتاب آداب الحرب میں منجنیق کی کئی قسمیں بیان ہوئی ہیں (۱) منجنیق عروس، جو چاروں طرف مار کرتی ہے (۲) منجنیق دیو، جو غالباً اپنے ڈیل ڈول کی کلانی کی بنا پر اس نام سے کہلاتی ہے (۳) منجنیق غوری وار، (۴) منجنیق روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو سکتی تھی۔ مصنف کا بیان ہے :-

"و منجنیق بر انواع است منجنیق عروس، و آن چہار سوی تواں انداخت و

"منجنیق دیو و منجنیق غوری وار و منجنیق روان" ص ۱۹۱

لفظ منجنیق کو عام طور پر ایرانی الاصل مانا جاتا ہے مگر فردوسی کے اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داستانوں میں ان آلات پر کام کرنے والے بالعموم رومی اور عیسائی ہوتے تھے۔ منجنیق کا قافیہ تمام شاہنامہ میں بالالتزام جاثلیق لایا گیا ہے۔ جاثلیق موجودہ انگریزی لفظ کیتھولک کا ہم اصل ہے۔ فردوسی اس کا استعمال بمعنی 'ترسا' و 'منجنیقی' کرتا ہے۔ ہماری فرہنگیں اس کے معنے پیشوای ترسایان بتاتی ہیں۔ جو معنے شاہنامہ میں نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ میں بعض مثالیں شاہنامہ سے نقل کرتا ہوں:۔

ص ۵۶/۱	نترسد ز عرادہ و منجنیق	نگہبان بباید ورا جاثلیق
ص ۱۹۷/۲	نباید برین بارہ بر منجنیق	ز افسون تو رودم جاثلیق
ص ۲۵۷/۲	دو صد پارہ عرادہ و منجنیق	نہاد از برش ہر سوی جاثلیق
ص ۲۵۵/۲	برآورد بیدار دل جاثلیق	بران بارہ عرادہ و منجنیق
ص ۶/۴	سکندر بفرمود تا جاثلیق	بیارند ارابہ و منجنیق
ص ۷/۴	بدو ساخت از چار سو منجنیق	بپای آمد آن بارۂ جاثلیق
ص ۴۱/۴	بیاراست بر ہر سوی منجنیق	ز گردان روم آنکہ بد جاثلیق

اب میں باقی اصطلاحات پر نظر ڈالتا ہوں۔ دبّابہ ایک متحرک آلہ تھا جسے پہیوں کے ذریعے سے چلاتے تھے۔ اس کی چھت کھالوں یا سرکہ میں تر شدہ نمدوں سے ڈھکی ہوتی تاکہ آگ سے محفوظ رہے۔ کچھ لوگ اس کے اندر بیٹھ جاتے اور کچھ اسے دھکیل کر لے چلتے۔ بعض وقت اس سے فصیلوں پر دھاوا کرتے اور بعض وقت قلعہ کی دیواروں کے انہدام میں کام لیتے۔ اس کا سرا نوک دار ہوتا تاکہ دیواروں میں شگاف کر سکے محصورین مدافعت میں آگ پھینکتے اور جلتی لکڑیوں یا سرکنڈوں کے لپشتارے اس پر ڈالتے تاکہ

دبابہ اور اس کے پناہ گزین جل جائیں۔ دبابہ کو فارسی میں خرک کہتے ہیں بعض وقت اسی وضع کی کشتیاں طیار کی جاتیں جن سے دریائی جنگوں میں کام لیا جاتا ۔

خجند پر جب چنگیزی فوجوں نے یورش کی ہے۔ وہاں کا افسر تیمور ملک دریائے جیحوں کے اس حصار میں جہاں دریا دو شاخ ہو کر بہتا ہے مقابلہ کرتا ہے۔ امیر موصوف ہر روز کشتیوں میں بیٹھ کر غنیم کے حملوں کا جواب دیتا۔ کشتیاں جو اس کے پاس تھیں خاص قسم کی ساخت کی تھیں۔ ان کی چھت اور بازوؤں کی پوشش نمدے کی تھی جس پر سرکہ میں گندھی مٹی کا غلاف چڑھا دیا گیا تھا۔ کشتیوں کے بازوؤں میں کھڑکیاں تھیں۔ ان کشتیوں پر تیر نفط اور آگ کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ تیمور ملک ایک عرصہ تک دشمن کے مقابل ڈٹا رہا۔ عطا ملک کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

" واو دوازدہ زورق ساختہ بود سر پوشیدہ و بر نمد تر گل بسرکہ معجون اندودہ و دریچہا درگذاشتہ ہر روز بامداد جانبی شش روان می شد و جنگہائے سخت بیکردند و زخم تیر بران کارگر نبود آتش و نفط و سنگہا کہ در آب می ریختند او فرا آب میداد و بشب شبیخون می برد۔ خواستند تا مضرت آن دفع کنند دست نداد " (ملاحظہ جہانکشای جوینی جلد اول)

کبش۔ یہ دبابہ سے ملتا جلتا آلہ ہے۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کا سر مینڈھے کے سر کے مشابہ اور آگے کو نکلا ہوتا۔ مینڈھے کا سر لکڑی یا لوہے کی موٹی بلی میں لگا ہوتا اور بلی دو رسیوں میں جو دبابہ کی چھت میں جڑی ہوئی چرخیوں پر کھنچا کرتی تھیں لٹکا کرتی تاکہ اس کے کھینچنے میں آسانی ہو ۔

عرادہ۔ یہ چھوٹی قسم کی منجنیق ہے اور فارسی ادبیات میں منجنیق کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتی ہے۔ فرہنگ بحر الفضائل تالیف ۸۳۷ھ میں لکھا ہے "عرادہ ہچو مغربی کہ بدان سنگ از حصار اندازند" اور شرفنامہ احمد منیری مؤلفہ ۸۶۲ھ میں مرقوم ہے "عرادہ منجنیق خورد" اور موجودہ لغتوں میں مذکور ہے "عرادہ آلہ جنگ خوردتر از منجنیق"

اس آلہ کا استعمال بھی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ آداب الحرب میں اس کی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی عرّادہ یک روئی جس سے صرف ایک ہی سمت میں سنگ اندازی کی جائے دوسری عرّادۂ گردان، جو گھوم سکے۔ تیسری عرّادۂ خفتہ جو صرف ایک جگہ قائم ہو۔ چوتھی عرادۂ روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے۔ فردوسی۔ اسدی اور نظامی کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے:۔

فردوسی ؎ سکندر بفرمود تا جاثلیق ٭ بیارند عـــرّادہ و منجنیق

اسدی طوسی ؎ بہر گوشـــہ عرّادہ بر ساختند ٭ ہمہ و یک زخشندہ انداختند

نظامی گنجوی ؎ نہ عرّادہ برگرد اورہ شـــناس ٭ نہ از گردش منجنیقش ہراس

چرخ ۔ سخت کمان کو کہتے ہیں۔ مثال میں فردوسی کا یہ شعر ؎

شغاد آمد آن چرخ را برکشید ٭ بزہ کرد و یکبارہ اندر کشید

اس کے علاوہ تیر اندازی کا بھی آلہ ہے۔ تاریخوں میں تیر دست اور تیر چرخ بعض موقعوں پر ساتھ ساتھ ملتے ہیں جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ چرخ کمان سے علیحدہ آلہ ہے محصورین و محاصرین دونوں اس سے کام لیتے ہیں۔ عطا ملک جوینی کے یہ فقرے قابلِ غور ہیں:۔

(در ذکر فتح نیشاپور بر دست مغول) "روز سیم از برج قراقوش جنگ سخت میکردند واز بارہ و دیوار تیر چرخ و تیر دست می ریختند۔" (صـ ۱۳۷ جہانگشای جوینی جلد اول طبع یورپ)

(ذکر فتح اخلاط بر دست جلال الدین منکبرنی) "و مجانیق و آلات دیگر از تیر چرخ و نفط ترتیب دادند و از اندرون شہر ہم بکار ساختن حرب مشغول شدند۔ از جانبین منجنیق بر کار کردند و تیر دست و تیر چرخ چون تگرگ ریزان گشت"۔ (صـ ۱۸۴ جلد دوم جہانگشا)

چرخ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے پہیے یا چرخی سے چلنے والی کمان ہے اور جنگوں میں قابلِ قدر آلہ ہے۔ تاریخوں میں بے شمار موقعوں پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ جب چنگیزیوں نے نیشاپور پر حملہ کیا ہے۔ اس وقت تین ہزار چرخ اور تین سو

منجنیق اور عرّادے شہر کی دیواروں پر موجود تھے۔ مگر محصورین ہمت ہار چکے تھے۔ چنانچہ عطا ملک کا فقرۂ ذیل :۔

" اہالی نیشاپور چون دیدند کہ کار جد است و این قوم نہ آنند کہ دیدہ بودند باز آنکہ سہ ہزار چرخ بر دیوار بارہ برکار داشتند و سیصد منجنیق و عرّادہ نصب کردہ و از اسلحہ و نفط در خور این تعبیہ دادہ تمامت را پای سست شد و دل از دست برفت"۔

(ص ۱۳۹ جلد اول جہانگشا)

بامیان کی یورش کے وقت چنگیز خان کا پوتا چغتائی کا فرزند تیر چرخ سے مارا جاتا ہے :۔

" ناگاہ از شست قضا کہ قضای کل آن قوم بود تیر چرخی کہ مہلت نداد از شہر بیرون آمد و بیک پسر چغتائی رسید کہ محبوب ترین احفاد چنگیز خان بود۔"

(ص ۱۰۵ جلد اول۔ جہانگشا)

امیر تیمور کی جنگوں میں بھی تیر چرخ موجود ہے۔ چنانچہ شرف الدین قلعہ اوبک کی فتح کے وقت لکھتا ہے :۔

"حضرت صاحبقران فرمود کہ امرای تومان ہر کس بہ سیبۂ خود استادہ منجنیقہا ترتیب کردند و سائر اسباب حصار از عرّادہ و رعد و تیر چرخ آمادہ داشتہ کورگہ و نقارہ فرو کوفتند

(ص ۶۹۶۔ ظفرنامہ جلد اول۔ طبع کلکتہ)

دقیقی کے ہاں شاہنامہ میں تیر چرخ مذکور ہے :۔

پس انجامش آمد یکی تیر چرخ چنین آمدہ بودش از چرخ برخ

(ص ۸ جلد سوم۔ شاہنامہ۔ طبع بمبئی ۱۲۷۵ھ)

فردوسی نے چرخ اور کمان چرخ دونوں شکلوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ :۔

ے پس منجنیق اندرون رومیان ۔ ابا چرخہا تنگ بستہ میان (ص ۲۵۷ جلد دوم شاہنامہ)

شعر ذیل میں فردوسی اس کی آواز کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ صاف واضح نہیں کہ اسکا مقصد چرخی گھومنے کی معمولی آواز ہے یا ایسی آواز جو کسی آتشگیر مصالحہ کے بھڑکنے سے پیدا ہو :۔

ز بانگ کمانہای چرخ و زدود • شدہ روی خورشید تابان کبود (ص ۲۵۸ جلد دوم)

چھٹی صدی کے منتصف اول کے شاعر ازرقی کے شعروں سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ چرخ کوئی آتشبار آلہ ہے۔ اس کے ممدوح طغان شاہ نے سیستان کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا جب وہ قلعہ کے معائنہ کے واسطے میدان میں آیا۔ برج پر سے ایک چرخ انداز نے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً اپنے چرخ کو آگ سے بھر لیا اور طغان شاہ کے آہن پوش گھوڑے پر اس کا تیر چھوڑا جو ملک طغان کے پانو سے ایک ہاتھ بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ پر لگا۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

زشہ برجی قضا را چرخ داری	ملک را دید در میدان برابر
ز آتش چرخ را پر کرد و بشتافت	کز آتش بیند او پاداش و کیفر
بزد بر بارہ برگستوان دار	خدنگ راست رو برگستوان در
ز زخم تیر تا پای خداوند	بدستی ماندہ بد یا نیز کمتر

(انجمن آرای ناصری)

مگر تاریخوں میں اس کے تعلق میں آتش باری کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا۔ فرہنگ شرفنامہ تالیف ۸۷۲ھ اور موید الفضلا میں چرخ کی یہ تشریح دی گئی ہے :۔

"چرخ کمان حکمت کہ از آلات جہانگیری است و تیر چرخ بدان اندازند"

کمان حکمت کو بہار عجم میں ایک قسم کی منجنیق بتایا ہے۔

فرہنگ جہانگیری میں چرخ کو بان یا حقۂ آتشین کی مانند کہا گیا ہے۔ فرہنگ نگار کا

بیان ہے :-

"چیزی باشد مانند تیر ہوائی کہ از آہن لبسازند و درون آن پر از باروت کردہ آتش زنند و بر جانب دشمن سر دہند و بر ہر کس کہ خورد ہلاک سازد۔ انوری در صفت آسمان گفتہ ؎

نہ منجنیق رسد بر سرش نہ کشکنجر   نہ تیر چرخ نہ سامان برشدن بوہق

یہ بیان فرہنگ نگار کے زمانہ کے واسطے صحیح مانا جاسکتا ہے۔ مگر قدیم زمانہ کے تعلق میں البتہ صحیح نہیں کیونکہ باروداں ایام میں موجود نہیں تھی۔ یہاں تک تو خیریت تھی مگر متاخرین نے اسے بندوق کے ساتھ شناخت کرکے ہمارے لئے راہ راست سے بھٹکنے اور غلط قیاسات قائم کرنے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ ان کا بیان ہے:-

"بمناسبت کمان و تیر تفنگ را نیز چرخ گویند و گلولۂ آن را تیر گویند زیرا کہ چنانکہ کمان تیر را بقوت جسمانی بازوی کماندار بدشمن رساند تفنگ ہم بقوت نیروی اروی آتشین کہ باروت باشد گلولہ را کہ بمنزلہ پیکان تیر است بخصم رساند حکیم ازرقی در مدح طغان شاہ در جنگ سیستان و تیر انداختن تفنگ واری ازفراز برج گفتہ "

(فرہنگ انجمن آرای ناصری)

شعر میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ ازرقی کے زمانہ کے لئے یہ خیال کرنا کہ بندوق اور گولی موجود تھی روایت و درایت کے منافی ہے۔ ازرقی نے صرف اسی قدر کہا ہے "ز آتش چرخ را پر کرد و بشتافت"، جس کی بدیہی توجیہ یہی ہے کہ آگ تیر کے ذریعہ سے پھینکی گئی۔ قلعہ سے محاصرین پر آگ اور قارورہای نفط پھینکنے کا عام دستور رہا ہے اگر اس چرخ دار نے طغان شاہ پر تیر آتش لبست پھینک دیا تو کیا ہرج ہے۔

اگر ہم لغت نگاروں کے بیانات پر اعتبار کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ بندوق تو بندوق توپ بھی قدیم زمانہ میں موجود تھی اور رستم کا پردادا نریمان توپ کے گولے سے

ہلاک ہُوا تھا۔ دیگ کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں :۔

" دیگ معروف است و بمعنی توپ بزرگ نیز آمده است که در قدیم الزمان در قلاع و حصار برای حفظ داشته و میگذاشته و با دارو ہای آتشین انباشته بجانب خصم می انگندند و بعضی درازتر چنانکه ہست و بعضی کوتاه تر بترکیبی که اکنون خم پاره گویند و بپارۂ خم ماند که زبر او شکسته و زیر او قدری باقیست و گلولۂ آن از سنگ میکرده اند۔

حکیم علی اسدی در گرشاسپ نامه

یکی دیگ منجر دران قلعه بود | که تیرش بد از سنگ صد من فزود
بدارو مر آن رعد انباشتند | همه روز تا شب نگهداشتند
ازان برج آن سنگ آمد رہا | بدان آتش و دود چون اژدہا
زبارہ مر آن رعد انداختند | جہان از زیان پرداختند

و آن دیگ را دیگ رخشنده می گفته اند که از آتش می درخشید۔ اسدی ؎

بہر گوشہ عراوه برساختند | همه دیگ رخشنده انداختند

(فرہنگ انجمن آرای ناصری)

شاعر کا مقصد ہے کہ قلعہ میں ایک دیگ (منجر؟) تھی ۔جس کا تیر سو من (فارسی من) کے گولہ کا تھا ۔ اس کو بارود سے بھر دیا۔ رات پڑے وہ گولہ اس دیگ سے آگ اور دھوئیں کے ساتھ چھوڑا گیا۔بس جیسے ہی قلعہ سے توپ چھوٹی زیاں سے دنیا خالی ہو گئی ۔ ان شعروں کا متن میرے نزدیک مشتبہ ہے ۔ اسدی کا گرشاسپ نامہ میری نظر سے نہیں گذرا ۔ اگر متاخرین کے ہاتھوں ان اشعار کے متن میں قطع و برید نہیں ہوئی ۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان میں توپ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دارو بارود کے واسطے اور رعد توپ کے لئے متاخر زمانہ میں عام استعمال میں آئے ہیں ۔ آتش و دود بھی اسی عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔ایک بات کی کمی رہ گئی ہے

کہ توپ کی گرج کا ذکر نہیں آیا۔ چونکہ یہ تنہا بیان ہے اس لئے اس پر بغیر مزید و متواتر شہادت کے بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ایک امر قابل گذارش ہے کہ اسدی کی روایت کی رو سے زریان توپ کے گولے سے مارا جاتا ہے۔ شاہنامہ میں فردوسی نے بھی زریان کی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رستم جب پیل سفید کو ہلاک کرچکتا ہے۔ زال اسکی جرأت پر بہت تحسین کرتا ہے اور زریان کا انتقام لینے کے واسطے کوہ سپندان روانہ کرتا ہے۔ اس موقعہ پر شاعر زریان کی ہلاکت کے متعلق لکھتا ہے ؂

سرانجام سنگی بہ بنیاد اختند۔ جہاں راز پہلو بہ پرداختند (ص ۴۶ جلد اول شاہنامہ ۱۲۷۵ھ)

جس سے ظاہر ہے کہ زریان کی موت ایک پتھر سے واقع ہوئی تھی۔ جو قلعہ سے اس پر گرایا گیا تھا ؛

فرہنگ نگاروں نے یہی سلوک کشکنجیر کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے معنے بھی بڑی توپ بیان کئے ہیں۔ فرہنگ جہانگیری میں اس کی تشریح یوں مرقوم ہے:۔

" توپ کلان را گویند کہ بدان دیوار قلعہ بشکنند و بنیاد ازند۔ معنی ترکیبی آن کوشک سوراخ کن ست چہ کشک مخفف کوشک بود و انجیر سوراخ را گویند "

انجمن آرای ناصری میں یہ تشریح ملتی ہے :۔

" کشکنجیر توپ کلاں کہ بپارسی دیگ و دیگ زحشندہ نیز گویند "

مگر فرہنگ بحر الفضائل میں جو ۸۳۷ھ کی تالیف ہے اس کے معنے " نوعے از منجنیق " دیئے ہیں اور نوروز نامہ سے جو حکیم عمر خیام کی تالیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کشکنجیر ایک خاص قسم کی نہایت سخت اور طاقتور کمان ہے جس سے حصار شکنی میں کام لیا جاتا ہے۔ نوروز نامہ کی اصل عبارت حسب ذیل ہے :۔

" دو زن کمان بلند ترین شش صد من نہادہ اند و مر آن را کشکنجیر خواندہ اند و آن مر قلعہا را بود۔ فرو د ترین یک من بود و مر آزا بہر کودکان خورد سازند " (ص ۴۲ نوروز نامہ)

منوچہری کے شعر سے بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا سخت زہ آلہ ہے۔ جسکے چلانے میں ایک سے زیادہ آدمی کی ضرورت پڑتی ہے۔ و ہو ہذا :۔

؎ داد جشن مہرگان اسپہبد عادل بہ
آن کجا تنہا بہ کشکنجیر انداز د خدنگ

ہندوستانی فرہنگ نگار قبل مغل اس کا مختلف بیان دیتے ہیں :۔

شرفنامہ تالیف ۸۷۷ھ :۔

"کشک انجیر ۔ یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دواہای آتشین روان کنند بہندش گولہ گو یند و کشکنجیر ہم او نیز نوایند و معنی ترکیبی آن سوراخ کنندۂ کوشک است۔"

عماد السعادت مؤلفہ ۹۱۹ھ :۔

"کشکنجیر و کبک انجیر ۔ کاف مضموم ، یکی از آلات جنگ آتشی است بقوت دارو با روان کنند بہندش گولہ خوانند۔"

مؤید الفضلا تصنیف ۹۲۵ھ :۔

"کشک انجیر ۔ یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دوا ہای آتشین روان کنند۔"

میرے خیال میں یہ بیان ان فرہنگ نگاروں کے عہد کے واسطے بالکل قابل اعتبار ہے۔ بارود اس وقت تک عام ہو چکی ہے۔ جس کو یہ مصنفین دواہائے آتشین اور دارو ہا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہندی نام گولہ دیتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بارود کی نفوذی طاقت معلوم ہونے کے بعد سب سے اول اس کا استعمال گولے اور بان کی شکل میں کیا گیا ہے۔

فردوسی کے ہاں ایک شعر آتا ہے :۔

؎ گرفتند گردان ایران زمین
کمانہای زنبوری و چرخ کین

اس شعر میں کمان زنبوری قابلِ غور ہے۔ جس کی تشریح بہارِ عجم میں یوں دی گئی ہے:-

"کمان زنبوری - ف - کنایہ از تفنگ کہ بتازی بندوق و بترکی بلتفیق خوانند"

اب کیا ہم یہ مان لیں کہ فردوسی کے عہد میں بندوق رائج تھی -

فرہنگوں میں جو پالغز ہمارے واسطے موجود ہیں۔ ان میں تفک بھی شامل ہے اس کے متعلق مرقوم ہے :-

"تفک و تفنگ بالضم و فتح دوم ف - بندوق ، و مرکب است از تف مبدل تپ بپای فارسی کہ مخفف توپ است و کاف و نگ ہر دو کلمۂ نسبت یا تشبیہ چنانکہ در ہوشنگ و دیرنگ و توشنگ و آزاد رہندی تپک بپای فارسی خوانند و تفق معرب آنست"

میں تفک کی بعض مثالیں بھی عرض کرتا ہوں :-

نظیری نیشاپوری :- ؎ در مغز تفک زور کند آتش سودا ✣ آتش زد بان جوش زند مار دہان[1]

از ہول صدای تفک و نعرۂ گردون ✣ سکان سموٰات گذارند مکان[1]

احسن التواریخ :- ؎ ز تیغ و تفکہای آہن ستیز ✣ ز ہر گوشہ بازار کین گرم خیز[140]

(دیگر) دران عرصہ از بہر مردان جنگ ✣ تفک نقل و خوان بادۂ لالہ رنگ

یلان از تفک دادہ دلہا ز دست ✣ ز نقل چنان گشتہ بی بادہ مست[148]

طالب آملی :- ؎ دم از و قوت تفک انگلیسیت می زنم ✣ چرا کہ حجت او گشتہ بدلیل تمام

یہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے۔ جس میں تفک بمعنی بندوق زیادہ رائج ہے - اس عہد کے بعد اس کا مراوف تفنگ عام ہو جاتا ہے اور تفک متروک ہو جاتا ہے ؛

متقدمین کے ہاں تفک بالکل مختلف چیز ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو وجہ اشتقاق اوپر مذکور ہے درست نہیں اس کی معرب شکل تفق ہے -

انوری ؎ نہ از فراز توان جست حیلہ سر کوب ✣ نہ از نشیب توان یافت جایگاہ تفق

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی آلہ حصار شکنی ہے۔ لیکن قاضی خان بدر معروف بدھاروال جو اپنی فرہنگ ادات الفضلا ۸۲۲ھ میں تصنیف کرتے ہیں۔ اس لفظ کی یوں تشریح دیتے ہیں :-

" تفک نئے نیزہ کہ بدان غلولہ اندازند۔ مانند تیر [می رود]

شرف نامہ احمد منیری میں ابراہیم بن قوام فاروقی کا بیان ہے :-

" تفک ۔ نئے نیزہ خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

مولنا محمود ابن شیخ ضیا تحفۃ السعادت تالیف سنہ ۹۱۶ھ میں یوں رقمطراز ہیں :-

" تفک ۔ تای مضموم وفای مفتوح۔ نئے خالی یا چوبی خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

یہ ان مصنفین کا بیان ہے جو مغلوں سے پہلے گذرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بندوق کا حلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک نے یا پولے بانس کا ٹکڑا ہے جس کے ذریعہ سے مٹی کا خشک یا تر غلہ چلایا جاتا ہے۔ صاحب فرہنگ جہانگیری نے اس موقعہ پر مزید تفصیل سے کام لے کر تمام گنجلک کو رفع کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

" تفک چوبی بود میانہ تہی بدرازی نیزہ گلولہ از گل ساختہ در آن نہند و پف کنند۔ بزور نفس گلولہ بر جانور کوچک اگر خورد اندازد و بندق را بمشابہت آن تفک خوانند"

ایک قلمی فرہنگ میں جس کے نام سے میں ناواقف ہوں یہ عبارت ملتی ہے :-

" تفک، بضم تا وفتح فا بکاف عربی زدہ، چوبی باشد میان تہی بدرازی نیزہ کہ گلولۂ در آن نہند و پف کنند تا بزور نفس آن گلولہ بیرون جہد جانوران کوچک مثل کنجشک بآن بزنند و بندق را بمشابہت آن تفک نیز گویند۔"

گویا تفک دراصل اس بچوں کے کھلونے کا نام تھا جو غالباً گیلا غلہ ڈال کر چلائی جاتی تھی

جس سے ننھے ننھے جانور شکار ہو سکتے تھے۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے :۔

؎ مرغ محقر کہ بمیرد بہ تفک　　طرفہ سوادیست ز خطہائے فلک

میں ایک اور مثال مثنوی طرفۃ الفقہا سے جو بعہد فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ تصنیف ہوتی ہے نقل کرتا ہوں۔ یہ فقہی تالیف مولنا رکن الدین مرید شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی یادگار ہے۔ اس کے نامۂ صد و نود و ہشتم میں بذیل مسائل صید یہ فقیہ موصوف لکھتے ہیں :۔

صید را گر بہ تیر گز بکشد　　آن حرام است ہیچ کس نخشد
بندقہ نیز مثل این داند　　ور تفک میزند بدین ماند ف الف

تفک ان ابیات میں غالباً انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جو امیر خسرو کے ہاں لئے گئے ہیں اور جس کی تشریح ہم اوپر دیکھ آئے ہیں یعنے نئے نیزہ۔ بندقہ سے یہاں مقصد بندوق نہیں ہے بلکہ وہی غلہ۔

بارود کی ترویج نے تفک میں اہم تبدیلی پیدا کر دی یعنے یہ کہ بجائے بانس کی نے کے لوہے کی نال آگئی اور پھونک کرنے کا کام بارود نے لے لیا۔ گویا بندوق تفک کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔

یہاں مجھے ایک اور آلے پفک کا ذکر کرنا چاہیئے جو تفک کے مشابہ ہے۔ یہ ایک نیزہ نما لکڑی ہے جسے طولاً دو حصوں میں چیر کر بندوق کی نال کی طرح اس میں گاؤدم سوراخ کر لیا جاتا ہے اور ہموار کر کے دونوں نصفوں کو جوڑ لیتے ہیں چوڑے منہ کی طرف سے گیلی گولی ڈال کر پھونک کے ذریعہ سے پھینکی جاتی ہے۔ چھوٹے پرندے بلکہ کبوتر تک شکار ہو جاتے ہیں لیکن مشق کی ضرورت ہے۔ خواجہ امید کے یہ ابیات ملاحظہ ہوں :۔

یارب اگرچہ پیش ازین بود مرا دل و جگر   خستۂ لعبت چگل بستۂ دلبریک
دست فشاندہ ام برین پای کشادہ ام ازان   جستہ ز ہر دو دامگہ چون گل خازہ ازنیفک

اسی کے قریب ناوک ہے۔ یہ ایک پولی لکڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر تیر کو ایک خاص طریق سے چلاتے تھے۔ اس کی کمان تخش کہلاتی تھی۔ کثرت استعمال سے تیر ناوک کہنے لگے۔ ناوک کا تیر اور تیروں کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

صاحب مصطلحات الشعرا کا قول ہے کہ ناوک ایک نے ہوتی ہے۔ جس میں چھوٹا تیر رکھ کر اور زہ کمان میں بند کر کے چلاتے ہیں کبھی یہ نے لوہے کی بنا لیتے ہیں۔ جسے نئے ناوک کہتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی یہ ہے:۔

"ناوک ۔ مصغر ناو، و آن چوبی است میان تہی کہ تیر را در ان گذاشتہ بوضعی مخصوص می اندازند و کمان این چوب را تخش گویند و بکثرت استعمال تیر مذکور را تیر ناوک خواندہ اند و این مجاز است و این تیر کوچک باشد نسبت بسائر تیرہا و صاحب مصطلحات الشعرا گوید ناوک نی کہ تیر کوچک معروف در ان گذاشتہ و بزہ کمان بند کردہ کشاد دہند و گاہی آنرا از آہن سازند نی ناوک گویند،

میں نے نمونتہً صرف بعض الفاظ پر قناعت کی ہے۔ جن میں فرہنگ نگاروں نے نئے ہتیاروں کو پرانے نام دے کر ہمارے لئے مغالطے کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں اور شبہ ہونے لگتا ہے کہ ممکن ہے توپ اور بندوق قدیم ایام سے موجود ہوں۔ اسلئے اس مسئلہ پر کسی قدر اور غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ امر یقین کی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آتشی آلات میں سے اسلاف کے پاس آگ تیل اور نفط کے سوا اور کوئی مرکب یا مصالحہ موجود نہیں تھا۔ فردوسی کے زمانہ سے لے کر امیر تیمور کے عہد تک جس میں چنگیزیوں کے خروج کا زمانہ بھی شامل ہے اسباب قلعہ گیری میں کوئی جدید اضافہ نظر نہیں آتا قلعوں کی نقب زنی کا

جو طریقہ شاہنامہ کے صفحات میں دیکھا جاتا ہے وہی طریقہ ہم امیر تیمور کی قلعہ کشائیوں کی داستانوں میں پڑھتے ہیں۔ حصار گیری کی تاریخ میں تیمور کا نام سب سے مقدم آنا چاہیئے۔ اس کی فوج میں سفر مینا کا عملہ نہایت زبردست معلوم ہوتا ہے اور کوئی قلعہ نہیں جسے اس کی سپاہ نے چند روز میں نہ فتح کر لیا ہو مگر اس کے ہاں بھی کسی جدید آلے کا مذکور نہیں آتا۔ اب میں بعض قلعوں کی فتح کا ذکر کرتا ہوں:-

فردوسی نے شاہنامہ میں جو بعض قلعہ کشائیوں کے بیانات دیئے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ بڑی حد تک اس کے اپنے عہد کے ایسے واقعات کا صحیح مرقع ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ذیل کے بیانات ہمارے مطلوبہ سوال پر روشنی ڈالتے ہیں:-

جب رستم شہر بیداد فتح کرنے جاتا ہے۔ اس کا قلعہ جو تور بن فریدوں نے تعمیر کیا تھا نہایت مضبوط تھا۔ رستم نے اپنی فوجیں قلعہ کے چاروں طرف متعین کر دیں اور قلعہ پر سخت سنگ باری اور تیر باری شروع کر دی۔ خود رستم نے کمان ہاتھ میں لے کر ہر اس شخص کو جس نے دیوار سے باہر سر نکالا چن چن کر مارنا شروع کیا اس پر قلعہ والے بہت سراسیمہ ہوئے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ کی تہ میں نقب کھودی گئی اور اس کے نیچے شہتیر لگا دیئے۔ ان پر نفط ڈال دی جب نصف دیوار میں نقب لگ گئی شہتیروں میں آگ لگا دی گئی۔ جس سے دیوار گر گئی چنانچہ فردوسی کا بیان ہے:-

پے بارہ زان پس بکندن گرفت — ز دیوار مردم فگندن گرفت
ستونہا نہادند زیر اندرش — بیالود نفط سیاہ از برش
چو نیمی ز دیوار در کندہ شد — بچوب اندر آتش پراگندہ شد
فرود آمد آن بارۂ تور کرد — ز ہر سو سپہ اندر آمد بگرد
بفرمود رستم کہ جنگ آورید — کمانہا و تیر خدنگ آورید

ص ۱۹۸ جلد ۱ شاہنامہ طبع بمبئی ۱۲۷۵ھ

ایک اور مثال سنیئے۔ کنگ دژ افراسیاب کا قلعۂ خاص ہے جب کیخسرو اس کی تسخیر کے لئے آیا۔ اس نے اپنی فوجیں قلعہ کے گرد جما دیں اور ان کے سامنے شبخون سے حفاظت کے خیال سے خندق کھُدوا دی۔ قلعہ کے گرد دو سو عرادے اور منجنیق اور دو سو چرخ لگا دیئے۔ منجنیقوں کے پیچھے رومی اپنے اپنے چرخ کے ساتھ کھڑے تھے۔ پادشاہ نے حکم دیا کہ دو سو ہاتھی شہتیر جنہیں فردوسی ستون کے اصطلاحی نام سے یاد کرتا ہے لیتے جائیں۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے سرنگ کھودی اور شہتیر جما دیئے۔ ان پر نفط سیاہ چھڑک دی۔ اب پادشاہ نے حکم دیا کہ قلعہ کے دروازوں پر یورش کی جائے۔ اِدھر ان لکڑیوں اور نفط میں آگ لگا دی گئی نفط سیاہ کے بھڑکنے سے لکڑیوں نے آگ لے لی اور جل اُٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کی دیوار گر گئی اور شگاف میں سے ایرانی فوجیں اندر داخل ہو گئیں۔ میں فردوسی کے طویل بیان سے صرف ضروری ضروری ابیات نقل کرتا ہوں:۔

بلشکر بفرمود پس شہریار — یکی کندہ کردن بگرد حصار
دو نیزہ ببالا یکی کندہ کرد — سپہ را بگردش پراگندہ کرد
بدان تا شب تیرہ پرداختن — نیارد ز ترکان کسی تاختن
دو صد پارہ عرادہ و منجنیق — نہاد از برش ہر سوی جاثلیق
دو صد چرخ بر ہر سوی بیگمان — ز دیوار دژ چون سر بدگمان
پدید آمدی منجنیق از برش — چو ژالہ ہمی کوفتی بر سرش
پس منجنیق اندرون رومیان — ابا چرخہا تنگ بستہ میان
دو صد پیل فرمود پس شہریار — کشیدن ستونہا بہ پیش حصار
یکی کندۂ زیر بارہ درون — بکندہ نہادند زیرش ستون
پراگندہ بر چوب نفط سیاہ — برانگونہ فرمود نیرنگ شاہ

۲۵۷
۲

بفرمود تا سخت بر هر دری | بجنگ اندر آمد گران لشکری
بدان چوب و نفط آتش اندر زدند | ز برشان همی سنگ بر سر زدند
ز بانگ کمانهای چرخ و ز دود | شده روی خورشید روشن کبود
ز عرّاده و منجنیق و ز گرد | زمین نیلگون شد هوا لاجورد
ز نفط سیه چو بهار فروخت | بفرمان یزدان چو هیزم بسوخت
نگون باره گفتی که بر داشت پای | بکردار کوه اندر آمد ز جای
بر آمد خروشیدن کارزار | به پیروزی لشکر شهریار
سوی رخنهٔ دژ نهادند روی | بیامد دمان رستم جنگجوی ص ۲۵۸/۲

چنگیزی افواج ۶۱۶ھ میں مغولستان سے نکل کر توران و ایران۔ افغانستان و عراق چین و روس میں پھیل جاتی ہیں۔ ان کے سیلاب کو نہ کوئی لشکر روک سکا اور نہ کوئی قلعہ۔ لیکن افواج مغول اپنی ظفرمندانہ پیش قدمی کے دوران میں نہ کہیں کسی آتش بار آلے سے دوچار ہوئیں اور نہ خود استعمال میں لا رہیں اگرچہ قابل حیرت سرعت کے ساتھ انہوں نے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا ہے۔ مغرب کی طرف ان کے کوچ کے وقت جند سب سے پہلا قلعہ ہے جو ان کے سر راہ واقع تھا۔ انہوں نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر کے خرک اور منجنیق لگا دیئے۔ "لشکر بکبس خندق و استعداد آن از خرک و نردبان و غیر آن اشتغال نمودند" (جہانگشا ص ۶۹ جلد اول) اہل قلعہ حیران ہوئے اور شہر کے دروازے بند کر کے فصیل کی دیواروں پر بیٹھ گئے اور چنگیزی افواج کا تماشا دیکھنے لگے اور اچنبھا کرتے رہے کہ حملہ آور قلعہ کی بلند دیواروں پر کیونکر چڑھیں گے۔ مگر جب خندق کے پل طیار ہو گئے۔ اور سیڑھیاں قلعہ کی دیواروں کے ساتھ لگ گئیں تب ان کی آنکھیں کھلیں اور ایک منجنیق لا کر لگا دی۔ ابھی منجنیق سے پہلا ہی پتھر چلایا تھا کہ پتھر ہوا میں اُٹھ کر اسی

منجنیق پر آگرا جس سے منجنیق ٹوٹ گئی۔ اس اثنا میں حملہ آور سب طرف سے دیوار پر چڑھ آئے اور شہر بغیر کسی کی نکسیر پھوٹے ان کے قبضہ میں آگیا۔

بخارا کی فتح میں بھی منجنیقوں عرادوں اور قارورہای نفط سے کام لیا گیا ہے چنانچہ عطا ملک جوینی بالفاظ ذیل رقم کرتے ہیں :۔

"مردمان بخارا را بجنگ حصار راندند و از جانبین تنورہ جنگ بتغید از بیرون منجنیقہا راست کردند و کمانہا را خم دادند و سنگ و تیر پران شد و از اندرون عرادہا و قارورات نفط روان شد" (ص ۸۲ جلد اول جہانگشا)

جب خوارزم میں حملہ آور پہنچے وہاں پتھر نایاب تھا۔ اس لئے شہتوت کے درخت جن کی وہاں افراط تھی کاٹ کاٹ کر پتھر کی جگہ منجنیقوں میں استعمال کئے۔ چنانچہ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں :۔

"و بترتیب آلات جنگ از چوب و منجنیق مشغول گشت و چون در جوار خوارزم سنگ نبود از درختہای توت سنگہا می ساختند"۔ (ص ۹۹ جلد اول جہانگشا)

مرو کی تباہی سے فارغ ہو کر جب فاتحین نے نیشاپور کا رخ کیا۔ ہراول میں بہت سی منجنیقیں اور دیگر آلات قلعہ کشائی تھے۔ اگرچہ نیشاپور سنگستانی علاقہ ہے۔ مگر احتیاطاً کئی منزل سے وہ پتھر اپنے ساتھ لے کر آئے اور جگہ جگہ انبار لگا دیئے۔ حالانکہ ان کا دسواں حصہ بھی خرچ نہ ہوا۔" و در مقدمہ لشکر بسیار آلات مجانیق و اسلحہ لشادیاخ فرستاد و با زانک نشاپور سنگلاخ بود از چند منزل سنگ بار کردہ بودند و با خود آوردہ چنانکہ خرمنہا ریختند و عشر آن سنگہا در کار نشد" (ص ۱۳۹۔ جلد اول)

باوجودیکہ قلعہ کی دیواروں پر تین ہزار چرخ تھے اور تین سو منجنیقیں اور عرادے نصب تھے۔ اسی قیاس پر دیگر اسلحہ اور نفط کا سامان تھا۔ مگر نیشاپوریان کی

جنگ کا ڈھنگ دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے ؛

ہلاگو خان نے ۶۵۴ھ میں قلعہ الموت کا محاصرہ کیا۔ چرخ و مجانیق کے علاوہ جن میں پتھر کی جگہ درخت کاٹ کاٹ کر پھینکے گئے۔ ہم ایک نئی چیز کمان گاؤ کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو چینی استادوں کی ایجاد بتائی گئی ہے۔ اس کا نشانہ اگر میں عطاملک جوینی کی عبارت کو صحیح سمجھا ہوں ڈھائی ہزار قدم جاتا تھا۔ ہمارے مؤرخ کا یہ بیان قابل غور ہے۔ وہو ہذا:۔

" وکمان گاؤ را کہ اساتذہ ختائی ساختہ بودند آماج آن مقدار دو ہزار گام ، بران . . . خران چون جز آن درمان نداشت برکار کردند و شیاطین ملاحدہ بنصال شہب آسای منجمدہ بسیار سوختہ گشتند "؛

(ص ۱۲۶ جلد سوم۔ جہانگشای جوینی رگب میموریل)

میرے خیال میں ایک نشانہ کا بغیر بارود کی امداد کے ڈھائی ہزار قدم جانا نہایت دشوار ہے۔ کیا یہ کوئی آتشی آلہ ہے؟ ہم کہہ نہیں سکتے۔ بدقسمتی سے مصنف کا بیان اس قدر مختصر ہے۔ کہ ہم کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتے۔ پچھلے فقرے میں شیاطین کی رعایت سے شہاب اور شہاب کی رعایت سے سوختہ گشتند لایا گیا ہے۔ اس فعل کا تعلق بظاہر کمان گاؤ سے نہیں معلوم ہوتا ؛

تیموری جنگوں میں ایک اور آلہ 'قرا البغرا' کا نام ملتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ کوئی ترکی کل ہے جو منجنیق اور عرادہ کی وضع کی معلوم ہوتی ہے۔ نظام الدین شامی کے ہاں یہ لفظ سب سے پہلے میری نظر سے گذرا ہے مطلع السعدین سے دو مثالیں منقول ہیں:۔

ص ۶۵ " فارسیان بطرف شرقی شہر کہ بدروازہ سعادت موسوم است فرود آمدند و عرادہ و قرا البغرا و منجنیق ترتیب دادند "

ص۹۸ " وحضرت صاحبقران از برابر در قلعه بطرف پشت قلعه نقل فرمود و منجنیق وعرّاده و قرابغرا و نزد یا بهنام مرتب ساختند و دران محل که منزل همایون یعنی پشت قلعه بود ملجور از سنگ و چوب چندان (بلند) برآوردند که در قلعه نگاه میکردند "

(فتح قلعہ گرجستان)

معلوم ہوتا ہے کہ قرابغرا یورپ میں بھی پہنچ گیا ہے۔ جہاں اس کا نام بگڑکر" کرابگا" اور کلابرا بن گیا۔ کرنل یول مرتب سفر نامۂ مارکوپولو اس کو بڑی قسم کی منجنیق بتاتے ہوئے گویا ہے کہ ترک اور عرب اسے قرابغرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو نام یورپ میں ' کرابگا' Carabaga اور کلابرا Calabra بن گیا۔ مرنو سنوڈو اول الذکر نام لاتا ہے۔ ولیم آف ٹیوڈیلا آخر الذکر نام لکھتا ہے جب سائمن ڈی مونٹ فورٹ کبیر نے البجنیز کے خلاف ان کا استعمال کیا۔" (ص۱۶۸ جلد دوم)

منجنیقوں اور عرادوں سے صرف قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کا کام لیا جاتا۔ نقب زنی میں دیواروں کی جڑیں کھوکھلی کر کے خالی جگہ ستون لگا دیے جاتے اور لکڑیوں کا انبار رکھ کر اور نفط ڈال کر آگ لگا دی جاتی جس سے دیوار نیچے آرہتی۔ تیمور کی یورشوں میں یہی طریقہ عام ہے اور اس کی تاریخ میں نقب زنی کے واقعات کثرت سے نظر آتے ہیں۔ جن کی مورخین نے کسی قدر تفصیل بھی دی ہے۔ مثلاً قلعہ ترشیز کے محاصرے کے وقت جب منجنیق اور عرادے نصب ہو چکے۔ تیمور نے نقبچیوں کے نام حکم بھیجا کہ قلعہ کی خندق کاٹ کر اسکا پانی نکال دیں اور دیوار کی بنیادمیں نقب لگائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا :-

" مہندسان کاروان برحسب فرمودہ منجنیقها بساختند و عرّادها راست کردہ برافراختند و فرمان شد تا نقبچیان چیرہ دست نقب در خندق بریدہ آنرا از آب خالی ساختند و در زیر حصار نقبها بنیاد انداختند" (ص۳۴۶ ظفر نامہ۔ جلد اول۔ شرف الدین یزدی، کلکتہ)

تیمور کے عہد میں نقب زنی قلعہ کشائی کی ایک اہم شاخ بن گئی ہے۔ جس کی نظیر قدیم تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک اور مثال سنئے جو کی تسخیر کے وقت ظفرنامہ میں ملتی ہے :-

"وچون نقبچیان نقبها بریده وسنگها بیرون آورده برج و بارهٔ حصار را بر سر چوبها گرفتند حکم قضا مضا صدور یافت ونقبها را بهیمهٔ نفط آلود انباشته آتش زدند۔ دیوارهای قلعه چون بخت واژون مخالفان سرنگون شد وبسیاری از کفار با دیوار حصار بر خاک خیبت رخسار افتادند" ص ۴۷۵ جلد دوم ظفرنامہ، شرف الدین،

بعض نقب زنی کی تفصیل مطلع السعدین اور ظفرنامہ میں ملتی ہے۔ مثلاً قلعہ تکریت کے محاصرے کے وقت جب منجنیق اور عرادے قلعہ کے محاذ میں لگ گئے۔ حکم ہوا کہ چالیس نقبیں قلعہ کی فصیل میں لگائی جائیں اور ہر نقب ایک ایک امیر کے سپرد ہوئی۔ نسخۂ تفصیل بوساطت جکہ تواچی لشکر میں تقسیم ہو گیا [تفصیل اسمائے امرا حذف کی جاتی ہے] نقب زن نقب زنی کرتے اور فوجی مٹی ڈھوتے امیر تیمور بار بار خبر منگوتا تاکہ کونسی نقب کہاں تک پہنچی۔ ایک نقب جلال باورچی اور بیان قوچی کے حصہ میں آئی۔ انہیں پینتیس گز پتھر کاٹنا پڑا۔ مجوف مقامات ستون کھڑے کر کے لکڑی اور نفط سے بھر دیئے۔ ۲۰ تاریخ شب چہارشنبہ کو آگ دے دی۔ قلعہ کی دیواروں کا اکثر حصہ زمین پر آ رہا۔ بین صوفی نے جس برج میں نقب لگائی تھی تمام و کمال ڈھ گیا اور دشمن کے بیس آدمی اس کے ساتھ کام آئے امیر کا پھر فرمان آیا۔ کہ فصیل کا باقی حصہ جو ابھی کھڑا ہے بذریعۂ نقب گرا دیا جائے۔ جو برج الہ داد اور امان شاہ کے متعلق تھا۔ بدرالدین نے بنیاد سے کھود کر گرا دیا۔ میں ان مورخین کے اصل الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں :-

"روی همت بتسخیر حصار بر آوردند وعرادها نصب کردند ومنجنیقها برافراختند و

خانہای آن خاںناں بزخم سنگ خراب ساختند ص۶۴۸ [چہل نقب مقرر شد و ہر نقب بعہدۂ امیری کردہ] تواچیان برحسب فرمان زمین بخش کردہ بموجب تفصیل برلشکریان قسمت کردند و جکہ تواچی نسخۂ تفصیل بمردمان رسانید و بکار نقب مشغول گشتند ص۶۴۹ [شب و روز جاخویان بہ نقب کندن و لشکریان بخاک بیرون آوردن و آنرا بکار فرمودن مشغول بودند و حضرت صاحبقران ہر ساعت می پرسید کہ ہر نقبی بکجا رسیدہ . . . و یک نقب بعہدۂ جلال باورچی و بیان قوچین - و ایشان سی و پنج گز سنگ بریدند[1]] و ہر جا کہ مجوف ساختہ برسر ستونہا داشتہ بودند از ہیمہ و نفط پر کردند و شب چہارشنبہ بیستم آتش زدند ؎

زنفط سیہ چو بہار فروخت	ستونہا سراسر ہمہ پاک سوخت
زبس دود کآمد فراز از فرود	سیہ شد بیکبارہ چرخ کبود
چنان دود شد سوی گردون شتاب	کہ شد چشمہای کواکب پر آب
نگون بارہ گفتی کہ برداشت پای	بکردار کوہ اندر آمد ز جای

و اکثر دیوارہای قلعہ بزمین افتاد و برجی کہ بین صوفی خالی کردہ بود بکلی منہدم شد و بلیست کس از دشمنان بزیر افتادند . . . حکم جہان مطاع نفاذ یافت و دیگر دیوارہا کہ ماندہ بود از اطراف و جوانب نقب زدہ مجوف ساختند و بنیاد افتند - برجی کہ سرکار اللہ داد و امانشاہ بود بدرالدین از بیخ برکندہ بنیاد اخت -

(ص۶۵۳ ظفر نامہ از شرف الدین یزدی - جلد اول)

قلعہ حلب کی تسخیر کے موقعہ پر نقب سے کام لیا گیا ہے - مولٰنا نظام الدین شامی لکھتے ہیں کہ عملہ نقب زنی حسب الحکم رات بھر میں خندق کو چھلنی کی طرح سوراخ دار کر کے اور پانی عبور کر کے خاک ریز تک پہنچ گیا اور قلعہ کی بنیاد میں جو سنگ خارا کی بنی تھی سرنگ لگانی شروع کر دی - چنانچہ ان کی عبارت ہے :-

[1] قلابین کی عبارت مطلع السعدین سے منقول ہے -

" لشکر را اشارت کرد تا پیرامون خندق نزول کردند و بزخم تیر نگذاشتند که کسی از دشمنان سر از اوج بیرون نواند کرد و عملۂ چاخورگان را فرمان شد تا بیک شب حوالی خندق را چون غربال سوراخ کردند و از آب گذشتہ بر روی آن خاک ریز چون کبک بر دویدند و در تنگ قلعہ کہ بسنگ خارا استوار کردہ بودند نقب آغاز نہادند " ص ۲۲۷ ظفرنامہ جلد اوّل مرتبہ فلکس تاور ۱۹۳۸ء میں بخوف طوالت صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

قلعوں کی تسخیر کے واسطے عموماً ایسے طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ جو ان کے ماحول اور مقامی کیفیت کے مناسب ہوں۔ تیمور نے بعض حالات میں ملچور سے کام لیا ہے۔ ملچور وہی ہے جسے ہم دھس اور دمدمہ کہتے ہیں۔ یہ ایک بلند تعمیر یا چبوترہ ہے جو لکڑیاں ایک دوسرے پر چُن کر طیار کیا جاتا ہے۔ جوف میں پتھر اور مٹی بھر دیتے اور چنتے جاتے ہیں۔ حتےٰ کہ چبوترہ قلعہ کی دیوار سے بلند ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر سے سنگباری کرتے ہیں۔ قلعہ اونیک کی حصاربندی کے وقت جب منجنیقیں اور عرّادے کامیاب ثابت نہ ہوئے تیمور ملچور کی طیاری کا حکم دیتا ہے۔ اس کے لئے فوجی دور و دراز مقامات سے درخت کاٹ کر لاتے ہیں اور ملچور بناتے ہیں۔ میں شرف الدین کے ظفرنامہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں:۔

" یرلیغ لازم الاتباع بنفاذ پیوست کہ در مقابل حصار ملچور سازند . . . وبجد هرچہ تمام تر آن چو بہارا برہم بر نہادند و لشکریان میان آن را بہ سنگ و گل پر میکردند و بر می آوردند تا ملچور تمام شد و از حصار الیشان بلند تر آمد۔ چنانچہ بر قلعہ مشرف بود۔

چو ملچور سر کوب شد با حصار بگردون بر آمد دم کارزار
گروہ سپہ بر سر ملچور چو دریای جوشان برآمد بشور

وازبالای ملچور کہ باکاخ ناہید وقصر ہور برابر ساختہ بودند وازان منجنیقہا کہ ازاطراف
جوانب حصار برافراختہ بودند چندان سنگ بر ہوای آن قلعہ پران گشت "
(ص ۶۹۷ ظفرنامہ۔ جلد اول)

میں قلعہ دمشق کی فتح کی ایک اور مثال سنا کر اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں:۔
"قلعۂ دمشق نہایت مضبوط اور مستحکم تعمیر ہوا تھا۔ اس کی دیواریں بنیاد سے
لے کر چوٹی تک بھاری بھاری پتھروں کی بنی تھیں۔ اس کی خندق بیس گز چوڑی
اور تیس گز گہری تھی۔ قلعہ میں سامان جنگ بڑی مقدار میں موجود تھا اور محافظ فوج
بے شمار تھی۔ جب قلعہ کے گرد تیموری افواج آگئیں۔ تیمور کے حکم سے حسب ضابطہ
مستمرہ امیرزادگان میرانشاہ۔ شاہرخ۔ سلطان حسین۔ پیر محمد۔ خلیل سلطان و دیگر امرائے
بزرگ امیر شیخ نورالدین۔ امیر شاہ ملک۔ برندوق اور امیر سلطان نے اپنے اپنے
دستوں سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اپنے اپنے علاقے مقرر کر کے نقب زنی اور
منجنیق سازی میں مشغول ہو گئے۔ خندق کے گرد لکڑی۔ پتھر وغیرہ کا ایک حصار کھڑا
کر لیا۔ نقب زنوں نے انتہائی مستعدی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ قلعہ سے
قارورہای نفط اور پتھروں کی بارش ہونے لگی اور تیر و ناوک مینہ کی طرح برسنے
لگے۔ لیکن ان جوانوں نے مطلق پروا نہیں کی۔ سپریں سر پر لے کر آگے بڑھتے
اور نقبوں کی جگہ مقرر کرتے اور منجنیقیں لگا کر سنگباری کرتے جس سے قلعہ والے ہلاک
اور عمارتیں تباہ ہوتیں۔ جب نقبیں طیار ہو چکیں۔ صاحبقران نے آتش زنی کا حکم دیا۔
پہلے قلعہ کے مغربی برج میں آگ دی جس سے برج زمین پر آرہا اور دیوار میں بہت
بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔ حملہ آور اس شگاف کے راستے سے دھاوا کرنا چاہتے تھے۔
کہ اتنے میں نصف دیوار اور گر گئی۔ جس سے گرد کے دل بادل نمودار ہو گئے۔ حملہ
رک گیا۔ اہل قلعہ نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر رخنہ کو بند کر دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ

دوسری نقبوں میں آگ لگائی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سمت کی دیوار منہدم ہوگئی۔ محصورین اس قدر خائف ہوئے کہ قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر آگئے اور امان مانگ لی اس کے بعد باقی سرنگوں میں بھی آگ لگا دی۔ اور دمشق کا عظیم الشان قلعہ تودۂ خاک بن گیا۔ تباہی دمشق ۸۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ ذیل میں نظام الدین شامی کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے :-

"قلعۂ بود در غایتِ حصانت و نہایت استواری۔ بنای وی از زیر تا بالا بسنگہای عظیم برآوردہ و بغایت بلند و اعتمادی ساختہ و خندقی فراخ گرد وی در غور سی گز و عرض بیست گز تخمیناً . . . حکم نافذ شد تا امیرزادہ امیرانشاہ بہادر و امیرزادہ شاہرخ بہادر و امیرزادہ سلطان حسین بہادر و امیرزادہ پیر محمد بہادر و امیرزادہ خلیل سلطان بہادر وازامرای بزرگ امیر شیخ نورالدین و امیر شاہملک و برندوق و علی سلطان پیرامون قلعہ بترتیبی کہ مقرر است فرود آمدند و سرکارہا تعیین کردہ بنقب زدن و منجنیق ساختن مشغول شدند و از چوب و سنگ و تورہا حصار گرد خندق برآوردند۔ عملہ و چاخورگان بحدی کہ بالاتر ازان تصور نتوان کرد بکار مشغول شدند و ہر چند از بالای قلعہ قارورہای نفط و سنگ می انداختند و تیر و ناوک بر مثال باران می باریدند۔ این امرای نامدار و جوانانِ کارزار ازان باک نداشتند و تورہا در سر کشیدہ پیش می رفتند و سرہای نقب تعیین می کردند و منجنیقہا از اطراف برپای کردہ بہر یک سنگ کہ از کفۂ منجنیق روان می شد خلقی ہلاک می گشت یا عمارتی خراب می شد . . . سلطان حسین بہادر و التون بخشی کہ بر جانب برج غربی قلعہ بودند عملہ را فرمودند تا آتش در انداختند۔ برجی عظیم از قلعۂ دمشق فرود افتاد و راہی بزرگ در حصار پدید آمد۔ بہادران لشکر خواستند کہ در حصار درآیند ناگاہ نیمۂ دیگر از دیوار بیفتاد و گرد و غباری عظیم برآمد و لشکریان باز نشستند۔ اہل قلعہ فرصت دیدند و آن رخنہ را باز محکم گردانیدند . . . باز امیر صاحبقران

فرمودنا درنقبہا آتش انداز ند۔ چنان کردند۔ یک طرف حصار بیکبار فرود آمد۔ امراء بزرگان قلعہ از سر ضرورت بیرون آمدند و در مقام انقیاد و فرمان برداری دروازہ کشادند وکلید ہا پیش آوردند . . . . و در باقی نقبہا کہ ماندہ بود ہم آتش انداختند تا قلعہ بدان عظیمی چنان خراب شدکہ اثری ازان باقی نماند" (ظفر نامہ ۳۴۵ – ۲۳۷)

گذشتہ بیانات سے ضرورت سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ نقب زنی کے وقت مغولی اور تیموری عساکر صرف آگ اور نفط سے کام لینا جانتے ہیں۔ اگر ان کو بارود کی نفوذی طاقت اور اسکی شدت استعداد کا علم ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس مصالحہ سے کام نہیں لیتے۔ بارود اگرچہ تیمور کے عہد سے ایک صدی قبل سے رائج ہے مگر افادی لحاظ سے اس قدر طاقتور نہیں کہ نقب زنی میں نفط کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لے۔

تیمور کو خال خال موقعوں پر آتشبار آلات سے سابقہ پڑا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نہایت ابتدائی حالت میں ہیں اور کسی قابل لحاظ نتیجہ کے مورث نہیں اس کے مؤرخ ان کو لعب یا کھلونے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان وہ مقام ہے جہاں ان آلات کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ لیکن اس کے متعلق آیندہ دوسرا موقع دمشق میں پیش آتا ہے اور اس کا قصہ یہ ہے :۔

امیر تیمور دمشق کے محاصرے کے وقت جب بار دوم اپنا ایلچی بھیجتا ہے۔ برخلاف اول دمشقی ایلچی کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں۔ اس ملک میں آتش بازی اور رعد اندازی کا بہت رواج تھا۔ ایلچی کو مرعوب کرنے کے لئے آتش بازوں کی جماعت اس کے سامنے لائی گئی۔ تیمور کے درباری مؤرخ نظام الدین شامی لکھتے ہیں:۔

" بخلاف گذشتہ مقدم ایلچی را با عزاز پیش آمدند و مراسم تعظیم و بزرگ داشت بجا آوردند و درین میانہ رعد اندازان و چرخ کشایان و ناوک زنان و آنچہ ازین جنس

مردم باشد بر وعرض میکردند ونمی دانستند کہ ازین قبیل بیشتر از دہ ہزار مرد کار آزمودہ درار دوی امیر صاحبقران ہستند" (ص ۴۳۱ ظفر نامہ جلد اول)

شرف الدین یزدی اسی واقعہ کے ذکر میں یوں رقم پرداز ہیں :-

"چون فرستادہ بایشان رسید بر خلاف گذشتہ مقدم اورا باعزاز واکرام پیش آمدند ومراسم ترحیب وتعظیم بجای آوردند وچون دران دیار آتش بازی ورعداندازی بسیار می ورزند وآنرا پیش ایشان وقعی ہست غلبہ ازان طائفہ مردم را جمع آوردند ودر نظر او میگذرانیدند وآن را اظہار قوتی وشوکتی تصور می کردند"۔ ظفر نامہ جلد دوم ص ۳۱۶)

یہی موقعہ مطلع السعدین میں یوں مرقوم ہوا ہے :-

"دمشقیان فرستادہ را بخلاف گذشتہ معزز داشتہ مراسم اکرام وشرائط احترام بجای آوردند وجماعت آتشبازان ورعداندازان وچرخ کشایان وناوک زنان کہ پیش ایشان قدری دارد واین لعب را دران دیار می ورزند بر ایلچی عرض کردند ونداستند کہ ازین قماش بیشتر از دہ ہزار مردان کار آزمودہ جنگہا دیدہ در اردوی ہمایون بودند" ص ۷۸۴

ان عبارتوں میں آتشباز سے مقصد آتشبازی بنانے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص جو آلات آتش فشان سے جنگ کرے اس میں شک نہیں کہ توپ و بندوق مراقش اور ہسپانیہ سے جو ان کی ولادت گاہ ہیں نکل کر مشرق ومغرب میں رواج پاتی ہیں اور مصر اور شام مشرقی ممالک کے مقابلے میں ان سے پہلے واقف ہو چکے ہیں۔ مگر تیمور کے مورخوں کا یہ دعوے کہ دس ہزار سے زیادہ آتش باز تیمور کی فوجوں میں تھے ہمیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی تاریخ میں اس جماعت کا ذکر صرف گنتی کے چند مقامات پر آتا ہے اور وہ بھی زیادہ تر دوسروں کے تعلق ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تیمور کی جنگوں کے دوران میں ایک نئے آلے

رُعد کا ذکر آتا ہے۔ یہ نام نظام الدین کے ظفر نامہ میں جو بحکم تیمور ۸۰۶ھ میں تصنیف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ملتا ہے۔ اس کے چلانے والے کو 'رعد انداز' بیان کیا گیا ہے۔ شرف الدین کے ظفر نامہ میں "کمان رعد" بھی آیا ہے۔ رعد جیسا کہ اس کے تسمیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کوئی بلند آواز آلہ یا گولہ ہے۔ اور یقیناً تازہ ایجاد ہے۔ کیونکہ تیمور سے قبل تاریخوں میں اس کا مذکور نہیں آتا۔ نظام الدین شامی کے ہاں صرف تین چار جگہ ملتا ہے۔ شرف الدین کے ہاں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ ممکن ہے کہ رعد آتشی آلہ ہو مگر ان مورخین نے اس کے متعلق کوئی تصریح یا اشارہ نہیں کیا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ وہ قلعہ شکن آلہ ہے کیونکہ عرادے اور منجنیق کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر آتا ہے۔ اہل لغت رعد کا ترجمہ توپ کرتے ہیں۔ لیکن تیموری مؤرخین کے بیانات سے اس قول کی کوئی تائید یا تردید نہیں ہوتی البتہ مطلع السعدین کے ایک جملہ سے جو سلطان بایزید کے ساتھ جنگ کے موقعہ پر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کمان رعد کوئی آتشبار آلہ ہے۔ چنانچہ

"وچند زنجیر فیل دمان کہ از غنایم ہندوستان بر درگاہ بادشاہ جہان ستان بود . . . ہمہ بسلاحہا و جبیاہا آراستہ، تیر اندازان و آتش بازان بر بالای آن دست بہ تیر ناوک و کمان رعد کشودہ در آثار جلاوت کمال شجاعت نمودہ۔"

(صہ ۶۴۸ ۔ مخطوطہ)

اس فقرے میں 'کمان رعد' کا تعلق صریحاً 'آتشبازان' کے ساتھ ہے۔ مگر تیمور کے قدیم اور معتبر مورخ نظام الدین شامی کے ہاں یہی فقرہ دراصل یوں ہے:

"وچند زنجیر فیل دمان کہ بسرخرطوم دمار از ببر بیان برآوردندی و وندان کینہ بر سینہ دشمن رسانیدندی بسلاحہا و جیبہا آراستہ و تیر اندازان و آتشبازان بر بالای آن دست بہ تیر و ناوک و نفط اندازی کشودہ۔" (صہ ۲۵۵ ظفر نامہ)

شرف الدین کے ظفر نامہ سے نظام الدین کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ:۔

"وچند زنجیر فیل شکوہ مند کوہ مانند کہ از بقیہ غنائم ہندوستان بار دومی ظفر مکان بودند ہمہ را گجیم انداختہ و با اسلحہ و اسباب جنگ مکمل ساختہ و بر بالای ہر یکی کمانداران حکم انداز و نفط اندازان آتش باز جنگ را آمادہ گشتہ"۔ (ظفر نامہ ص ۴۲۶)

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ اصل جملے میں 'نفط اندازان' تھا۔ جسے صاحب مطلع السعدین نے 'کمان رعد' کے ساتھ بدل دیا اور اس طرح ہم ایک ایسی مثال سے جو کمان رعد کو آتشی آلہ ثابت کرتی تھی محروم ہو گئے۔

یہاں وہ جملے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں نظام الدین شامی نے لفظ 'رعد' استعمال کیا ہے۔

"(تسخیر قلعہ اونیک) امیر صاحبقران فرمود تا منجنیقہا ترتیب کنند و رعد و عرّادہ و تیر چرخ آمادہ گردانند۔ چنان کردند" (ص ۵۵ ظفر نامہ)

"(شہر دمشق) اما امرا و لشکریان کہ در قلعہ بودند بحصانت آن استظہار نمودہ مخالفت می ورزیدند و رعد و ناوک و منجنیق و عرّادہ کار می فرمودند و نیر می انداختند"۔ (ص ۲۳۴ ظفر نامہ ۱۹۳۷)

ان فقروں سے تو واضح نہیں ہوتا۔ کہ رعد کوئی آتشیں آلہ ہے۔ بد قسمتی سے اس تفتیش میں شرف الدین بھی ہماری کوئی امداد نہیں کرتا۔ اس نے اپنے ظفر نامہ میں جو ۸۲۸ھ میں شاہرخ میرزا کے حکم سے تالیف کیا ہے۔ متعدد موقعوں پر رعد اور رعد اندازوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس کی اطلاع بھی نظام الدین کی طرح مبہم ہے۔ بلکہ ایک فقرہ سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کمان رعد منجنیق کی طرح کوئی آلہ ہے جس سے پھینکنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے مجھے ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہیئے جو تیمور کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے:۔

ازمیر سمندر کے کنارے ایک قلعہ تھا جس پر فرنگی قابض تھے جب تیمور فتح روم سے فارغ ہوکر اس طرف پہنچا مسلمانوں نے فرنگیوں کے جور و تعدی کی شکایت اس سے کی۔ امیر نے قلعہ کا محاصرہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ قلعہ والوں کی امداد کے لئے ایک بڑا جہاز سمندر میں آیا۔ ازمیر اس وقت تک مفتوح ہوچکا تھا۔ تیمور نے اہل جہاز کی تخویف کے لئے حکم دیا کہ مقتولین کے سر کمان رعد میں رکھ کر جہاز میں پھینکے جائیں۔ تاکہ اہل جہاز کو ان کا انجام معلوم ہو جائے۔ شرف الدین لکھتا ہے :-

" اشارت علیہ صدور یافت کہ از سرہای گبران کہ بہ تیغ غزا از تن جدا شدہ چندی بکمان رعد سوی کشتی اندازند و رعد اندازان سری چند بجانب ایشان انداختند وبعضی در کشتی افتاد وچون آن کوردلان بچشم سر سر ہمچشمان خود مشاہدہ کردند خایف وخاسر بازگشتند۔" (ص۴۷۴ جلد دوم)

لیکن مجموعۃ الصنائع کے بیان سے جو اس عہد سے بہت بعد کی تصنیف ہے

لہ مصنف کا نام میر یحییٰ بتایا جاتا ہے (فہرست انڈیا آفس) بعض حکیم فیلسوف نامغربی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں۔ فہرست اسٹورٹ میں زین العابدین مرقوم ہے۔ زمانۂ تصنیف نامعلوم ہے۔ مگر اس کا ترکی ترجمہ ۱۰۶۵ھ ۱۶۵۵ء کا نوشتہ (فہرست ویانا جلد دوم ص۵۲۵) موجود ہے۔ مجموعۃ الصنائع کا ایک نسخہ ۱۰۳۳ھ کی کتابت کتاب خانۂ بودلی میں محفوظ ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر دسویں ہجری کی تالیف ہو۔ کتاب اگرچہ ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے۔ مگر اس کے مآخذ قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بارود کو داروی کمان لکھا ہے۔ آتشباز جن سے بعض نسخے منقول ہیں زیادہ تر مصری۔ شامی۔ بغدادی اور خوارزمی ہیں۔ علیٰ ہذا آتشبازی کی اصطلاحیں قدیم معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً غوطہ خوارک۔ زرحبک۔ موشک۔ زنبورک گردانک۔ خرک۔ گردانک۔ ریسمانک۔ اور طوطک اندر قفس وغیرہ ان کے عیار درہم اور مثقال میں دینا بھی اسی عقیدہ کا مؤید ہے ؛

اور ہندوستان میں لکھی جاتی ہے۔ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کمان رعد یقیناً کوئی آتشیں آلہ ہے۔ جس میں فتیلہ کے ذریعہ آگ دی جاتی ہے۔ اور گولی یا گولے پھینکے جاتے ہیں۔ یہ توبندوق یا توپ کا حلیہ ہے۔ اس رسالہ کا نامعلوم مصنف روغن اسکندری کے پھینکنے کی ترکیب بتاتے ہوئے جو شدید قسم کا آتشگیر ہے اور جس سے دشمن کے قلعہ اور شہر کو آگ لگائی جاسکتی ہے اور کسی طرح بجھائی نہیں جاسکتی تحریر کرتا ہے:

" در تعبیہ کردن روغن اسکندری کہ آتش در قلعہا و شہرہا [انگیزد]۔ بیارند آہن و از و غلولہ سازند گرد کہ میان او خالی بود کہ مقدار دو سہ درم ازین روغن یا بیشتر دران گنجد و سوراخی درین غلولہ باشد بقدر آنکہ روغن مذکور در و پُر کردہ فتیلۂ نیز دران سوراخ رود و نی غلولہ بغایت استوار باشد چنانکہ آزاد در کمان رعد نہند و فتیلۂ نیز درمیان سوراخ غلولہ نہند و سوراخ رعد را فتیلہ نہند و روی بشہر دشمن کنند و آتش در فتیلۂ رعد زنند۔ بمجرد رسیدن غلولہ دران قلاع آتش در اندرون بروغن غلولہ رسیدہ باشد و آن روغنہا بر غلولہ آلودہ شود . . . . . وشہر دشمنان سوختہ شود " (ص ۴۸) ؛

روغن اسکندری وہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے انگریز یونانی آگ (گریک فائر) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عربوں کے حملۂ قسطنطنیہ کے وقت رومیوں نے یونانی آگ کے ذریعہ سے کامیاب مدافعت کی ہے۔ قیاصرۂ روم جو نسخہ استعمال کرتے تھے۔ باوجود تلاش کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ وہ گویا ان کا قومی راز تھا۔ ایک مصنف کی رای میں یونانی آگ کے اجزا یہ تھے:۔ صنوبر کا پسا ہوا گوند۔ گندھک اور نفط۔ فرائر بکین صرف دو اجزا بتاتا ہے:۔ شورہ اور گندھک۔ ایک اور مصنف کی رائے ہے:۔ بید کا کوئلہ۔ نمک۔ گندھک۔ رال۔ لوبان کا فورا اور حبشہ کی اُون جن کو ملا کر ابالا جاتا ہے۔ رینو اور فادے کی تحقیقات کی رو سے یہ مادہ محرقہ ایک

مرکب تھا ۔ گندھک اور گوند اور چربی کی قسم کی جلنے والی اشیا کا ۔

صاحب مجموعۃ الصنائع کے نزدیک روغن اسکندری کے اجزا یہ ہیں :- نفط فارسی ۔ سندروس ۔ طلق مکلس ۔ روغن نی ۔ سب کو لے کر ایک دیگچی میں رکھ کر جس کا منہ خام کر دیا جاتا ہے ۔ دو دن برابر گرم تنور میں رکھا جاتا ہے ۔ پھر بھٹی کی آگ میں دن بھر پکایا جاتا ہے ۔ ہفتہ بھر پڑا رہنے کے بعد دیگچی کا منہ کھول لیتے ہیں اور روغن قابل استعمال ہو جاتا ہے ۔ مصنف کا دعوے ہے کہ اس روغن کے دو درم دشمن کا شہر پھونک دینے کے لئے کافی ہیں ۔ آگ کو جس قدر بجھانے کی کوشش کی جائے گی ۔ اتنی ہی بھڑکے گی ۔

محمود شیرانی

نذیر احمد کے قصّے

مولانا نذیر احمد اگرچہ ایک اعلےٰ درجہ کے زبان دان - مترجم، مقرر اور عالم تھے - اور ان کی دینی اور مذہبی تصانیف اور قانونی کتابوں کے ترجموں کی ایک دنیا میں دہوم ہے - لیکن ہم انہیں سب سے زیادہ قصّہ نویس کی حیثیت سے جانتے ہیں یہی وجہ ہے ہم سب سے نمایاں جگہ ان کے ناولوں کے ذکر ہی کو دینا چاہتے ہیں ؛

۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت کی قدیم تعلیمی پالیسی کے ماتحت ایک مدرسہ دھلی کالج کے نام سے جاری ہوا - جس کی تربیت اور تعلیم کے دوررس نتائج کا ایک زبردست مظہر یہ بھی تھا - کہ اس کے آغوش میں تربیت پاکر نکلنے والے نوجوانوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے - جنہیں دنیائے ادب میں آج شہرت دوام حاصل ہے - " یہی وہ پہلی درسگاہ تھی - جہاں مشرق و مغرب کا سنگم قایم ہوا - ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا - اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے میں معلومات کے اضافہ کرنے اور ذوق کی اصلاح میں جادو کا سا کام کیا - اور ایک نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی - اور ایک نئی جماعت ایسی پیدا کی - جس میں سے ایسے پختہ اور روشن خیال اور بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور ہماری سوسائٹی پر ہمیشہ رہے گا [1] ؛

---

[1] مرحوم دہلی کالج از مولانا عبدالحق ص ۱۶۹ ؏ اس مضمون میں جناب علی عباس حسینی کے ان مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے جو انہوں نے رسالہ جامعہ ۱۹۳۶ء (جنوری - فروری اور اپریل) میں تحریر فرمائے ؛

انہی روشن خیال اور بالغ نظر بزرگوں میں ایک مولانا نذیر احمد بھی تھے جنہوں نے اگرچہ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی سے حاصل کی تھی اور اسکے بعد بعض دیگر اساتذہ مثلاً مولوی نصر اللہ خان اور مولوی عبد الخالق صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ لیکن حق یہ ہے۔ کہ دہلی کالج کی تعلیم نے انہیں بالکل ایک نئی دنیا سے روشناس کیا۔ اور وہیں انہوں نے مغرب سے آئے ہوئے علوم وفنون کی سپرٹ اور روح سے یک گونہ واقفیت حاصل کی ؛

نذیر احمد خود کہتے ہیں۔ کہ "اگر میں نے کالج میں نہ پڑھا ہوتا۔ تو میں بتاؤں میں کیا ہوتا ؟ مولوی ہوتا تنگ خیال، متعصب، اکھل کھرا، اپنے نفس کے احتساب سے فارغ، دوسروں کے عیوب کا متجسس، برخود غلط . . . مسلمانوں کا نادان دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا۔" یہ اسی کالج کی تعلیم تھی۔ جس نے معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی، ٹالریشن (درگذر)، گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی، اجتہاد علی بصیرة۔ جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں۔" نذیر احمد کے دل ودماغ میں بھر دی۔ وہ ۱۸۴۵ء میں کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۵۴ء میں فارغ التحصیل ہوکر نکل آئے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ مولانا کو اپنے زمانۂ تعلیم میں ریاضی اور تاریخ سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ جس کا سبب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قدرت نے انہیں ادب اور دینیات کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیش بہا دینی تصانیف کے ذریعے یہ گرانقدر فرض باحسن وجوہ انجام بھی دیا !

اس زمانے میں اگرچہ نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن اس صدی کے عام خیال کے ماتحت انہیں والد کی طرف سے انگریزی پڑھنے کی اجازت

لے حیاۃ النذیر۔ ص ۲۴

نہیں ملی۔ اور یہ کمی انہوں نے بہت بعد میں اپنے زمانۂ ملازمت میں پوری کی۔ تاریخ اور ریاضی کے متعلق انہیں جو بیگانگی تھی۔ اس کا سبب، بقول ان کے یہ بھی تھا کہ "انسان کی طبیعت واقع ہوئی ہے کنسرویٹو۔ اور میری طبیعت میں اس کا عنصر زیادہ ہے۔ سائنس نے جو میرے مذہبی خیالات پر حملہ کرنا شروع کیا۔ سائنس میں تدخل کرنے کو طبیعت نے گوارا نہ کیا"۔

یہ سچ ہے کہ نذیر احمد کی تعلیم پرانے مروّجہ نصاب میں ہوئی۔ اور انہوں نے انگریزی وغیرہ کی طرف شروع میں توجہ نہ کی۔ تاہم جدید خیالات اور تصورات کے خلاف انہیں وہ تعصب نہ رہا۔ قدیم طرز میں انہوں نے اعتدال پیدا کر لیا اور جدید طرز کے متعلق اپنے دل اور ضمیر کو دشمنی سے پاک رکھا۔ یہی وہ امتزاج اور توسط ہے جو ہمیں نذیر احمد کے مذہبی اور سیاسی رجحانات میں ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے

ابھی انگریزی تہذیب اور تعلیم یا جدید ذہنی انقلاب کی ابتدا تھی۔ تاہم دلوں میں قدیم خیالات کے خلاف ایک غیر اختیاری تحریک کا آغاز خود بخود ہو چکا تھا یہ سر سید احمد خان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس تحریک میں اپنی دلیری و جرأت اور جوش عمل کے ساتھ ایک زندگی پیدا کر دی۔ غرض جو خیالات پوشیدہ طور پر یا پرائیویٹ حیثیت سے لوگوں میں پھیل چکے تھے۔ سر سید کی ہنگامہ خیز شخصیت نے انہیں منظم کر دیا اور ان کے اعلان اور افشا میں جھجک نہ رہی ؛

نذیر احمد خان، اپنے زمانۂ ملازمت میں سر سید سے متعارف ہوئے اور یہ دوستی کا سلسلہ مرتے دم تک قایم رہا۔ حیدر آباد سے پنشن لے لینے کے بعد سید صاحب کی تعلیمی تحریک میں نذیر احمد ایک مخلص اور پُر جوش سپاہی کی طرح کام کرتے رہے وہ خود ایک جگہ کہتے ہیں "میں نے آج تک اُن کی (سر سید کی) دعوت کو رد نہیں کیا۔

[1] حیاۃ النذیر ص ۲۴ ؛

اور کروں گا بھی نہیں انشاء اللہ"۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ "اگر مجھ کو پیر کی تلاش ہی ہوتی تو میں ضرور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا"[1]۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نذیر احمد پر سرسید کا اگر کچھ اثر پڑا تو وہ براہ راست نہ تھا۔ بلکہ بالواسطہ تھا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت سی تحریک محکمہ تعلیم کی ملازمت کی وجہ سے ہوئی اور مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا میلان دہلی کالج کے ماحول اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ مذہبی خیالات میں نذیر احمد اگرچہ پرانے علما کی نظر میں بہت آزاد سمجھے جاتے تھے۔ لیکن سرسید کے نظریات کے متعلق نذیر احمد کو بہت کچھ اختلاف تھا۔ نذیر احمد کے خیال میں سرسید قومی خیر خواہی کے نشے میں سرشار تھے۔ لیکن "افراط ہر ایک چیز میں مذموم ہے۔ پس میرے (نذیر احمد خان کے) نزدیک سرسید احمد خان میں عیب ہے تو یہ ہے"[2]۔

مولانا نذیر احمد کی ملازمت کے حالات اور دیگر سوانح کے لئے یہ جگہ موزوں نہیں۔ مختصراً یہ کہ انہیں سب سے پہلے گجرات (پنجاب) میں معمولی سی ملازمت ملی۔ پھر اپنے صوبہ میں کانپور میں ایک اسامی مل گئی۔ یہ ملازمت محکمہ تعلیم کی تھی۔ پھر الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹری پر تقرر رہا۔ اس اثنا میں مولانا نے بعض قانون کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ جن کا ذکر اپنے مناسب مقام پر آئے گا۔ اس خدمت کے صلے میں، انہیں تحصیلداری کا عہدہ ملا۔ یہاں سے ترقی کر کے کلکٹری پر مامور ہوئے۔ اس حیثیت میں وہ پہلے ضلع جالون، پھر گورکھ پور، اور بالآخر اعظم گڈھ میں رہے۔

حیدرآباد، دہلی اور لکھنؤ کے بعد مسلمانان ہند کا سب سے بڑا سیاسی اور تہذیبی مرکز تھا۔ جب دہلی اور لکھنؤ کی شان و شوکت میں زوال آگیا اور ان

---

[1] حیاۃ النذیر۔ ص ۲۴۴۔ [2] حیاۃ النذیر۔ ص ۵۳۴۔

دور اجدھانیوں میں جب اہل علم و فضل کی کشش کا سامان باقی نہ رہا۔ تو یہی مرکزیت اور تسخیر حیدر آباد کو نصیب ہوئی۔ جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں ہم قدم قدم پر دیکھتے ہیں۔ کہ جنوبی ہندوستان کے اس دارالخلافہ میں ملک کی نامور ترین ہستیوں نے سلک خدمت میں منسلک ہوکر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ سرسید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی اور دیگر کئی اکابر کا حال قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ اسی صف میں مولانا نذیر احمد کا شمار بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۷۷ء میں پہلے اپنی سابقہ ملازمت سے رخصت لے کر عارضی طور پر حیدر آباد میں کام شروع کیا اور بعد میں مستقلاً وہاں ہی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مستعفی ہوکر پنشن یاب ہوئے اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی؛

مدت ملازمت میں ہم انہیں مختلف زمانوں میں دہلی، الہ آباد اور حیدر آباد میں تصنیف و تالیف میں مصروف پاتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے بہت سے کام محکمہ تعلیم اور محکمہ مال کے ملازم اور عہدہ دار کی حیثیت سے انجام دیئے۔ چنانچہ ان کے بعض قصے اور قانونی کتابوں کے ترجمے بہت حد تک اسی محکمانہ تعلق کا نتیجہ ہیں۔

مولانا نذیر احمد اگرچہ زیادہ تر اپنے قصوں اور ترجمۃ القرآن کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف انہی کمالات سے بہرہ ور نہ تھے۔ بلکہ وہ ایک بے نظیر مصنف ہونے کے علاوہ ایک زبردست مقرر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ایام میں قانونی کتابوں کے جو بے نظیر اور فاضلانہ ترجمے کئے، ان کا جواب آج تک کسی سے نہیں بن پڑا۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کے کلام میں شاعری کا عنصر کم تھا، تاہم باقی فضائل کے ساتھ ساتھ اس وصف کا ہونا ہی سلامت طبع کی دلیل ہے۔ انہیں جس قدر تاریخ اور ریاضی سے بُعد تھا

اتنا ہی ادب اور زباندانی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ابتدائی ایام میں انگریزی سیکھی اور کچھ مشق کے بعد اس میں اچھا خاصہ کمال حاصل کر لیا۔ اسی طرح انہیں تلنگی اور سنسکرت سے بھی واقفیت تھی جس سے ان کے زبان داں اور فاضل ہونے کا ثبوت ملتا ہے ؛

مولانا کی تصنیف کی ابتدا اس وقت ہوئی۔ جب وہ ضلع باندہ میں تھے اس کے بعد انہوں نے آخر عمر تک مسلسل کتابیں لکھیں۔ جو کم و بیش ان چار مضامین سے متعلق ہیں :-

(۱) بچوں کے لئے درسی کتابیں [1]

(۲) مذہب اور دینیات :

(۳) قانونی کتابیں جو تمام تر ترجمہ ہیں ؛

(۴) ناول یا قصے ؛

اس موقعہ پر ہم صرف ان کے ناولوں یا قصوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر زیادہ تر ان کی شہرت کا دارومدار ہے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) مرآۃ العروس ۱۸۶۹ء (۲) بنات النعش ۱۸۷۲ء

(۳) توبۃ النصوح (اعظم گڈھ سنہ) (۴) ابن الوقت (۱۸۸۸ء)

(۵) محصنات (۱۸۸۵ء) (۶) ایامیٰ -

(۷) رویائے صادقہ ؛

مرآۃ العروس :- مولانا عبدالحق ایک جگہ لکھتے ہیں "مرحوم اگر مرآۃ العروس کے سوا کوئی کتاب نہ لکھتے۔ تو بھی وہ اردو کے باکمال انشا پرداز مانے جاتے" [2]

---

[1] نمبر ۲ تا ۳ کا حال مناسب مقام پر درج ہوگا۔ وہ کتابیں جو ان عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔ یہاں محض بطور تذکرہ درج کی جاتی ہیں ؛

[2] حیاۃ النذیر۔ دیباچہ۔ ص ۲ ؛

اور ہمیں اس قول کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ مولانا نے یہ کتاب اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ محکمہ تعلیم کی ملازمت نے انہیں بچوں کی ضروریات سے بخوبی باخبر کر دیا تھا۔ جب ان کے بچے پڑھنے پڑھانے کے قابل ہوئے۔ تو انہیں محسوس ہوا۔ کہ لڑکیوں کی مناسب تعلیم کے لئے کوئی کتاب موجود نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مرآۃ العروس کی تصنیف شروع کی جس کا سلسلہ مسلسل اور یک دفعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ کتاب سبقاً سبقاً تصنیف کی جاتی تھی۔ اور پڑھا دی جاتی تھی ؛

یہ کتاب انہوں نے بڑی لڑکی کے لئے لکھی تھی۔ جب اس کی شادی ہوئی۔ تو یہی کتاب اس کے جہیز میں دے دی۔ مولانا کی یہ پہلی تصنیف ہے جسے حکومت اور ملک کی طرف سے حسن قبول عطا ہوا ؛

مرآۃ العروس کا دوسرا نام "اصغری اکبری" بھی ہے۔ دراصل یہ دو بہنوں کا قصہ ہے۔ اکبری بڑی بہن، اصغری چھوٹی بہن، وہ ایک ہی گھر میں محمد عاقل اور محمد کامل دو بھائیوں سے بیاہی گئیں۔ اکبری حد درجہ تنک مزاج، بدطبیعت اور متکبر، شادی کے بہت جلد بعد اپنے شوہر کو ماں سے الگ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور بالآخر نہایت خوفناک انجام ہوتا ہے۔ لیکن چھوٹی بہن اصغری، اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اپنی خوش اخلاقی سے تمام گھر والوں کو اپنا بنا لیتی ہے۔ اسکا اصول آولین خدمت، ایثار اور قربانی ہے اور اسی جادو سے وہ سب کو رام کرتی ہے۔ وہ جو کام کرتی ہے۔ اس میں شوہر کی خیر خواہی اور بہتری کا خیال مدنظر ہوتا ہے وہ اپنی راحت، اپنی خوشی، اپنا آرام سب اپنے خاوند پر قربان کر دیتی ہے -
اکبری کیوں ایسی بدمزاج ہوئی؟ اس کا جواب صرف یہی دیا گیا ہے۔ کہ "جو لڑکیاں بچپن میں لاڈ پیار میں رہا کرتی ہیں اور ہنر اور سلیقے نہیں سیکھتیں۔ یونہی اکبری کی طرح

رنج و تکلیف اٹھانی ہیں۔ اکبری کو ماں اور نانی کے لاڈ پیار نے کیسی مصیبت میں رکھا لڑکپن میں نہ تو کوئی ہنر سیکھا اور نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی"۔

غرض اکبری بچپن کے لاڈ پیار اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے ایک وبال ثابت ہوئی۔ لیکن اصغری کی تربیت عمدہ ہوئی۔ اگرچہ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ اصغری کو وہ کونسا نیا ماحول ملا۔ جس میں اس نے اکبری سے بہتر قسم کی تربیت حاصل کی۔ تاہم یہ واقعہ ہے۔ کہ اصغری نے بچپن کے حسن تربیت اور تعلیم کے طفیل وہ ہنر اور کمال حاصل کئے۔ کہ آج تک اصغری کا کیرکٹر صنفِ نسواں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے۔

"یہ لڑکی گھر میں ایسی تھی۔ جیسے باغ میں پھول، یا آدمی کے جسم میں آنکھ، ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طرح کا سلیقہ اس کو حاصل تھا، عقل، ہنر، حیا، لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن میں اس کو کھیل کود ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔"

مولانا نے اصغری کے رنگ میں تمام طبقۂ نسواں کے سامنے ایک تعلیمی پروگرام رکھا ہے۔ اور تدبیر منزل کے جملہ اصول اس کی زبان سے بیان کر دیئے ہیں۔ مرد اور عورت، خاوند اور بیوی کے باہمی فطری تعلقات اور قدرتی وظائف کے متعلق نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دلائل دیئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے۔ کہ کس طرح ایک تعلیمیافتہ اور دیندار بیوی اپنے شوہر کے سود و بہبود کا خیال رکھ سکتی ہے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں:۔ "جب مرآۃ العروس پہلی دفعہ چھپ کر شایع ہوئی۔ تو جو نقشہ اس میں عورتوں کی اخلاقی حالت کا کھینچا گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر سرسید کو بہت رنج ہوا تھا۔ اور وہ اس کو مسلمان شرفا کی زنانہ سوسائٹی کے حق میں ایک اتہام خیال کرتے تھے"

واقعہ یہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں جہاں ایک طرف عورتوں کی تعلیم اور دینداری پر زور دیا گیا ہے۔ وہاں اس زمانے کی عورتوں کی جہالت کا خوفناک نقشہ بھی کھینچا ہے۔ جو غالباً اصلاحی آواز کو مؤثر بنانے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے خالی نہیں۔ سچ تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں مسلمان عورتوں میں اتنی جہالت نہ تھی جتنی کہ اس میں ظاہر کی گئی ہے ؛

کیریکٹر | مولانا نے اصغری کو تمام اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور اچھی صفات کا پیکر بنایا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ کہیں اسے "عورت" نہیں بنایا۔ وہ متین، خاموش، معاملہ فہم، سلیم المزاج، ایثار پیشہ لڑکی ہے۔ جسے بچپن میں سوائے پڑھنے اور گھر کے کام کے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں۔ اور شادی ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کی خدمت غمگساری اور خیراندیشی سے فرصت نہیں۔ وہ ہر دور اور ہر زمانہ میں معقول اور متین نظر آتی ہے۔ بچپن میں جب ہنسنا کھیلنا چاہیئے تھا۔ اسے کھیل کود سے نفرت ہے جوان ہوکر جب اس کے سینے میں جذبات شباب کا ایک طوفان موجزن ہوتا۔ وہ ضبط اور پابندی کی ایک دیوار نظر آتی ہے۔ جس تک محبت و عشق کی کبھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے، وہ اس عام فطری جذبہ سے متاثر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا اظہار کسی طریق پر نہیں ہوتا ؛

اس میں شک نہیں کہ مولانا نے جس سوسائٹی کی عورت کی تصویر کھینچی ہے، اس میں عورت کی طرف سے ان جذبات کے اظہار کو معیوب خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت نگاری کا فرض اس امر کا متقاضی ہے۔ کہ قصہ نویس عورت کے اس قدرتی امتیاز کا اظہار ضرور کرتا خواہ وہ کنایہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت خواہ وہ دنیا کی کسی سوسائٹی کی معاشرت سے تعلق رکھتی ہو اپنے سینے میں دل رکھتی ہے اور دل میں محبت کا احساس! یہ ہو سکتا ہے کہ اسے اظہار کی اجازت

نہ ہو۔ لیکن یہ احساس موجود ضرور ہوتا ہے۔ پس جو چیز موجود ہے اور خصوصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا ذکر نہ کرنا حقیقت نگاری کے خلاف ہے ؛

اصغری کے کیرکٹر میں ایک خاص بات یہ ہے۔ کہ وہ بدو شعور سے لے کر آخر تک معقول اور پختہ کار نظر آتی ہے۔ اور انسانی تجربہ کی تبدیلیاں جو حیات بشری کا لازمہ ہیں۔ مطلق محسوس نہیں ہوتیں۔ بظاہر عمر کے ساتھ ساتھ اس کے اطوار و حرکات میں ایک خفیف سا تغیر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی اور نفسی لحاظ سے وہ جس طرح بچپن میں تھی۔ اسی طرح تیرہ برس کی عمر میں بھی تھی۔ یہی حال ادھیڑ عمر بلکہ پیری تک رہا۔ ہمارے خیال میں اسے مولانا کی قصہ نویسی کی خامیوں میں سے سمجھا جائے ؛

اصغری کی یہ خشک معقولیت تین چار موقعوں پر بہت زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں جب اس کی شادی ہونے لگتی ہے۔ تو وہ تقاضا کرتی ہے۔ کہ مجھے میری ہمشیرہ سے زیادہ جہیز نہ دیا جائے۔ پھر جب شوہر کو سیالکوٹ بسلسلہ ملازمت روانہ کرتی ہے۔ تو اس وقت بھی اس کا طرز عمل ایک عورت اور بیوی جیسا نہیں۔ بلکہ ایک کوہ وقار معلم اور اتالیق کا ہے۔ حالانکہ جدائی کا درد بہت کم لوگوں کے لئے قابل برداشت ہوتا ہے۔ بچوں کا انتقال ہوتا ہے۔ تو وہ اسلامی احکام سے اتنی متاثر ہے۔ کہ صبر شکر کی انتہائی مثال قائم کر دیتی ہے، یہاں بھی وہی عقل اور ضبط اس کی سیرت کے مخصوص عناصر معلوم ہوتے ہیں ؛

اصغری کی سیرت میں غیرت، خودداری، سلیقہ مندی اور ہشیاری کو بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ شادی کے فوراً بعد گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اس گھرانے کو ایک قابل رشک گھر بنا دیتی ہے،

حقیقت یہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں اصغری ہی مصنف کا سب سے بڑا مقصود ہے۔ اور اصغری کے ہمہ صفت موصوف پیکر میں اس نے وہ تمام باتیں

پیدا کر دی ہیں۔ جو اعلیٰ خاندانوں کی شایستہ لڑکیوں میں ہونی چاہئیں۔ علی الخصوص تعلیم کا وہ طریقہ جو نذیر احمد عورتوں میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس دور کے نقطۂ نگاہ کے مطابق بہترین طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے۔ کہ آج بھی اُسے عمدہ ترین طریقہ کہا جا سکتا ہے ؛

نذیر احمد نے اصغری کی شکل میں نسوانی دنیا کے لئے ایک مثال ایک نمونہ ایک نصب العین قائم کر دیا ہے جس کی بلندی تک پہنچنے کے لئے اس صدی میں بے شمار خواتین نے کوششیں کی ہوں گی ؛

لوگ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ نذیر احمد نے مرآۃ العروس لکھ کر زنانہ سوسائٹی پر ایک اتہام باندھا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ زنانہ سوسائٹی کی نسبت مرآۃ العروس کے مرد کہیں زیادہ نکمے، بے عقل اور بے ضمیر معلوم ہوتے ہیں۔ عاقل شریف ہیں۔ مگر بے وقوف اور کامل شاید کچھ ہشیار تو ہیں۔ لیکن بے ضمیر، بیوی کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہی اس باکمال بیوی کو بھلا دیتے ہیں . . . . لیکن اگر غلط نہ ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اصغری جیسی خالی از جذبات لڑکی شوہر کے شکر اور عزت کو تو حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن محبت اور عشق نہیں پیدا کر سکتی۔ میاں کامل اسی عشق اور محبت کی تلاش میں کہیں اِدھر اُدھر بھٹک گئے ہوں۔ تو جائے تعجب نہیں ؛

جہاں تک مکالمہ نگاری کا تعلق ہے۔ نذیر احمد کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ علی الخصوص زنانہ گفتگو کا پہلو بہت شاندار ہے ؛

مرآۃ العروس اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہوئی۔ بہت پسند کی گئی، بہت بکی۔ اس لئے کہ اس کی اندرونی خوبیاں کشش کا باعث تھیں۔ ہندو مسلمان گھرانوں میں اس کا وہ چرچا رہا۔ کہ نذیر احمد خود "اصغری اکبری" والے مشہور ہو گئے۔ تنقید پوچھتی ہے کیا مرآۃ العروس واقعی اس تحسین کے قابل تھی ؟ جواب یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں

اس کتاب کا وجود غنیمت تھا۔ تعلیم نسواں کا چرچا عام ہو چلا تھا۔ لیکن پڑھنے کے لئے کتابیں میسر نہ تھیں۔ مرآۃ العروس جب شایع ہوئی۔ تو لوگوں کو ایک مفید اور بے ضرر کتاب مل گئی +

بطور قصّہ کے اس میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کا پلاٹ عزابت سے خالی ہے۔ ایک لڑکی تعلیم حاصل کر لیتی ہے۔ اور قدرت کی طرف سے اسے ایک متوازن دل و دماغ مل جاتا ہے۔ وہ شوہر اور خاندان کے لئے باعث برکت ثابت ہوتی ہے۔ عشق جو اکثر قصّوں کی دلکشی کا موجب ہوتا ہے۔ بالکل خارج از بحث ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ کہانی میں منتہا یعنی (Climax) بہت جلد آ جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو سارا قصہ شروع ہی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ اکبری لاڈ پیار سے پلی۔ اس کا انجام خراب ہوا۔ اصغری کی تربیت ہوئی۔ زندگی کی بامرادیوں تک پہنچی۔ بس۔

گمان غالب ہے۔ کہ موجودہ قصّہ پسندوں کے لئے شروع سے آخر تک اس کہانی میں دلچسپی کو قائم کرنا نہایت مشکل ہو گا +

بنات النعش:- یہ دراصل مرآۃ العروس کا حصہ دوم ہے۔ اس میں وہی اصغری بیگم، طبقہ نسواں کی تعلیم و اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیتی ہیں۔ یہ اصغری بیگم شوقیہ لڑکیوں کا ایک مکتب کھولتی ہیں۔ اس میں علاوہ دیگر طالبات کے ایک حسن آرا بیگم بھی ہیں۔ جو اکبری سے کہیں زیادہ بدمزاج اور نامعاملہ فہم ہیں۔ لیکن اصغری کی تربیت کے حسن عمل سے وہی حسن آرا سدھر جاتی ہیں اور ایک شایستہ مہذب خاتون بن جاتی ہیں +

نذیر احمد نے اس قصّہ کے ضمن میں معلوماتِ عامہ کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ زمین کی کشش، وزن مخصوص، مقناطیس، زمین کی جسامت، ضروریاتِ تمدّن، لوازم شہریت و معاشرت، غرض سینکڑوں علمی باتیں اس پیرائے میں بیان کی ہیں؛

کہ کتاب قصے سے کہیں زیادہ ایک علمی کتاب معلوم ہوتی ہے ؛

تربیتِ نسواں کے سلسلے میں اس کا خیر مقدم اگرچہ مرآۃ سے کم ہوا۔ لیکن اس مضمون پر جتنی کتابیں بھی لکھی جاتیں۔ ان کی ضرورت تھی ؛

بلحاظ قصہ بنات النعش بہت سادہ اور پھیکی ہے اور اس کا موعظتی رنگ سطر سطر میں اس درجہ نمایاں ہے۔ کہ اس کا تادیر پڑھتے رہنا قریباً ناممکن ہے۔ استانی جی کی زبان سے نذیر احمد یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ " اس کتاب میں تم مکتب کی سب لڑکیوں کی ہو بہو تصویریں پاؤ گی " اور " تصویر سے مراد یہ ہے۔ کہ تمہارے مزاج، تمہاری عادت، تمہاری خُو بُو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے۔ کتاب سے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا کہ تمہارا تذکرہ ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ نذیر احمد کی یہ تصویریں ایک ماتم خانہ کی تصویریں معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی نقش دیوار! بہرحال یہ تذکرہ آئندہ چل کر پھر آئے گا ؛

توبۃ النصوح :۔ کہا جاتا ہے۔ کہ توبۃ النصوح مولانا نذیر احمد کی بہترین تصنیف ہے۔ یہ اس زمانے میں لکھی گئی۔ جب مولانا اعظم گڈھ میں تھے۔ اگرچہ راقم کے نزدیک ابن الوقت کو توبۃ النصوح پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں ۱۸۵۷ء کے پرشور زمانے کی سوسائٹی کے بدلتے ہوئے ذہنی اور معاشرتی رجحان کی تصویر ہے۔ تاہم ناقدین کے نزدیک توبۃ النصوح میں بلحاظ قصہ کے بعض ایسی خوبیاں ہیں جو ان کی کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں ؛

یہ ایک خاندان کی اخلاقی پستی اور ایک خاص حادثہ کی وجہ سے اس کی اصلاح کی تحریک کی کہانی ہے۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہے۔ اس میں دو میاں بی بی ہیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں، بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ پختہ عمر کے ہیں باقی ابھی نوعمر ہیں۔ رئیسِ خاندان ایک دفعہ مرض ہیضہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ معالج خواب آور دوا

دیتا ہے۔ وہ سو جاتا ہے۔ اس اثنا میں وہ ایک خواب دیکھتا تھا۔ جو در اصل اس سارے قصے کا مقصود ہے۔ اس میں دوسری دنیا یعنی حشر، اعمال نامہ، اور حساب قبر کی تکلیف اس کو دکھائی جاتی ہے۔ وہ اپنے مذہب سے جس کے متعلق اس کے اعتقاد میں ایک تزلزل سا پیدا ہو گیا تھا اپنے عقیدے کو پھر سے استوار کر لیتا ہے خواب سے جب بیدار ہوتا ہے۔ تو گویا نئی زندگی پاتا ہے۔ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور سارے خاندان کی مذہبی اصلاح کا بیڑا اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس مشن کی تکمیل میں اسے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور تعجب یہ کہ خاندان کے پختہ عمر افراد اس کے راستے میں سب سے زیادہ رکاوٹیں ڈالتے ہیں لیکن بالآخر اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے ؛

یہ کہنا غالباً مبالغہ میں شامل نہ ہوگا۔ کہ توبۃ النصوح میں نذیر احمد نے انسانی فطرت اور نفسیات بشری سے، واقفیت کا ایک غیر فانی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ نذیر احمد کو خود تو شاید نصوح کے کیریکٹر سے دلچسپی ہوگی لیکن یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ ان کے قلم سے دانستہ یا نادانستہ ایک دوسری سیرت کی ایسی مکمل تصویر کشی ہوئی ہے کہ ہم اسے نصوح سے بلند درجے پر رکھیں گے بلکہ بعض اعتبارات سے اس سے بہت بلند! یہ ہمارے رندلاابالی مگر بامذاق کلیم ہیں۔ جن کی سیرت کو سیاہ کرنے کے لئے مولانا نے بہت زور مارا ہے ؛

ذرا کلیم کی لائبریری کو دیکھیے۔ جس میں آرٹ اور ادب کے کیسے کیسے جواہر نظر آتے ہیں۔ اگرچہ میاں نصوح (یا نذیر احمد) کو ان جواہر پاروں سے محبت نہیں۔ لیکن کلیم ایک ادب پرست اور فن شناس ہے۔ اسے انہی چیزوں سے دلچسپی ہے اسے اپنی رائے پر جو اعتماد ہے۔ وہی اسے باپ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ لیکن رائے پختہ ضرور ہے۔ کلیم کی طرز روش کے آدمی جنہیں دنیا میں علم، ادب اور آرٹ سے

انس ہوتا ہے۔ اکثر بے فکرے، آزاد مشرب اور بے پرواہ ہوتے ہیں بظاہر وہ ایک بھی عجیب بزرگ ہیں۔ جن کا تفنن، وضع داری اور مہذب ریاکاری سب کے سب ان کی سیرت کی وہ صفات ہیں۔ جو ایسے آدمی میں ہوا کرتی ہیں۔

کلیم ان بدلے ہوئے حالات میں کیا محسوس کرتا ہے؟ وہ اپنے والد میاں نصوح کی گذشتہ زندگی اور موجودہ انقلاب پر متحیر ہو کر نظر ڈالتا ہے۔ اس کا دماغ عجیب وغریب خیالات کا مرکز اور گوناگوں شکوک و اوہام کا آماجگاہ بن جاتا ہے دل کے یقین کے بغیر وہ اپنے باپ کے مکاشفہ اور اصلاح سے کیسے متأثر ہو جائے ان سب نفسیاتی اور ذہنی کیفیات کو نذیر احمد نے کتنی خوبی کے ساتھ ہو بہو کاغذ پر رکھ دیا ہے۔

توبۃ النصوح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس میں منتہا یا Climax کے لئے پڑھنے والا آخر وقت تک منتظر رہتا ہے۔ اُسے کلیم کے انجام کے متعلق تشویش رہتی ہے اور یہ وہ خوبی ہے۔ جس سے توبۃ النصوح کو کسی حد تک خشک مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود بہت پسند کیا جاتا ہے۔

اس کی زبان مرآۃ اور بنات کی نسبت مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس میں محاورات کی بھرمار ہے۔ اور یہ غالبًا اس لئے ہے۔ کہ مصنف نے اسے خاص طور پر عورتوں کے لئے نہیں لکھا۔

ابن الوقت:- یہ وہ کتاب ہے۔ جو راقم کے خیال میں نذیر احمد کی عمدہ ترین کتاب ہے۔ اگرچہ اس کا مضمون ایسا نہ تھا۔ کہ اس پر مصنف کی شہرت کا دارومدار ہوتا۔ اور اس لحاظ سے صرف مرآۃ العروس ہی وہ خوش قسمت کتاب ہے جس نے دنیائے ادب میں وہ نام پایا۔ کہ اپنے مصنف کو شہرت کے دربار میں ایک بلند کرسی پر رونق دی۔

اس کی غرض بظاہر یہ ہے۔ کہ قوم اور ملک کو انگریزی وضع اور معاشرت اختیار کرنے سے روکا جائے۔ اور انہیں ان نقصانات عظیم سے متنبہ کیا جائے جو اس تبدیل معاشرت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ابن الوقت اس عہد انتقال (Period of Transition) کے افکار۔ شکوک اور رجحانات کا ایک شفاف آئینہ ہے جس میں ان خیالات اور ذہنی کش مکشوں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو مشرقی اور مغربی تہذیب وتمدن کے باہمی تصادم اور آویزش سے ملک کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے کے دلوں میں برپا ہو رہی تھیں۔ نیز یہ ان تعلقات اور روابط پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جو راعی اور رعایا کے درمیان موجود تھے۔ اس ملک میں ایک حاکم ہونے کے سبب انگریزوں کے جو مخصوص خیالات تھے۔ اور ہندوستانیوں کے مختلف طبقات کے ساتھ ان کا جو سلوک تھا۔ اس کو خوبی کے ساتھ اس کتاب میں قلمبند کیا گیا ہے۔ کہ ہمارے حقیقت نگار قصہ نویس کی کتاب کمپنی بہادر کے دور کی کوئی تاریخی کتاب معلوم ہوتی ہے[1]۔ بہر حال ابن الوقت ایک شریف زادے کی سرگذشت ہے۔ جو اوّل اوّل پرانے نظام معاشرت سے منقطع ہو کر نئے انگریزی ماحول میں آتا ہے۔ نذیر احمد کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے یہ ہے۔ کہ ابن الوقت کا انجام خراب دکھایا جائے۔ لیکن ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ مصنف نے ابن الوقت کے لباس میں انگریزی عملداری کے اوّلین دور کے مسلمانوں کی کیفیت کس انداز سے لکھی ہے، اور ان کے ان مخصوص رجحانات سیاسی وذہنی ومذہبی کا مرقع مکمل رنگ میں پیش کر دیا ہے۔

ابن الوقت ایک حقیقت، ایک تاریخی واقعہ کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے سچا اور

---

[1] مثال کے طور پر۔ Notes on Indian affairs اور Good old days of John Company by Sir Jhon Shore ملاحظہ ہوں۔

صحیح ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بے نظیر کتاب کی بلندی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اس میں مختلف سیرتوں کا ارتقا بکمال خوبی دکھایا گیا ہے۔ اشخاص قصہ یہ ہیں :۔ ابن الوقت ، اس کی پھوپھی ، نوبل صاحب ، ابن الوقت کا ملازم ، شارپ صاحب اور حجۃ الاسلام۔ قصہ یہ ہے۔ کہ ہیرو ابن الوقت ایک ذی ثروت گھرانے کا چشم و چراغ اور نواب معشوق محل کے ملازمان خاص میں سے تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں اس نے ایک انگریز نوبل صاحب کی جان بچائی۔ اس کے صلے میں جاگیر ملی۔ اور نوبل صاحب کے ماتحت کوئی خدمت بھی تفویض ہوئی۔ نوبل صاحب کی رفاقت اور ترغیب او رصحبت کا اثر یہ ہوا۔ کہ انگریزوں کی وضع کی تقلید شروع کردی اور اپنی قدیم وضع سے نفرت کا اظہار۔ لوگوں میں اس کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جب قضا سے نوبل صاحب ہندوستان سے چلے گئے تو ابن الوقت صاحب کو شارپ صاحب سے پالا پڑا۔ جنہیں یہ حرکت سخت ناپسند تھی۔ کہ ہندوستانی انگریزی وضع اختیار کریں۔ وہ بچارے ابن الوقت سے بہت برہم ہو گئے اور کام بھی واپس لے لیا۔ ابن الوقت اس مصیبت میں تھا۔ کہ ایک پرانی وضع کے بزرگ حجۃ الاسلام جو ملازم سرکار ہونے کے باوجود اپنی روش دیرینہ پر قائم تھے۔ شارپ صاحب سے ملے اور ابن الوقت سے صفائی کرادی +

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ نذیر احمد نے ابن الوقت کے لباس میں سرسید کی تصویر کھینچی ہے۔ لیکن خود مصنف نے ایک مقام پر اس قصہ کو اپنی ہی سرگذشت قرار دیا ہے۔ راقم کے خیال میں یہ نہ نذیر احمد کی آپ بیتی ہے اور نہ سرسید احمد خاں کی لائف۔ بلکہ یہ "انیسویں صدی کے آخری نصف کے مسلمان نوجوان" کی ذہنی اور معاشرتی کیفیت ہے جس کی وضع اور عقاید کے متعلق پرانا طبقہ بہت کچھ شکوک کا اظہار کرتا تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ کتاب کے اکثر حصے سرسید احمد خاں کے

حالات سے مطابقت رکھتے ہیں ؛

توبۃ النصوح کی طرح ابن الوقت کے افراد کے کردار بھی حقیقی، مکمل اور جامع بنائے گئے ہیں۔ قصے کا ہیرو ابن الوقت ابتدائے شعور سے تاریخ اور آثار قدیمہ کا شایق ہے۔ اُسے تحقیق اور جستجوئے کوائف کا خاص شوق ہے۔ اقوام عالم کے رسوم و خیالات کو معلوم کرنے میں اسے خاص لذت ملتی ہے۔ تصنیف و تالیف کی دنیا سے واقفیت رکھنا اس کے لئے بے حد ضروری ہے "جب کوئی نئی کتاب جماعت میں شروع ہوتی۔ اس کا پہلا سوال یہ تھا۔ کہ اس کا مصنف کون تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ کس سے اس نے پڑھا۔ اس کے معاصر کون کون تھے۔ اس کی وقایع عمری میں کون کون سی بات قابل یادگار ہے"۔ اس علمی رجحان طبع کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں خودداری بھی بہت تھی۔ وہ اپنی رائے کا پکا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ" سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا"۔ اب جب نوبل صاحب سے واقفیت بڑھی۔ تو اسے انگریزی کیریکٹر میں بعض ایسی خوبیاں نظر آئیں۔ جو ہندوستانیوں میں مفقود تھیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ابن الوقت نے انگریزی معاشرت کسی خوشامد کی وجہ سے اختیار نہیں کی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ ہندوستانی اطوار سے بہتر تھی۔ یہ دراصل ابن الوقت کی خودداری کا ایک نیا رنگ تھا ؛

ابن الوقت کی ایک خصوصیت اس کی غیر معمولی قابلیت تھی۔ اس نے پہلے ہی ڈنر کے بعد جو طویل تقریر کی۔ اس میں انہوں نے حاکم و محکوم کے تعلقات پر ایسی عالمانہ روشنی ڈالی کہ سچ مچ سیاسیات کا ایک اچھا خاصہ سبق معلوم ہوتا ہے علے الخصوص ہندوستانی ریاستوں کے موضوع پر جو کچھ کہا۔ وہ آج بھی بصیرت کا باعث ہے ؛

حجۃ الاسلام سے مسئلہ تقدیر پر جو گفتگو ہوتی ہے۔ وہ بالکل اسی ذہنیت کا کا پتہ دیتی ہے۔ جو سرسید احمد خاں کے اثر سے پیدا ہوئی۔ دلائل بھی وہی ہیں اور طرز استدلال بھی وہی۔ اگرچہ بظاہر حجۃ الاسلام اس مناظرے میں فاتح معلوم ہوتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں دلائل کا زور ابن الوقت کی طرف ہے ؛

مصنف نے ابن الوقت کے خیالات میں جو تدریجی تبدیلی دکھائی ہے اور انگریزی معاشرت اختیار کرنے کے بعد اسے جسطرح آہستہ آہستہ بے دینی کی طرف بہتا ہوا دکھایا ہے۔ وہ اُن کے ماہر نفسیات ہونے کا ثبوت ہے ؛

ابن الوقت کے بعد سب سے زیادہ قابل توجہ شخصیت حجۃ الاسلام کی ہے ان بزرگ کا حال پڑھ کر ان کی سیرت کا جو تصور ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ وہ ایک پابند وضع مسلمان ہیں۔ انہیں اگرچہ انگریزوں کی سیاسی غلامی کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ لیکن مذہبی اور ظاہری وضع و انداز میں ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان ان کی تقلید نہ کریں۔ اس کے باوجود انہیں متعصب نہیں کہا جا سکتا۔ انگریزوں سے ان کے تعلقات اچھے ہیں۔ خود ابن الوقت کو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ لیکن انہیں انگریزی تمدن کے خلاف شکایت ہے۔ غرض ان کا احتجاج اس تحریک کا ایک جزو ہے جو شروع شروع میں وطنیت اور مغربی طرز کی قومیت کے تخیل سے ناآشنا ہونے کے سبب مسلمانوں کے ایک طبقے نے انگریزوں کے خلاف شروع کی تھی اس جماعت کو انگریزوں کے خلاف کوئی سیاسی شکایت نہ تھی۔ البتہ انہیں یہ اندیشہ ضرور رہتا تھا کہ کہیں مسلمان ان کے مذہب اور تمدن کو نہ اختیار کر لیں ؛

ہمارے حجۃ الاسلام طب اور ڈاکٹری کو بیکار خیال کرتے تھے۔ تدبیر کو فضول سمجھتے تھے۔ تصویروں اور کتوں کی موجودگی سے متوحش ہوتے تھے۔ غرض اس

صدی کے مذہبی عقاید پر پختگی کے ساتھ قایم تھے ۔

مگر وہ جو کچھ بھی تھے ۔ خود دار اور غیرت مند تھے ۔ شارپ صاحب سے ابن الوقت کی جب صفائی کرانے گئے ۔ مطلق خوشامد سے کام نہیں لیا۔ بلکہ واقعات کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ شارپ صاحب کو اپنی غلطی کا خود احساس ہو گیا ۔

اس کتاب میں ہندوستانی انگریزوں کی معاشرت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے ۔ حجتہ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے کلکٹر ضلع سے اپنی ایک ملاقات کا جو حال بیان کیا ہے ۔ وہ اس پہلو کو سمجھنے کے لئے کافی ہے ۔

نذیر احمد نے جن دو انگریزوں کے کیرکٹر پیش کئے ہیں ۔ وہ آپس میں متضاد ہیں ۔ نوبل صاحب نہایت نیکدل اور نیک سرشت انگریز ہیں ۔ لیکن شارپ صاحب کمپنی کے زمانے کے بعض انگریزوں کیطرح جنہیں ہندوستانیوں سے ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ علیحدگی پسند ہیں درحقیقت یہ دونو سیرتیں بہت کچھ مکمل معلوم ہوتی ہیں ۔

ابن الوقت کی پھوپھی کی سیرت میں بھی نذیر احمد بہت کامیاب رہے ہیں ذرا اس گفتگو کی طرف بھی غور کیجئے ۔ جو حجتہ الاسلام سے انہوں نے ابن الوقت کے تبدیل وضع کے متعلق کی ۔ اس میں کتنی سچائی اور واقعیت ہے ۔ بناوٹ سے اس کو دُور کا واسطہ بھی نہیں ۔ اسی گفتگو میں وہ حجتہ الاسلام سے کہتی ہیں ۔ کہ ابن الوقت پر یہ جو ظلم ہوا ہے ۔ اس کی شکایت کمپنی سے کرو ۔ اور کمپنی بادشاہزادی (ملکہ وکٹوریہ) کی بیٹی ہے ۔ ملک ہندوستان اس بادشاہزادی نے اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیا ہے ۔ کیا یہ وہ بے خبری نہیں ۔ جو ہندوستان میں ایک عرصہ تک انگریزوں کے متعلق طاری رہی ۔؟ نذیر احمد نے اس مختصر گفتگو میں اس دلچسپ بے علمی کا مرقع کھینچ دیا ہے جو ہماری بعض غیر تعلیم یافتہ بڑی بوڑھیوں کی اب تک خصوصیت ہے

نذیر احمد کی دوسری کتابیں اگر دنیا کی نظروں میں کارآمد نہ رہیں ۔ تو بھی

ابن آلوقت زندہ رہنے کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ دراصل ایک قوم کے ایک دور کی ذہنی تصویر ہے۔ جو ہمیں تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہوتی جہاں اس کی افادی حیثیت اس کے حق میں ایک محکم دستاویز ہے وہاں اس کی فنی خوبیاں مثلاً کردار نگاری، اس کے مکالمے، اس کی جزئیات معلومات کی جامعیت اور اس کے پلاٹ کی دلچسپی بھی اس کے بقا کی ضمانت دار ہے۔

نذیر احمد کے تین قصّے اور بھی ہیں۔ محصنات یا فسانۂ مبتلا۔ ایامیٰ۔ اور رویائے صادقہ۔ محصنات۔ دو بیویاں کرنے کی خرابیوں کے متعلق ہے۔ ایامیٰ میں ہندوستانی بیوگان کی کس مپرسی اور بدحالی کا حال ہے۔ اور اس قصہ کے ضمن میں اہل ملک کو نصیحت ہے۔ کہ بیوہ کا نکاح متعدد وجوہ سے بیحد ضروری ہے۔ رویائے صادقہ میں دینداری، خداپرستی، اوہام باطلہ کی تردید، تعلیم جدید کی خرابیاں اور علیگڈھ کالج کی تعلیم و تربیت کا نقشہ اور اس کے نقائص کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ کتاب دراصل دینی عقاید کی کشمکش اور ان میں اپنے ایمان کو قائم رکھنے اور صحیح راستہ کا پابند رہنے کے موضوع پر ہے۔ اس میں صادقہ کی زبانی روحانیت کا پیغام پہنچایا گیا ہے اور سید صادق کی مادہ پرستانہ ذہنیت اور تعلیم جدید سے متأثر دماغ کی اصلاح کی گئی ہے۔ یہ آخرالذکر کتاب ایک لحاظ سے بہت توجہ کے قابل ہے۔ کہ اس میں اس عہد کی دینی اور مذہبی جنگ کو جو قدیم و جدید کے درمیان برپا ہو گئی تھی۔ نہایت وضاحت سے ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ یہ دراصل سرسید کے غیر معتدل خیالات کے خلاف ایک عقیدتمندانہ احتجاج تھا۔

نذیر احمد کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان کے ناولوں پر مجموعی نظر ڈالیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ کہ نذیر احمد کا مقام ناول نگاروں میں کیا ہے؟

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ نذیر احمد قصہ نویس نہ تھے۔ واعظ تھے۔ انہوں نے اپنے قصوں سے دینداری، خدا پرستی اور اصلاحِ معاشرت کا کام لیا ہے ہماری رائے میں یہ خیال بہت حد تک درست بھی ہے۔ ناول کے لئے فنی حیثیت سے "موعظتی رنگ" جس قدر مضر اور ہلاکت آفرین ہے اور کوئی شے نہیں۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے:-

The Novelist should not preach to us.

اور یہ اس معاملے میں ایک زرّیں اصول ہے۔ کیونکہ اخلاقی واعظ کا نصب العین یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مقصد کے لئے واقعات کو اس رنگ میں پیش کرے۔ جو سامعین کو اس موضوع کیطرف راغب کریں۔ خواہ اس میں اس دنیائے کون وفساد کا صرف ایک ہی رُخ کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔

بہر حال نذیر احمد کے ناول موعظتی ناول ہیں۔ اور فنی حیثیت سے ہم انہیں نہ صرف اعلےٰ درجے کے ناول نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ درحقیقت انکو صحیح معنوں میں ناول بھی نہیں کہہ سکتے۔ تاہم ہمیں ایک عذر پیش کرنا ہے اور وہ یہ کہ ہر صدی اور ہر دور کا فن کے متعلق ایک مخصوص خیال ہوتا ہے اور مصنف کے لئے ناممکن ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان روایات سے الگ کر سکے۔ خود انگریزی ناول کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا آیا ہے۔ جبکہ ناول نگار کی سب سے بڑی خوبی یہی خیال کی جاتی تھی۔ کہ وہ اپنے ناول کے ذریعے اچھا اخلاقی سبق دے سکے۔ رچرڈسن کہتا ہے:-[1]

"All my stories, I am bold to say, carried with them an useful moral."

ایک اور نقاد کہتا ہے:[2] *"Richardson was nothing, if not a moralist."*

---

[1] H. Williams — Two centuries of English Novel (1911) P. 37

[2] Ibid, P. 41.

بیسویں صدی میں جبکہ پرانے نظریات درہم برہم ہو رہے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ ارباب فکر، ماضی کے بعض خیالات کی طرف پھر توجہ کر رہے ہیں۔ جان گالزوردی نے ناول نگار کو ایک ایسا مصلح قرار دیا ہے۔ جو بدی کے کوچہ میں "چراغ سرراہ" بنکر خرابیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس مصلح کا نام "Cathrw" ہے جس کا مقصد زندگی خود گالزوردی کے الفاظ میں یہ ہے :- [۵]

"His lantern distorted nothing: it did but show that which was there, both fair or foul, no more no less."

(From the Inn of Tranquillity 1912)

بہرحال یہ تو ظاہر ہوا۔ کہ اصلاح یا اخلاق کی درستی کا خیال ناول کی خوبصورتی کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اصل تصویر کے تاریک اور روشن ہر دو پہلو پوری حقیقت کے رنگ میں، دکھائے جائیں +

نذیر احمد کا اگر نقص ہے تو یہی ہے۔ کہ اس کی تصویریں زندگی کے متعلق ادھوری اور نامکمل ہوتی ہیں۔ نذیر احمد کا موضوع یہ ہے کہ دنیا کو کیسا ہونا چاہیئے! وہ اس سے بحث نہیں کرتے۔ کہ دنیا کیسی ہے ؟

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر نذیر احمد کے قصے دنیا میں رہنے کے قابل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ یورپین قصوں کا ایک معتدبہ حصہ تلف نہ کر دیا جائے جس میں "Pamela" اور "Uncle Tom's Cabin" اور بے شمار دیگر قصے شامل ہیں۔ بلکہ ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی کے بعض ناول جو ڈکنز اور تھیکرے اور ہارڈی کے احتجاجی قصوں (Novels of Protest) اور مذہبی افسانوں (Evangelical Novels) پر حاوی ہیں۔ ہماری نظر اعتنا کے مستحق نہیں رہتے۔ لیکن یہ واقعہ ہے۔ کہ یہ ناول آج دنیا میں موجود ہیں کیونکہ ان کی ایک خوبی ہے جو ان کو ہمیشہ ادب کا

---

۵. A. C. Ward, Twentieth century Literature (1928) P. 28.

جزوِ بنائے رکھے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ ان ناولوں میں ایک دَور کی انسانی معاشرت اور زندگی کا مرقعہ ہے جس کا مطالعہ ہمیں اس عہد کی ذہنیت کی گہرائیوں سے واقف بنا دیتا ہے۔

نذیر احمد کے ناول بھی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۱۹ویں صدی کے آخری دَور کی ہندوستانی سوسائٹی اور ذہنیت کا مرقع پیش کرتے ہیں۔ اور یہی انکی حفاظت کی ضمانت ہے ؛

اس عمومی اظہار رائے کے بعد یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد ہی پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے فطری قصّوں کی طرف توجہ کی۔ ذرا پرانے دیووں اور پریوں کی کہانیوں اور فورٹ ولیم کالج کے زیرِ سایہ تصنیف کردہ فوق العقل قصوں کی طرف توجہ کیجیئے اور پھر نذیر احمد کی تصانیف پر غور کیجیئے۔ کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ غلطی ضرور کی کہ ہر موقعہ پر اپنے افسانہ کے اغراض ومقاصد کو شروع میں ہی ظاہر کر دیا۔ جس سے دلچسپی میں بہت کمی واقع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ترقی یافتہ ناول کے اصول وقواعد اور دوسری زبانوں کے اچھے ناولوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ ورنہ وہ عمدہ معاشرتی ناول لکھ سکتے۔ کیونکہ انہیں قدرت نے حقیقت نگار بنایا تھا ؛

جہاں تک ان کے پلاٹ اور ترتیب کا تعلق ہے۔ ان میں کوئی خاص عزابت نہیں۔ اکثر قصّوں کے پلاٹ بہت مختصر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پلاٹ کا خلاصہ شروع ہی کے دو تین ابواب میں بتا دیتے ہیں۔ اور اپنی سیرتوں کے کردار بھی تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے ناول چونکہ ایک خاص موعظتی مقصد (didactic purpose) کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس لئے غرض تصنیف بھی شروع ہی سے معلوم ہو جاتی ہے ؛

Wilson Follett: Modern Novel (1928), P. 123.

نذیر احمد کی قوت مشاہدہ اور جزئیات پر عبور بھی کافی تسلی بخش ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی قوت انتخاب بہت کمزور ہے۔ وہ اپنے کیرکٹروں کی زبان سے ہر بات خواہ مخواہ کہلوانا چاہتے ہیں۔ ان کی گفتگوئیں طولانی، خشک اور بعض دفعہ بے موقعہ ہوتی ہیں ؛

ان کے قصوں کی ترتیب بھی فنی لحاظ سے ناقص ہے۔ وہ دراصل انگریزی ناول کے اس دور کے آدمیوں سے مشابہ ہیں جو بوجہ قوت تخلیق کی افراط کے اظہار و تبیین کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور form کی طرف توجہ زیادہ نہ ہوتی تھی ان لوگوں کا آرٹ کمزور لیکن تخلیق کی قوت مضبوط تھی۔ نذیر احمد بھی اپنے عندیہ کا اظہار ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ اور پورا پورا کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس میں آرٹ مجروح ہو جائے ؛

غرض یہ ہے۔ کہ ہم نذیر احمد کے قصوں کو متشددانہ تنقید کی نظر سے دیکھنے سے معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے تمام نقائص اسی ایک خرابی میں پنہاں ہو جاتے ہیں۔ کہ انکے ناول 'موعظتی' تھے۔ اور ان کا مقصد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ نہ تھا۔ کہ اس کے ذریعے حیات انسانی کا صحیح عکس یا صحیح نقل (مطابق اصل) پیش کی جائے۔ بلکہ وہ درحقیقت اپنے دور کی مخصوص ذہنیت (سرسید کے پیدا کئے ہوئے جذبہ احیا و اصلاح) کے مطابق ایک ریفارمر اور مبلغ تھے۔ جنہوں نے کہانی کو ایک اچھا ذریعہ تبلیغ خیال کرتے ہوئے اسے خدمت عوام میں صرف کیا ؛

نذیر احمد کن خاص خیالات و تصورات کے حامل تھے؟ وہ کون سے خاص نظریے تھے۔ جن کو وہ اپنے ناولوں کے ذریعے پھیلانا چاہتے تھے۔؟ اس کا جواب مختصراً یہی ہے۔ کہ ان کا تصور، ان کا مطمح نظر، ان کی مذہبی اور سیاسی ذہنیت تقریباً وہی تھی۔ جو زیر بحث زمانے میں اکثر اکابر اور اہل علم و ادب کی بن چکی تھی اور جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں بارہا آچکا ہے ؛

ان کا نظریہ تعلیم وہی ازمنہ متوسطہ کا نظریہ تھا۔ بچوں کی تربیت کے سلسلے میں وہ اکبریؔ کی اکثر خرابیوں کا ذمہ دار اس کی ابتدائی سوءِ تربیت کو بتلاتے ہیں۔ نصوحؔ کا بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ بھی اسی لئے بڑی عمر میں ناقابلِ اصلاح ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کو شروع میں اچھی طرح پڑھایا نہیں گیا۔

اس سلسلے میں نذیر احمد بچپن کی عمدہ اور نیک سوسائٹی اور صحبت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اکبریؔ اور اصغریؔ میں یہ فرق اس لئے پیدا ہوا۔ کہ دونوں کی ابتدائی سوسائٹی مختلف رنگ کی تھی۔ اکبریؔ کی سہیلیاں اراذل کی بیٹیاں تھیں۔ اور اصغری کی ہجولیاں نیک معاش! نذیر احمد جس تربیت کے ماحول کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ وہ تھا۔ جو نصوحؔ کے گھر میں خواب سے پہلے موجود تھا۔ اور جس کو پسند کرتے ہیں۔ اس کا نقشہ وہ ہے۔ جو نصوحؔ کے خواب کے بعد اس کے گھر میں پیدا ہوا۔

میاں نصوحؔ جب خواب کے بعد اپنے بچوں کی تربیت نئے خیال کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ تو گھر کو آرٹ اور اس کے آثار تک سے خالی کر دیتے ہیں میاں کلیم کے سامانِ تفریح کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ان کے البم پھاڑ دیئے جاتے ہیں اور کتابیں جلا دی جاتی ہیں بلکہ تعلیم و تربیت میں اخلاق پر اتنا اصرار ہے۔ کہ شیخ سعدی کی گلستان کے صفحوں کے صفحوں پر سادہ کاغذ لگا دیا جاتا ہے۔ اور بقول فہمیدہ "خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کٹی ہوگی۔"

مولانا کا دینؔ کیا ہے؟ اصلاح معاد اور اصلاح معاش!! ان کے نزدیک ایک مکمل دیندار کی تعریف یہ ہے۔ "جو شخص غصّے کو پی جائے، انتقام نہ لے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، حریص و طامع نہ ہو، جابر اور سخت گیر نہ ہو، ممسک و بخیل نہ ہو۔ مغرور و متکبر

نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ"۔ غرض اس کے اندر تمام صفاتِ ملکی موجود ہوں۔ حجۃ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے ایک دیندار کی جو تعریف کی ہے۔ وہی نذیر احمد کا نظریہ دینداری ہے ؛

اس صدی کے مخصوص سیاسی تعلیمی اور معاشرتی تصورات میں نذیر احمد بعض اوقات سرسید کے ہم خیال نظر آتے ہیں بعض اوقات مخالف! ابن الوقت کے بھیس میں انگریزی لباس پر جو لے دے کی ہے یا سید صادق کے خطوں میں علیگڈھ کالج کے غیر اسلامی ماحول کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ وہ سرسید مرحوم کے افراط اور توغل کے خلاف ایک اظہارِ ناراضگی ہے۔ نذیر احمد سیاسیات میں سرسید کے پورے پورے مداح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مغربی معاشرت سے انہیں بہت بُعد ہے۔ نذیر احمد نے بہت سا حصہ تعلیمی نظریوں کی تشریح میں صرف کیا ہے۔ لیکن گمان غالب ہے۔ کہ موجودہ دور میں ان میں کافی قدامت کا رنگ نظر آئے گا۔ کیونکہ وہ عورتوں کو جس قسم کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے وقت اب سازگار نہیں رہا اور ماحول خود اس کے منافی ہے ؛

نذیر احمد نے توبۃ النصوح اور ابن الوقت میں جو تصویریں اور مناظر کھینچے ہیں' وہ اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ لیکن مولانا کو جس درجہ عبور زنانہ زندگی کے مظاہر پر ہے اس کا مقابلہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ عورتوں کی آپس کی رنجشیں، چشمکیں، لین دین، رشک وحسد وغیرہ کو بہت اچھی طرح پیش کیا ہے ؛

لیکن عجیب بات ہے۔ اگرچہ چنداں تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کہ نذیر احمد نے عشق و محبت کے جذبہ عالیہ کو مطلق مستحق اعتنا نہیں خیال کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ مولانا کا اس کوچہ میں گذر ہی نہ تھا۔ یا شاید یہ ہو۔ کہ زمانہ کے خیال کے مطابق ان کے نزدیک یہ خلاف تہذیب ہو۔ بہرحال اُن کی ہیروئن سیرتیں مقدس اور جذبہ محبت سے خالی ہیں اکلے حجرۂ دل تک عشق کا گذر ہی نہیں ہو سکتا۔ اصغری، فہمیدہ اور دیگر زنانہ سیرتیں اس چنگاری کے نہ ہونے کی وجہ سے کتنی بے سوز معلوم ہوتی ہیں باقی رہی دفعہ سو وہ تو

پہلے ہی سے کشف و کرامت کے میدان میں تھیں۔

یہی وجہ ہے۔ کہ مولانا عورتوں کی نفسیات کو پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں ہاں ان کے کیریکٹر کی خرابیوں کا تذکرہ مکمل ہے۔ مجموعی حیثیت سے ان کے قصے نفسیاتی تجربہ سے خالی ہیں۔

بایں ہمہ نذیر احمد کا یہ وصف ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کہ وہ عورتوں کے مکالمے لکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عورتوں کی گفتگو میں بالکل سلاست اور روانی ہے۔ ہاں مردوں کی گفتگو میں عربیت اور ثقل ہے۔ اور ان کی پچھلی کتابوں کی زبان پہلی کی نسبت زیادہ ثقیل اور عالمانہ ہے۔

نذیر احمد کو جتنی شہرت حاصل ہوئی۔ اس میں ان کے قصوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ایک عرصے تک ان کا نام ناول کی دنیا میں سب سے ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن جدید تنقید اور جدید افسانے کے اصول و قوانین نے ان کی شہرت کو بہت حد تک کم کر دیا ہے۔ اور بسرعت تمام گمنامی کی طرف جا رہے ہیں لیکن باوصف ان سب باتوں کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر جانسن کے بقول "فیلڈنگ کی کتاب Tom Jones ابھی تک متروک نہیں ہوئی"۔ اسی طرح ابن الوقت اور توبۃ النصوح بھی ابھی تک فراموش نہیں ہوئیں اور شاید آئندہ بھی اردو ادب میں ان کا نام اعلےٰ کتابوں میں شمار ہوتا رہے گا۔

سید محمد عبداللہ

کلماتِ عوامانۂ فارسی

غالباً ۱۹۲۴ء میں کاویانی پریس برلن نے ایک کتاب موسوم بہ "یکی بود و یکی نبود" شائع کی تھی۔ جس میں ایک مجموعہ فارسی زبان کے عوامانہ لغات کا بھی دیا تھا۔ چونکہ ان لغات کی شرح بھی زبان حال میں کی گئی تھی اس لئے ان کے اردو زبان میں مترادف اور معادل کا تلاش کرنا طالب علموں کے لئے دشوار ہے چنانچہ اس وقت تک یہ لغات تحقیق طلب رہے اور کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ان میں سے بعض الفاظ کے معانی مجھ کو یاد نہیں رہے امید کرتا ہوں کہ کوئی اور فارسی دوست بزرگ زحمت فرما کر فارسی ادب میں اضافہ فرمائیں گے ÷

عبدالباقی عباسی

الف

آپاردی = ڈینگیں مارنے والا ÷

آشغال = کوڑا کرکٹ ÷

اَخم = ماتھے کی شکن جو غصہ کے وقت پڑجاتی ہے ÷

اخمو = وہ آدمی جو ہمیشہ منہ سوجائے رہے

ادا = نقالی ÷

ادا درآوردن = نقل اتارنا ÷

اُرونگ = گھٹنا کھینچ مارنا ÷

اُرفہ = چلتا ہوا ، خرانٹ ÷

اطوار ، اطفار ، الطفور = شتر غمزہ ÷

اطفاری ، الطفوری = شتر غمزہ کرنے والا ÷

اِکبیر = نحوست ÷

اُلّم = تیس مار خان ÷

انگولک = انگلی سے ملانا ÷

انگ انداختن = اندازہ کرنا ÷

انگل = نیبو نچور ، کاسہ لیس ÷

الک دولک = گلی ڈنڈا ÷

ب

بامب = دھول ÷

بامبول = دھوکا ÷

بامبول زدن = دھوکا دینا ÷

بجو = (بفتح اول و دوم) بیڑی ؛

برزدن = (بضم اول) تاش کے پتے ملانا ؛

بزک = سنگھار ؛

بلبشو = نفسی نفسی، افراتفری ؛

بنجل = (بضم اول وسوم) چیتھڑے ؛

پ

پائیدن = بھانپ لینا ؛

پاتوق = اڈا، ٹھیکہ ؛

پاتیل شدن = انتہا غفیل ہوجانا ؛

پارس کردن = بھونکنا ؛

پتیؔ ع = برہنہ ؛

پچ پچ کردن = (بکسر اول) کاناپھوسی کرنا

پخ = (بفتح اول) چپٹا ؛

پخمہ = کودن، نافہم ؛

پُز = (بضم اول) شکل وضع ؛

پُزدا = (بضم اول) میلا کچیلا ؛

پشتی = حمایتی، مددگار ؛

پشکن = بکسر اول چٹکی ؛

پُغیوز = قرمساق ؛

پک = (بضم اول) حقہ کا کش جو چھوڑا جائے ؛

پک و پُوز = (بفتح اول) تھوبڑی ؛

پکر = (بفتح اول و دوم) ننگا، بدست

پنتی = (بکسر اول) ہلڑ جھلڑ ؛

پنگی = انیچی ؛

پنیک زدن = اونگھنا ؛

پوزہ = ٹھوری ؛

پُوک = خالی دماغ ؛

پپہ = (بفتح اول) احمق وبیہوش ؛

پیل پیلی رفتن = جھومتے ہوئے چلنا ؛

پیلہ وشیلہ = دغابازی ؛

ت

تاکردن = سازش کرنا ؛

تاراندن = بھگا دینا ؛

تپق = (بضم اول و دوم) تتلانا ؛

تخس = (بضم اول و سکون ثانی) شریر آدمی ؛

ع سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ کے مصنف نے آخری صفحہ پر لفظ پاپتی استعمال کیا ہے جس کے معنی برہنہ پا ہیں مگر بعض استادوں نے اس کے معنی کٹھ پتلی والا لکھے ہیں۔ جو بالکل مہمل اور بے معنی ہیں ؛

تخمہ = (بضم اول) متلی ۔

تزیدن = لڑھکنا ۔

ترکہ = قینچی ۔

تشر = (بفتح اول و دوم) طعنہ ۔ جھڑکی دھکی ۔

تغ ولغ = ٹلّر جھلّڑ ۔

تغالہ = کھوکس ۔

تک = ٹھڑ ۔

تک = تنہا ۔

تک و پوز = تھوڑی ۔

تک و توک = اکا دکّا ۔

تلّان = اینڈتا ہوا ۔

تلوتلوخوردن = (بکسر اول و فتح ثانی) گرتے پڑتے چلنا ۔

توی = اندر ۔

توش = طاقت ۔

توپ زدن = ڈانٹ دینا ۔

توپیدن = ڈانٹ دینا ۔

تیپا = (تہ پا یا تگ پا) لات مارنا ۔

تیلہ = گولی جس سے بچے کھیلتے ہیں ۔

توغولی = گول مٹول ۔

ج

جانخانی = بوری ۔

جخت = (بفتح اول) دوسری چھینک ۔

جر = (بکسر اول) جھونجل ، جھلّانا ۔

جرانداختن = غصہ دلانا ۔

جردادن یا زدن = جھڑجھڑ کرکے پھاڑ دینا ۔

جُلنقی یا جولقی = بھونڈا ۔

جغلہ = (بکسر اول) ٹوٹیاں ، ٹینی ۔

جغور وبغور = الٹ پلٹ ۔

جفنگ = واہیات ، بیہودہ ۔

جلد = چست و چالاک ۔

جلز و ولز = (بکسر اول و تشدید ثانی) چھُن مُن ۔

جُلّت = (بضم اول و تشدید ثانی) بےغیرت ۔

جمبوری یا جمبولی = دخل در معقولات کرنے والا ۔

جنگولک یا جنگورک = منافقانہ کارروائی

جنجال = گڑبڑ ۔

جیر ودیر = سنسناہٹ ۔

جیم شدن = کھسک جانا ۔

ح

حشل = (بفتح اول و دوم) خطرہ ۔

خ

خیت کردن = کسی کو میدان سے بھگا دینا ۔

خیکی در آوردن = عاجز رہ جانا ۔

د

داداش = بھائی ۔

داش = مخفف داداش ۔

داغون شدن = منتشر ہونا ۔ نقصان برداشت کرنا ۔

دبش = (بکسر اول و سکون ثانی) بکسا ۔

دبہ در آوردن = خریدکردہ مال کو واپس کرنے کی دھمکی دینا تاکہ قیمت میں کسی قدر کمی کر دی جائے ۔

دبنگوز = اُجاڑ ۔

دَدَر = (بفتح اول و ثانی) کوچہ ۔

ددہ = (بفتح اول و کسر ثانی) حبشی کنیز ۔

دک شدن = کھسک جانا ۔

دک و پوز = تھوتڑی ۔

دکل = لم ڈھینگ ۔

دگنگ = موٹا ڈنڈا ۔

دلہ = (بفتح اول و کسر ثانی) کھاؤ ۔ بدنیت ۔

دمر = (بفتح اول و دوم) پٹ لیٹنا ۔

دمغ = سادہ لوح و خودپسند ۔

درنج = (بکسر اول) آرام کی جگہ جہاں کوئی مخل نہ ہو ۔

دنگ و فنگ = جہل و پہل ۔

دَوَل دادن = ٹال مٹول کرنا ۔

دیلاق = لم ڈھینگ ۔

ر

راستا حسینی = صاف اور سچی بات ۔

ریغماسی = سکھڑی ۔

ز

زبر و زرنگ = چست و چالاک ۔

زپرتی = بے طاقتی ۔

زرت = طاقت ۔

زل زل نگاہ کردن = ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا ۔

زلم زیمبو = انگڑ کھنگڑ ۔

زو کشیدن = گلی ڈنڈے کے کھیل میں کبڈی کی طرح دم بھرنا ۔

زہ زدن = کندھا ڈال دینا ؛

زہ کشیدن = زخموں میں ٹیس کا پیدا ہونا

زہم = (بضم اول وسکون ثانی) بساہند

س

سدرمہ = (بکسر اول وسکون ثانی) چھچھڑ ؛

سُرومُر = (بضم اول ہردو) گول مٹول ؛

سرتق = (بکسر اول وثالث) ضدی، ہٹی ؛

سِنت = (بکسر اول وسکون ثانی) سخت

سقلمہ = ٹھُڈک ؛

سلآنہ = اینڈتا ہؤا ؛

سمبل کردن = کسی مشکل کام کو انجام دینا

سُک = (بضم اول) پینی یا آر کی طرح نوکدار لکڑی لیکن ایران میں لوہا نہیں لگاتے ؛

سلفدان = اُگالدان ؛

سوت کردن = چھت پر پھینکنا ؛

سوگوروملنگ = مرد کا عورت کو دیکھ کر مست ہو جانا ؛

سولدونی = کثیف اور تاریک جگہ ؛

ش

شتل = نعل (جوئے کی اصطلاح) ؛

شرور = (بکسر اول) بکواس ؛

شل وول = ڈھیلا آدمی ؛

شلاتق = ظلم ؛

شلختہ = پھوہڑ عورت ؛

شلم شوربا = ڈھیلا آدمی ؛

شلنگ = چھلانگ ؛

شلنگ وتختہ = اُچھل کود ؛

شلوغ = گڑبڑ، شہر آشوب ؛

شیرجہ = ڈبکی ؛

ط

طاس = تامڑا، گنجا طبل ؛

طپاندن = ٹھونسنا ؛

ع

عرقہ = مست قلندر ؛

علم شنگہ = اُودھم ؛

غ

غال = وعدہ پورا نہ کرکے کسی کو مصیبت میں ڈالنا ؛

غراب = (فرطو ـــ) اکڑباز خان ؛

غربلیہ = (قرو ـــ) نازونخرہ ۔
غنج = کسی کھانے کی چیز کی طرف طبیعت کا انتہائی مائل ہونا، منہ میں پانی بھر آنا ۔
غتیہ = شوروغل ۔

ف

فر (فروفر) = نازونخرہ ۔
فرِدادن = زلف کو تاب دینا ۔
فرِرتی = دو کوڑی کا آدمی ۔
فکسنی = اُول جلول
فیس = خودنمائی، غرور ۔

ق

قاپیدن = اُچک لینا، جھپٹا مار کے چھین لینا ۔
قاچ = خربوزہ وغیرہ کی قاش ۔
قاطی = ملانا، گھولنا ۔
قایم = سخت، مضبوط مثلاً تہ کیسہ را قایم بدوز ۔
قایم شدن = چھپ جانا ۔
قر = کوٹھے مٹکانا ۔
قروفر = مٹک چٹک ۔
قرزدن = بہکائے جانا، اغوا کرنا ۔
قرت = (قرتی) مٹک چٹک والا ۔
قرمپوف = دیوث و قرمساق ۔
قرمدنگ = " " " ۔
قد = (بضم اول) مغرور ۔
قشقرہ = شوروغل ۔
قل خوردن = لڑھکنا ۔
قُلُپ = پانی کا گھونٹ ۔
قلدر = بدمعاش، مسٹنڈا ۔
قِلقِلک = گدگدی ۔
قورت دادن = نگل جانا ۔
قورت انداختن = اپنی تعریف کرنا ۔
قولہ (قرض و ـــ) قرض و رض (تابع مہمل) ۔
قیپ = پُر، بھرا ہوا، مثلاً۔ قوطی از سیگار قیپ است ۔

ک

کُپ آمدن = انڈوں سے بھری ہوئی مرغی ۔
کپہ = ٹیلا ۔
کرہ شدن = اعضا کا سو جانا ۔

کشیدہ = تھپیڑ ٭

کلافہ شدن = غصہ سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانا ٭

کلک زدن = دھوکا دینا ٭

کلکی = آوارہ ٭

کندوکو = دوڑ دھوپ ٭

کنس = خسیس ٭

کولی = چڈھی چڑھنا ٭

کیس = پیچ و شکن ٭

گ

گس = بکسا ٭

گندلی = گول ٭

گود = گہرا ٭

ل

لاس زدن = عشقبازی کرنا ٭

لُب و لُباب = گول مٹول ٭

لبو = چقندر ٭

لبلبو = کٹی یا گھٹی ہوئی شکر ٭

عبدالباقی عباسی

بابا فرید گنج شکر، شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۸ء)

درین چاہ آویخت مشغول شد .... شیخ (فرید) ہم چنان در چاہ بہ نماز معکوس مشغول شد .... ہم برین جملہ چہل ثبت چہلہ معکوس داشت ... وآن مسجد ہنوز در اوچہ برقرار است ... آن چہ فصاحت وبلاغت بود شیخ (فرید) ضاد بنوعے خواندے کہ ہیچ کس را میسر نشود ... اے نگاہ دار سر خود را از گوے گریبان خود ....

شیخ (فرید) مے فرمود فقیر صابر بر غنی شاکر رجحان دارد زیرا کہ غنی شاکر بر شکر را وعدہ چیست مزید نعمت و فقیر را در صبر بشارت چیست نعمت معیت۔ میان این مرتبہ وآن بہ بیں فرق از کجا تا کجاست ۔

شیخ معین الدین شیخ قطب الدین را گفت کہ بختیار این جوان (شیخ فرید) را چند از مجاہدہ خواہی سوخت۔ چیزے بخشش کن ۔

... شیخ (فرید) درویشے صاحبدل را دید۔ بشناخت۔ بر فور در خانہ آمدہ در خانہ بجز قدرے جوارے چیزے دیگر نبود۔ آنرا خود آش کرد۔ در بر ویزن زد و نانے خود پخت در مسجد جمعہ کہ آن درویش فرود آمدہ بود آورد ۔

اب میں شیخ فرید کے کچھ اقوال بے مثال اردو میں ترجمہ کر کے درج کرتا ہوں۔ تاکہ شیخ سے منسوب پنجابی (ملتانی و لاہوری) کلام کے اردو ترجمہ سے موازنہ ہو سکے :۔

۱ اگر ہے تو بھی غم نہیں۔ اور اگر نہیں تو بھی غم نہ ہونا چاہیئے ۔

۲۔ نامرادی کا دن، مرد کے لئے اس کی شب معراج ہے ۔

۳۔ جس قدر تو رنج اٹھائے گا۔ اسی قدر سروری تجھے نصیب ہوگی۔ راتوں کو جاگ کر یادِ خدا میں مصروف رہنا بہتری لاتا ہے ۔

۴۔ جب فقیر نیا جامہ پہنے تو یوں سمجھے گویا وہ کفن پہنتا ہے ۔

۵۔ جیسا کہ تو ہے خود کو ویسا ہی ظاہر کر ورنہ جیسا تو ہے۔ ویسا تجھے لوگ ظاہر کر دیں گے ۔

۶ اسے دعوے دار تو اس دلیری سے دعوے مت کر کیونکہ معنی کی رُو سے ایک ایک حرف کے تین تین سو جواب ہو سکتے ہیں ۔

[کسی بزرگ نے فرید کے ملفوظات سے پانچ سو کلمات جمع کئے ۔ اس مجموعہ سے ذیل کا انتخاب ہے]

۷۔ خدا تعالٰے سے بنانی چاہیئے کہ اور سب تو ہم سے لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے جب وہ دیتا ہے تو کوئی ہم سے لے نہیں سکتا ۔

۸۔ اپنے سے بھاگنا حق تک پہنچنا سمجھ ۔

۹۔ اپنے تن کی خواہشیں پوری نہ کر۔ کیونکہ اس کی مرادوں اور تمناؤں کی حد نہیں ۔

۱۰۔ نادان کو زندہ نہ سمجھ ۔

۱۱۔ دانا بنا نادان سے حذر کر ۔

۱۲۔ ایسا سچ جو جھوٹ سے ملتا جلتا ہے۔ زبان سے مت کہہ ۔

۱۳۔ جسے کوئی نہ خریدے اُسے مت بیچ ۔

۱۴۔ جاہ و مال کے لئے پریشان نہ ہو اور خود کو خطرے میں نہ ڈال ۔

۱۵۔ ہر کسی کی روٹی دکا دیا مت کھا۔ لیکن سب کو روٹی دے ۔

۱۶۔ موت کو کسی بھی جگہ پر اور کسی بھی وقت میں فراموش نہ کر ۔

۱۷- قیاسی بات منہ سے نہ نکال ؛

۱۸- بلا و مصیبت کو اپنی ہوس کاری کا نتیجہ جان ؛

۱۹- اپنے گناہ کی لاف نہ مار ؛

۲۰- دل کو شیطان کی بازی گاہ نہ بنا ؛

۲۱- اپنے بھیدوں کو ظاہر کرنے سے چھپانا ہی بہتر سمجھ ؛

۲۲- اپنی آرائش و زیبائش میں وقت صرف نہ کر ؛

۲۳- حصول جاہ میں اپنے آپ کو بے قدر نہ ہونے دے ؛

۲۴- کسی عاجز اور نو کیسہ سے قرض نہ لے ؛

۲۵- قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھ ؛

۲۶- جہاں تک ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ کا عادی ہونے سے باز رکھ ؛

۲۷- احسان فراموش نہ بن اور کسی پر اپنا احسان نہ جتا ؛

۲۸- نیکی کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھتا رہ ؛

۲۹- جو تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر ؛

۳۰- اپنی طاقت اور توانائی پر بھروسہ نہ کر ؛

۳۱- شہوت کے وقت اپنے پر دوسرے وقتوں سے زیادہ ضبط رکھ ؛

۳۲- جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو نہ بھول جائیو ؛

۳۳- عدل اور انصاف میں ہی اپنی سچی عزت اور حشمت سمجھ ؛

۳۴- امیری کے دنوں میں بڑی ہمت والا بن ؛

۳۵- مہمانوں سے تکلف نہ برت ؛

۳۶- دانش اور تجربہ کا توشہ جمع کر ؛

۳۷- جب خدا زحمت او مصیبت بھیجے تو اس سے بھاگنے کی کوشش مت کر

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

تنقید و تبصرہ

"تابعین" (سلسلہ دار المصنفین ۵۲) مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۳۸ء +

علامہ شبلی اور ان کے جانشینوں کی تصانیف کا موضوع ایک خاص حقیقت ہے جس کی طرف سطور ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے :-

اسلام روحانیت اور مادیت کے جامع مکمل دستور العمل کا نام ہے۔ صرف روحانیت اسکے یہاں رہبانیت ہے جس کو اس نے "لا رھبانیۃ فی الاسلام" کہہ کر ٹھکرا دیا اور خالص مادیت اس کی نگاہ میں الحاد و زندقہ ہے۔ جس کی تردید میں اس نے علی الاعلان کہا "الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا" غرض اسلام انسانیت کبریٰ کے کامل مکمل دستور العمل کا نام ہے۔ یورپ کی حیات جدیدہ نے مادیت کو اس قدر چمکایا کہ روحانیت اس کے سامنے بعض کم نظر اصحاب کے خیال میں ماند پڑ گئی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے عہد سلف کی یاد کو تازہ کر کے مادیت کے سیلاب کو روکنا چاہا جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں +

اسلام کی بہترین تاریخ اور اس کا اعلیٰ نمونہ صحابہ اور تابعین کا دور ہے۔ ان دوروں سے جس قدر ہمارا انتساب مستحکم ہوگا۔ اسی قدر یورپ کی مادیت کے جراثیم کم اثر کریں گے۔ فاروق ثانی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی زہد و تقوےٰ کو دیکھ کر ایک مادیت پرست نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اس شخص نے اپنے لئے زندگی کو وبال جان بلکہ مرنے سے پہلے جہنم بنا لیا تھا۔ اسی ژولیدہ دماغ انسان کی تردید میں علامہ اقبال مرحوم کو کہنا پڑا ؎

زرمز زندگی بیگانہ تر باد کسے کو عشق را گوید جنون است

زیر تبصرہ کتاب "تابعین" بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ جس میں ایسے چھیانوے (۹۶) اکابر تابعین کے حالات عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ جن سے فقہ مذاہب اربعہ، علم تفسیر اور سلسلہ ہائے تصوف کی بنیادیں پڑیں۔ بالفاظ دیگر جن کے طفیل "علم قانون" اور "علم احسان" بروئے کار آئے۔ ظاہر کی درستی کے لئے علم فقہ (قانون) سے چارہ نہیں اور باطن کی اصلاح کے لئے علم احسان کی ضرورت ہے لائق مؤلف نے ان ہر دو سلسلہ کے اکابر کو بغیر ترتیب طبعی محض حروف تہجی کے لحاظ سے جمع کر کے ہمیں اس دور مادیت میں یہ دکھلایا کہ ایک راہ اس سمت بھی جاتی ہے۔ راہ رو کو چاہیئے کہ وہ ہر دو میں موازنہ کر کے کوئی قدم اٹھائے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب مستند عربی تذکروں سے ماخوذ ہے۔ جن کا حوالہ جابجا کتاب میں مذکور ہے اور یہی اس میں خوبی کی بات ہے۔ مگر طرز بیان الیسا ہے جس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ اردو عبارت کسی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ عبارت میں ایسا نسق اور ایسی روانی پیدا کرنی چاہیئے تھی کہ ترجمہ مستقل چیز نظر آتا۔ جیسے مولینا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی نے "تذکرۃ الحفاظ" کے احساسات کو جمع کر کے "علمائے سلف" لکھی۔ مؤلف نے سہولت فہم اور ضبط مطالب کے لئے ذیلی عنوان بھی قائم کئے ہیں مگر ان میں کسی قسم کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ حالانکہ کسی مؤلف کی تالیف کے حسن و قبح کا اندازہ اس کی ترتیب و عدم ترتیب سے لگایا جاسکتا ہے۔

بہرکیف کتاب اپنے موضوع میں نہایت مفید اور کارآمد مضامین پر مشتمل ہے۔ خوشخط۔ طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ سفید چکنا۔ صفحات ۵۳۸ بقیمت چار روپیہ دارالمصنفین اعظم گڈھ سے مل سکتی ہے۔ (محمد نور الحق)

۱۸ مئی ۱۹۳۸ء

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت مئی ۱۹۳۸ء)

۱۶۱، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۱۷، ۲۳۳، ۲۴۱،
۲۶۵، ۳۷۱، ۳۷۷، ۴۲۸، ۴۳۲، ۴۳۸، ۱۱ :
۷، ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۳۳، ۳۴، ۳۹، ۵۳، ۵۵، ۶۸، ۸۶،
۱۰۳، ۱۰۸، ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۹۲، ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۳۸، ۲۴۶،
۲۵۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۸۷، ۲۹۲، ۳۱۶، ۳۳۱، ۳۵۱،
۳۵۶، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۸۶، ۳۸۷، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۲۸،
۴۲۹، ۱۲ : ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۳۱، ۳۷، ۶۶، ۷۴، ۸۴،
۹۰، ۹۱، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۹ (۹)، ۱۵۸، ۱۶۵،
۱۶۶، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۸، ۲۷۲، ۲۸۷، ۲۹۰،
۲۹۲، ۳۰۹، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۹۸،
۱۳ : ۴، ۸، ۱۱، ۳۵، ۴۷، ۵۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۹۲، ۹۵،
۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۵، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۶۲،
۱۶۸، ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۲۰، ۲۳۲، ۲۴۶، ۲۵۸، ۲۹۰،
۲۹۸، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۶، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۶،
۳۹۲، ۴۰۶، ۴۱۵، ۴۲۳، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۴۶،
۴۶۳، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۸۲، ۵۰۳، ۱۴ :
۹، ۱۵، ۱۸، ۲۲، ۲۵، ۲۹، ۴۴، ۶۹، ۷۷، ۷۹، ۸۰،
۸۱، ۹۴، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۳۶، ۱۴۹، ۱۶۲، ۱۷۱،
۱۷۲، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۰،
۲۱۰، ۲۱۹، ۲۳۳، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۷،
۲۹۱، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۲۴، ۳۵۶، ۳۶۰، ۱۵ :

۳، ۲۱، ۲۲۳، ۳۱، ۳۷، ۴۱، ۴۷، ۵۳، ۶۸، ۸۲، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۴،
۱۵۸، ۱۶۰، ۱۷۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۰،
۲۲۵، ۲۲۷، ۲۶۲، ۲۸۶، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۱۰، ۳۱۷،
۳۲۰، ۳۲۳، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۳، ۳۶۵،
۳۶۷، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۷، ۳۹۲، ۴۰۰،
۴۰۱، ۴۰۹، ۴۲۳، ۴۳۱، ۴۳۳، **۱۶**: ۳۳، ۵۱، ۶۹،
۹۸، ۹۹، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۲،
۱۵۲، ۲۳۸، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۳۰۲، ۳۰۳، **۱۷**:
۳، ۵، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۲۳، ۴۰، ۴۷، ۶۹، ۸۷، ۱۱۰،
۱۱۸، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۰،
۱۷۲، ۱۹۸، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۶۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۲،
۳۰۵، ۳۱۵، ۳۲۴، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۹۹،
۴۰۴، **۱۸**: ۸، ۲۱، ۲۹، ۳۱، ۴۷، ۵۴، ۶۵، ۶۷، ۷۳،
۱۰۱، ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۸۸،
۲۱۷، ۲۲۴، ۲۴۷، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۹۱، **۱۹**: ۲۰،
۳۵، ۶۱، ۶۴، ۷۰، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۷۷، ۱۸۶، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۰۸،
۳۵۲، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۸۱، **۲۰**: ۲۴، ۶۷، ۸۶، ۹۳،
۱۰۱، ۱۶۳، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۳۷، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۶۹،
۲۹۱، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۶، ۳۲۹، ۳۴۷، ۳۵۸؛

م

۱۳۱، ۳: ۲۲۴، ۴: ۱۰۴، ۲۸۳، ۲۹۰، ۵: ۲۳۶، ۶: ۱۲۶،
۱۷۰، (؟)، ۳۶۴، ۷: ۲۴۴، ۲۹۹، ۳۱۶، ۳۶۰، ۸:
۲۲، ۶۷، ۸۱، ۹۴، ۱۲۷، ۳۹۵ (؟)، ۹: ۳۴، ۱۴۷، ۲۱۲،
۱۰: ۱۳۵، ۱۱: ۳۱۸، ۱۲: ۲۲۸، ۱۳: ۵۸، ۳۳۶، ۱۴:
۱۹۰، ۱۹۶، ۳۵۴، ۱۵: ۱۰۶، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۸۴، ۴۱۶،
۱۶: ۳۲، ۱۷: ۱۴۰، ۲۴۹، ۳۱۲، ۱۸: ۱۲، ۱۶۷، ۱۹: ۶۸،
۳۸۰، ۲۰: ۶۵؛

المُتَمَرِّس بن عبد الرحمن الصُّحاری ۳: ۲۰۸؛

مُتَمِّم بن نُوَیْرَة ۱: ۱۶۸، ۲: ۳۷۳، ۳: ۱۴، ۴: ۳۶۵، ۳۶۶، ۵:
۶۰، ۳۸۰، ۶: ۱۸۸، ۳۹۰، ۸: ۳۸۹، ۱۰: ۲، ۵۳، ۱۴۴،
۱۴۵، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۵۹، ۲۹۹، ۳۷۴، ۴۳۵،
۱۱: ۱۲۰، ۲۵۱، ۱۲: ۱۲۶، ۲۷۷، ۱۳: ۱۵۰، ۳۳۲، ۵۰۲،
۱۴: ۳۲۴، ۱۶: ۳۵، ۱۴۱، ۱۴۱، ۱۹۸، ۱۹: ۳۱، ۸۴؛

المتنبی ۹: ۲۵۰، ۱۳: ۳۷؛

المُتَنَخِّل (هو مالک بن عویمر بن عثمان بن حُنَیش) الهذلی ۱:
۲۱۵، ۲۶۳ (؟)، ۲: ۲۳۰، ۲۴۳، ۳۳۰، ۴۳۳، ۳:
۱۳۲، ۲۹۴، ۳۴۱، ۳۶۲، ۳۹۱، ۴۴۵، ۴۸۸، ۵:
۱۱۴، ۱۲۰، ۱۴۴، ۳۱۰، ۶: ۶۵، ۴۱۸، ۷: ۱۰۷، ۱۸۷،
۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۲۱، ۲۶۹، ۲۷۶، ۲۹۱، ۳۸۱، ۸:
۱۸۰، ۱۸۸ (؟)، ۹: ۶۳، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۹،
۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۴۷،

مَقّاس بن عمرو العائذی **۶**: ۲۴۹، **۸**: ۳۱۷، **۱۰**: ۲۰۲، ۲۰۴،
۱۷: ۲۴۸، **۲۰**: ۲۹۳،

ابن مُقبِل (هو تمیم) **۱**: ۳۵، ۷۱، ۷۹، ۸۵، ۱۲۹، ۱۷۷،
۲۰۲، ۲۰۶، ۲۱۶ (؟)، ۲۱۷، ۲۱۸، ۳۶۷، ۴۵۰، ۴۶۸،
۲: ۱۷۴، ۲۳۸، ۲۸۲، ۲۸۹، ۳۱۲، ۳۷۴، ۳۸۶،
۴۰۹، **۳**: ۴۵، ۶۳، ۸۱، ۸۵، ۸۷، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۴،
۱۳۳، ۱۵۰، ۱۷۰، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۳۷، ۲۴۷، ۲۴۸،
۲۷۴، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۰، ۳۳۹، ۳۴۰،
۳۵۷، ۳۶۷، ۳۷۹، ۳۹۳، ۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۲۱،
۴۲۸، ۴۳۸، ۴۴۷، ۴۵۶، ۴۷۱، ۴۸۱، ۴۹۵، **۴**:
۹۰، ۱۶۵، ۱۷۰، ۲۳۸، ۲۶۴، ۲۷۱، ۲۹۱، ۲۹۹ (؟)،
۳۱۱، ۳۷۱، ۳۷۳، ۴۱۹، ۴۸۰، ۴۸۱، **۵**:
۱۴، ۲۱، ۶۴، ۷۴، ۸۵، ۹۴، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۲۲،
۱۵۰، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۹، ۲۰۶، ۲۴۷، ۲۲۹، ۳۴۷،
۳۵۳، ۳۶۲، ۳۷۲، ۳۸۳، ۳۸۶، ۴۰۸، ۴۱۹،
۶: ۳۳، ۹۰، ۹۴، ۱۱۸، ۱۵۵، ۱۶۸، ۱۸۰، ۲۰۰، ۲۱۷،
۲۹۷، ۳۴۹، ۳۷۲، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۴، ۴۷۰، **۷**:
۷۹، ۸۸، ۱۰۳، ۱۴۹، ۱۶۳، ۱۷۷، ۱۹۲، ۲۳۲، ۲۷۱،
۲۷۲، ۲۷۴، ۲۹۸، ۳۱۴، ۳۲۳، ۳۷۱، ۳۸۷،
۳۹۷، ۴۰۱، ۴۲۸، **۸**: ۱۸، ۴۳، ۶۵، ۱۴۳، ۱۷۲،
۱۸۴، ۲۳۸، ۳۴۷، ۳۶۱، ۳۷۵، ۳۸۸، ۴۰۲، **۹**:

۲۴، ۳۷، ۴۳، ۴۹، ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۹، ۱۸۴،
۲۰۱، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۹۰، ۳۹۲، ۴۰۰، ۴۲۲، ۴۳۸،
۴۸۰، ۴۸۳، ۱۰: ۱۲، ۸۰، ۱۲۹، ۱۳۶، ۱۵۸، ۱۶۱،
۱۹۵، ۲۰۰، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۲۹، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۷۹،
۲۸۰، ۴۲۱، ۴۳۶، ۴۵۰، ۱۱: ۶۴، ۶۵، ۷۷، ۸۵،
۱۰۱، ۱۳۷، ۱۵۸، ۱۸۵، ۲۱۳، ۲۷۸، ۳۱۵ (؟)،
۳۸۲، ۳۸۴، ۴۰۲، ۴۲۶، ۱۲: ۲۲، ۵۲، ۶۷، ۱،
۱۱۰، ۲۰۶، ۲۴۳، ۲۴۶، ۳۰۱، ۳۳۸، ۳۵۳، ۳۶۷،
۳۹۰، ۱۳: ۷۵، ۹۸، ۱۱۶، ۱۲۰، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۷،
۲۷۰، ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۸، ۳۸۲،
۳۹۲، ۴۰۶، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۲۴، ۴۹۰، ۴۹۵، ۵۱۱، ۱۴:
۴۴، ۴۷، ۴۸، ۶۳، ۶۸، ۹۵ (؟)، ۱۵۳، ۱۶۹، ۱۹۰، ۲۱۰،
۲۱۴، ۲۲۵، ۲۶۰، ۲۶۹، ۳۷۳، ۱۵: ۱۷، ۲۶، ۵۹، ۹۰،
۱۰۴، ۱۱۰، ۱۷۶، ۱۹۱، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۴۲، ۲۶۲، ۲۶۵،
۲۶۹، ۳۱۶، ۳۳۸، ۳۶۶، ۴۱۲، ۴۳۱، ۱۶: ۱۲، ۲۵،
۸۴، ۱۵۷، ۱۵۸، ۲۱۸، ۲۴۴، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۸، ۱۷:
۳۲، ۳۹، ۶۵، ۶۸، ۹۲، ۱۰۲، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۵۲، ۱۶۴،
۱۶۵، ۱۸۲، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۲، ۲۴۱، ۲۹۸، ۳۵۷،
۳۸۵، ۴۰۱، ۴۶۱، ۱۸: ۵۲، ۱۱۸، ۱۵۰، ۱۸۰، ۲۴۷، ۱۹:
۷، ۱۲، ۳۳، ۵۶، ۸۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲، ۱۲۸، ۱۳۴،
۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۱، ۲۳۸، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۰۷، ۳۳۸،

مَیمون بن حَفص (ابو تَوبة) **۱۳**: ۴۸۰؛

ابو میمون العجلی (هو النَّضر بن سَلَمَة) ۱۰: ۳۷۳، **۱۵**: ۱۹۰، ۳۸۳، **۲۰**: ۲۱۵؛

ن

نائلة بنت الفُرافِصة بن الاحوص الکلبیّة (زوج عثمانؓ) ۱: ۲۷۹ (؟)؛

النابغة الجَعدی (هو قیس بن عبدالله ابو لیلی) ۱: ۳۶، ۱۰۱، ۱۱۵، ۲۱۸، ۲۶۴، ۳۱۹، ۴۰۰، ۴۵۸، ۴۷۹، ۴۸۳، ۴۸۵، **۲**: ۲۰، ۴۵، ۷۳، ۷۴، ۷۹، ۱۹۳، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۷۸، ۲۹۲، ۳۳۵، ۴۲۰، **۳**: ۸۴، ۷۲، ۱، ۱۹۵، ۲۱۳، ۲۲۹، ۲۷۸، ۳۶۸، ۳۸۶، ۴۲۸، ۴۷۱، **۴**: ۶۳، ۱۲۹، ۱۴۰، ۱۴۵، ۲۱۷، ۲۳۵، ۳۲۰، ۴۳۳، ۴۸۵، **۵**: ۱۱، ۱۷۴، ۲۱۳، ۲۴۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۴۴، ۳۷۲، ۳۸۶، ۳۹۷، ۴۱۳، ۴۱۸، **۶**: ۶۹، ۷۱، ۱۵۷، ۲۰۲، ۲۳۹، ۴۰۳، ۴۳۴، ۴۵۰، **۷**: ۱۵۲، ۱۹۵، ۲۶۰، ۲۶۴، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۶۴، ۳۶۸، ۴۰۲، ۴۱۹، **۸**: ۶۲، ۷۲، ۸۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۶، ۱۳۴، ۱۵۳، ۱۶۵، ۱۹۵، ۲۲۰، ۲۴۸، ۲۸۰، ۳۰۷، ۳۸۱، ۴۰۸، **۹**: ۱۵، ۶۲، ۷۸، ۱۴۰، ۱۵۷، ۱۷۹، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۵۵، ۳۴۰، ۳۵۵، ۴۴۵، ۴۵۴، ۴۶۸، **۱۰**: ۱۳۵، ۱۵۷ (؟)، ۳۰۷، ۳۹۰، ۴۲۷، ۴۴۳، **۱۱**: ۲۳، ۸۳،

١٠١، ١١٥، ١٨٥، ٢٣٤، ٢٤٠، ٢٥٠، ٢٧٧، ٢٨٧، ٢٨٨،
٢٩٣، ٣٥٠، ٣٨٦، **١٢**: ٧٢، ٧٩، ١٣٢، ١٤٠، ٢١١، ٢٢٤،
٢٣٩، ٢٧٨، ٣٣٤، **١٣**: ٢٢، ٣٦، ٣٧، ٣٨، ٤١، ٥٧، ٦٤،
٧٩، ١٠٩، ١٣٥، ١٤٠، ١٥٢، ١٥٥، ١٩١، ٢٠٧، ٢٣٠، ٢٥٢،
٢٨٨، ٢٩٣، ٣١١، ٣١٧، ٣٥٤، ٣٧١، ٣٨٦، ٤٠٥، ٤١٢،
٤٤١، ٤٩٠، ٥٠٤، **١٤**: ٤٦، ٥٩، ١٠٤، ١١٥، ١١٨، ٢٤٠، ٢٥٩،
٢٦١، ٢٦٥، ٣٥٦، **١٥**: ٧، ٥٦، ١٣٩، ٢٠٥، ٢٢٨، ٢٤١،
٢٦٧، ٢٧٦، ٢٧٨، ٢٩٠، ٣٢٠، ٣٢٨، ٣٦٣، ٣٨٤،
١٦: ٨٩، ٩١، ٩٧، ٢٠١، ٣٠١، **١٧**: ١٠، ٢١، ٤٣، ٥١، ٥٢،
١٢٠، ١٣٣، ١٦٥، ١٦٦، ١٦٩، ١٩٧، ٢١١، ٢٩١، ٣٠٤، ٣٣٥،
٣٤٥، ٣٥٤، **١٨**: ١٨، ٤١، ٧٦، ٧٨، ١١٧، ١٣٩، ٢٥٢،
٢٦٢، ٢٦٤، **١٩**: ٧٩، ٩٥، ١٣١، ١٣٩، ١٨٣، ٢٠٨ (؟)،
٢١٠، ٢١٨، ٢٥٥، ٢٧٩، ٢٨٠، ٣٤٠، ٣٧٢، **٢٠**: ٢٦،
٣٦، ٣٩، ١٤٧، ١٨٤، ١٨٦ (؟)، ٢١٦، ٢٢٢، ٢٢٨، ٢٤٠،
٢٦٠، ٢٩٠، ٣٥٢؛

النابغة (الذبياني) **١**: ٤٨، ١٩٠، ١٩٥، ٢٠٨، ٢٥٤، ٢٨٨، ٢٨٩
٣٠٤، ٣١٥، ٣٢٣، ٣٢٩، ٣٣٢، ٣٦٧، ٣٦٨، ٤٤٣،
٢: ٤٩، ٥٠، ٦٩، ٨٧، ٩٦، ١١٥، ١٣٢، ١٦٦، ١٩٧، ٢٢٤،
٢٣٤، ٢٥٥، ٣١٥، ٣٥٦، ٣٦٠، ٤٠٢، ٤٤١، ٤٦٢،
٤٦٦، **٣**: ٣٨، ٩٠، ١٢١، ٢٧٩، ٣٢١، ٣٣٣، ٣٤٥،
٣٩٠، ٣٩٧، ٤٠٠، ٤٥٥، ٤٥٦، ٤٨٦، **٤**: ٤٠، ٥٦، ٥٩،

۹۴، ۹۹، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۸۶، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۴۴، ۲۵۳،
۲۵۴، ۲۶۷، ۲۷۴، ۲۸۲، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۱،
۲۹۷، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۱، ۳۵۴،
۳۶۲، ۳۹۰، ۴۰۸، ۴۲۸، ۴۳۳، ۴۶۴، ۴۶۷، ۴۶۹،
۵: ۱۵، ۲۲، ۲۵، ۴۵، ۵۹، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۳۶، ۱۵۷، ۱۷۴،
۲۰۲، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۹۵، ۳۰۴، ۳۲۰، ۳۷۷، ۴۲۳،
۴۲۷، **۶:** ۱۲، ۳۷، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۸۱، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۳،
۱۳۳، ۱۶۵، ۱۷۸، ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۱۹، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۵،
۲۵۱، ۳۰۴، ۳۴۷، ۳۵۳، ۴۰۰، ۴۵۲، **۷:** ۱۸، ۵۵،
۵۶، ۹۵، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۶، ۱۹۷، ۲۰۸، ۳۱۲، ۳۶۳،
۳۷۷، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۱۹، **۸:** ۴۹، ۱۳۴، ۱۵۱، ۱۶۲،
۱۸۰، ۱۹۵، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۷، ۳۶۴،
۹: ۳، ۱۹، ۲۹، ۳۳، ۶۰، ۷۱، ۸۷، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۹، ۲۰۰،
۲۹۷، ۳۸۶، ۳۹۱، ۴۲۴، ۴۵۳، ۴۶۲، ۴۸۹، **۱۰:** ۴۳،
۵۰، ۷۵، ۹۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۸۳، ۱۹۰، ۲۰۸،
۲۱۲، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۷۰، ۳۳۶، ۳۴۵، ۳۷۳، ۴۰۸،
۴۱۷، ۴۲۴، ۴۳۰، **۱۱:** ۴۴، ۸۰، ۹۳، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۲۷،
۲۴۵، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۴۹، ۳۸۳، **۱۲:** ۲۹، ۵۳، ۶۴، ۸۱،
۱۰۱، ۱۲۸، ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۶۹،
۳۲۴، ۳۳۰، ۳۵۷، ۳۸۰، ۳۸۷، **۱۳:** ۱۳، ۱۶، ۲۷، ۳۷،
۳۹، ۵۴، ۷۵، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۷، ۱۹۹،

۳۱۰، ۳۳۸، ۳۷۸، ۶: ۵۰، ۸۶، ۱۲۴،
۱۹۸، ۲۲۵، ۲۵۷، ۳۰۳، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۹۹،
۴۰۴، ۴۱۹، ۴۵۷، ۷: ۱۲۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۷۰،
۱۷۹، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۹۳، ۸:
۲، ۶۰، ۱۰۶، ۱۴۳، ۱۶۹، ۲۶۱، ۲۷۲، ۲۹۹،
۳۰۵، ۳۲۵، ۳۳۳، ۳۷۳، ۳۸۲، ۹: ۶۴،
۶۵، ۸۸، ۱۰۱، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۵۸، ۱۷۹، ۲۰۸،
۲۲۶، ۲۳۵، ۲۹۳، ۳۰۱، ۴۲۱، ۱۰: ۶۷،
۷۴، ۱۲۱، ۱۷۷، ۱۹۰، ۲۳۳، ۲۴۹، ۳۲۸،
۳۵۶، ۳۹۷، ۴۰۹، ۴۲۵، ۱۱: ۱۰، ۱۷۴، ۲۴۰،
۲۵۵، ۲۵۹، ۲۸۶، ۳۱۷، ۳۸۱، ۳۹۴، ۳۹۶،
۱۲ ۱۸، ۱۹، ۲۷، ۶۹، ۱۲۵، ۱۴۷، ۱۵۷، ۲۶۵،
۲۹۶، ۱۳: ۱۱، ۱۳، ۴۵، ۵۰، ۶۴، ۶۵، ۸۶، ۱۰۷،
۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۴، ۱۸۵،
۲۰۷، ۲۱۳، ۲۳۸، ۲۸۹، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۳،
۳۲۱، ۳۸۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۰۴، ۴۲۳، ۴۵۰،
۴۶۲، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۷۵، ۵۰۲، ۵۰۶، ۱۴:
۴، ۳۳، ۴۹، ۵۰، ۷۳، ۷۶، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۰
۱۴۰، ۱۴۹، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۹۳،
۲۰۹، ۲۱۳، ۲۲۳، ۲۵۵، ۱۵: ۷۰، ۷۷، ۸۶،
۱۲۵، ۱۵۳، ۱۶۹، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۹، ۲۸۶،

۲۹۲، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۳۷، ۳۷۲، ۴۰۹، ۱۶:
۲۴، ۸۸، ۱۳۳، ۲۵۳، ۱۷: ۱۸۱، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۱۳،
۳۵۳، ۳۸۱، ۴۶۲، ۱۸: ۳۳، ۴۰، ۴۶، ۱۵۴،
۲۰۷، ۲۶۹، ۱۹: ۳۶۳ (بجائے ابو النجم یہاں پریس کی
غلطی سے ابو النجلہ مرقوم ہے، یعنی حرف میم الٹی لگی ہوئی ہے)،
۶۴، ۸۲، ۱۱۶، ۱۶۶، ۲۰۶، ۲۴۲، ۲۹۲، ۳۱۶،
۲۰: ۱۷، ۱۸، ۲۶، ۳۸، ۲۰۲، ۲۱۵، ۲۲۴،
۲۴۷، ۲۶۰، ۲۶۳، ۳۳۲، ۳۶۱؛

النحّاس (کذا) ۸: ۱۱۲؛ (تاج العروس (۴: ۲۵۵) میں یہی شعر لبید کی
جانب منسوب ہے)

ابو نَخلةَ ۱: ۲۷۹؛

ابو نُخَیلة السَّعْدی ۱: ۴، ۷، ۲: ۱۵۰، ۳۰۷، ۳۳۷، ۳:
۱۹، ۱۶۱، ۴: ۴۶، ۱۷۸، ۳۲۰، ۵: ۲۷، ۶:
۹۲، ۲۸۲، ۴۷۰، ۷: ۶۵، ۷۴، ۸: ۲۱۱، ۹: ۱۰۹،
۱۱۳، ۱۱: ۲۲، ۳۱، ۵۸، ۱۶۴، ۳۹۳، ۱۲:
۱۸۳، ۲۹۸، ۱۳: ۶۵، ۴۰۱، ۴۷۰، ۱۴: ۲۸۶،
۱۵: ۶۲، ۲۰۲، ۲۳۴، ۳۱۷، ۳۳۷، ۱۷:
۱۶۱، ۳۹۰، ۴۴۸، ۴۵۸، ۱۸: ۷۱، ۱۹۳،
۱۹: ۲۲، ۳۵۸، ۲۰: ۳۲، ۴۲، ۱۵۳، ۲۰۹،
۲۱۳، ۲۲۷؛

نصر بن حجاج ۱۷: ۲۴۸؛

ہ

الهداس ۱۱: ۳۸۳ (؟)؛
هُدْبَة بن الخَشْرَم ۱: ۲۸۷، ۲: ۲۹۳، ۵: ۳۱۴، ۶:
۳۸۲، ۹: ۱۸۸، ۳۶۸، ۳۸۲، ۱۰: ۱۷۲، ۲۳۰،
۳۹۱، ۱۲: ۲۵۷، ۱۳: ۲۶۳، ۱۴: ۴۳، ۷۲،
۹۳، ۱۵: ۳۴، ۳۵۴، ۳۹۹، ۳۰: ۳۲؛
الهُذَلی ۱: ۳۶، ۶۹، ۱۷۴، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۵۱، ۳۲۷،
۳۸۱، ۲۰، ۴۰، ۴۶۵، ۴۸۶، ۲: ۴، ۹، ۲۵، ۴۵،
۲۳۷، ۲۸۳، ۳۲۱، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳: ۹، ۱۴،
۳۶، ۶۰، ۶۹، ۱۳۱، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۸۸، ۲۳۵،
۲۴۱، ۲۵۷، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۹۵، ۳۴۰،
۳۵۷، ۳۷۷، ۴: ۸۲، ۸۷، ۱۵۹، ۲۳۲،
۲۴۵، ۲۷۵، ۲۸۵، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۴۶، ۴۳۷،
۴۶۱، ۵: ۸۳، ۱۸۷، ۲۱۰، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۷۱،
۳۴۶، ۴۰۸، ۴۱۲، ۶: ۲۰۶، ۲۷۳، ۲۸۸،
۳۲۱، ۳۸۴، ۴۳۷، ۷: ۹۰، ۱۳۰، ۱۷۵،
۳۱۵، ۳۱۶، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۶۶، ۳۸۷،
۸: ۳، ۱۱، ۴۱، ۵۱، ۱۳۸، ۱۷۳، ۱۸۸ (؟)، ۲۸۹،
۹: ۳، ۷، ۸۷، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۴۸، ۱۷۷، ۱۸۰، ۲۰۶،
۲۳۷، ۲۵۵، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۷، ۲۸۸،
۳۰۵، ۳۳۹، ۳۹۷، ۴۸۶، ۱۰: ۲۶، ۱۲۲،
۱۴۰، ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۵۵، ۲۸۸، ۳۹۰، ۴۴۴،

و

۲۴۴، ۲۸۸، ۳۱۵، ۴۴۶، ۱۱: ۱۰، ۲۹، ۴۱، ۱۵۱، ۱۵۶، ۲۸۵، ۳۳۱، ۳۵۰، ۱۲: ۱۲۸، ۲۲۲، ۲۳۸، ۳۴۰، ۳۷۶، ۳۸۳، ۳۸۶، ۱۳: ۴۱، ۳۰۹، ۳۷۷، ۳۹۰، ۴۰۷، ۵۱۰، ۱۴: ۱۴، ۱۹، ۱۰۶، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۵۵، ۲۱۵ (؟)، ۲۵۷، ۳۶۳، ۳۷۴، ۱۵: ۷۴، ۸۲، ۱۳۶، ۱۳۹، ۲۷۳، ۲۸۹، ۲۹۲، ۳۲۷، ۳۸۵، ۳۹۰، ۱۶: ۷۳، ۱۰۴، ۱۳۴، ۱۸۷، ۲۹۱، ۱۷: ۲۰، ۲۶۳، ۳۰۲، ۱۸: ۲۷۰، ۱۹: ۱۰۶، ۲۷۹، ۳۴۲، ۳۷۰، ۳۸۰، ۲۰: ۵۱، ۱۱۵، ۲۲۸، ۳۶۱؛

ابن وداعۃ الھُذَلیؔ ۹: ۳؛

وَدّاک بن ثُمَیْلٍ ۹: ۳۷۸؛ (اصل میں ثمیل کے حرفِ اول پہ کوئی نقطہ نہیں ہے، مگر خزانۃ الادب اور تاج العروس میں حرفِ اول ث مرقوم ہے)۔

ابوالوَرْدِ الجعدی ۱۴: ۲۰۳، ۱۵: ۱۵۵ ۱۶: ۱۴؛

وَرْقاء بن زھیر ۶: ۱۹۸؛

ورقۃ بن نوفل ۴: ۱۰۵ (؟)، ۹: ۳۹۵؛

الوَرَک الطائی ۱۰: ۲۵؛

وَسِیْم بن طارق ۱۵: ۸ (؟)؛

وُشَیْم بن طارق ۲: ۴۰۴ (؟)؛ (یہی شعر وسیم بن طارق کی جانب منسوب ہے)۔

ی

تمام شد

استدراکات

فہرست اسماء الشعراء لسان العرب میں مندرجہ ذیل حوالہ جات کا اضافہ فرمالیا جائے :-

الاحوص ۱۲ : ۱۸۲ ،

الاخضر بن هبيرة ۱۵ : ۹۷ ،

الاشتر النخعی ۱۵ : ۴۰ (؟) ،

الاعشیٰ ۱۵ : ۶۹ ،

الحطم القیسی ۱۱ : ۳۷۰ (؟) ، [یہی شعر ۱۲ : ۳۲ پر الخطم القیسی کی جانب منسوب ہے ، دونوں نام مشابہ ہیں]

الحنفیة ۱۱ : ۳۳۲ (؟) ؛ (حنظلة بن مصبح کے بعد لکھیں)

خِرنق ۱۱ : ۳۳۲ (؟) ،

ابو دُجانة سماك بن خَرشة ۱۴ : ۱۲۷ (؟) ، (الدبیری کے بعد لکھیں) ؛

رؤبة ۱۲ : ۲۶۰ ،

رَیّان بن عنترة المغنی ۱۴ : ۸۹ (؟) ، (ریّان بن حُوَیص کے بعد لکھیں) ؛

الزفیان ۱۱ : ۳۴۴ ،

سماك بن خَرشة ـــــ ملاحظہ ہو ابو دُجانة (ابن سماعة الذهلی کے بعد لکھیں) ؛

شافع اللیثی **۱۴** : ۲۷۱ ، (شاس بن نہار کے بعد لکھیں) ،

شقیق بن جزء بن ریاح الباھلی **۱۲** : ۲۰۱ (؟) ، (شُفران اسلامی کے بعد لکھنا چاہیئے) ،

عائذ بن سعد العَنْبری **۱۵** : ۲۴۷ ، (فہرست ہذا ص۹۴ دوسری سطر کے بعد لکھیں) ،

عدی بن زید **۱۵** : ۳۸۸ ،

عمر بن ابی ربیعۃ **۱۶** : ۶ (؟) ،

عوف بن الخرع **۱۱** : ۳۵۰ (؟) ،

الفرزدق **۱۲** : ۲۸۷ ،

اللعین المنقری **۱۴** : ۱۶۵ ،

فہرست اسماء شعرا ص۸۲ سطر ۱۰ ، ۲۷۵ ، ۱۲۱ ، کی بجائے ۷۵ ، ۱۱۱ ، پڑھنا چاہیئے ،

عبدالقیوم

---

5. Analytical Indices of the Kitab al-Ikd al-Farid of Ahmad B. Muhammad B. 'Abd Rabbihi (based on the Cairo edn. A H. 1321). Prepared by Principal Mohammad Shafi M. A., Panjab University Oriental College, Lahore.

Index I – Names of Poets cited in the work.

Index II — Ryhmes.

Index III — Names of Persons, Tribes etc

Index IV – Names of Places.

With a conspectus of the pagination of the contents in the various editions of the 'Ikd. Vol. I. Size 22x29/8. Pages lxxiii + 1044. Printed at the Baptist Mission Press, Calcutta, 1935. Price: Rs. 26-0-0. Vol. II Printed at the same Press in 1937 Pages xxiv + 212 Size 22x29/8 Price Rs. 6-8-0

6. Life and Works of Amir Khusrau by Dr. Mohammad Wahid Mirza M. A. (Panjab), Ph. D. (London), Professor of Arabic in the Lucknow University. Pages VI + 262 Size 20x26/8. Printed in 1935. Price Rs. 4-0-0 or 6 Shillings.

Under Preparation.

Letters of Rashid ud-Din Fadlullah. Persian text and abridged translation, by Principal Mohammad Shafi M.A. (Cantab.)

Please apply to the Sale Agents :—

1. Messrs. LUZAC & Co.
46, Great Russell Street,
LONDON, W.C.I.

2. Messrs. MOTILAL BANARSI DASS
Oriental Booksellers,
Saidmitha, LAHORE.

PANJAB UNIVERSITY ORIENTAL PUBLICATIONS.

ARABIC, PERSIAN, AND URDU SECTION

---

1. **Iqlid al-Khizana** or Index of the titles of works referred to or quoted by 'Abdul Qadir al-Baghdadi in his **Khizanat al-Adab.** Prepared by M. 'Abd-al-'Aziz Maiman, Lecturer in the Muslim University, Aligarh. Printed in Lahore, 1927. Pp. 19+130. Size 20x26. Price :
8
paper cover, Rs. 1-0-6, bound 1-5-0.

2. **Majmua-i-Naghz** or the **Tadhkira-i-Shuara-i-Urdu** (in Persian) by Mir Qudratullah Qasim. Edited by H. M. Shairani, Lecturer in Urdu in the Panjab University, from the author's autograph copy. Two volumes in one. Lithographed. Printed in 1933. Pp. 47+456. Size 20x30. Price : unbound Rs. 3-6-0. bound, Rs. 3-12-0.
8

3. **Tatimmat Siwan al-Hikma** or **Akhbar al-Hukama'** of **'Ali b. Zaid al-Baihaqi** (d. 565 A. H.). Arabic Text and the Persian version with copious notes and full indices. Edited by Principal Mohammad Shafi, M. A. (Cantab), Panjab University Oriental College, Lahore, from Berlin, Istambol and Lahore Mss. Printed in Lahore. 1935. (in 2 pts) Pp. 17+359 and 134. Size 20x26. Price Rs. 6-12-0. Part 3
8
(Introduction) still to appear.

4. **Akhbar al-Dawlat al-Saljukiya** also known as Zubdat al-Tawarikh. Edited by Dr. Mohammad Iqbal M.A., Ph. D (Cantab), Professor of Persian, Panjab University. The text is based on the unique copy in the British Museum Printed in Lahore, 1933. Pages viii+228. Size 20x26. Price: cloth bound Rs 4-5-0; paper cover Rs. 3-12-0.
8

اگست ۱۹۳۸ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

نوٹ: ضمیمہ صرف عربک پرشین سوسائٹی کے ممبروں میں تقسیم ہوتا ہے

فہرست مضامین

ضمیمہ اگست ۱۹۳۸ء

نوٹ

یہ مقالہ ایک مستقل تصنیف "سیرت عضد الدولہ" کا اجمالی خاکہ ہے ۔
اس مقالہ میں حتی الامکان تفصیلات میں جانے سے احتراز کیا گیا ہے
تمام مفصل حالات اصل کتاب میں موجود ہیں جو امید ہے کہ کسی وقت ناظرین
کے سامنے پیش کی جا سکے گی ۔

عمر احمد عثمانی

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

عضد الدولہ دیلمی

دیباچہ | یہ مقالہ چوتھی صدی ہجری سے متعلق ہے۔ جبکہ خلافتِ عباسیہ اپنے انتہائی ضعف و اضمحلال کو پہنچ چکی تھی۔ وہ ایک وظیفہ خوار خلیفہ اور صرف مذہبی رئیس کی حیثیت سے قابلِ احترام ضرور تھے۔ مگر حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔

بنو بویہ سے پہلے بغداد اور اس کے آس پاس کے معدودے چند شہروں پر بنو عباس کا قبضہ تھا۔ وہ بھی اس لئے نہیں کہ یہاں کچھ قابلِ قدر استحکامات تھے۔ بلکہ خلفاء کا مذہبی احترام لوگوں کو اس علاقہ پر تاخت و تاراج کرنے سے مانع تھا۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز میں یہ پردہ بھی بنو بویہ کے ہاتوں چاک ہو گیا۔

ابتداءً بنو عباس کا رسوخ و غلبہ خود آپ ہی اپنی نظیر تھا مگر ہر کمالے را زوالے ان خلفاء پر ایک وقت وہ بھی آیا۔ جبکہ وہ اپنا پیٹ پالنے اور تن ڈھانپنے کے لئے دوسروں کے دست نگر تھے۔ اس دوسرے دور کا آغاز اسی زمانہ سے ہوتا ہے جبکہ بنی بویہ نے بغداد و حوالی بغداد پر بھی اپنا پرچم لہرا دیا۔ بنو بویہ ایک دیلمی شخص ابو شجاع بویہ نامی کی اولاد سے ہیں۔ جو ابتداءً نہایت تنگدستی اور عسرت کے ساتھ بسر اوقات کرتے تھے۔ کھانے پہننے کو روٹی کپڑا تک بمشکل میسر آتا تھا۔ مگر ؎

خدا کی دین کا موسےؑ سے پوچھیئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ سلطنتوں کے بانی اور حکومتوں کے بادشاہ تھے۔ یوں تو اس خاندان کا ہر فرد بجائے خود شجاعت اور بہادری کا پتلا۔ تدبّر و سیاست کا مخزن تھا۔ مگر ان میں بھی جو خصوصی امتیاز عضد الدولہ کے حصہ میں آیا۔

وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکا۔ چنانچہ یہی عضد الدولہ اس تالیف کا ہیرو ہے ؛

عضد الدولہ کے خاندانی تعلقات عضد الدولہ سلاطین دیلم میں سے ایک بادشاہ ہے۔ یہ رکن الدولہ کا جو بلاد جبل اور رے پر حکمران تھا بڑا لڑکا اور عماد الدولہ شاہِ فارس اور معز الدولہ شاہ عراق کا بھتیجا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر عز الدولہ بختیار ابن معز الدولہ شاہ عراق کا چچازاد بھائی ہے ؛

نام و نسب و ولادت فنا خسرو نام۔ ابو شجاع کنیت۔ عضد الدولہ اور تاج الملۃ لقب۔ باپ کا نام ابو علی حسن رکن الدولہ تھا ؛

سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:- فنا خسرو، ابن حسن، ابن ابی شجاع بویہ بن فنا خسرو، ابن تمام، بن کوہی، بن شیرزیل الاصغر، بن شیرکوہ، بن شیرزیل الاکبر، ابن شیران شاہ، بن شیر فنہ، بن ششتان شاہ، بن سسن فرو، بن شروذیل، ابن سنان، بن بہرام گور، بن یزدگرد، بن ہرمز کرمانشاہ، بن شاپور شہنشاہ ؛

بیرونی کا بیان ہے کہ یہ نسب بعد تحصیل سلطنت کے ظاہر ہؤا ورنہ پہلے نہ ان لوگوں میں حفاظت نسب کا خیال تھا اور نہ ہی ان کا کوئی نسب مشہور تھا ؛

کسی مورخ نے عضد الدولہ کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابن خلکان نے اتنا لکھا ہے۔ کہ عضد الدولہ کا انتقال سینتالیس سال۔ گیارہ ماہ۔ تین روز کی عمر میں ۸ شوال ۳۷۲ھ کو ہؤا۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالباً اس کی پیدائش ۵ ذیقعدہ ۳۲۴ھ کو ہوئی ہوگی ؛

عماد الدولہ اور فنا خسرو عماد الدولہ علی بن بویہ (حکمران فارس) نے بقضاء الٰہی ۳۳۸ھ میں بمقام اصطخر انتقال کیا۔ وہ چونکہ لاولد تھا اس لئے اپنے بھتیجے فنا خسرو ابن رکن الدولہ کو اپنا جانشین بنا گیا۔ جو عضد الدولہ کے لقب سے مشہور ہؤا۔ ۳۳۶ھ کے بعد جبکہ فارس میں عماد الدولہ کا اور عراق عرب میں

معز الدولہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ دولت بویہیہ کی حسب ذیل شکل تھی :۔

امیر الامراء رکن الدولہ ——— بلادِ جبل و رَے پر

عضد الدولہ فنا خسرو بن رکن الدولہ ——— بلادِ فارس پر

عز الدولہ بختیار ابن معز الدولہ ——— بلادِ عراق پر

عضد الدولہ کی تعلیم و تربیت

اس کی فوجی قابلیت کے متعلق تو کچھ کہنا ہی لاحاصل ہے اس کی روزافزوں فتوحات اس کی اولوالعزمی اور بہادری کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ مگر عضد الدولہ کی علمی تربیت کے متعلق کسی مورّخ نے کچھ بیان نہیں کیا۔ تاہم منتشر طور پر جو کچھ ثبوت مل سکا ہے اس کے پیش نظر بڑی آسانی سے یہ دعوے کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی علمی تربیت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی تھی۔ مثلاً عضد الدولہ کا وہ خط جو اس نے افتکین والیِ دمشق کو ان الفاظ میں لکھا :۔

قد غرك عزك فصار	تجھے تیری قوت اور غلبہ نے غرور میں ڈالدیا ہے چنانچہ وہ
قصار ذلك ذلك فاخش	ناتوانی سے بدل گئی یہی بات تیری کمزوری کی ہے۔ تو
فاحش فعلك فعلك	اپنے شرمناک فعل سے ڈرتا رہ کہیں اس کی وجہ سے
بهذا تهدا	تو منہ کے بل نہ گر پڑے ؛

اگر نقطوں کا فرق نظر انداز کر دیا جائے تو اس تحریر کے ہر دو حرف قطعاً ہم شکل ہیں۔ جو بدون خاص غور و خوض کے ممتاز نہیں ہو سکتے۔ نیز بدون خاص اہلیت و قابلیت کے لکھے بھی نہیں جا سکتے۔ یا اُس کے وہ اشعار جو مختلف مورخین نے نقل کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں :۔

لیس شرب الكاس الا فی المطر   وغناء من جوار فی السحر

(شراب نوشی کا لطف بارش ہی میں ہے جو علی الصباح حسین و جمیل باندیوں کے گانے کے ہمراہ ہو)

غانیات سالبات للنھی   ناغمات فی تضاعیف الوتر
(جو انتہائی حسین ہوش و حواس سلب کرنے والی اور ساز کے ساتھ گانے والی ہوں)
مبرزات الکاس من مطلعھا   ساقیات الراح من فاق البشر
(شراب کے پیالوں کو منظر عام پر لانے والی اور ایسے شخص کو جو تمام انسانوں سے بالا ہے شراب پلانیوالی ہوں)
عضد الدولۃ و ابن رکنھا   ملک الاملاک غلاب القدر
(جو دولت کا بازو (عضد الدولہ) اور اس کے رکن (رکن الدولہ) کا بیٹا بادشاہوں کا بادشاہ اور تقدیر پر غالب آنیوالا ہے)
ابو منصور ثعالبیؒ نے ان کے بعد دو اشعار کا اور اضافہ کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:-
سھل اللہ لہ بغیتہ   فی ملوک الارض ما دار القمر
(زمین کے بادشاہوں میں خدا اس کے مقاصد کو آسان کر دے جبتک چاند گردش کرتا رہے)
و اراہ الخیر فی اولادہ   لیساس الملک منہ بالغرر
(اور اولاد کے بارہ میں اس کو بھلائی دکھائے تاکہ عمدہ لوگوں کے ساتھ ملک کا انتظام کیا جا سکے)
یا ابو تغلب کی درخواستِ امان پر اس نے جو یہ اشعار کہے:-
أ افاق حین وطئت ضیق خناقہ   یبغی الامان وکان یبغی صارما
(کیا اب ہوش آیا جب میں اسکے لئے تنگ پھندا تیار کر چکا۔ اب امان چاہتا ہے۔ پہلے تو تلوار چاہا کرتا تھا)
فلارکبن عزیمۃ عضدیۃ   تاجیۃ تدع الانوف رواغما
(میں عضدی اور تاجی ارادہ کے ساتھ سوار ہوں گا۔ جو بڑی بڑی ناکوں کو خاک آلود کر دے گی)
یا ایک مرتبہ جب کہ عضد الدولہ کے ساتھ ایک مدعی شاعریت بھی دسترخوان پر موجود تھا اور بہطہ (ایک قسم کا کھانا ہے جس میں چاولوں کو دودھ اور گھی کے ساتھ پکاتے ہیں) پیش کیا گیا۔ تو عضد الدولہ نے اول اس مدعی کی طرف اشارہ کیا مگر جب وہ بغلیں جھانکنے لگا تو خود فی البدیہہ کہا تھا:-
بھطۃ تعجز عن وصفھا   یا مدعی الاوصاف بالزور

(اے اوصاف کے جھوٹے مدعی یہ بہطہ ہے جس کی تعریف سے تم عاجز رہ گئے)

کانها فی الجام مجلوّة   لآلئٌ فی ماء کافور

(وہ پیالے میں ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا نمایش کیلئے کچھ موتی کافور کے پانی میں ڈالدیئے گئے ہیں)

اسی طرح اس کے یہ اشعار :-

طلبت لی الصبوح مع الصباح   و شرب الراح والغرر الملاح

(میں اپنے لئے شراب نوشی اور حسین وجمیل مہ جبینوں کے ہمراہ علی الصبح دودھ طلب کرتا ہوں)

وکان الثلج کالکافور نثرا   ونار عند نارنج وراح

(جبکہ برف کافور کی طرح پھیلا ہوا اور پھولوں کی مہک اور شراب کے قریب ہی آگ روشن ہو (یعنی سردی کا موسم ہو)

فمشموم ومشروب ونار   وصبح والصبوح مع الصباح

(تو سونگھنے کی چیز (خوشبو) اور پینے کی (شراب) اور آگ اور صبح اور صبح کا دودھ (جس میں شراب ملائی جائے) اور حسین چہرے)

لهيب فی لهيب فی لهيب   صباح فی صباح فی صباح

(آگ (حسن) ہو آگ (شراب) ہیں آگ میں صبح (جمال) ہو صبح (صبوحی دودھ اور شراب) ہیں صبح میں)

یا درخت خیری کی تعریف میں جو اس نے یہ اشعار کہے :-

یا طیب رائحة من نفحة الخیری   اذا تمزق جلباب الدیاجیر

(اے درخت خیری کی مہک سے بہترین خوشبو! جبکہ ظلمتوں کا پردہ چاک ہو جائے)

کانما رش بالماورد او عبقت   فیه دواخن ند عند تبخیر

گویا عرق گلاب چھڑکا گیا ہے یا عنبر کی لپٹیں دھونی دیتے وقت منتشر ہو رہی ہیں)

کان اوراقه فی القد اجنحة   صفر وحمر وبیض من دنانیر

شاخوں پر اسکے پتے ایسے ہیں گویا دیناروں کے برابر کے کسی پرندہ کے زرد سرخ اور سفید پر ہیں یا اس کے حسب ذیل شعر جو خلیفہ المطیع للہ کا ایک شعر سن کر اسی زمین میں کہے تھے ؛

نحن قوم نحفظ العهد على بعد المزار

(ہم ایسے لوگ ہیں جو طول فراق کے باوجود بھی عہد و پیمان کو محفوظ رکھتے ہیں)

ونمر السحب سحبا من اكف كالبحار

ہم بادلوں کو ایسی ہتیلیوں سے کھینچ کر روانہ کر دیتے ہیں جو دریاؤں کی طرح ہیں

ابداً ننجز للضيف قدوراً من نضار۔

(ہم مہمانوں سے ہمیشہ ایفاء عہد کرتے ہیں سونے چاندی کی ہانڈیوں کے ساتھ)

غرض اس کے مندرجہ بالا اشعار وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس کو عربیت کی باقاعدہ تعلیم دی گئی تھی ۔ اس کے دربار میں بھی اچھے اچھے شاعروں کا مجمع رہتا تھا جس سے اس کا ذوق شعری ترقی پذیر رہتا تھا درباری شعراء میں عرب کا مشہور و معروف مغرور شاعر متنبی خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ اس کے علاوہ محمد بن عبد اللہ سلامی جو بقول ابن خلکان شعراء عراق کے لئے بمنزلہ آنکھ کے تھے اور قاضی محسن تنوخی بھی خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں ۔ کہا جاتا ہے ۔ کہ عضد الدولہ کا دیوان بھی تھا ۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ موجود نہیں ؛

علم نحو کی بھی اس نے ابو علی فارسی جیسے مشہور استاذ سے تحصیل کی تھی ۔ اسی کے ساتھ علم نجوم اور علم زائچہ کا بھی اس کو شوق تھا ۔ علم نجوم میں اس کا استاذ عبد الرحمٰن بن عمر صوفی تھا اور علم زائچہ میں شریف بن الاعلم جو بجائے خود علم نجوم و زائچہ کے زبردست ستون تھے ۔ حسب بیان ابن عبری عضد الدولہ ان حضرات کے تلمذ پر بجا طور پر فخر بھی کیا کرتا تھا ؛

علم اور علماء کا نہایت قدردان تھا علمی مجلسوں ہی میں اس کے اوقات

زیادہ تر صرف ہوتے تھے۔ جعفر بن مکتفی باللہ سے جو نہایت بلند پایہ عالم تھا۔ خلیفہ کے خیال سے کہ اسے کوئی اندیشہ نہ ہو پوشیدہ طور پر بلا بلا کر ملتا اور گھنٹوں اس سے گفتگو میں کرتا۔ ایسے ہی ہر فاضل و عالم کی مناسب قدر افزائی کرتا رہتا تھا ؛

عضد الدولہ کا مذہب

دیلم کا علاقہ اگرچہ ابتدائے اسلام میں ہی فتح ہو چکا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں حسن بن علی اطروش سے پہلے جو ۲۷۲ھ میں ان شہروں میں پہنچا اور تیرہ سال تک اس نے وہاں قیام کیا۔ کسی نے بھی باقاعدہ مذہبی تبلیغ و تلقین نہیں کی۔ حسن چونکہ خود شیعہ تھا اور اسی فرقہ کی وہاں تبلیغ کی گئی اس لئے قدرتاً یہ تمام لوگ مذہباً شیعہ تھے۔ مگر عضد الدولہ چونکہ کافی مدبر اور ہوشیار بھی تھا۔ اس لئے اس نے تعصب کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔ وہ سنی۔ شیعہ فرقوں کا بلکہ دیگر مذاہب کا بھی برابر احترام کرتا تھا ؛

۳۶۳ھ کے بعد

پہلے آچکا ہے۔ کہ عماد الدولہ کے بعد ۳۳۸ھ میں عضد الدولہ فارس کا حکمران قرار پایا تھا۔ اس وقت اگرچہ اس کی عمر ۱۴-۱۵ سال سے زائد نہ تھی۔ مگر یہ اس کی قابلیت کی دلیل ہے کہ ۳۶۳ھ تک نہایت کامیابی کے ساتھ فارس پر حکمرانی کرتا رہا۔ تعجب ہے کہ اس دوران میں کوئی قابل ذکر عظیم الشان بغاوت تک بھی نہ ہو سکی ؛

یہ علاقہ بہت وسیع تھا مگر عضد الدولہ کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے لئے یہ ناکافی ثابت ہوا۔ اس زمانہ میں بغداد و عراق کو پایہ تخت خلافت ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی۔ عضد الدولہ کو اس علاقہ پر عرصہ سے قبضہ کرنے کی تمنا تھی۔ مگر وہاں کا حکمران خود اسی کا چچا زاد بھائی عز الدولہ بختیار تھا اور رکن الدولہ کو اس کا بہت خیال تھا۔ اس لئے یہ مسئلہ لاینحل بنا ہوا تھا۔ مگر زمانہ کے اتفاقات بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

عزالدولہ بختیار | دنیا کی سیاست وقت کے وقت بدل سکتی ہے اور بدلتی رہا کرتی ہے۔ عزالدولہ کے لئے بھی کچھ ایسی صورتیں پیش آگئیں۔ کہ اس کی فوج کا ایک حصہ یعنی ترک اس کے خلاف ہوگئے اور انہوں نے بغداد پر قبضہ کرلیا۔ بختیار نے ترکوں سے نبرد آزما ہونے کی خود میں قوت نہ پائی تو اس نے عضدالدولہ اور رکن الدولہ سے امداد کی درخواست کی۔ عضدالدولہ سمجھا کہ یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے۔ وہ بختیار کی امداد کے لئے آیا۔ مگر اس کی نیت خراب تھی۔ ترکوں کے پہنچے سے بغداد کو آزاد تو کرادیا۔ مگر خفیہ طور پر فوج سے پھر بغاوت کرادی اور پھر مشورہ دیا کہ بختیار فی الحال سلطنت سے دست بردار ہو جائے تو فتنہ فرو ہو جائے گا۔ بختیار اس مغالطہ میں آگیا۔ عضدالدولہ نے اس کے دست بردار ہوتے ہی اس کو گرفتار کرکے خود اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ مگر عضدالدولہ کی یہ چال کامیاب نہ ہوسکی۔ رکن الدولہ کو تمام حالات معلوم ہوئے تو اس نے نہایت ناراضگی اور غم وغصہ کا اظہار کیا اور دھمکی دی کہ بختیار کو اس کا ملک حوالے کرکے واپس چلے آؤ ورنہ تمہاری سرکوبی کے لئے میں خود آرہا ہوں۔ عضدالدولہ نے ہر ممکن تدبیر کی۔ باپ کے پاس وفد بھی بھیجا۔ لالچ بھی دیا۔ نرم وگرم ہر طرح کی گفتگوئیں ہوئیں۔ مگر عضدالدولہ کی کوئی پیش نہ چلی۔ مجبوراً عضدالدولہ کو بختیار کا ملک واپس کرنا پڑا اور ۵ شوال یوم جمعہ ۳۶۴ھ کو فارس کی طرف واپس چلا آیا۔

رکن الدولہ کا انتقال اور عضدالدولہ کا دوبارہ سفر عراق | بختیار کو ابھی چین لینا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ سنیچر کی شب ۱۸ محرم الحرام ۳۶۶ھ کو رکن الدولہ کا انتقال ہوگیا۔ اب تک عضدالدولہ کو باپ کا خوف دامنگیر تھا۔ مگر اب وہ بھی نہ رہا چنانچہ عضدالدولہ نے پھر عراق پر حملہ کیا۔ اور چند مقابلوں کے بعد وہ قابض ہوگیا۔ بختیار سے کئی موقعوں پر مقابلہ ہوا اور

ہر جگہ اسے شکست ہوئی۔ آخر تک عضد الدولہ اس سے درگذر اور چشم پوشی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ واقعہ قصر الجص میں فوجی سرداروں کے اصرار پر عضد الدولہ کو بختیار کے قتل کا حکم دینا پڑا۔ اس کے بعد ابو تغلب اور فخر الدولہ کے قلعوں نیز دیار مضر کی تسخیر کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ تمام قلعے بھی کچھ عرصے میں فتح ہو گئے۔ اب عضد الدولہ کی سلطنت کافی وسیع ہو چکی تھی اور خلافت عباسیہ کے ضعف سے جو طوائف الملوکی کا بازار گرم ہو رہا تھا عضد الدولہ نے اس کا ایک بڑی حد تک انسداد کر دیا ؛

عضد الدولہ کے عام اخلاق وہ نہایت عقلمند۔ فاضل۔ مدبر۔ سیاست دان صائب الرائے۔ فضائل کا فریفتہ۔ رذائل سے متنفر۔ سخی۔ فیاض منتظم۔ بہادر۔ جری اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا۔ افسوس ہے کہ اس کی عمر نے اس کے ساتھ وفا نہ کی ورنہ وہ یقیناً تمام عالم اسلامی کو ایک سلک میں منسلک کر دیتا۔ اس کا یہ قول جس قدر مشہور ہے۔ اس سے زیادہ صحیح بھی ہے کہ "روئے زمین کا میدان دو بادشاہوں کی گنجایش نہیں رکھتا وہ تو اس سے کہیں تنگ ہے" لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی طبیعت میں درشتی اور سختی بھی تھی۔ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر بڑی سے بڑی سزائیں دینا اس کے ہاں ایک معمولی کھیل تھا ؛

عضد الدولہ کی سیاست وہ سیاست اور سزا دینے کے معاملہ میں بہت سخت تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جتنا رعب و دبدبہ اس کا دور دور پھیلا ہوا تھا مشکل سے کسی بادشاہ کو نصیب ہوا ہوگا۔ اس کو رعب و دبدبہ قائم کرنے کا اس قدر اہتمام تھا۔ کہ دربار کے لئے نہایت ساز و سامان کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ جبکہ چاروں طرف ننگی تلواروں کا پہرہ اور اطراف مجلس میں باقی۔ شیر۔ چیتے وغیرہ جانور زنجیروں کے ساتھ بندھے ہوتے تھے ؛

قتل اس کے یہاں نہایت معمولی سزا تھی۔ جو تھوڑے سے جرم پر دی جا سکتی

تھی (۱) ایک ملاح خزانہ کی کشتیوں سے ایک جھاڑو لے لیتا ہے۔ تو اسی جھاڑو سے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا ہے اور دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

(۲) ایک غلام کسی زراعت پیشہ سے ایک تربوز چھین لیتا ہے۔ تو اس غلام کو کھڑا کر کے تلوار سے دو کر دیئے جاتے ہیں اور ہاتھی کے سامنے روندنے کے لئے ڈال دیا جاتا ہے۔

(۳) کچھ سامان جو عضد الدولہ نے مکہ معظمہ کے لئے روانہ کیا تھا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے چھین لیا تو دوبارہ اس سے زیادہ سامان روانہ کرتا ہے جس کے ساتھ زہر آلود حلوا بھی ہوتا ہے۔ یہ سامان پھر ڈاکوؤں کے ہاتھوں تک پہنچایا جاتا ہے اور تمام ڈاکو مع اپنے اہل و عیال اور مہمانوں کے اس حلوے سے ہلاک ہو جاتے ہیں تمام ملک میں دیکھ بھال کے لئے آدمی مقرر تھے۔ کہ کوئی کسی پر زیادتی تو نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایسا پایا جاتا تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی۔ اس کی سی آئی ڈی کا محکمہ اس قدر زبردست تھا کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں نقل و حرکت کی یہ آسانیاں جو آج ہیں میسر نہ تھیں۔ مگر پھر بھی دور و دراز کی معمولی معمولی باتیں بھی اس سے مخفی نہ رہتی تھیں۔ آپ کو حیرت ہو گی۔ کہ مکتبوں میں پڑھنے والے بچوں سے جو فطرتاً بھولے ہوتے ہیں اور جنہیں جھوٹ بولنے کی تمیز بھی نہیں ہوتی۔ ان کے والدین اور بزرگوں کے پوست کندہ حالات معلوم کئے جاتے تھے۔ مکتبوں کے استاد صرف معلم ہی نہ تھے بلکہ سی آئی ڈی کے سرگرم کارکن تھے جو عضد الدولہ کو برابر رپورٹیں دیتے رہتے تھے اور عضد الدولہ کی یہ سیاست صرف اپنے ہی مقبوضہ ممالک تک محدود نہ تھی۔ بلکہ دیگر آزاد ممالک تک بھی اس کا دُور دُور جال پھیلا ہوا تھا۔

قوانین کی مراعات ملکی قوانین و قواعد کی پابندی کا اسے بہت خیال رہتا تھا

کسی بڑی سے بڑی سفارش کے باوجود بھی اس سے روگردانی ممکن نہ تھی۔ حکومت ایسے ہی لوگوں کو عطا کرتا جو اس کے اہل ہوں۔ کمزور نہ ہوں اور پھر ہر حاکم کو اپنے محکمہ میں آزاد چھوڑتا۔ کسی قسم کی دخل در معقولات کو پسند نہ کرتا تھا۔ ابوالعباس نے چاہا۔ کہ اس کے لڑکے محمد کو گواہی کا اہل قرار دیا جاوے۔ ابو زہیر نے ہرچند کوشش کی مگر عضد الدولہ نے ایک نہ مانی اور کہا کہ اس کا تعلق قاضی سے ہے۔ ہم اس میں کیسے دخل دے سکتے ہیں۔ حالانکہ ابو زہیر بہت ہی مقرب عامل تھا۔

معمولی امور کی طرف توجہ معمولی امور کو عام طور پر یوں ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ معمولی امور ہی بسا اوقات بڑے بڑے فتنوں کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں۔ عضد الدولہ ان معمولی امور کا انتظام بھی ایسے ہی کرتا تھا۔ جیسے عظیم الشان معاملات کا ۔

(۱) وہ چاہا کرتا تھا کہ ملازمین کی تنخواہیں مہینہ ختم ہونے سے تین روز پہلے دے دی جایا کریں کہ اس سے ملازمین خوش رہیں گے اور یہ ہمارا ان پر احسان ہوگا اور اگر تنخواہ وقت کے بعد دی جائے گی تو انہیں تقاضہ کرنے کی جرأت ہوگی آہستہ آہستہ ان کی زبانیں دراز ہو جائیں گی اور پھر اس سے وہ وہ فتنے پیدا ہونگے جن کی روک تھام مشکل ہو جائے ۔

(۲) طغان حاجب نے جبکہ وہ باہر کسی سرحد پر گیا ہوا تھا اپنے راشن میں کچھ زیادتی چاہی تو اس کی درخواست مسترد کر دی۔ البتہ پانچ ہزار درہم اس کے عوض میں دے دیئے اور کہا کہ اگر تمہاری درخواست منظور کر لی جائے تو پھر سب اس قسم کی درخواستیں کریں گے اور پھر ہمارے لئے بہت مشکل ہو جائے گی ۔

حسن تدبیر حکام و عمال بھی آخر انسان ہوتے ہیں۔ ان سے بھی خطائیں اور غلطیاں ہوتی ہیں۔ جب رعایا بادشاہ کے دربار میں کسی حاکم کی شکایت اور فریاد

کرتی ہے۔ تو بادشاہ کو دوگونہ مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔

(۱) فریادرسی نہ کرے تو حکام کو جری کرنا ہے۔ کہ وہ خوب ظلم کیا کریں۔

(۲) فریادرسی کرے تو حکام کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ حکومت نام ہے۔ ان ہی حکام کی ہیئت ترکیبیہ کا۔

یہ موقعہ اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ عام طور پر حکومتیں حکام کی طرفداری اور ان کے ظلم کی پردہ پوشی کیا کرتی ہیں۔

عضدالدولہ نے ایسے اہم معاملات میں بھی ہمارے لئے اپنے عمل سے ایک بہترین سبق آموز مثال قائم کی ہے۔ ابوزہیر اسفار جو عضدالدولہ کا ایک عامل تھا۔ اس نے ایک دہقانی سے روپیہ وصول کرنے میں زیادتی سے کام لیا۔ دہقانی نے عضدالدولہ کے پاس استغاثہ کیا۔ عضدالدولہ اس کی درخواست کی پشت پر لکھتا ہے: "ہمارا بھائی ابوزہیر اس قسم کے ظلم کرنے سے کہیں بالاتر ہے۔ لہذا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دعوے باطل ہے"۔ اور حکم دیا گیا کہ یہ درخواست اسفار کے پاس لے جاؤ۔ اسفار نے پڑھا اور فوراً اس کے ساتھ انصاف کیا۔ کیونکہ عضدالدولہ نے اپنے اس جواب سے اسفار کو متنبہ کر دیا۔ کہ اگر تم نے ایسا کیا ہے تو یہ ظلم ہے اور خبر یہ واقعہ ہمارے کانوں تک پہنچ چکا ہے۔ اسفار نے یقیناً ایسا کیا تھا۔ اس لئے اس کو فوراً اس کی تلافی کرنا پڑی۔ مگر کیا اس دہقانی کے قلب سے اسفار کا رعب و دبدبہ کچھ کم ہو گیا۔ نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اور بڑھ گیا۔

ایسے ہی ایک شخص کے ذمہ تین ہزار چھ سو درہم واجب الادا تھے۔ زراعت وغیرہ میں اس کو نقصان رہا اور وہ ادا نہیں کر سکا۔ ابوزہیر نے قید میں ڈال دیا سات مہینہ کے بعد ایک روز موقعہ پا کر وہ قیدخانہ سے بھاگ کر سیدھا عضدالدولہ

کے پاس پہنچا اور فریاد کی۔ عضد الدولہ نے حکم دیا کہ تم واپس ابو زہیر ہی کے پاس جاؤ اور اس سے کہنا کہ میں بادشاہ کے پاس گیا تھا اور انہوں نے حکم دیا ہے کہ میں پھر تمہارے پاس ہی واپس جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ابو زہیر کو معلوم ہونے پر فوراً رہا کرنا پڑا بلکہ اور اپنے پاس سے سو درہم بھی دینا پڑے۔

ایک جانب عمّال و حکّام پر عضد الدولہ کا اس قدر رعب قائم تھا کہ ان کو اس کی اطلاع ہو جانا ہی کافی ہوتا تھا کہ فلاں واقعہ عضد الدولہ کے کانوں تک پہنچ گیا ہے اور دوسری جانب رعایا کا بظاہر کوئی پارٹ نہ لیا جاتا تھا۔ جس سے حکام کے وقار کو صدمہ پہنچے۔ ان کی فریاد رسی کی جاتی تھی۔ تلافی کرائی جاتی تھی۔ مگر خود ان ہی حکام کے ہاتھوں سے۔ عضد الدولہ کی ان ملکی تدابیر کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ قدرت نے اس کو سلطنت کے لئے ایک عجیب و غریب دماغ عطا کیا تھا۔

عضد الدولہ کے روزانہ معمولات

وہ علی الصباح نیند سے بیدار ہوتا۔ غسل کرتا۔ نماز پڑھتا۔ پھر خاص خاص لوگوں کو باریابی کا شرف بخشتا۔ مثلاً ابو القاسم عبدالعزیز (کاتب)، ابو القاسم مطہر (وزیر)، مطہر گذشتہ دن کی رپورٹ پیش کرتا۔ جس پر آئندہ کے لئے اس کو ہدایات کردی جاتیں۔ پھر ابو الحسن علی اور ابن سعدان کو جو علی الترتیب دیلمی اور ترکی فوجوں کے سردار تھے۔ بلاتا اور وہ بھی اپنی اپنی رپورٹ پیش کرتے۔ ان کو بھی مناسب احکام دیئے جاتے۔ پھر ڈاک آجاتی۔ اولاً تمام خطوط خود پڑھتا پھر عبدالعزیز کاتب پڑھ کر سناتا اور ساتھ ساتھ جواب لکھا دیا جاتا۔ یہاں سے فارغ ہو کر کھانا کھاتا اور پھر آرام کرتا۔ ظہر کے وقت پھر بیدار ہوتا۔ نماز سے فارغ ہو کر لہو و لعب کی خصوصی مجلس تیار ہوتی۔ وہاں عصر تک وقت گذارتا جہاں پینے پلانے گانے بجانے کا شغل رہتا۔ یہ عام معمول تھا۔

لیکن کچھ ایام میں عام دربار بھی ہوتا تھا۔ جس میں ہر شخص کو ملنے اور فریاد کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ان ایام میں صبح سے دوپہر تک دربار کرتا اور ظہر کے بعد وزیر اور سرداران فوج سے ملاقات کرتا اور ان کو ضروری ہدایتیں دیتا۔ ان ایام میں غالباً لہو ولعب کی مجلس تنسوخ ہو جاتی تھی یا کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دی جاتی تھی ؞

وہ اپنے معمولات کا انتہائی پابند تھا۔ شراب نوشی وغیرہ بھی کرتا تھا۔ مگر یہ بھی باضابطہ تھی۔ یہی باضابطگی ہے جس سے دنیا کی قومیں بڑھتی اور ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم مسلمانوں کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ اس بے خبری کا بھی احساس نہیں۔ وہاں بُرے کام بھی ضابطہ کے اندر ہوتے ہیں۔ اور ہمارے بھلے کام بھی بے ضابطہ ہیں ؞

ایک حیرت انگیز واقعہ عضد الدولہ اپنے معمولات کا اس قدر سختی سے پابند تھا۔ کہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی باندی کی محبت کا جنون آپ پر سوار ہوا اور وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ معمولات میں بھی فرق پڑنے لگا۔ عضد الدولہ کو فوراً اس کا احساس ہوا اور خادم کو حکم دیا کہ اس باندی کو گرفتار کر کے دریا میں غرق کر دے۔ چنانچہ غرق کر دی گئی۔ ہمیں اس وقت اس واقعہ کے دوسرے پہلو سے گفتگو کرنا نہیں ہے۔ اس پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ کیا آج کسی میں اتنی ہمت وجرأت ہے ؟ آج کوئی شخص اپنے معمولات کا اس حیرت انگیز طریقہ پر پابند ہو سکتا ہے ؟ غالباً نہیں ؞

خیرات وصدقات جہاں وہ سزا دینے کے معاملہ میں انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ وہیں خیرات وصدقات کے بارہ میں بھی انتہا پسند تھا۔ سال کے شروع میں ایک خاص مقدار خیرات کے لئے علیحدہ کر دی جاتی تھی جو تمام شہروں میں تا صیوں کے

پاس بھیج دی جاتی تھی۔ کہ حاجتمندوں میں تقسیم کر دی جائے۔ مگر اس کے بعد بھی ہر مسرت و خوشی، ہر رنج والم، ہر مقصد و ہر مہم کے لئے بھی خیرات ہوتی رہتی تھی۔ اس کے ہاں ہر چیز کا علاج خیرات ہی تھا۔ خوشی کی بات پر جشن منانے کے لئے رنج کی بات پر نجات پانے کے لئے، کسی مہم پر کامیابی کے لئے، غرض ہر بات کے لئے خیرات کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود عضدالدولہ کی سخت گیر پالیسی کے رعایا اس سے بد دل نہ تھی۔ وہ ہزار سختیاں کرتا تھا۔ مگر پھر بھی لوگوں میں ہر دلعزیز تھا ؎

علم اور علماء سے محبّت و عقیدت

وہ چونکہ خود بھی فاضل تھا۔ اس لئے اس طبقہ کی قدر کرنا جانتا تھا۔ اس کے دربار سے بڑے بڑے یگانہ روزگار علماء وابستہ تھے۔ بڑے بڑے مصنفین نے اس کے عہد اور اس کی سرپرستی میں بڑی بڑی قیمتی اور ضخیم کتابیں تصنیف کیں۔ بہت سی کتابیں خود عضدالدولہ کے نام پر لکھی گئیں۔ تاریخ کے منتشر اوراق میں بعض کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثالاً کچھ کتابوں کے نام پیش کرتا ہوں :-

(۱) کتاب الحجۃ :- یہ فن تجوید میں نہایت بے نظیر ضخیم اور جلیل القدر کتاب تھی ؎

(۲) کتاب الایضاح :- یہ علم نحو کی ایک عجیب و غریب کتاب تھی۔ کتاب مختصر مگر مسائل بڑی بڑی کتابوں سے زیادہ۔ "دریا کو کوزہ میں بند کرنا" اس پر صادق تھا۔ عضدالدولہ اس کتاب کا انتہائی عاشق تھا اور اس نے اس کو اپنے مطالعہ کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ حتےٰ کہ کسی شخص نے نہ معلوم کس طرح اس کو نقل کر لیا۔ تو عضدالدولہ نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ جو بڑی سفارشوں کے بعد واپس لیا

(۳) کناس العضدی :- جو علم طب میں نہایت بلند پایہ اور جامعیت اور حسن ترتیب و طرز بیان کے لحاظ سے بے نظیر کتاب تھی ؎

(۴) الملکی :- یہ بھی علم طب میں علی بن عباس کی نہایت عظیم الشان تصنیف تھی۔ ابن سینا کی "القانون" سے پہلے لوگ اسی کو پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اب بھی کہا جاتا ہے کہ علمی اعتبار سے الملکی کا مرتبہ قانون سے بلند تر تھا۔

(۵) الصور السمائیہ
(۶) الارجوزہ
(۷) کتاب مطارح الشعاعات :- یہ تینوں کتابیں عبدالرحمٰن رازی کی تصنیف سے ہیں۔ جو علم نجوم اور فلسفہ میں ایک عرصہ تک علماء کا مستدل رہی ہیں۔

(۸) کناشہ
(۹) کتاب الاقراباذین
(۱۰) مقالۃ المائیہ
(۱۱) مقالۃ فی الجدری :- یہ چاروں کتابیں ابراہیم بن بکس طبیب کی بلند پایہ تصنیفات سے ہیں۔ جو بیمارستان عضدی میں طلبا کو صناعت طب کی تعلیم دینے پر مامور تھا۔

(۱۲) کتاب الفرج بعد الشدۃ
(۱۳) کتاب نشوار المحاضرۃ (یا نشوان المحاضرہ)
(۱۴) کتاب المستجاد من فعلات الاجواد :- یہ تینوں کتابیں قاضی بغداد محسن تنوخی کی تصنیفات سے ہیں۔ جن میں اول الذکر تین جلدوں میں اور دوسری گیارہ جلدوں میں تھی اور بیس سال میں مکمل ہوئی تھی۔

(۱۵) کتاب التاجی :- جو سلاطین دیلم کی مفصل و مبسوط تاریخ تھی۔ مگر بدقسمتی سے وہ ہم تک نہیں پہنچی۔

ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہوں گی۔ جو گردشِ روزگار کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر گئیں اور آج ان کا تذکرہ بھی نہیں ملتا۔

عضد الدولہ کی تعمیرات | عضد الدولہ کو تعمیرات کا بھی بہت شوق تھا۔ اس نے

بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ مگر افسوس کہ کسی موٴرخ نے اس کے متعلق یکجائی طور پر کچھ معلومات بہم نہیں پہنچائیں۔ اور تو اور صاحب تجارت الامم نے بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ تاہم عربی۔ فارسی، اُردو کی مختلف تاریخوں میں منتشر طور پر جن جن عمارتوں کا ذکر آیا ہے۔ میں نے ان کو یہاں جمع کر دیا ہے ؎

عضد الدولہ کے پہلے کا زمانہ عراق اور خصوصاً بغداد کے لئے نہایت افراتفری کا زمانہ تھا۔ بغداد جو کبھی عروس البلاد کے نام سے مشہور تھا۔ روز روز کے لڑائی جھگڑوں لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے قطعاً برباد ہو گیا تھا۔ عضد الدولہ نے اس کو از سر نو درست کیا۔ مسجدیں۔ سرائیں۔ نہریں۔ پل وغیرہ تعمیر کرائے۔ لوگوں کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنے مکانات اور باغات درست کریں۔ کسی میں وسعت نہ ہو تو شاہی خزانہ سے قرض لیکر درست کرے ؎

قدیم زمانہ سے ایک بہت بُری رسم یہ چلی آتی تھی۔ کہ جہاں کوئی بادشاہ یا خلیفہ کسی شخص سے ناراض ہوا۔ اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اس کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور مکان کو کھدوا کر پھینک دیا گیا۔ اس طریقہ سے بغداد کی بہت سی عمدہ عمدہ عمارتیں تباہ ہو گئیں۔ عضد الدولہ نے آئندہ کے لئے قانوناً اس کو ممنوع قرار دیا جس سے ایک بڑی حد تک بغداد کی عمارات کی حفاظت ہو گئی ؎

بیمارستان عضدی یہ بیمارستان (یعنی ہسپتال) اپنی شان کا نہایت عظیم الشان بیمارستان تھا۔ یہ غالباً ۳۶۸ھ یا ۳۷۱ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس کو بیمارستان - یا مارستانِ عضدی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کی عالی شان عمارت بغداد کی مغربی جانب میں پل کے کنارے پر واقع تھی۔ اس میں ہر قسم کی دوائیں۔ طرح طرح کے آلات ہر وقت مہیّا رہتے تھے۔ چوبیس طبیب تو محض علاج و معالجہ کے لئے اس میں ملازم تھے۔ ان کے علاوہ جرّاح اور آنکھوں کے خصوصی معالج۔ مرہم پٹی کرنیوالے

ملازمین بھی کافی تعداد میں تھے۔ یہ بیمارستان محض علاج گاہ ہی نہ تھا۔ بلکہ طبی تعلیم گاہ بھی تھی۔ جہاں طلبہ کو علمی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس شعبہ میں ہمیں ابراہیم بن بکس طبیب کا نام خصوصیت سے ملتا ہے۔

اس بیمارستان کا رئیس اعلیٰ اپنے وقت کا طبیب اعظم شیخ ابومنصور صاعد بن بشر تھا۔ جو فن طب میں مجتہد اور مجدد کا درجہ رکھتا تھا۔

غرضکہ یہ بیمارستان نہایت عالی شان تھا۔ تمام عالم اسلامی میں اس کی نظیر نہ تھی۔ حتےٰ کہ تمام ہسپتالوں کا صدر اسی کو خیال کیا جاتا تھا۔ اور اسکی یہ شان یگانگت چھٹی صدی کے وسط تک قائم رہی۔ جبکہ سلطان نورالدین زنگی نے دمشق میں اس سے بھی بڑا اور بہتر بیمارستان بنا دیا۔

بند امیر | یہ بند نہایت عالیشان بند ہے۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اتنا بڑا اور اس شان کا بند دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ یہ بند شیراز کے قریب ہی واقع ہے۔ اس پر ایک عالی شان پل بھی تعمیر کیا گیا ہے جو بہت بڑا اور خوب لمبا چوڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پل ایک سو پندرہ گز لمبا اور ساڑھے چار (۴½) گز چوڑا ہے۔ یہ عمارت عجیب و غریب صنعتوں کا نمونہ ہے۔ اس بند کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے پشتے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جو دو تین ہزار قدم تک چلے گئے ہیں آبپاشی کے لئے اس بند سے نہریں ہر دو جانب میں نکالی گئی ہیں۔ جن سے کاشت کی زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ بند پتھروں کی بہت بڑی بڑی چٹانوں سے بنایا گیا ہے اور ان چٹانوں کو آپس میں اس طرح جوڑا گیا ہے۔ کہ اچھا خاصہ ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ بند بھی دنیا کے عجائبات میں سے ایک عجیب و غریب چیز ہے جسے دور دراز کے علاقوں سے سیاح دیکھنے آتے ہیں۔

سرائے سلطان | یہ ایک عالیشان شاہی محل تھا جسے عضدالدولہ نے بغداد میں

تعمیر کرایا تھا۔ بیمارستان کی طرح یہ بھی ممتاز عمارت تھی مؤرخین کا بیان ہے کہ عضدالدولہ سے پہلے اس شان کی کوئی عمارت کسی نے نہیں بنائی۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام دفاتر اسی میں رہتے تھے اور ہر ضرورت کی چیز یہاں مہیا رہتی تھی۔ اس محل کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا باغ بھی تھا۔ جس میں آب رسانی کے لئے ایک زمین دوز نہر بنائی گئی تھی۔ اس باغ پر اسی ہزار دینار اور زمین دوز نہر کی تعمیر پر دو لاکھ دینار خرچ آئے تھے۔ محل کی تعمیر پر معلوم نہیں کہ کیا کچھ خرچ آیا ہوگا۔ وہ اس سے الگ ہے

مشہد امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار صحیح طور پر معلوم نہ تھا کہ کہاں ہے کیونکہ آپکو خوارج کے خوف سے خفیہ طور پر دفن کیا گیا تھا اور خاص خاص لوگوں کے علاوہ کسی کو صحیح مقام دفن معلوم نہ تھا۔ مؤرخین کا اب بھی اس میں اختلاف ہے کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید ایک مرتبہ شکار میں نجف سے ہو کر گذرا۔ ایک شکار زخمی ہو کر اسی حد میں پہنچ گیا جہاں آج کل مزار کی عمارت ہے۔ ہارون الرشید نے تعاقب کرنا چاہا مگر گھوڑے نے ایک قدم آگے نہ اٹھایا ہر چند کوشش کی مگر بے سود رہی۔ ہارون رشید کے قلب پر اس واقعہ نے خاص اثر کیا۔ تحقیق و تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدفون ہیں۔ مقام قبر کو تلاش کر کے کھودا گیا تو ایک نعش برآمد ہوئی جس پر زخموں کے نشانات موجود تھے۔ اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نعش سمجھا گیا۔ اس کے بعد سے یہ مقام محفوظ کر دیا گیا اور اس قبر پر مجاور رہنے لگے۔ اس واقعہ کے ایک سو اسی اور کچھ سال کے بعد عضدالدولہ دیلمی نے اس جگہ ۳۶۶ھ میں ایک یادگار عمارت بنائی۔ جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ یہی وہ مقبرہ ہے جس کو مشہد علیؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے پاس کوئی ایسی تاریخی سند موجود نہیں۔ کہ یقین کے ساتھ کچھ کہا جا سکے۔ خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں بہت سے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ اکثر اقوال اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کے دارالامارۃ میں مدفون ہیں۔ اور یہ قبر مغیرۃ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ابن خلکان نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بہرحال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن ہے یا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا۔ ہمارے لئے دونوں صورتوں میں یہ مقام واجب التعظیم ہے ؛

مشہد امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مشہور و معروف مزار جو مقام کربلا میں موجود ہے۔ وہ بھی عضدالدولہ کا ہی بنایا ہوا ہے کہا جاتا ہے۔ کہ خلیفہ المتوکل علی اللہ کے عہد میں اس جگہ پانی کا ایک بند باندھا گیا تو تمام پانی گرم ہو گیا اور قبر کی جگہ خشک رہی۔ نجف اشرف اور کربلائے معلےٰ پہلے غیر آباد علاقے تھے۔ مگر یہاں مزارات کے بن جانے سے کافی رونق اور آبادی ہو گئی ہے ؛

ان دونوں مشہدوں کی عمارتیں۔ خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے اگرچہ ان کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو اور اختلافات کی وجہ سے کوئی صحیح فیصلہ نہ کیا جا سکے۔ مگر اس حیثیت سے کہ یہ عضدالدولہ کی یادگار ہیں نہایت قابل قدر ہیں۔ ان عمارتوں کو چونکہ مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اس لئے عضدالدولہ کی اور تمام عمارتیں دنیا سے مٹ جائیں مگر جب تک اسلام زندہ ہے۔ یہ عمارتیں باقی رہیں گی اور عضدالدولہ کی یاد کو تازہ کرتی رہیں گی ؛

مدینہ منورہ کی شہرپناہ

اسی طرح عضدالدولہ نے مدینہ منورہ کی آبادی پر ایک زبردست شہرپناہ بھی بنائی تھی۔ فارسی مؤرخین نے اکثر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ عربی مؤرخین میں سے الخضری اور ابوالفداء نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ؛

قلعہ اسطخر اور اس کا تالاب

یہ فارس کا مشہور و معروف قلعہ ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جمشید نے اپنے عہد میں اس شہر کو بنایا تھا مگر زمانہ گذرتا گیا اور یہ تباہ

ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ عضد الدولہ کے عہد میں بالکل ہی ختم ہو چکا تھا۔ تو اس نے اس کو از سر نو آباد کیا۔ عضد الدولہ نے اس قلعہ میں ایک عظیم الشان تالاب بھی تعمیر کرایا تھا۔ جو طرح طرح کے اور رنگ برنگے پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ یہ تالاب اس قدر پائیدار ہے کہ آج تک اسی طرح موجود ہے اور اس قدر مضبوط و مستحکم ہے۔ کہ پانی کا ایک قطرہ بھی باہر نہیں آسکتا۔ پانی کی حفاظت کے لئے اس تالاب پر ایک چھت بھی بنائی گئی تھی۔ اس تالاب کے ستر۷۰ حصے ہیں۔ اس کی عظمت شان کا اندازہ اس سے ہو سکے گا۔ کہ اگر ایک ہزار آدمی روزانہ اس سے پانی پیتے رہیں اور اپنی روزانہ کی ضرورتوں کے لئے پانی بھر کرلے جاتے رہیں تو ایک سال میں اس کے صرف ایک حصہ کو خالی کر سکیں گے۔ اس کا پھیلاؤ تقریباً ایک سو اٹھاون۱۵۸ گز شرعی ہے

شیراز میں عضد الدولہ کی عمارتیں زیادہ تر بغداد اور شیراز میں ہی تھیں۔ شیراز میں بھی عضد الدولہ نے کافی محلات۔ سرائیں۔ بازار۔ خانقاہیں۔ ہسپتال بنائے تھے۔ مگر اب کسی کا بھی نام ونشان باقی نہیں رہا۔ البتہ فرصت شیرازی نے اپنی کتاب آثار عجم میں جو ۱۳۱۰ھ کی تصنیف ہے۔ لکھا ہے کہ وہاں اب تک ایک محراب اور ایک عالی شان دروازہ عضد الدولہ کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ یہ دروازہ رکناباد کے قریب ہی واقع ہے۔ اس کی محراب پر ایک بالاخانہ بھی ہے جس میں ایک بہت بڑا قرآن شریف رکھا ہوا ہے۔ جسے "قرآن ہفدہ من" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا وزن سترہ سیر ہے۔ اس دروازہ کے نیچے سے اب تک بڑے بڑے قافلے گذرتے ہیں۔ شیراز کے بالمقابل عضد الدولہ نے ایک مستقل شہر بھی آباد کیا تھا۔ جس کا نام "سوق امیر" یعنی امیر کا بازار تھا۔ جس میں عضد الدولہ کی فوجیں رہا کرتی تھیں۔ کثرت آبادی کی وجہ سے جب شیراز میں تنگی ہونے لگی۔ تو عضد الدولہ کو فوج کے لئے ایک الگ شہر آباد کرنا پڑا۔ مگر اب یہاں زراعت

کی جاتی ہے۔ آبادی وغیرہ کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ ایسے ہی عضد الدولہ نے
ایک شہر فیروز آباد کے نام سے بھی آباد کیا تھا ویسے تو یہ شہر اردشیر کا آباد کیا ہوا تھا
جسے اُردشیر خُورَّہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مگر اسطخر کی طرح یہ بھی برباد ہو چکا تھا
عضد الدولہ نے اس کو دوبارہ آباد کیا اور فیروز آباد نام رکھا ؛

خوزستان میں | خوزستان میں بھی اس کی کافی عمارتیں پائی جاتی تھیں۔ ابو شجاع
روذراوری نے "ذیل تجارب الامم" میں ان عمارات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر
یہ مصنف پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ متأخرین کی تاریخوں سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔
غالب یہ ہے۔ کہ وہ عمارتیں بھی تباہ ہو چکی ہوں گی ؛

مسیحی معابد | عضد الدولہ نے جہاں بغداد و شیراز وغیرہ میں بہت سی مسجدیں تعمیر کیں
وہیں اپنے وزیر نصر بن ہارون (مسیحی) کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی قوم کے لئے کلیسا تعمیر کرائے
چنانچہ عضد الدولہ کے حکم کے مطابق شاہی خزانے سے مسیحی معابد بھی تعمیر کرائے گئے اور وہ
جس طرح اپنی مساجد کی سرپرستی کرتا تھا بالکل اسی طرح ان مسیحی معابد کی بھی سرپرستی کو
اپنا فرض جانتا تھا جو اس کی بے تعصبی کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے ؛

عضد الدولہ کی بعض کمزوریاں | قدرت نے ہر انسان کو کچھ اس طرح پیدا کیا ہے
کہ وہ نہ صرف محاسن ہی کا مجموعہ ہے اور نہ ہی برائیوں کا جس طرح قدرۃً ہر شخص میں کچھ نہ کچھ
محاسن ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ نہ کچھ برائیاں بھی ہوتی ہیں البتہ کمی اور زیادتی کا فرق
ہو سکتا ہے۔ اسی تناسب سے ہم کسی کو نیک کہتے ہیں اور کسی کو بد۔ اسی اصول کے مطابق
عضد الدولہ میں بھی انسان ہونے کی حیثیت سے کچھ خامیاں تھیں اور اگر غور کیا جائے تو یہ اسکی
تکمیل البشریت کے لئے ضروری بھی تھیں۔ ہم اس قسم کی کمزوریوں کو نمبر وار بیان کرتے ہیں:۔

(۱) وہ ضرورت سے زیادہ سخت گیر تھا۔ معمولی سی خطاؤں پر وہ اتنی بڑی بڑی سزائیں
دیتا تھا جو ظلم کی حد تک پہنچ جاتی تھیں۔ رعب و دبدبہ ایک بادشاہ کے لئے حقیقتۃً ضروری ہے

مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ایسے رعب و دبدبہ کی کوئی تعریف نہیں کر سکتا جسکو قائم کرنے میں ظلم و تعدی کا بھی حصہ ہو۔ وہ ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ اسلئے ہمیں بجا طور پر اس سے یہ توقع ہونی چاہیئے کہ وہ سیاست میں اسلامی نقطۂ نظر سے تجاوز نہیں کریگا۔ اپنی محبوبہ باندی کو غرق کر دینے کا قصہ پہلے آچکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے نزدیک قتل کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ وہ واقعہ یقیناً اس کی بربریت کی بدترین مثال ہے ؛

(۲) پہلے بیان کر چکا ہوں کہ وہ نہایت مخیر تھا۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ منتظم بھی تھا فضول خرچی کو پسند نہ کرتا تھا اور بسا اوقات اس پر اس انتظام کا اتنا غلبہ ہوتا تھا جو قریب قریب بخل کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ وہ یقیناً بخیل نہ تھا مگر منتظم اتنا تھا کہ بعض دفعہ اس پر بخل کا دھوکا ہو جاتا ہے مثلاً

(الف) حجاج بن ہرمز کی آمد پر اس کی میزبانی کے لئے جو بجٹ بنایا گیا اسمیں روشنی کیلئے فی شب ایک رطل موم بتیاں لکھی گئیں۔ عضد الدولہ نے فی شب کے بجائے فی ہفتہ بنا دیا اور لکھا کہ فراش کو ہدایت کر دی جائے۔ کہ صرف ایک شمع روشن کرے البتہ اگر کوئی ملنے آجائے تو دوسری شمع جلا دیا کرے مگر اسکے چلے جانے کے بعد بجھا کر احتیاط سے رکھ دی جایا کرے ؛

(ب) ایک سقلاطونی عبا جس کا استر قاقم کا تھا ایک دیلمی سردار نے مانگ لیا۔ انکار تو نہ کر سکا مگر ٹالتا رہا۔ وہ ظالم بھی برابر تقاضا کرتا رہا۔ آخر عضد الدولہ کو وہ عبا دینا پڑا۔ مگر نہایت چالاکی کے ساتھ خفیہ طور پر اس کا استر علیحدہ کرا لیا گیا اور بغیر استر کے وہ عبا اسکو دیدیا گیا اور وجہ یہ بیان کی کہ قاقم کے کپڑے ہمارے پاس تھوڑے ہیں اگر اسیطرح سب سردار مانگنے لگے تو ہم سب کو نہیں دے سکینگے ؛

(ج) ابو علی بن کثیر جو افسر خزانہ تھا۔ وہ اضافۂ تنخواہ کی درخواست کرتا ہے تو عضد الدولہ درخواست کو نامنظور کرتے ہوئے معمولی آدمیوں کی طرح کوڑی کوڑی کا حساب اس سے کرنے لگتا ہے اسی دوران میں کہتا ہے کہ کھانا تو تم ابو منصور نصر بن ہارون کے ہاں کھاتے ہو پھر اضافۂ تنخواہ کی کیا ضرورت ہے۔ ابو علی کا بیان ہے کہ اسی پر بس نہیں کی بلکہ تمام وہ چیزیں گنانا شروع کر دیں جو میں ابو منصور کے دسترخوان پر کھاتا تھا آخر میں شرمندہ اور ناکام ہو کر واپس چلا آیا ؛

ان واقعات سے جہاں اس کا انتظام، کفایت شعاری اور وسعت معلومات کا پتہ لگتا ہے۔ وہیں اس معاملہ میں اس کی افراط و تفریط پر بھی روشنی پڑتی ہے جو ایک بادشاہ کے لئے ناموزوں ہے۔ کفایت شعاری کوئی بری خصلت نہیں مگر ہر شخص کی کفایت شعاری اس کے مرتبہ کے مطابق ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دس روپیہ ماہوار کے ملازم کی کفایت شعاری کچھ اور ہے اور ایک ہزار روپیہ ماہوار کے ملازم کی کفایت شعاری کچھ اور چیز۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر ایک ایسا شخص جس کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ماہوار ہے ایک دس روپیہ ماہوار کے ملازم جیسی کفایت شعاری کرنے لگے تو یہ کفایت شعاری نہیں بلکہ بخل ہوگا

(۴) اس نے زمینوں کی پیمایش میں بھی دس فیصدی کے حساب سے تغیر کر دیا تھا کہ جو زمین پہلے سو بیگھہ ہوتی تھی۔ اب ایک سو دس بیگھہ ہو گئی تاکہ دس بیگھہ کا زیادہ ٹیکس لیا جا سکے۔ اس سے زمینداروں اور کسانوں کو جو نقصان پہنچا ظاہر ہے۔

(۵) پن چکیوں پر پہلے کوئی ٹیکس نہ تھا مگر عضد الدولہ نے اپنے عہد میں اس پر ٹیکس عاید کر دیا۔

(۶) چراگاہوں اور دیگر مفروضہ صدقات کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ جسکے عمال کاتب منشی سب الگ تھے سواد عراق سے صرف اسی شعبہ سے اس کو تقریباً ایک کروڑ درہم سالانہ کی آمدنی تھی۔

(۷) تمام اسلامی اوقاف کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور متولیان اوقاف کے لئے معمولی رقوم مقرر کر دی گئیں مگر آہستہ آہستہ یہ تمام اوقاف حکومت کے مقبوضات میں شامل کر لئے گئے جن سے بعد میں لوگوں کو جاگیریں دی گئیں۔

(۸) چوپایوں کی خرید و فروخت کے لئے جو بازار تھے ان میں بھی اسکا انتظام کیا گیا۔ کہ اس قسم کی تجارت کرنے والوں سے بھی ایک مقررہ تعداد میں ٹیکس وصول کیا جائے۔

(۹) باہر سے جو سامان تجارت درآمد ہوتا یا یہاں سے باہر کے لئے برآمد ہوتا۔ دونوں صورتوں میں ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔

(۱۰) برف اور قز کی تجارت جو ہمیشہ سے عام چلی آتی تھی اور ہر شخص کر سکتا تھا عضد الدولہ نے

اس پر پابندیاں عائد کر دیں۔ کہ خاص خاص لوگوں کے علاوہ جن کو حکومت کی جانب سے اجازت (لائسنس) حاصل ہو کوئی دوسرا آدمی ان دونوں چیزوں کی تجارت نہ کر سکتا تھا۔

(۱۱) کسی قدر عجب اور تکبر بھی تھا۔ کھیل وکود کی طرف میلان بھی تھا۔ مؤرخ الخضری نے اس کے استشہاد میں اس کے وہی چار شعر نقل کئے ہیں جو پہلے آچکے ہیں۔ یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:۔

" شراب نوشی کا لطف علی الصباح حسین باندیوں کے گانے کے ساتھ بارش ہی میں ہے جو انتہائی حسین ہوش وحواس سلب کرنے والی اور ساز پر گانے والی ہوں۔ شراب کے پیالوں کو منظر عام پر لانے والی اور ایسے شخص کو جو انسانیت سے بالا ہے۔ شراب پلانے والی ہوں۔"

" جو دولت کا بازو (عضد الدولہ) اور اس کے رکن (رکن الدولہ) کا بیٹا بادشاہوں کا بادشاہ اور تقدیروں پر غالب آنے والا ہے۔"

ان میں آخری شعر واقعی نہایت متکبرانہ اور متفاخرانہ ہے۔ بلکہ اگر کفریہ کہا جائے۔ تو غالباً زیادہ موزون ہوگا۔ (اعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات)

ابن خلکان اور ابو الفداء کے بیان کے مطابق قدرت نے عضد الدولہ کو ان اشعار کی یہ سزا دی۔ کہ ان اشعار کے بعد پھر وہ پلنگ سے نہ اٹھ سکا اور اسی بیماری میں مرگیا خدا اس کو معاف فرمائے وہ یقیناً بڑا غفور رحیم ہے۔

عضد الدولہ کی علالت اور وفات ۳۶۹ھ میں جبکہ عضد الدولہ نے حسنویہ بن الحسین اور فخر الدولہ کی سرکوبی کے لئے بلادِ جبل کا سفر کیا۔ تو اسی سفر میں اس کو مرگی کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ عضد الدولہ نے اس کو پوشیدہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی اور جہاں تک ہو سکا چھپایا۔ اس موقعہ پر اپنی جگہ مؤید الدولہ کو روانہ کر کے خود واپس چلا آیا تھا۔ اسی مرض نے ۳۷۲ھ میں از سر نو پھر عود کیا اور اس مرتبہ اس کا حملہ اسقدر شدید ہوا کہ عضد الدولہ اس سے جانبر نہ ہو سکا اور دنیاوی حشمت و جلال کو چھوڑ کر یوم دوشنبہ ۸ شوال المعظم ۳۷۲ھ کو بغداد میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

کہا جاتا ہے کہ مرتے وقت عضد الدولہ کی زبان پر یہ آیت تھی مَا اَغنیٰ عَنِّی مَالِیَہٗ هَلَكَ عَنِّی سُلْطَانِیَہْ ط چنانچہ اسی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ وسامحہ علی سقطاتہٖ واعطاہ مایحب ویرضیٰ آمین)

دفن | انتقال اگرچہ ۸ شوال کو ہو چکا تھا مگر اس کا اعلان نہیں کیا گیا اور خفیہ طور پر دار الملک (جو بغداد کی مشہور عمارت تھی اور عضد الدولہ اس میں رہتا تھا) ہی میں عارضی طریقے سے دفن کر دیا گیا حتیٰ کہ جب ابو کالیجار مرزبان بن عضد الدولہ کی تخت نشینی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تو محرم الحرام ۳۷۳ھ میں اس کے انتقال کا اعلان کیا گیا اور اسی وقت اس کی وصیت کے مطابق اس کے تابوت کو مدفن سابق سے منتقل کر کے مشہد امام علی رضی اللہ عنہ میں نجف اشرف کے مقام پر دفن کیا گیا ۔

عضد الدولہ کی قبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزار سے پائینتی کی جانب ہے ۔ کہتے ہیں ۔ کہ عضد الدولہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میری قبر سے حضرت علیؓ کی قبر تک ایک سرنگ کھودی جائے اور ایک نقرئی زنجیر کا ایک سرا میرے گلے میں ڈال کر دوسرا سرا حضرت علیؓ کے پائے مبارک کے نیچے رکھ دیا جائے اور ایک تختہ پر یہ آیت لکھ کر میرے پہلو میں رکھ دی جائے ۔ آیت یہ ہے :۔ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ط

عضد الدولہ کی اولاد مجھے افسوس ہے ۔ کہ کسی مؤرخ نے اس موضوع پر روشنی نہیں ڈالی ۔ تاہم تلاش اور تحقیق سے جس قدر نام دستیاب ہو سکے ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں ۔ مگر اپنی انتہائی کوششوں کے بعد بھی میں اب تک اس قابل نہیں ۔ کہ اس موضوع پر کوئی مطمئن کن بیان دے سکوں ۔ جو نام میں ذکر کروں گا ان کے متعلق اس میں تو شبہ نہیں کہ وہ عضد الدولہ کی اولاد ہیں ۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے علاوہ اور بھی کوئی اولاد تھی یا نہیں ۔ بہرحال تفصیل حسب ذیل ہے ۔

نرینہ اولاد | (۱) شیر ذیل نام ۔۔ اور ابو الفوارس کنیت ۔۔۔ شرف الدولہ لقب ۔

یہ عضد الدّولہ کے بعد بلاد فارس کا بادشاہ ہوا مگر کچھ عرصہ کے بعد عراق پر بھی قابض ہو گیا۔

(۲) مرزبان نام۔۔۔ اور ابو کالیجار کنیت۔۔ صمصام الدولہ لقب۔۔ یہ عضد الدولہ کے بعد عراق کا بادشاہ ہوا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شرف الدولہ نے عراق پر قبضہ کر لیا اور اس کو گرفتار کر کے قلعہ کیوشان میں قید کر دیا جو شرف الدولہ کے انتقال کے بعد وہاں سے رہا ہو سکا

(۳) شاہنشاہ نام۔۔۔ اور ابونصر کنیت۔۔۔ قوام الدین اور بہاء الدولہ لقب۔۔۔ یہ شرف الدولہ کے بعد عراق کا بادشاہ ہوا اور طویل حکومت کی۔ اس نے ایشیا کے مشہور فاتح سلطان محمود غزنوی سے صلح کی اور پھر سلطان کی صاحبزادی سے شادی بھی کر لی۔

(۴) احمد نام۔۔۔ اور ابوالحسین (یا) ابوالحسن کنیت۔۔ تاج الدولہ لقب۔۔۔ اسے صمصام الدولہ نے اپنی تخت نشینی کے وقت خلعت اور فارس کی حکومت عطا کی تھی۔

(۵) فیروز شاہ نام۔۔۔ ابوطاہر (یا) ابوظاہر کنیت۔۔۔ فارس کی سلطنت میں صمصام الدولہ نے احمد کے ساتھ اس کو بھی شریک کیا تھا اور یہ بعد میں صمصام الدولہ کے ساتھ قلعہ کیوشان میں مقید بھی رہا اور اس کے ساتھ ہی شرف الدّولہ کے انتقال کے بعد رہا بھی ہوا۔

اولاد اناث | اولاد ذکور کی طرح اولاد اناث کے متعلق بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس قدر تھی اولادِ اناث میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہ ہو سکا۔ صرف دو لڑکیوں کے متعلق بعض مؤرخین نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے ایک لڑکی تو وہ ہے کہ عضد الدولہ نے جب یہ چاہا کہ سلطنت کی طرح خلافت بھی بنی عباس سے ختم کر دی جائے تو اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عضد الدولہ نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح خلیفہ الطائع للہ سے کر دیا تھا اور یہ معاہدہ قرار پا گیا تھا کہ اس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو گا آئندہ اسی کو ولی عہد بنایا جائے گا مگر کسی مؤرخ نے اس لڑکی کا نام بتلانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

یاقوت نے معجم الادباء میں قاضی محسن تنوخی کے ذیل میں اتنا اور ذکر کیا ہے کہ خلیفہ الطائع للہ کو عضد الدولہ کی اس لڑکی سے نہایت محبت تھی۔ تمام حرم میں خلیفہ کے نزدیک

جس قدر تقرب اسکو حاصل تھا کسی دوسری بیوی کو میسر نہ تھا۔ مگر اس معاہدہ کی وجہ سے کہ جو لڑکا اسکے بطن سے پیدا ہوگا آئندہ خلیفہ بنایا جائے گا جس سے بنو عباس میں سے گویا خلافت کا خاتمہ بھی نظر آرہا تھا۔ خلیفہ اپنی طبیعت پر جبر کرکے اس بیوی سے نہایت محتاط رہتا تھا حتی کہ اگر شراب نوشی میں مشغول ہوتا تو شغل سے پہلے اس کو کمرہ میں بند کرکے کمرہ کو مقفل کر دیتا تھا اور اس کی کنجی اپنے خدام میں سے کسی خاص اور معتمد خادم کے حوالہ کر دیتا ؛

یہ تمام حالات عضد الدولہ سے مخفی نہ رہ سکتے تھے۔ اسے معلوم ہوا تو وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور قاضی محسّن تنوخی کے واسطہ سے اپنی بیوی کی طرف سے درخواست کرنا چاہی کہ خلیفہ اس شاہزادی کی طرف زیادہ توجہ اور التفات فرمائیں مگر یہ پیغام خلیفہ تک قاضی صاحب نہیں پہنچا سکے ؛

تاریخی اوراق میں عضد الدولہ کی ایک دوسری لڑکی کا بھی کچھ اشارہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نام اس کا بھی معلوم نہ ہو سکا۔ صاحب تجارب الامم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عضد الدولہ کے کوئی دوسری لڑکی بھی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس لڑکی کا بیان کرتے ہوئے جس کی شادی خلیفہ سے ہوئی تھی۔ کبریٰ (یعنی بڑی) کی قید لگائی ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی چھوٹی لڑکی بھی اس کے علاوہ موجود تھی ورنہ ظاہر ہے کہ صاحب تجارب الامم کو کبریٰ کی قید لگا کر امتیاز قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ قیاس اس وقت اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ جبکہ تاریخ ابو الفداء کی اس روایت کو پیش نظر رکھا جاوے کہ ۳۶۳ھ میں جبکہ منصور بن نوح سامانی صاحب خراسان کے اور رکن الدولہ کے درمیان مصالحت ہوگئی۔ تو منصور بن نوح سامانی نے عضد الدولہ کی ایک لڑکی سے شادی بھی کر لی تھی ؛

ان دو لڑکیوں کے علاوہ تاریخی اوراق میں کسی تیسری لڑکی کا کوئی ذکر نہیں ملتا ؛

اس زمانہ کی عام حالت عضد الدولہ کے عہد میں تمدن کے اعتبار سے کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ جو حالت اس سے پہلے تھی تقریباً اب بھی وہی موجود تھی اس وقت بھی گذشتہ زمانہ کی طرح رعایا کی حالت بہتر بنانے کی طرف کوئی اہم اقدام نہیں کیا گیا۔ عضد الدولہ سے پہلے کا

زمانہ نہایت بے اطمینانی اور افراتفری کا زمانہ تھا۔ جس میں تجارت و حرفت کلیتہً تباہ ہو چکی تھی مزید یہ کہ حکومت کے تقریباً تمام شعبے بیرونی آدمیوں کے ہاتھ میں تھے حتےٰ کہ فوج میں بھی ترکی یا دیلمی لوگ ہی تھے۔ اہل عراق کو کسی محکمہ میں بھی عمدہ نمائندگی حاصل نہ تھی یہ معاملہ اور بھی زیادہ طور پر اس وقت صاف ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم عراق میں جگہ جگہ جرائم پیشہ لوگوں کی کثرت پاتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جرم پیشگی اسی وقت زیادہ ترقی پا سکتی ہے۔ جبکہ رعایا کو اطمینان و بے فکری میسر نہ ہو۔ ہمیں اس دور میں جرائم پیشہ لوگوں کی پارٹیاں کی پارٹیاں تاخت و تاراج کرتی ہوئی ملتی ہیں۔ ڈاکہ چوری لوٹ مار ہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ اور پھر ہر پارٹی کے ارکان ہزاروں سے متجاوز تھے۔ ان تمام پارٹیوں کی تفصیل تاریخ التمدن الاسلامی میں پوری طرح کی گئی ہے ؂

غرض ان حقایق سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں۔ کہ عراق کی اقتصادی حالت اس عہد میں کافی کمزور تھی اور روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی ؂

وہ معاش کی جانب سے قطعاً بے فکر نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر جائز و ناجائز صورت سے روپیہ حاصل کرنے سے گریز نہ کرتے تھے ؂

یہ تو ان کی اقتصادی اور مالی حالت تھی۔ اب ان کی اخلاقی حالت کا مطالعہ کیا جائے تو اور بھی افسوس ہوتا ہے وہ اخلاقی اعتبار سے بھی نہایت درماندہ تھے اور افسوس ہے کہ اس میں بھی کوئی خوش آئند تغیر نہیں ہوا۔ بلکہ دن بدن حالت گرتی ہی چلی گئی ؂

غرض ایک طرف تو اقتصادی بدحالی اور دوسری طرف اخلاقی پستی پوری پوری طرح اپنا تسلط جمائے ہوئے تھی۔ مگر تمدن کی خامی میں کچھ کسر رہ جاتی اگر اسکے ساتھ آرام طلبی تعیش پسندی جیسی نامبارک چیزوں کا اضافہ نہ ہوتا۔ جو غریب تھے جنکو روٹی اور کپڑا تک میسر نہ آتا تھا انہیں تو چھوڑیئے مگر جو اوسط طبقہ کے آدمی تھے وہ تمام کے تمام بھی تکلفات اور تعیش پسندی میں مبتلا ہو چکے تھے وہ اپنے عربی خصائل حمیدہ کو یکسر خیرباد کہہ چکے تھے۔ بے تکلفی کی جگہ تکلف سادگی کی جگہ تصنع بردباری اور بہادری کی

جگہ بزدلی اور تعیش ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ اور جن لوگوں کا شمار اعلےٰ طبقہ کے لوگوں میں تھا ان کی حالت سب سے خراب تھی ۔

دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی کے نصف اول تک مسلمانوں کی حالت بہت بہتر رہی صنعت و حرفت اور تجارت میں انہوں نے کافی ترقی کر لی تھی۔ ان کی اقتصادی اور اخلاقی حالت بھی اس درجہ گری ہوئی نہ تھی۔ امراء کا طبقہ اگرچہ عیش پسندی کی طرف مائل تھا۔ مگر اسی کے ساتھ وقتی ضرورتوں کا بھی ان کو احساس تھا۔ ان کے قوائے حسبیہ ابھی اس قدر مفلوج نہ ہوئے تھے ۔

مگر تیسری صدی کے آخر سے دن بدن حالت گرتی چلی گئی خلفاء ضعیف ہوتے گئے علاقے کے علاقے قبضہ سے نکلتے گئے۔ خود عراق ہزار ہا فتنوں کی آماجگاہ بن گیا۔ ان حالات میں تجارت اور صنعت کو جس ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا وہ تاریخ بین طبقہ سے مخفی نہیں ۔

غرض اس زمانہ کا تمدن یہی تھا۔ جو کچھ قابلِ قدر قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

عضد الدولہ البتہ ایک ایسا بادشاہ ہوا تھا جس سے عالمِ اسلام کو بہت کچھ امیدیں وابستہ ہو چلی تھیں۔ مگر اسے موت کے آہنیں پنجے نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ کچھ اس جانب توجہ کر سکے۔ غور تو فرمائیے کہ ۳۶۷ھ میں وہ عراق پر قابض ہوا اور ۳۷۲ھ میں دنیا کو خیرباد کہہ گیا اور خود یہ زمانہ بھی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے ہی میں گذر گیا۔ بنیادیں مستحکم ہوئیں تو خود عضد الدولہ چل دیا ۔

عضد الدولہ کی بے وقت موت اور جانشینوں کی ناقابلیت اور مزید یہ کہ آپس کی خانہ جنگیوں نے تمام بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا اور تمام امیدوں پر بڑی بے دردی سے پانی پھیر دیا ۔

نعیم احمد عثمانی

و پوستینهای زرنگار[1] داد و عامهٔ سپاه را رعایت کرد، وصورت واقعه آن است که ازهزاران روزگار که نام ایشان براوراق لیل ونهار نگاشته اند کسی لشکری آراسته تر از امیر قرایوسف نداشته، فی الجمله بعد ازطوی متوجه بدلیس شده والی آنجا امیر شمس الدین شرایط خدمت بجا آورد[2] و ازانجا بقلعه ساور رفته[*] جمعی[3] بمحاصرهٔ آن بازداشت وبماردین آمده خزائن در قلعه آن نهاد و کوتوالی[4] آن به قرابهادر داد[*] و به طرف آید[5] و امیر قرا عثمان روان شد ومزروعات آید وجرموک[6] راچرانیده، اهالی[7] جرموک[*] امان طلبیدند و امیر قرایوسف بقرار[8] آنکه هزار اسپ تسلیم نمایند امان داد[*] و ایشان دراداتعلل نموده امیر یوسف بغلبه قلعه را مسخر ساخت و قتل[9] عظیم شد[*] وازانجا[10] بشهر ارغن آمد و امیر قرا عثمان بمحاربه پیش آمد و شکست یافته بقلعه متحصن شد[*] و امیر قرایوسف شهر غارت کرده[11] وبعزم معاودت ازآب فرات عبور[12] نموده متوجه صحرای موش گشت[*] ولشکر اجازت داده[13] بتبریز آمد، وشنید که لشکر او که باردبیل رفته بودند براولاد جاگیر[14] دست نیافتند و امیر بسطام

---

[1] زبده: بتکلف [2] زبده: ازانجا براه کوه حجران (کذا) روانه شد و بقلعه ساور (کذا) که درچهار روزه سنگی ماردین است نزول فرمود، [3] آ: جمعی را، [4] زبده: کوتوالی آن قلعه بمبارزان قرارداد، [5] زبده (مکرر): امد [6] زبده ـــــ' اما جردوک در سطور آینده، [7] زبده، : اهالی آن نواحی [8] زبده: عذر ایشان مقبول فرموده فرمان داد که هرکه اسب که درمیان ایشان باشد بدهند و یک روز دیگر بجهت آوردن اسبان توقف نمود، [9] زبده: وبسیاری بقتل آمدند تا بقهر وغلبه شهر بستند (بستدند) وخانها وبازارها آتش زدند وبسوختند و درختان قلع کردند وعمارات باغات مندرس گردانیدند، [10] زبده: ازانجا معاودت نمودند متوجه قلعه شهر ارعز (کذا) شد امیر قرا عثمان درحوالی جردوک برسرکوهی بلند متحصن گشت وامیر یوسف بپای قلعه ارغن نزول فرمود، [11] آ: فرموده [12] زبده: عبور کرد براه حماچون (کذا) متوجه وادی موش شد، [13] زبده: خود درصحرای الاطاق بعیش وعشرت مشغول گشت بعد ازچند روز ازانجا متوجه بتبریز گشت، [14] ک زبده: جاکیر،

در سلطانیه[1] است، امیر قرا یوسف عزم عراق عجم کرد و اواسط[2] جمادی الآخر* بسلطانیه آمد[3] و نامه و پیغام در سمع اولاد جاگیر جاگیر[4] نیاید و از شهر[5] قهر اماکن و مساکن سلطانیه ویران شده، امیر یوسف بیستم[6] رجب بتبریز بازگشت، از[7] جانب تراکمهٔ قراباغ و شروان فارغ نبود، و در دهم شعبان* از تبریز ایلغار کرد و بقراباغ آمده ایلچی پیش ابراهیم فرستاد و او را به صلح پیغام داد، امیر رشیدی[9] احمد تنکی و کستندیل گرجی[10] با امیر شیخ ابراهیم اتفاق نموده به صلح در نیامدند و امیر قرا یوسف از آب [ارس[11]] گذشته از طرفین جنگ بسیار کردند* و امیر شیخ ابراهیم و برادر او شیخ بهلول و کستندیل گرجی باغلبه بسیار* گرفتار شدند، و امیر قرا یوسف کستندیل گرجی و برادران او را با سی صد نفرا از ناوران* گرج بتیغ آبدار باتش دوزخ فرستاد و شماخی را غارت کرده بآذربایجان[13] آمده[14] صد تومان چهار پای[15] رانده بیشتر بسبب سرما تلف شدند[16]، و امیر شیخ ابراهیم

---

[1] زبده: قلعه سلطانیه [2] زبده: در روز دوشنبه جمادی الآخر سنه خمس عشر و ثمانمایه [3] زبده: و چند نوبت کسان پیش امیر بسطام فرستاد ... مفید نیفتاد (بجای و نامه ... نیاید) [4] آ ب: جاگیر [5] آ ب پ ک: از [6] زبده: در روز چهارشنبه بیستم [7] زبده: و آن تراکمه و لشکریان که در قشلاغ قراباغ ازان (: آران) بودند متردد خاطر شدند که مبادا که از طرف شروان خربی [خرابی ؟] واقع شود ترتیب لشکر کرده در روز سه‌شنبه ثالث و عشرین شعبان سنه خمس عشر و ثمانمایه الخ [8] زبده: سید [9] در آ، مصحفا: کرجی، زبده بعدش +: و امرای کرجستان که با او (یعنی ابراهیم) متفق شده بودند [10] از روی آ ب پ ک ق، در زبده گفته است: و در منتصف رمضان از قراباغ بر آب قاینق (کذا) زده عبور فرمود، و چون بدان طرف رفت لشکر امیر شیخ ابراهیم در حرکت آمدند و آتش حرب برافروخت [11] زبده: با برادرش و بیشتر سرداران کرج [12] ک: از ارناوران، آ ب: ارناوران، پ ک: از اَرناوران، برای ازناور که بزبان گرجی بمعنی شریف و بزرگ قوم است رک. بتاریخ جهانگشای جوینی ۲: ۳، ۱۷۲، ۳، [13] زبده: و از شروان بجانب آذربایجان مراجعت نمود [14] زبده: قریب صد [15] زبده +: از اسب و اشتر و گاو و گوسپند، [16] زبده +: و امیر یوسف در روز پنجشنبه سلخ شوال سنه المذکور بدار السلطنه تبریز نزول فرمود +

و شیخ بهلول و مولانا ظهیر الدین قاضی[1] را مقید به تبریز آوردند و جمعی که بصلح راضی نمی شدند بحبس و قید مبتلا گشتند (۲۹۶ ل) امیر یوسف با امیر شیخ ابراهیم مقرر کرد که آلات[2] مرصع[3] که در مجلس[4] شروان می داشته بخزانه سپارد و شیخ بهلول دویست تومان عراقی و مولانا قاضی صد تومان فرود آورده خلاص شوند، و اموال مقرری باداء رسانیده، شیخ بهلول و قاضی اجازت یافتند[5] و امیر شیخ ابراهیم در تبریز مانده، اول[6] بهار عنایت و احسان و کرامت امان شامل روزگار او شده عازم دیار خود گشت، و امیر یوسف آخر محرم سنه ست عشر به ییلاق اوجان رفت[7] و منصور برادرزادهٔ بسطام در تبریز محبوس بود،

(۲۹۶ و)

وقایع سنه ست عشر

حکایت تزویج میرزا[8] محمد جهانگیر بن میرزا[8] محمد سلطان

۱۰

حضرت خاقان سعید امتثال او امر الٰهی نموده خواست که بر سنن[8] نبوی گوهر شب افروز که دُرِ دُرجِ سلطنت بود با کفوی مناسب امتزاج داده ازدواج فرماید و اندیشهٔ عالم نورد در اطراف جهان جولان نمود و رقم این کار بر احفاد حضرت صاحبقران کامگار قرار فرمود و میرزا محمد جهانگیر بن میرزا محمد سلطان معین شد و ارکان دولت و اعیان حضرت نثارها آورده زرافشانیها کردند و چند دست رخت

---

[1] زبده: بسر مولانا قاضی بایزید، [2] زبده: آلات .... از طلا و نقره مرصعه، [3] ب: ــــ، [4] در زبده تاریخ رخصت مراجعت شروان که شیخ بهلول را داده اند دارد یعنی روز پنجشنبه سابع عشرین ذی الحجه ۸۱۵، [5] زبده: تتمه فصل زمستان در تبریز گذرانید و چون بوی بهار بمشام عالمیان رسید در روز پنجشنبه بیست و نهم محرم سنه ست و عشر و ثمانمایه بطرف اوجان و ییلاق سهند توجه نمود [6] زبده: امیرزاده، [7] فقط ب: سَنَن سُنَن (بجای سنن)،

فرّاش خانه از خیمه و خرگاه و مطبخ و آبخانه و سایه بان[1] و شامیانه مرتب گشت، بغالِ هلال نعال و اسبانِ صبا رفتار و بختیانِ کوه پیکر هامون گذار قطار قطار بحساب[2] در شمار آمد و مجلس بسان آسمان بانوار کواکب آراسته و چون بوستان[3] بانواع ازهار[4] پیراسته گشت، و منجمانِ ماهر طالعِ وقت اختیار کرده سادات و قضات و اکابر و اشراف را بباغ زاغان آوردند و چهاردهم جمادی الاخر[5] دُرّی که در صدف سلطنت پرورده بود در عقدِ نکاحِ دُرّی برج دولت میرزا محمد جهانگیر آمد ع
مبارک باد این عقد همایون!

ذکرِ قشلاق فرمودن حضرت خاقان سعید در مازندران بعزم[a] یورش آذربایجان*

ازان[6] زمان که واقعهٔ هایلهٔ بادشاه سعید شهید معزّالدین میرزا امیرانشاه در

---

[1] آ، با: سایبان [2] زبده: و نقد و جنس بے حد و شمار نظم { از گهر ریز سلاطین و زر افشان ملوک / شام را در درکنار و صبح را زر در دهان }

اکالیل مجوهر و حلاحل معنبر ملبوسات فاخر مرصّع بفنون (بالفنون) جواهر مهذب (مهذب) و مرتب اسباب طرب (و) نشاط ساخته و برداخته تعبیهایی که رشک گنبد مقرنس بود دلبسته شد جمنهای باغ را در فصل تابستان کلها (؟) ارغوانی و حلّهای زعفرانی بدید آمد و بانواع اسلحه و آلات مصقل از هر گوشه چون آفتاب می تافت [3] اک بب: بانوار ازهار، آبا: بازهار انوار، زبده: و بوستانی بانوار ها پیراسته [4] ک: چهاردهم جمادی الآخر، زبده: روز پنجشنبه جمادی الاخر سنه ست عشر و ثمانمایهٔ [5] زبده (۲۰۳ ب): و عزیمت یورش عراق و آذربایجان [6] رک برص ۱۱۱ "حسب" امّا زبده می گوید که حضرت سلطنت شعاری را عزیمت قشلاق در مازندران از سبب شده بود که بعد از واقعه "حضرت امیر بزرگ" انقلاب بسیار در بلاد عراق عرب و آذربایجان بوقوع رسیده بود و قضیه هایله امیر و امیرزاده امیران شاه بهادر واقع شده "و قرا یوسف ترکمان در آن بلاد دست تسلط برآورده و پای از حد خود بیرون نهاده"

(باقی حاشیه بر صفحه ۲۴۵)

آذربایجان واقع شد پیوسته حضرت خاقان سعید عزم یورش آذربایجان داشت ونقش انتقام مخالفان برلوح اندیشه می نگاشت وازجهت حدوث وقایع که در بلاد ماوراء النهر وخراسان تاحدود هندوستان بوقوع می پیوست چنانچه شرح آن معروض گشت آن عزیمت درعقدهٔ تاخیر مانده بود[1]، اکنون چون بعون عنایت یزدانی و تائید دولت آسمانی مجموع آن بلاد مضبوط شد وخبر انقلاب عراق عرب و مملکت آذربایجان واستیلای امیر قرایوسف ترکمان بمسامع جلال رسید آنحضرت عزیمت تسخیر عراق وآذربایجان فرمود وفرمان[2] جهانمطاع باطراف ارسال نمود مقرر آنکه لشکرهای ماوراء النهر وخوارزم ازان حدود برخبر بوده احتیاط نمایند وباقی لشکرها بموعد لا یستأخرون عنه ساعة ولا یستقدمون[3] [رسیده باشند؟]، وآلات مقاتله وادوات مقابله ترتیب یافت، لشکرهای چون کوه آهن دودریای موج افگن منتظم گشت بیت

سپاهی کوه[4] پیکر[5] فوج بر فوج چنانک[6] از روی دریا موج در موج

سراسر[7] باسنانهای زره سم زسرتا پای در آهن شده گم[8]

10

(حاشیه متعلقه ص۲۴۴) ودرهمان ایام که آن صورت بوقوع پیوست "حضرت سلطنت شعاری" را داعیهٔ حرکت بدان جانب بود فاما فتنهای که در بلاد ماوراء النهر وخراسان وبلخ وطخارستان وزابل وکابل تا هندوستان بسبب اختلاف مهتران سپاه وهوای اعیان مملکت بوقوع پیوست . . . . مانع ووازع رکضت همایون بود" — بآ ب : میرانشاه (بجای امیرانشاه)، حاشیهٔ این صفحه[1] زبده : در رجب سنه ست عشر وثمانمائه باحصار [باحضار] لشکرها مثال همایون بنفاذ انجامید که ازمواضع خود درحرکت آیند وبوقت میعاد بمحل معلوم لا یستاخرون الخ رسیده باشند، وعساکر ماوراء النهر وخوارزم را فرمان شد که هم دران ولایت از حدود وجهات برخبر باشند، — آ : باطراف ممالک (بجای باطراف)، — "ولا یستقدمون" را در آ ب آ د ک ت ندارد[2]. در مطلع ندارد، در زبده دارد [3] زبده : بی کرانه [4] ک : چنان کز، ب ت در زبده بشان تن؛ [5] کذا ایضا در زبده (ص ۲۰ الف)، و +: گرفته هرطرف شیران جنگی ÷ کمان چاچی وتیران تو بیر(؟) خدنگی ÷

و چند زنجیر فیل کوه پیکر عفریت منظر که از سمرقند آورده بودند در مقدّمه مقرر شد هر
یک بضخامت جثّه کوهی جسیم و بدرشتی هیکل طودی عظیم بیت

همه زنده فیلان گردون شکوه   به تندی چو دریا بهیکل چو کوه

و آنحضرت هژدهم رجب[1] از دار السلطنه هرات نهضت فرمود و چون لشکر منصور به نیشاپور
رسید رای انور (۲۹۶ب) مصراع   (ورق ۲۹۶ب)

کافتاب از فروغ آن تابیست

چنان اقتضا نمود که مکتوبی بجانب میرزا اسکندر روان فرماید و از عزیمت همایون
اعلام نماید و دبیر روشن ضمیر نامه باین عبارت درکتابت آورده :

صورت مکتوبی که بمیرزا اسکندر فرستاد

فرزندی اعزّی خُلّد ملکهٗ بسلام مالا کلام مخصوص گشته معلوم فرماید که   ۱۰
بفیض فضل[2] الهی و یُمن تائیدات نامتناهی[3] احوال این ممالک بر مناهج
استقامت[4] استقرار یافته و امور این ولایات بر مجاری استدامت
استمرار پذیرفته[5] و هر زمان از بارگاه صمدیت و درگاه احدیت دُرر کرم

---

[1] زبده : برین سیاق بموسمی که کفهٔ میزان . . . ترازو درک به ص ۲۴۹ س ۴ بعد) بعزیمت قشلاق
مازندران در روز یکشنبه هژدهم رجب المذکور الخ —— فقط در آ صفر بجای رجب ،

[2] صورت این مکتوب در زبده درجابها متفاوت است از مطلع ،   [3] زبده (۲۰۵ ب) بفضل ربّانی
و یمن دولت روزافزون [4] زبده (۲۰۶ ب) : الیباق (کذا) جاریست و امور دولت بر مجازی (مجاری) اطراد
(کذا) مستمر و لشکرهای جرّار در سلک عبودیت منتظم اند و اعنه بیشمار در تحت فرمان ملازمند و همّت بر دفع اعدا،
ملک و فتح باقی بلاد مقصود (مقصور) و بوساطت فتح و نصرت یزدانی و قوت قدرة آسمانی هردم از خزانه فضل ربانی
و دیوان لطف سبحانی خلعت مزید کامرانی و منشور حصول امال و امانی ارزانی میدارند ؛

و غُرّ نعم نصیب دولت و قسمت[1] حشمت ما می آید[2] و هر مراد که بر خاطر
گذرانیم[3] دولت مساعدت می[4] نماید[5] و روزگار موافقت میفرماید
اکنون همت بر تفریق جمع و تمزیق شمل قرا یوسف ترکمان و ضبط
و نسق ولایات آذربایجان مصروف[6] است[7] حالا عزیمت آنست
که زمستان در مازندران گذرانیم و چون طلیعهٔ بهار پیدا شود
رایات شاهی افراخته سوار و پیادهٔ لشکر با اسپان پیل پیکر رخ بدین
مهم آورده فرزین بند خصم را کشائیم و دستبرد[8] باو نمائیم[9] چه از آن[10]
زمان که نازلهٔ هایلهٔ برادر و مخدوم پادشاه سعید شهید بو قورع
پیوسته*[پیوستهٔ[11]] تدارک آن قضیّه فرض عین بل عین فرض
دانسته ایم[12] اما بسبب بعضی قضایا که درین ممالک[13] واقع شد چنانچه
جناب فرزندی را معلوم است توجه بدان طرف میسر نمیشد[14] امروز
بحمد الله[15] تعالی ممالک خوارزم و خراسان و زابل و کابل تا اقصای
هندوستان و مملکت[16] ماوراء النهر تا نواحی ترکستان و مازندران
باتمامت طبرستان در تحت تصرف بندگان[17] است و خاطر از جوانب

---

[1] زبده: ایام حشمت گردانیده می آید [2] زبده: گذرانیدیم (کذا) [3] زبده: گرد [4] زبده: نمود [5] زبده: موقوف و مقصور گردانیده [6] زبده (مصحفا): دست برخود بر نمایم [7] زبده: ازان وقت باز که قضیه هائله برادر و مخدوم امیر و امیرزاده سعید شهید نور الله مرقده: بو قورع پیوسته خاطر بر تدارک امر و انتقام از مخالفان موزع بوده و از استعداد قلع و قمع آن طایفه غافل نبوده ایم و [8] در ک — ' از روی با آیت اک نوشته شده — برای شرح این واقعه رک به ص ۱۱۶، [9] زبده — [10] زبده: طرف [11] بعدش در زبده + : و آن معنی از حد قوت بفعل نمیرسید، [12] ک: نند [13] زبده — ' [14] زبده (۲۰۶ الف): بندگان دولت استقامتی بغایت و طراوتی تمام یافته است و دواعی اختلال [اختلال ؟] را از ساحت آن احساسی (؟)، (باقی حاشیه بر ص ۲۴۸)

۱۰

جمع وحق تعالی قوت[*] انتقام ارزانی فرموده[۱] صد هزار سوار هر یک
چون ابری غران و برقی رخشان در اردوی همایون ملازم اند[۲] و
هیچ آفریده با این خاندان که عقد ایامش از انفصام مصون باد[۳]
این جرأت[۴] ننموده که قرایوسف نموده[*]، والحالة هذه سودای استبداد[۵]
از سر بیرون نکرده[۶] به شیوهٔ مخالفت[*] مستمر است انتقام[۷] ازو طبعاً
وشرعاً وعقلاً ونقلاً بر ما وشما از واجبات ودفع او از مفترضات
است[*] اگر ما با یکدیگر راه مباسطت کشاده نداریم وجادهٔ اتحاد
نسپریم ودر جذب منافع ودفع مضار[۸] متشارک ومتشابک نشویم
دشمن قوت گیرد وطمع[۹] او در مملکت زیادت گردد[۱۰] و می باید[*] که
در اول[۱۱] بهار بالشکر متوجه شده در حدود ری اتفاق ملاقات باشد
وبه هیئات مجموعی[*] روی بدین مهم آورده هرچه صلاح وقت باشد

(حاشیه متعلقه صـ۲۴۷) هرچه تمام تر از هیچ جهت تفرقه وپریشانی نیست که مانع رکضت همایون گرد [د]
سکون وحرکت واقامت ونهضت بدین مهم موقوف ومصروف گردانیده ایم شکراً لله که افریدگار حق تعالی و
تقدس بفضل شامل وانعام کامل خویش قوت ــ (درک . تعـ بجای تعالی) حاشیه این صفحه ۱ در زبده بعدش +: و
قدرت آن در امکان میتوان آورد ۲ بعدش در زبده +: وازمدت والت هیچ باقی نه،
۳ زبده +: وتوالی شهر [شهور] و [ا] عوام بدوام مقرون ۴ زبده: جرأت وجسارت [جسارت]
نتوانست نمود ۵ زبده: نکرده است بر شیوهٔ مخالفت وطریقه ممانعت ۶ زبده: طبعا وشرعا وعقلا
انتقام این قضیه بر ما وشما از واجبات ودفع دشمن از مفترضات مهمات ملکی ــ ک: نفرضات (بجای مفترضات)
۷ زبده: وطمع مداخلت ۸ زبده بعدش +: وسعی وکوشش میباید نمود تا بیگانه را از میان سر داریم
[بر داریم] وآن ممالک را از... (دو لفظ ناخوانا)... وخبث وجود ایشان پاک گردانیم می باید ۹ زبده: اوائل بهار بالشکر
ساخته متوجه شوند چنانچه در حدود ری بایکدیگر اتفاق ملاقات افتد با جملگی +

تقدیم اُفتد[1] و پیش از ملاقات از امرا[2] هر کرا اصلاح داند فرستند تا مشورت نموده هر چه مقرر شود با تمام رسانند[3] انشاء الله تعالی [وحده[4]]،

و چون نامه تمام شد و شرف اختتام یافت در صحبت ابوسعید ملک فرستاده آمد و حضرت خاقان سعید بموسمی[5] که کفهٔ میزان طیار شد و خریف از جادهٔ اعتدال بطلوع سهیل میل انحراف نمود بیت

استاد زرگر مهر بگشاد دست و بازو   افگنده خوردهٔ زر در کِفهٔ ترازو[*]

و فرّاش خزان صحن باغ و بستان را بساط زربفت ساخته و بر طرف دیبای هفت رنگ انداخته قطعه

فرشی فگنده بود ز دیبای هفت رنگ   گیتی ز بهر مقدم سلطان کامگار

از فرق شاخ ریخته زرهای[6] بیحساب   بهر نثار موکب میمون شهریار

شکارکنان و صید افگنان بجلکای[7] مازندران در آمد، اکابر و اشراف از اطراف و اکناف روی بار دوی همایون آوردند، امیر عزّالدین از هزاره[8] جریب[*] و

---

[1] زبده: رسانیده آید (بجای افتد)، و قبل الملاقات از امرای خود [2] زبده: بفرستند تا جانبین و مشورت نموده بر هر نهج که مقرر گردد با تمام پیوسته آید ـــ آ: رسد (بجای رساند) [3] از روی آ ب اک زبده با؛ وحد: العزیز [4] کذا ایضاً در زبده، [5] در زبده (۲۰۷ ا): "بموسمی" تا "ترازو" را در اثنای ذکر نهضت خاقان سعید از هرات آورده (رک به ص ۲۴۲ س ۴)، درین موضع بجایش عبارت ذیل را دارد: بموسمی که سپاه تیرماه در صحن باغ و راغ کاری آغاز نهاد و فلک سبز کار (کذا) اشجار چون روی عاشقان روزکار شد و مینار چمن باغ و بستان برنک کهربا گشت شاخ زربار و بار کوهر نثار گشت ـــ در زبده (۲۰۵ ا) "حریف خریف بطلوع سهیل میل انحراف از جادهٔ اعتدال نمود کرد" دارد (بجای خریف ... نمود)، در آ و ب هم "حریف خریف" دارد (بجای خریف)، در با: حریف حریف ـــ در زبده: "چهرهٔ زر" بجای "خوردهٔ زر" [6] زبده: درهای [7] زبده: بجلکاه [8] آ ب اک: هزاره جریب، با: هزار جریب (درین موضع و مواضع دیگر)، [*] ق ش با، زبده: هزاره جریب سمنان ، ک: هزاره الخ،

امیر حسن[1] کیا از فیروزکوه[2] و امیر علی از آل وساری و حکام گیلانات بر درگاهِ جهان پناه
(۲۹۷ر) جمع آمدند و مناسب (ورق ۲۹۷) مراتب بعنایت و عاطفت مخصوص شدند و
حاجات و ملتمسات بشرف عرض رسانیده باجابت مقرون شد و اجازت یافته
بر سر اشغال و اعمال خود رفتند،

ذکر مخالفت میرزا[3] اسکندر و اظهار یاغی گری

در آن[4] زمان که موکب ظفر نشان در قشلاق مازندران بود[5] ابوسعید[6] ملک
از جانب اصفهان عود نمود و بعرض رسانید که مزاج میرزا اسکندر از قانون[7]
اعتدال[8] انحراف یافته است، و حال آنکه چون واقعه میرزا پیر محمد واقع شد چنانچه
گذشت[9] و میرزا اسکندر بر سریر سلطنت عراق و فارس متمکن گشت خطبه و سکه بنام
۱۰ و القاب حضرت خاقان سعید آرایش داد و ایلچی[10] جهت رسانیدن این خبر
بخراسان فرستاد، اما چون ضر این بگوهر وزر مشحون گشت و عدد سپاه از ذرات
آفتاب افزون شد رایت جلالت تا محدّب فلک الافلاک برافراشت و آیت
سلطنت باقلام شهب ثواقب بر جباه کواکب نگاشت، هر روز آثار هیبت او
در دلها بیشتر و هر ساعت ساحت ولایتش وسیع تر می شد[11] علم بی نیازی بر بام
آسمان برآورد و سر از ربقهٔ اطاعت آنحضرت بدر آورد و بی حجتی ظاهر و دلیلی باهر
گمان برد که آنحضرت جهت تسخیر فارس و عراق بمازندران آمده و بظنّی خطا خود را

---

[1] زبده: حسین [2] زبده: فیروزه کوه — برای فیروزکوه، رک به نزهه ص ۱۶۱ س ۲۰ و بیستر پیج ص ۲۷،
[3] زبده: امیرزاده [4] زبده: بعد از چند روز که رایات همایون در نواحی مازندران گذرانید.
[5] زبده (مصحف): امیر سعید [6] زبده: قانون و قاعده بیشتر شد رک به ص ۱۶۰ ابعد [7] زبده: تعداد و
ایلچیان با تحف و هدایا — رک به ص ۱۶۷ س ۸، [9] زبده: متمکن تر [10] زبده: بسطی بود [نود] زمینی تازه می یافت

در معرض خطر[1] و بلا آورد و ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً شیطان آمال و بسیاری ملک و مال او را بران داشت که جواب ناصواب از سر غرور و گردن کشی در صحبت نوکری که همراه ابو سعید ملک آمده بود بعرض رساند، آنحضرت بدان سخنان التفات نفرموده فرمود که اگر نتواند آمد امیری با مقدار لشکر که یراق داند فرستد[2] نوکر او را رعایت نموده اجازت فرمود نوکر بخدمت میرزا اسکندر رسیده صورت حال عرضه داشت، میرزا اسکندر را شقاوت بخت و نحوست طالع در چاه بلا و مهلکهٔ فنا انداخت بیت

بلی شقاوت اصلی چو در کسی آویخت — بساکه شربت ناکامیش چشاند باز

القصه مخالفت ظاهر کرده خطبه و سکه بنام خود ساخت و راه خراسان مسدود کرده سواران[3] بسرحدها تاخت و جمعی از اصفهان بسمنان فرستاده صوفی آباد را غارت کردند[*] و فوجی از راه بیابان بقهستان خراسان آمده، چون مردم این دیار خبردار بودند مخالفان از ضرب تیغ خراسانیان فرار نمودند، میرزا اسکندر را جمعی خوشامدگوی بی عاقبت[4] بر مخالفت می داشتند و این چنین امری خطیر را حسن تدبیری می پنداشتند و او را نمود درین معنی بکسی احتیاج نبود چه در عنفوان جوانی و ریعان زندگانی بگنج و سپاه مغرور و بتاج و سریر مسرور شد و شهوات نفسانی و لذات جسمانی هر روز با تجرع اقداح راح برواح می رسانید و هر شب در آغوش گل رویان صباح بصباح متصل می گردانید با وجود مداومت [مدام - ظا][6] سایر مسکرات و مخدرات دیگر در کار بود[*] مثنوی

۱۰

---

[1] زبده: چنین امری خطیر آورد [2] زبده: بوقت یورش بفرستد [3] زبده (۲۰۹ ل) بسرحدهای سوار تاخت فرستاد تا غایتی که از جانب ری سواران ایشان تا سمنان رسید و قریه صوفی آباد را غارت کردند [4] بعدش در زبده +: که بسبب معاس [معاش] نا پسندیده خود ازین حضرت در وهم بودند [5] زبده: کامرانی [6] زبده: بعد از حسو سلاف و رشف عقار بنگ و معجون و قفت و افیون بچندین تکلف دسوق رشوق (جمله بظاهر ناتمام است)

چو خسرو کند میل مستی و خواب | شود نی گمان کار ملکش خراب
مقاسات رنج و تعب کردن است | ایالت نه بازی و می خوردن است
اگر شاه آگاه باشد مدام | همه کار عالم شود با نظام

اللهم وفق للعدل والاحسان،

ذکر ایلچی فرستادن میرزا اسکندر باطراف و اظهار خلاف

میرزا اسکندر اظهار خلاف کرده نخست راه اسدو [۱] فرمود و جمعی [۲] تعیین نمود که نواحی ری که ممر لشکر منصور بود آتش زدند و این چنان است که دریا را با نیران ترسانند و زمین را از زلزله بفشردن پا ساکن گردانند، و دیگر از تخیلات [۳] بیلاکات

۲۹ ب، بسرحدها فرستاد [۴] و شیوهٔ بغی و عناد خود را در خاطرها قرار داد، از آنجمله کافی اسلام

۱۰ را بطرف سیستان و قندهار و گرمسیر نامزد فرمود و چند سر اسپ تازی [۵] و زینهای زرین و خلعتهای فاخر [۶] جهت سرداران ولایات مذکور ارسال نمود و شاه بهرام با کافی اسلام همراه بود [۷] و مکاتبات [۸] مصدر باین عبارت القائم [۹] بامور المسلمین و ولی امیر المومنین السلطان اسکندر و من [۱۰] امره المطاع (کذا) روان کرد مضمون آنکه :-

حضرت عزت جل و علا [۱۱] از دیوان تؤتی الملک من تشاء

---

[۱] زبده : بجانب ری گرفتار شدن کافی اسلام   [۲] زبده : و فرمود تا مراتع و آن نواحی

[۳] ک : تخلات، ب : تخیلات، با : تصورات، اک : تخیلات، در زبده صورت فقره این طور هست : یکی از تخیلات [تخیلات] او آن بود که بیلاکات بادشاهانه ترتیب کرد و بسرحدها روانه فرمود   [۴] زبده : !   [۵] زبده + : از جامهای طلادوزی و غیره که پیش شاه قطب الدین برد بسیستان و همچنین بشاه بهرام علی حده بولایت قندهار و گرمسیر بر برک و ملک محمد هر یک از بیلاکی معین   [۶] با، ب، آ، اک : مکاتیب [۷] ک : القایم [۸] آ، زبده مثل متن [۹] زبده : و من امره مطاع (نیز رک بر ق ص ۲۴۲) [۱۰] ک : علا ،

سلطنت ممالک بما ارزانی داشته[1] بعنایت ازلی[2] اقلیم که هر روز
مواد[3] این معانی در تزاید باشد[4]، حالا مطمح نظر سعی و مطرح شعاع
قصد ما آنست که بلادی[5] که در تصرف* جد ما امیر بزرگ صاحبقران[6]
بوده تمامی[7] مضبوط گردانیم، قرا یوسف که خود را بوجود نزاکه
استظهاری تصور کرده بود[8] تاب حمله ما را پای نیاورد بیت

سیل اگر سنگ[9] را بگرداند   چون بدریا رسد فرو ماند

و تا آن زمان که حضرت[10] شاهرخی با ما طریق[11] ایلی و خویشی و دوستی
مرعی[12] داشت* ما نیز رعایت جانب ایشان میکردیم، اکنون بالشکر
گران متوجه مازندران گشته اند ما نیز[13] اصفهان را معسکر همایون
ساخته، مقررست که هفتاد هزار سوار او ایل بهار[14] جمع باشند، میباید
که ایشان با ما یکجهت بوده[15] سوار تاخت* ایشان بحوالی هراة رسد
و چون این قضیه را از پیش برداریم[16] آن ولایت[17] را با کابل و زابل
و بعضی خراسان سیورغال ایشان خواهیم فرمود*،

---

[1] زبده: فرموده و بعنایت ازلی وثوق آن داریم، [2] زبده +: و امداد مبانی آرزو افزون، [3] زبده: بلادی را که در تحت تصرف دیوان [4] زبده: صاحب قران انار الله برهانه بوده تمامت مسخر و [5] زبده +: و بکثرت و عدت ایشان مغرور گشته [6] زبده (۱) و (۲) برکوه [7] زبده: حضرت سلطنت شعاری [8] زبده: برطریق [9] زبده: بود [10] زبده: چون بدین جانب آمدند ما نیز لشکر جرار و سپاهی بسیار ساخته گردانیده ایم و مستعد [حرب] و قتال گشته اصفهان را [11] زبده +: در اصفهان، [12] زبده +: آن حدود را ضبط نمایند و لشکر با خود ساخته و چنان سازند که سوار تاخت [13] زبده: بر خاطر می شود [14] زبده تا ب: ولایات [15] زبده: با بسیاری مواضع دیگر بدیشان ارزانی داریم و وعده چند که مواعید عرقوبی [عرقوبیش] نیست ان مدعو [مرجو] بالفعل تواند بود،

مثل مشهور ثبت العرش ثم انقش را بر طاق نسیان نهاد[1] بیت

چنین گفت رستم خداوند رخش   بدشت آهوی ناگرفته مبخش

فی الجمله کافی اسلام عازم سیستان شد قضارا در رباط اشتران نوکر[2] داروغهٔ[3]
طلبس او را شناخته اسبان و بیلاکات او را دید[4] عرضه داشت بدار السلطنه هرات فرستاد
و میرزا سیورغتمش که در هراة قایم مقام حضرت خاقان سعید بود فرمود که نشانی[5]
بنام ملک قطب الدین ارسال نمودند که کافی اسلام از طرف عراق بدان[6] جانب[7]
آمده می باید که او را پیدا ساخته بدین طرف فرستند، و از آنجانب خدمت کافی بنواحی
سیستان رسیده[8] از آمدن خود خبر داد و ملک فی الحال کسان فرستاد تا او را گرفته
مقید ساخته و با مکتوبات و بیلاکات بجانب هراة بردند[9] و از هراة باردوی همایون
رسانیدند[10]، حضرت خاقان سعید چون مکتوبات میرزا اسکندر با مهر و نشان و خاتمه ۱۰
و عنوان دید حکایت مخالفت او که تا غایت محمول بر حسد و افترا بود شکی دران
داشت بتحقیق باور فرمود و حجاب ظن از چهرهٔ یقین رفع نمود با وجود این صورت

---

[1] زبده: نهاده ممالک کابل و زابل را بعضی خراسان بدلیشان شیورغال [سیورغال] فرموده،
[2] زبده: نوکری ازان داروغه [3] بقول صاحب زبده نوکر داروغه طلبس آقاسی خود شیخ هندوشاه (نام داروغه) را ازانچه دیده بود خبر کرده، [4] ب آ ک ب ب آ: اعلی [5] در زبده گوید که نشانی در قلم آوردند و امیر موسی نوکری بتعجیل تمام بدین مهم بسیستان فرستاد که کافی اسلام از طرف عراق الخ [6] ب آ ب ب ک آ: آن جا [7] زبده: ازان طرف کاسفی چون برامره (کذا) رسیده [8] زبده: که متفحص احوال او باشند و او را بگیرند و نگذارند که بجای دیگر رود درین اثنای نوکر امیر موسی از دار السلطنه هراة حمیت عن الآفات پیش قطب الدین رسید و نشان گرفتن کافی اسلام رسانید شاه قطب الدین محمد حسام را با چند سوار دیگر بطرف زامره (کذا) روانه ساخت تا کافی را بگیرند،
[9] زبده: امیر موسی او را با نوکر پیش شاه قطب الدین و نوکران خود و عرضه داشتهای خراسان باردوی همایون بجانب مازندران روانه کرد [10] ب ب آ ـ:

آنحضرت خواست که [1] در معرض معارضه نیاید [2] شعر

اذا انت قابلت المسئ بما اتی — فانت لعمری والمسئ سواء

امرا عرضه داشتند که چون میرزا اسکندر آوازهٔ عصیان در جهان انداخت و عالم آسوده را آشفته ساخت اگر در سیاست او [3] اهمال رود عقد سلطنت منتظم نگردد بیت

اگر نباشد تیغ سیاست سلطان — بنای ملک بیکبارگی شود ویران

از راه معارضة الفاسد بالفاسد و دفع الشر بمثله عدول نباید نمود، آنحضرت فرمود که آنچه شما میگوئید عین صواب و مصلحت ملکست اما اگر فرزند اسکندر از روی نادانی و غرور جوانی بحرکات ناشایسته اقدام نمود تواند بود که به نصیحت پنبهٔ غفلت از گوش او بدر آید و بر قبایح اعمال و فضایح افعال خویش واقف شده از در توبه و انابت در آید و اگر دشمن باشد ز دست [4] او چه بر آید بیت

اگر بصلح میسر شود که با دشمن — ره وفاق روی آشتی به از جنگ است

ما را نظر بر آنست که رعیت زحمت نیابند، امرا دعا گفتند،

ذکر احوال عراقین و آذربایجان و توجه میرزا اسکندر بعزم رزم و از راه [5] برگشتن

امیر قرا یوسف زمستان در تبریز گذرانیده اول بهار (ورق [5] ۲۹۸ الف) بولایت (۲۹۸ و) خود رفت و امیر شیخ ابراهیم را که در تبریز مقید داشت گذاشت چنانچه گذشت [6].

---

[1] نقط آ : در مقام الخ ، زبده : رائی ملک آرائی خود در معرض معارضه مزخرفات نیے سیئے نیاورد،

[2] زبده ــ ، [3] آ : بدست او ــ صورت فقره در زبده : او نیز باوجود آنک اورا در دل شعیتی (شنیعی ؟) باشد چه بدست او بر آید [4] نقط آ ــ ، [5] بعد ، ۲۹ ب یک ورق از کرم ورق داخ اصل نمرهٔ اش ۲۹۱ است) در نسخهٔ خطی بر موضعش نیست و بغلط بعد ورق ۲۹۰ مجلد شده، نمرهٔ اش بتصحیح درج می کنیم، آنچه در متن نمرهٔ اش ۲۹۸ و است در نسخهٔ خطی ۲۹۱ و درج است و ۲۹۸ ب در نسخهٔ خطی ۲۹۱ ب است

[6] رک به ص ۲۴۳ ،

و همچنین محمد[۱] پسر منصور[۲] برادرزادهٔ بسطام جاگیر[۳] که در تبریز اسیر بود دربارهٔ او عنایت فرمود و ولایت اردبیل و خلخال[۴] را برسم سیورغال باو کرم نمود و دران ایام خلایق آذربایجان بقحط[۵] و غلا[۶] مبتلا بودند و نرخ غله بپایهٔ رسید ع

کزان فراز تر اندر ضمیر پایه نماند

بیت

گشت چون پروین بقیمت سنبله کار گندم این چنین بالا گرفت

قرا یوسف[۷] تابستان بعراق عجم آمد و خرابی تمام بحال آن دیار خاصه سلطانیه و قزوین[۸] راه یافت ناگاه امیر یوسف شنید که محمد[۹] پسر منصور که امیر او را گذاشته بود باز مخالفت نموده و در غرهٔ جمادی الاولی خواجه جمال الدین صفوی[۱۰] را در اردبیل گرفت[۱۱] و اسپان و دواب و نقود که موجود بود بباد تاراج داد خواجه را در قلعهٔ فرج[۱۲] که در حدود اردبیل است حبس کرد، و در نواحی همدان خبر آمدن میرزا اسکندر شنید[۱۳]،

و شرح این سخن آنست که میرزا اسکندر عراق و فارس[۱۴] ضبط کرده اصفهان را

---

۱ فقط آ: محمد منصور، زبده: امیرزاده محمد الخ ۲ فقط زبده: امیر بسطام (بجای البسطام)، ۳ ق، aja ghir، ۴ زبده +: وشاهرود باتوابع و لواحق ۵ فقط ک: بقحط، اک: بقحط غله، زبده: بجدب (=جدب) و قحط، ۶ زبده +: آن زمستان در تبریز گذرانیده و ۷ زبده +: و همدان و درگزین از نهب و غارت و خرابی عمارت، ۸ زبده: محمد منصوری ۹ ک: صوفی، آ و ق و زبده مثل متن ــ صورت واقعه در زبده (۳۱۲ ب): در غرهٔ جمادی الاول سنه ست عشر و ثمانمایه بدر خانه جمال الدین صفوی رفته در اردبیل و او را بیرون خوانده و خواجه جمال الدین را از عقیدت او خبر نبود بعد از آنکه این معنی انکار کرد قوت مخالفت نداشت بضرورت با او موافقت نموده ۱۰ زبده: فرح، اق: فرّخ، ۱۱ در اک و زبده درین موضع عنوان ذیل را وارد: ذکر لشکر کشیدن مرزا [زبده: امیرزاده] اسکندر بجانب میرزا [زبده ؟] بعزیمت حرب] ـ قرایوسف و جنگ ناکرده بازگشتن [زبده: معاودت نمود (کذا)] ۱۲ آ: فارس را ــ در زبده (۲۱۴ و) گوید که ممالک فارس تمامها در چندگاه در تصرف او بماند و عراق دران رمضان بدان مضاف و منضم شد،

مستقر سریر سلطنت ساخته بود و درانجا عمارات علیه فرمود[1] و اساس سلطنتی نهاد ع

که از ملوک عجم هیچکس ندارد یاد

و شهباز همتش در اوج رفعت پرواز نمود و بعزم تسخیر ملک آذربایجان از راه کردستان توجه نمود و با لشکر بیشتر از چون و چند بحدود نهاوند رسید و ازان طرف امیر قرایوسف عزیمت او شنید و هر دو لشکر رو بیکدیگر آورده نزدیک آمدند، از قضای الهی امیر قرایوسف را عارضهٔ عارض شد[2] و اثر ضعف ظاهر گشت و از مردم او بسیاری بیمار شد[3] و بضرورت مراجعت نمود، و میرزا اسکندر خبر یافته گفت: میرزا[4] قرایوسف از بیم ما گریخت و دست عجز در دامن ضعف و مرض آویخت، و شاهزاده سر افتخار بر اوج لامکان بر افراخت[5] و کمند همت بلند بر کنگرهٔ قلعهٔ آسمان انداخت، القصه در غایت عظمت به اصفهان آمد، و امیر یوسف بهنگام مراجعت بقلعهٔ گاورود رسید امیر باباحاجی که آن قلعه را مامن ساخته[6] به امیر یوسف دم مخالفت می زد درین ولا طریق[7] موافقت[8] مسلوک داشته با تحفه و پیلاک پیش آمد، امیر یوسف او را اکرام تمام نمود و ولایات که در حوالی گاورود[9] بود سیورغال او فرمود و لشکر اجازت داده عاشر[10] جمادی الاخری بدولتخانهٔ تبریز فرود آمد، ۱۰

[1] زبده + : چه از ربض و قلعه وجه بجهت خاصه و دران عمارات تکلفات بی حد کرد، [2] زبده (۲۱۴ ب): در دلایل سستی بر صفحهٔ حال قلب و قالب پیدا آمده و جنان استماع افتاد روی از جادهٔ صحت گردانیده بیمار شدند — در نسخ دیگر مطلع: بسیار (بجای بسیاری)، [3] فقط در ک [4] آ و زبده: افراخت، [5] زبده: ازان طرف قرایوسف چون بهست [بهشت ؟] رود رسید باباجی (کذا) که مدتها بود تا قلعه کاوروا (کذا) مامن ساخته الخ — باق: کاورود (بجای گاورود)، اک: کاه رود، در نزهه ص ۸۷ گاورود ول وحشت رود را از ناحیت های ولایت مراغه شمرده است، [7] زبده: ادغان [ادغان] والقیاد [8] زبده: کارود [9] زبده: روز چهارشنبه عاشر جمادی الاول سنه ست عشر وثمانمایه،

ودرین سال شاه محمد بن امیر قرا یوسف از بغداد قصد امیر سارو ترکمان حاکم شهرزور کرد و از طرفین کوشش نموده شاه محمد غالب آمد و امیر محمد را گرفته در قلعهٔ هیت محبوس کرد و فرزندان او را در بغداد شهر بند فرمود و بعشرت اشتغال نمود،

وحاوی اوراق عبدالرزاق بن اسحق السمرقندی درین سال در دارالسلطنهٔ هراة دوازدهم شعبان از کتم عدم بملک وجود آمد قطعه

عیان نشد که چرا آمدم کجا بودم　　دریغ و درد که غافل زجان خویشتنم
چگونه طوف کنم در فضای عالم قدس　　چو در سراچهٔ ترکیب تخته بند تنم
اگر زخون دلم بوی شوق می آید　　عجب مدار که همدرد نافهٔ ختنم

امید آنکه عاقبت عافیت باشد انشاء الله تعالی،

وقایع سنه سبع عشر

ذکر فرستادن میرزا بایسنغر از مازندران بخراسان

چون فصل زمستان به آخر رسید و نسیم جان پرور بهار در اطراف صحرا و مرغزار و چمن و گلزار وزید حضرت خاقان سعید فرزند سعادتمند بیت

جوان و جوان بخت روشن ضمیر　　بدولت جوان و بتدبیر پیر

---

۱ زبده: محمد سارو　۲ زبده: هیت (کذا)،　۳ زبده: زن و فرزند او را بغداد برد،
۴ بعدش در آ ب ب اک +: تاب الله علیها،　۵ اک ــ، در آ ب ب ° انشاء الله تعالی راند او را،　۶ فقط ک: سبع و عشر، اک و زبده +: و ثمانمایه،　۷ زبده: حضرت سلطنت اعلا (کذا) اعلاه الله تعالی عزیمت ضبط و نسق ممالک عراق و آذربایجان در خاطر داشت،

غیاث[1] السلطنة والدین میرزا* بایسنغر را که به اشرف مراتب بادشاهی انوار مواهب الهی در جبین مبین او پیدا بود دلایل کامگاری[2] و مخایل شهریاری[3] در ناصیهٔ همایونش هویدا می نمود[4] به امارت مملکت خراسان* | تعیین فرمود و (۲۹۸ب)
شاهزاده رکاب فلک سای و عنان جهانگشای اوائل محرم[5] از قشلاق مازندران
بصوب خراسان معطوف ساخت[6] و چون خورشید عالم آرا عزم بیت الشرف
کرده* سایهٔ همایون بر آن بلاد انداخت و چهارم[7] صفر* در مستقر دولت نزول فرمود[8] ع
غیرت[9] فردوس شد از قدم او هراة*
از یمن موکب میمون و فروغ طلعت همایون عالمیان در ظلال اقبال آسوده
و جهانیان در مهاد امن و امان غنودند قطعه

اسکندر آن زمان که هری را نهاد پی | گرد اشتی ز دولت[10] و اقبال شهٔ خبر
در وی بجای خاک سرشتی همه عبیر | در وی بجای سنگ نهادی همه گهر

اکابر و اشراف غبار موکب او را سرمه مثال در چشم افتخار کشیده می گفتند بیت

خاک سم سمند ترا تکیه گاه ناز | این هر دو گرد بالش مشکین دیده باد

ذکر تمرد سید علی کیا در[11] ولایت ساری*

در آن زمان که موکب[12] ظفر نشان در قشلاق مازندران[13] بود* جمعی ارباب غرض

---

[1] زبده: معز الحق والدین امیرزاده، [2] زبده: بادشاهی [3] زبده: بختیاری [4] زبده: بامارت حکومت تمامت خراسان وبلاد شرقی آن [5] زبده: + : سنه سبع عشر وثمانمایه [6] زبده: بموسمی که خورشید عالم ارای روی بشرف خویش آورده بود [7] زبده: او ز چهارشنبه [سا] بع عشر صفر [8] در زبده بجایش: چونکه در آمد بشهر مرکب میمون شاه - غیرت فردوس شد از قدمش ان دیار + آب ینابیع اوست غیرت آب حیاة - خاک اراضی اوست نافه مشک تتار ÷
[9] زبده - ا [10] زبده: همی [11] زبده: در اول وساری و باز انقیاد نمودن، اک: در ولایت ساری و باز انقیاد نمودن؛
[12] زبده: عساکر [13] زبده: کهور [کبود] جامه و استراباد نشستند و مردم همه جنس بساری و آمل تردد کردند، عـ ک تر ص ۵۵، ح ۵

بہ سید علی کیا[1] رسانیدند کہ خویشان و برادران او کہ صفت الاقارب کالعقارب دارند پیش امرا و نواب تقصیرات او می شمارند[2] و می خواہند کہ حکومت آن ولایت بدیگری دہند[3] و مزاج ہمایون بہ نسبت او دیگر گونست، و درین اثنا او را بہ اُردوی ہمایون طلب داشتند، و او متوہم شد عذری معلول و سخنی نامقبول گفت، حضرت خاقان سعید را تعلل او عجیب و غریب نمود چہ بعنایت آنحضرت مملکتی وسیع در تصرف او بود[4] آنحضرت امراء عظام امیر مضراب بہادر و امیر الیاس خواجہ را نامزد ولایت او فرمود[5] و فرمود کہ پیش از ملاقات قاصدی[6] فرستادہ گویند کہ اگر بہ سخن صاحب غرضی متوہم شدہ عالمیان را معلوم است کہ بی رخصت شریعت قصد ملک و مال ہیچ آفریدہ نداریم و از طریق عدل و احسان عدول نمی جوئیم و راہ ظلم و طغیان نمی پوئیم می باید کہ خود را در ورطۂ ہلاک نیندازد و در کمند بلا مقید و مبتلا نسازد و در خرابی ولایت و خونہای ناحق نکوشد و صورت انصاف از چشم عقل نپوشد، اوّلاً عنایتی کہ دربارۂ او کردہ ایم بدیدۂ بصیرت مشاہدہ نماید و

---

[1] زبدہ + : کہ حاکم آمل و ساری بود [2] زبدہ : و دیگر تقصیر مدسایتے (؟)، کہ بدو نسبت کردند و گفتند حکومت آن موضع الخ [3] زبدہ + : و قریب دہ ہزار سوار بل زیادت در فرمان داشت و ثامت [صامت] و ناطق جمع گردانیدہ و عقار و صناع [ضیاع] ساختہ آن خضیض [حضیض] حول (کذا)، باوج نباہت رسیدہ و بیک اشارت آن حضرت این ہمہ در معرض تلف می افتاد، [4] زبدہ + : بالشکرہای آراستہ، [5] زبدہ + : و او د [را] بدرگاہ طلب دارند اگر ابا نماید قہرا و قسرا اقرا [اورا ؟] با اتباع و ساع [اشیاع] در قید قہر و غل دل [ذل] کشیدہ جزا و سزا کفران نعمات [نعمت] بدو رسانند [6] درک ندارد، از روی نسخ دیگر نوشتہ شد،

زبدہ : کس

ثانیاً مآل آن قضیه که کجا میرسد ملاحظه کند، حالا بیست و چهار سال است
که حضرت[1] پدر مغفور ما آن مملکت به شمشیر کشاده و حکومت آن ملک هم بایشان
داده و ما نیز بر همان قاعده مسلّمه داشته ایم، باختیار نمی خواهیم که در فرمان
آنحضرت تغییر واقع شود و الّا مترصّد این هم بسیار ند، چون امیر سیّد علی کیا
از توجه امرا و فرمودهٔ حضرت اعلیٰ خبر یافت کسان پیش امرا فرستاده خدمتها
قبول کرد[2] و پسر خود را با لشکر و هدایا به اُردوی همایون فرستاد[3] و آنحضرت گناه
او بخشیده کرامت عفو ارزانی داشت،

ذکر قضایای ولایت ماوراء النهر درین سال

سابقاً مذکور شد که در زمان عزیمت قشلاق مازندران فرمان شد که لشکرهای
ماوراء النهر از همان حدود بر خبر باشند میرزا الغ بیگ ایلچی[5] فرستاده امیرک احمد 10
را طلب فرمود[4] او توهم کرده ابا نمود[6] و میرزا امیرک احمد گفت که از مزاج
میرزا الغ بیگ می ترسم و نمی توانم آمد و بندهٔ[7] دولتخواهم، میرزا الغ بیگ امیر
بایزید پروانچی را که معتمد او بود بجانب اندگان ارسال نمود و فرمود که سخن او سخن ما است،[8]

---

[1] زبده: سه دیگهای چهپاق موید متن [2] فقط آ ـ [3] زبده: کردند و ایشان را شفیع ساخت و عذرخواهی بسیار نمود،

[4] زبده (۲۱۹ لو) + : تا در مداد دیگر بندگان منخرط شد امیر [امرا] شفیع گشتند و سخن او را عرضه داشتند،

[5] زبده: ایلچی بطرف امیرزاده امیرک احمد فرستاد و او را بجهت جانقی مشورت طلب داشت ـ فقط آ: میرزا احمد میرک (بجای امیرک احمد) ـ برای وی رک بر ص ۱۳۲، [6] زبده (۲۱۹ اب) + : و در کردن کشی اظهار کرد و کرت دیگر کسان فرستاد و او را نصیحت نمود،
عذری چند نامسموع تقریر کرد [7] زبده: بنده و دولتخواه ایشانم و با امیرزاده اعظم چنان نمودند که امیرک
احمد می گوید اگر حضرت امیرزاده از معتمدان خود یکی را بفرستد که با او عهد و بیعت کنیم چون دل قراری باشد و خاطر
تسکین یابد این بنده ایمن شده پیش ایشان آید،

هر شرط و عهد که کند به آن وفا نماید امیر بایزید پیش او رسید چندانکه سعی کرد بجائی نرسید امّا[1] وعده کرد که پسر خود را بخدمت فرستد[*] آن وعده بسر آمد و پسر نیامد میرزا الغ بیگ کورکان عازم اندگان شد و میرزا امیرک احمد قلاع آن نواحی محکم ساخته بکوه رفت[2] و (ورق ۲۹۹ ا) میرزا الغ بیگ قلعه اخسی را که اعظم قلاع [او][3] بود محاصره فرمود و آن قلعه ایست که از شرفات آن سنبلهٔ فلک توان چید و از غرفاتش غلغلهٔ[4] ملک توان شنید اهالی قلعه بحصانت مغرور گشته آهنگ جنگ راست کردند و لشکر منصور اطراف قلعه را چون چشمهٔ زره و خانهٔ زنبور ساخته قلعه مسخر گشت و اموال فراوان بدست لشکریان افتاد و میرزا الغ بیگ رعایا را در ساحت امن و حریم امان مقام داد و پاینده[5] بکاول را کوتوال ساخته بجانب اندگان روان شد و میرزا امیرک احمد به کوههای سخت دور دست رفته بود میرزا الغ بیگ امیر موسی[6] کا[7] و امیر محمد تابان را بحکومت اندگان مقرر فرمود و موکب منصور بسمرقند معاودت فرمود[8] میرزا امیرک احمد از مراجعت میرزا الغ بیگ خبر یافته بالشکری که از مغولستان بمدد او آمده بودند عازم اندگان شد امیر موسیکا (کذا) و امیر محمد تابان و امیر علی قوچین بعزم رزم از اندگان بیرون آمده بحوالی اوش[8] رسیدند و چون از حال یاغی خبر نداشتند بی[9] احتیاط فرود آمدند[*]

---

[1] زبده: بمبالغهٔ بسیار بدان رسید که وعده کرد پسر خرد [خود؟] را بعد از چند روز بفرستد،

[2] زبده +: که موضع حصین بود [3] فقط در ک ندارد، [4] زبده: زمزمه،

[5] ک با: بایندهٔ بکاول، زبده: بیابند بکاول، ق: Baiendeh-Bekaoul،

[6] زبده: موسی، [*] در زبده این فصل عنوان ذیل دارد: ذکر آمدن امیرک احمد بحوالی اندکان و کشته شدن امیر موسی کا و محمد تابان [8] در زبده ذکری از اوش نیامده است [9] زبده: ایمن فرود آمدند و زیادت احتیاطی ننمودند،

وامیرزا[1] امیرک[2] ازحال ایشان[3] آگاه بود ناگاه بسر ایشان رسید وامیر موسی کا وامیر محمد تابان وامیر علی ودیگر بهادران را بقتل آورده امیر رستم پسر امیر سلیمان شاه با مخالفان جنگ کنان عازم اندگان شد ومیرزا احمد تا اندگان آمده جنگ بسیار کردند وامیر رستم وباقی امرا اندگان[4] را نگاه داشتند ومغولان الجا گرفته بمغولستان بازگشتند[5] ،

ذکر عزیمت حضرت خاقان سعید بجانب ممالک عراق وفارس

چون آفتاب عالمتاب بحاذات نقطهٔ اعتدال ربیعی رسید[1] وجمشید خورشید طناب[2] سراپردهٔ بادشاهی ازدنبال ماهی برگردن بره[3] وبست واز آبگیر[4] حوت بسنرهٔ ہتگاه حمل آمد[5] حضرت خاقان سعید[6] چهاردهم محرم مکرم[7] ازجلگاء مازندران[8] عزم جانب ملک ری فرمود بیت

زنعل بادپایان تگاور زمین گفتی که گردونی ست دیگر

وچون رایات نصرت آیات سایه همایون برخطهٔ دامغان انداخت ایلچی امیر

---

[1] آ : میرزا امیرک، اک ب با : میرزا امیرک احمد [2] زبده : شهر وحصار نگاهداشتند چنانچه برایشان هیچ دست نیافت آخرالامر خایب وخاسر بطرف مغولستان معاودت نمود ، [3] زبده (۲۲۱ ب) : یعنی خسرو ستارگان الطناب [4] ک : برهٔ ، اک : برد ، با آ مثل متن ، [5] زبده : بطن حوت بحراکاه حمل بعل [نقل] کرد [6] زبده + : ازضبط ونسق ممالک خراسان وتوابع ومضافات آن بازبرداخت درروز چهارشنبه چهاردهم محرم سنه سبع عشر وثمانمایه چون عزائمت [عزیمت] یورش تصمیم یافت [7] زبده + : باسپاهی درسپاهی ،

۱۰

بسطام از سلطانیه رسید و بموقف عرض رسانید که: بندهٔ[1] خدمتگار آنحضرتم
کمر خدمت[2] بر میان و حلقهٔ بندگی در گوش منتظر فرمان ع
بهر چه حکم کنی نافذست فرمانت
چون رسیدن نهضت همایون استماع نمود ارادت آن بود که برسم اقامت خدمت
زمین بوسیدمی فامّا موانع روزگار بر خاطر نوّاب معدلت شعار واضح باشد،
اگر[3] اعلام فرخنده اعلام عزم اینجانب نمایند ملتمس از نوّاب* کامیاب آنکه پیشتر
شرف اعلام ارزانی فرمایند تا حسب المقدور مایحتاج خدّام سرانجام نماید و
نغار[4] لشکریان و نعل اسپان بعزّ[5] قبول مقبول آید* بیت
کسی که عزّ قبول تو یافت در عالم بچشم همّت او ملک ری[6] نماید خوار
۱۰ گوش هوش باستماع اخبار آنطرف نهاده و دل و جان به امتثال فرمان داده بیت
همه چشمیم تا پدید آئی همه گوشیم تا چه فرمائی
آنحضرت ایلچی امیر بسطام را تربیت فرموده نوکری همراه او فرستاد و پیغام داد
که برنیکو بندگی او اطلاع یافتیم، باید که قلعه را استحکام داده پسر یا برادر خود را
باردوی همایون فرستد ع
تا اعتماد بر سخنش بیشتر شود
[7]چون موکب همایون بحوالی ری[8] رسید جمعی نوکران میرزا اسکندر را از اصفهان

---

[1] زبده: بنده و ـــ معروض امیر بسطام را در مطلع باختصار آورده است، [2] زبده: مطاوعت [3] زبده:
بندی (بنزی] از احوال آن طرف باز نموده که رایات همایون را عزیمت ان جانب بود توقع بنواب الخ [4] زبده (مصحفا):
تغاو، ق: مثل متن [5] زبده: براندازهٔ طاقت و توان ترتیب نماید، [6] ک، خار، ب ب اک مثل متن، آ با: جواز، این بیت را
در زبده ندارد، [7] عنوان این فصل در زبده: ذکر گرفتار شد [ن] امیرزاده یوسف خلیل (کذا) و سبب آن [8] ب ب اک:
بجوار ری، آ آ با: بجوار ری ر ق مثل آن، زبده: حوالی خوار ری، ـــ برای خوار ری رک به نزهه ص ۱۷۳، س ۱۴،

گریخته آمدند و بعرض رسانیدند که لشکری از اصفهان نامزد محاصرهٔ ساوه شد[1] و
سبب آن چنان بود که [در[2] وقتیکه] رایت ظفرنشان[3] در قشلاق مازندران بود
نصرالله صحرائی حاکم ساوه[4] التماس داروغه نمود و آنحضرت ملتمس مبذول داشته
نوکری بساوه فرستاد | ومیرزا اسکندر آگاه شده امیر یوسف جلیل[5] وامیر (۲۹۹ب)
جلبانشاه برلاس[6] وامیر بیان توچین[7] وامیر[8] عبدالله پروانچی[9] و سعدالله[10] را نامزد
محاصرهٔ ساوه کرد[11]، حضرت اعلی برین حال واقف شده جمعی از لشکر منصور
نصرهم الله بانتصار نصرالله تعیین فرمود تا رعایای ساوه از مساوی[12] آن گروه خلاص
یابند، امیر حسن صوفی ترخان وامیر سید علی ترخان[13] وامیر دولتخواجه اناق و
امیر چهار شنبه با[14] ده هزار سوار[15] نصرت شعار عازم آنجانب شدند،

۱۰ امرای میرزا اسکندر از توجه امرا و عزیمت حضرت اعلی خبر یافته بایکدگر
مشورت نمودند و باتفاق گفتند: ما همه بنده[16] و بنده زاده حضرت صاحبقرانیم

---

[1] ک: ازروی آ نوشته شد، زبده: دران ایام [که] رایات همایون [2] زبده +: نوکری پیش بندگی حضرت فرستاد و اظهار دولتخواهی و یکجهتی نموده، [3] با و تی (بهر موضع): خلیل؛ زبده: جلیل [4] ب: جلپانشاه، با آ (عموماً) حلبانشاه (ودریک موضع مثل متن)، زبده مثل متن [5] برای برلاس رک به حاشیه تی ص ۲۵۰، [6] مقطک: توشبجی، تی مثل متن، زبده: توجین، [7] زبده —، [8] برای پروانچی رک به حاشیه تی ص ۲۵۰ [9] زبده (۲۲۳ب) +: باچند هزار مرد مقرر گردانید، که بروند و ساوه را محاصره کنند و نصرالله (را) قهراً و قسراً در غل ذل و تید قهر کشیده بدرگاه آوردند [آورند] جون امرا مذکور متوجه ساوه گشتند آن جماعت از اصفهان گریخته پیش بندگی حضرت رسیدند واین معنی عرضه داشت [10] زبده: مساعی [11] زبده —، [12] زبده: باسایر امرا و قریب ده هزار سوار، [13] زبده: بندکان حضرت صاحبقرانی انارالله برهانه بودیم و (به) تربیت وعنایت وشفقت او هریک امیری و بزرگی شدیم امروز اگرچه امیرزاده اسکندر و (کذا) فرزند زاده آن حضرت است الخ

اگرچه میرزا اسکندر نبیرهٔ آنحضرتست[1] امّا بر قول و فعل او اعتماد[1] نیست و حضرت شاهرخی فرزند[2] صاحب قرانیست[3] و فرزند بولایت از نبیره اولی باشد خاصه فرزندی که فرمان فرمای اقالیم عالم و بادشاه ربع مسکون باشد[4]، امرا چون این معانی در میان آوردند هر یک دیگر را در امتثال آنحضرت از خود راغب تر دیده مجموع اتفاق کردند که با لشکر منصور جنگ نمی کنیم و چون امیر[5] یوسف جلیل در قضیهٔ جهانملک چنانچه گذشت[6] با مخالفان اتفاق داشت برو اعتماد نکردند و او را گرفته مقید ساختند و با امرای نامدار ملحق شدند، و هنوز آنحضرت در ملک ری بود که این صورت در آئینهٔ فتح روی نمود و در فاتحه این یورش بی قتل و کشش چنین فتحی میسّر شد،

۱۰ و چون موکب ظفر شعار بقلعهٔ شهریار آمد بیان توچین و لبپر عبد الله پروانچی و سعد الله شرف زمین بوس یافتند و متعاقب نصر الله صحرائی بسعادت بندگی مستسعد گشت[7] و بعنایت سرافراز شد[8]، و رایات نصرت سایهٔ دولت بر ولایت ساوه انداخت، امیر حسن صوفی و امیر سید علی[9] و سایر امرا با امرای میرزا اسکندر رسیدند و یوسف جلیل[10] را مقید رسانیدند و آنحضرت دربارهٔ امرای نو[11] در آمده غایات عنایات بظهور آورده، امیر یوسف جلیل که بعد از واقعهٔ جهانملک در اطراف عالم سرگردان گشته و انواع حوادث بر سر او گذشته عاقبت باتفاق پدر بزیارت کعبهٔ معظم

---

[1] زبده: زیادت اعتماد [2] بب: صاحب قرانی است، با: صاحب قرانست، [3] آ ب اک: است، [4] زبده: امیرزاده، [5] رک به ص ۱۰۸، [6] زبده: حضرت سلطنت شعاری ایشانرا تربیت و نوازش فرمود و بخلع فاخره مفتخر و سرافراز گردانید،

[7] زبده +: ترخان [8] زبده +: و جلبانشاه [9] اک (شل ق): خلیل [10] در آ یک سطر را ندارد از "رامقید" تا "امیر یوسف جلیل"، [11] فقط اک: بزانو،

فایض شده و بعد ازان ملازم میرزا اسکندر گشته چون پیش آنحضرت آوردند جریمهٔ
اورا عفو فرموده گناه اورا نابوده انگاشت و [1] مضمون عفا الله عمّا سلف بر
لوح فرمودهٔ السلطان ظل الله نگاشت تا یوسف جلیل [2] قوی دل و فسیح امل
از گناه استغفار نمود شفیعُ المذنب اقرارُه و توبتُه اعتذارُه و آنحضرت
حکومت قم بعبد الله پروانچی ارزانی داشته امیر یوسف حاجی وزیر را بضبط قلعه
وکوتوالی گذاشت [3] ،

ذکر شکار فرمودن در صحرای [4] ساوه*

حضرت خاقان سعید در فضای دلگشای صحرای ساوه هوای صید و نشاط
شکار فرمود **بیت**

چون رای پادشاه نشاط شکار کرد — اول بلطف صید دل روزگار کرد
وانگاه چون بمرکب [5] دولت سوار شد — بر خسروان روی زمین افتخار کرد 10

دران بیابان گورخر بسیار مهیا شد، خاصه فصل بهار، لشکر [6] نامدار جبال و صحاری
یرگه کرده قمرغهٔ شکار بهم پیوست* سگان معلّم درد و بدن و یوزان [7] در غریدن و باز
وشاهین و چرغ ولاچین* در پرواز آمدند **قطعه**

چون باز تو کشاده کند پرّ و بال خود — خورشید را نهیب بود ماه را حذر

---

[1] زبده: عفا الله عمّا سلف برخواند تا یوسف جلیل، — در مطلع صورت این جمله غریب است، — نقطهٔ ک: لعل رجاء الله)

[2] زبده: آنجا مقرر کردانید [3] زبده: صحرا و جراو فراهان وآن نواحی [4] آ با: بمرکب، ب ب اک زبده مثل متن،

[5] زبده (۲۶۲ ب)، جر (کذا) رسانید تا عساکر منصوره .... اطراف واکناف جبال وصحاری رابرکه [یرکه] کنند بعد از
چند روز که قمرغه شکار بهم پیوست الخ — برای یرکه و قمرغه رک به حواشی ق ص ۱۲۵۲،

[6] زبده: یوزان محکم در غریدن وانواع شکره ازباز الخ،

فردا بزیر سایهٔ طوبی کشد[1] چرا — هر صید را که باز تو گیرد بزیر پر

وحوش را در دشت میدان دویدن و طیور را در هوا مجال پریدن نماند[2] آنحضرت
با امرای نامدار و وزرای سعادت یار و مبارزان بهرام اقتدار در بهترین ساعات
بر اسپان ماه سیر هلال نعال[3] چون خورشید بر سبز خنگ فلک سوار شدند و از خون
وحشیان صحرا و بیابان لاله[4] ستان گشت و گور خر و آهوی (ورق ۲۰۰ ا) بسیار
کشتهٔ سباع را مایدهٔ پر فائده بهم رسید،
و[5] موکب ظفر نشان بجرا و فراهان آمد[*] و پیشتر امیر حسن صوفی و امیر الیاس خواجه
قلعهٔ ایغان[6] که دران نواحی بود محاصره داشتند و هنوز فتح نشده بود[7] آنحضرت
جمعی را بمدد ایشان فرستاده بفر[8] دولت قاهره مسخر گشت[*] و در مقام گورکان[9]
سه نفر از رؤسای اصفهان بآستان ظفر آشیان آمدند[10] و بعنایت پادشاهانه و
التفات خسروانه اختصاص یافتند،

---

[1] زبده: برد [2] زبده +: عساکر منصوره جبل و صحاری در نور دیدند جمهور (کذا) حیوانات صحرایی را رانده بیک محل جمع گردانیدند، [3] زبده: نعل،
[4] فقط ک: لاله استان، [5] زبده: بعدازان کوچ فرموده بنواحی نزول فرمود، — ' درآ: بجرا و فراهان (بجای بجراو فراهان)، ورق: جرا و فراهان،
[6] ک: الغان، آآک: ایعان، بآ ق زبده: ایقان، بب: العان،
[7] زبده: چون این جماعت برسیدند و باتفاق از جوانب و اطراف بحفر و نقب مشغول گشت سکان حصار نیز کوشش بسیار نمودند عاقبة الامر بفر[؟] دولت قاهره ثبتها الله تعالی مسلّم و مسخر شد،
[8] زبده مثل متن، ق: Kourkan [9] زبده +: و احوال امیرزاده اسکندر مجمل و مفصل بعرض رسانیدند.

ذکر رسیدن موکب[1] ظفر نشان بحوالی اصفهان[*]

چون رایات ظفر آیات نزدیک اصفهان رسید و بمرحلهٔ[2] باغ رستم که دو فرسخی اصفهانست فرود آمد، و[3] هرکرا سعادت مساعدت نمود از اصفهان روگردان شده در سلک عبید و خدم منتظم گشت شیخ[4] محمد خویش امیر عباس گریخته رسید و متعاقب او شیخ[5] علی قزاق با[6] سیصد سوار بمعسکر همایون پیوست و در مقام آتشگاه جمعی حشمیان[7] بدرگاه عالمپناه آمده بعرض رسانیدند که خیل خانهٔ ما در بیرون دروازهٔ اصفهانست اگر مرحمت فرموده فرمایند که جمعی دلاوران نزدیک شهر آیند شاید که آن مسکینان ازان بلا خلاص یابند حکم همایون نفاذ یافت که امیر[8] مضراب بهادر و امیر الیاسخواجه نزدیک شهر رفته معاونت نمایند که حشمیان[9] باردوی اعلی رسند امرا چون باد که عرصهٔ خاک بپیماید و سیل[10] که از فراز بنشیب آید روبشهر نهادند، قراولان میرزا اسکندر در برابر آمده از طرفین مردان مرد و دلاوران صف نبرد وگردان معرکهٔ دلاوری و نهنگان دریای صفدری همه جنگ جوی و تندخوی روی در روی آوردند، دلهای شیران بیشهٔ جنگ

---

[1] زبده : سلطنت شعاری خلد الله تعالی ملکه وسلطانه بسپاهان وقضایایی که دران ایام واقع شد ،

[2] با : بعد ، زبده مثل متن ، درق ترجمه اش le village نوشته است وکلمه محلات رانیز در سطور آینده همین طور ترجمه نموده ، [3] فقط درک ، [4] زبده : یکی از نوکران امیرزاده اسکندر شیخ محمد نام [5] زبده : امیر سید علی ترلق با فشون خود بمقدار (درق : Kazak) [6] زبده : اتشکده — برای قلعه آتش گاه رک سبز بعد ص ۰ د [7] اک : جشیان ، با : چشمشان ، بب (بهر موضع) حشیمان . ق : nomades زبده مثل متن ، [8] زبده : امیر اعظم امیر [9] با مثل متن ، اک وبب حسب تصریح بالا ،

[10] ک : بیلی ، آ مثل متن ،

و دلیران میدان نام و ننگ چون شعشعهٔ[1] آفتاب در اضطراب آمد میرزا بایقرا که از جفای برادر دلی پُر آذر داشت چون آتش خروشان و دریای جوشان گشت، امرا امیر جلبانشاه برلاس و لطف الله[2] بابا تمور[3] و خضر خواجه پسر[4] امیر شیخ علی بهادر و توکل باورچی و علیشاه آزاد که هر یک[5] بنوک پیکانِ کوه گداز سوار[6] را بر زین و زین را بر اسپ[7] و اسپ[8] را بر زمین دوختی و تیغ صاعقه فعل آتش جهانسوز در اطراف معرکه بر افروختی حمله کردند، مبارزان اصفهانی در حملهٔ[9] اول محل خود باز گذاشته روی بمحلات[10] آوردند و بهادران سپاه منصور در عقب ایشان ریختند[11] و تیغ جهانسوز و خدنگ آتش افروز خاک[12] معرکه با خون بر آمیختند[13]،

۱۰	امیر لطف الله بر سر پل ایستاده حشمیا[14] زا می گذرانید و چندانکه یاغی قصدِ او کرد همه را بزخم شمشیر باز گردانید و از آن طرف امیر عبد الصمد و امیر جنید حملها بهادرانه نمودند اما لطف الله را از سر پل دور نتوانستند کرد، ده زخم شمشیر باو رسید و شمشیر[15] او شکسته همچنان جنگ میکرد[16] عاقبت اصفهانیان گریزان شدند و دلاوران حشمیان را با ردوی همایون[17] آوردند،

میرزا اسکندر را از شکستی که در صدمهٔ اولی بلشکر او رسید و احوال کشتگان

---

[1] فقط ک: شعلهٔ، زبده مثل متن، [2] با آ ک ق: لطف الله بابا تیمور، [و در زبده مصحفا: لطف الله بن و یا تیمور، — اما بابا تیمور بجای و یا تیمور ر ص ۲۷۲ س ۷) [3] ق ب، زبده: خضر خواجه امیر شیخ علی بهادر، [4] در زبده این فقره فقط در صفت امیر جلبانشاه آمده است، [5] ک: سور [6] فقط آ ب، [7] آ زبده: و بله [8] رک به حاشیه ۲ صفحه سابق،

[9] آ: در ریختند: با مثل متن، [10] زبده: کوچها محلات را از خون همرنگ طبرخون کردانید [11] با: حشمیان، [12] زبده: رسیده بود و همچنان جنگ میکرد، آخر الامر شمشیر او بشکست، [13] آ با ب ب،

ومجروحان شنید حیرت بر و مستولی شده آتش غیرت در نهاد او زبانه زد و از صفحات احوال سپاه نصرت شعار[1] آثارِ فتح وظفر مشاهده کرد و علامات زوالِ اقبال بر جبهات آمال خویش معاینه دید وارکان دولت خود را بخلوت طلبید ومشورت نموده بران قرار دادند که با تمام سپاه بیرون آیند لشکری چون ذرات آفتاب فراوان وچون قطرات سحاب بی پایان بیت

لشکری بحر[2] سیل[3] موج شکوه ثابت و پایدار همچون کوه
همه بهرام طبع وکیوان هوش همه پولاد ترک وآهن پوش

از شهر بیرون آمدند وندانستند که بیت

هر کرا بخت رهبری نکند ا کوشش وجهد یاوری نکند (۳۰۰ ب)

حضرت خاقان سعید فرمود که کوس کامی جنگ کوفته و دلاورانی چون قضا نافذ عزم ۱۰ بر باد پایانی چون عمر سبکرو روی بقهر اهل[4] شهر آوردند بیت

بحکم شهنشاه گردون شکوه بجوشید لشکر چو دریا وکوه

چو[5] صفهای طرفین ولشکرهای جانبین راست شد میرزا اسکندر صولت و صدمت لشکر منصور دیده دانست که تاب مقاومت نمی آرد سرداران عراق و گردن کشان فارس یراق واتفاق کرده ع

بجز پشت دادن ندیدند روی

ولوا[5] علی ادبارهم نفورا برخوانده روی برتافتند ولشکر[6] منصور در

---

۱ آ : پناه ۲ مطلع : سیل بحر ، زبده : سیل بحر ، ۳ زبده : مخالفان ۴ مصاحب زبده درین موضع کلام راطولی داده است ودر اثنای آن گفته که بحکم شهنشاه امیرزاده اعظم امیرزاده ابراهیم وامیر دولت خواجه اساق [ایناق ؟] وامیر سید علی ترخان نامزد [این مهم شدند] " وامیر فرمان شیخ نیز با غلبه نوکران وخاصکیان متوجه [میدان جنگ] شدند ، ۵ آ : فولوا ، ک وزبده مثل متن ، رک به قرآن مجید سوره بنی اسرائیل رکوع ۵ آیت ۵ ، ۶ ب ، ک ، آ : لشکر مظفر ، در زبده : عساکر منصور

قفای ہر بینیان شنافتند، خلقی بسیار بقتل آمد و میرزا اسکندر نزدیک شد
که بدست آید بہزار[1] حیله باصفهان در آمد[2] و موکب منصور بظاہر اصفهان
فرود آمد* و دران مقام شیخ وردی[3] از قلعهٔ شهریارو بایزید پسر امیر بسطام از
قلعهٔ سلطانیه بدرگاه عالم پناه آمده بعنایت سرافراز شدند،

در این[4] اثنا ناگاه سیصد سوار پوشیده از دروازهٔ برانغار بیرون آمده*
آهنگ جنگ کردند، امیر الیاسخواجه[5] در برابر آمده* بسیار بقتل آورد و باقی مقهور
و مکسور بشهر گریختند اما امیر الیاسخواجه را زخم رسید، حضرت خاقان سعید فرمود که
دیوارہای حصار به طناب بیهوده برامر انخش کردند چنانچه کسی بیخبر از شهر بیرون
نتواند آمد، چهاردهم[6] ربیع الاول* لشکرہای جهان توماناً[7] تومان و قشون[8] قشون
پیرامون[9] شهر فرو گرفتند، ۱۰

ذکر فتح دار الملک شیراز و شرح[10] آن

چون خبر موکب همایون حضرت خاقان سعید بدار الملک شیراز رسید[11]

---

۱ ک : بهزا ۲ زبده (۱۳۱ ا ۲) : بعد ازان چون حضرت سلطنت شعاری .. کوچ فرموده از طرف شهر
آمده و از طرف جرانقا [ر] امیر فاته شرین (کذا) و سید حسام و باقی امرا کارهای مردانه کردند بند کی حضرت احتیاط دیوارها
و شهر بند اصفهان کرده بظاهر شهر فرود آمد، ـــ با آک بب : همایون (بجای منصور) آ : میمون، ۳ ک ق
زبده : وردی (تصحیح قیاسی است) ۴ زبده : در خلال این احوال ناگاه ناخبر از طرف بوانقار یل [؟ ؟]
دروازه کشاده الخ ۵ زبده + : ازان طرف نزدیک بود فی الحال سوار گشته در مقابله ایشان آمد ۶ زبده : یکشنبه
چهارم ربیع الاول سنه سبع وعشر وثمانمایه، ۷ تومان = ده ہزار مرد (ق) ۸ قشون = صد مرد (ق)
۹ زبده : بر مثال طوق پیراهن [پیرامون] ، ۱۰ زبده : سبب ۱۱ زبده : در پنجشنبه هژدهم
ربیع الاول مذکور خبر رسید که اہالی .. رس [شیراز ؟] چون از مقدم همایون خبر دار گشتند ،

کوتوالان[1] وکلانتران باتفاق شیخ محمد سارق[2] که داروغهٔ میرزا اسکندر بود[3] فکر عاقلانه کرده گفتند بشک نیست که آنحضرت اصفهان را فتح خواهد فرمود و مارا استدعا نمود، اگر پیشتر کسان فرستاده صورت دولتخواهی عرضه داریم خدمتی بجا آورده باشیم، برین اتفاق پسر میرزا اسکندر و پسران امیر[4] عبدالصمد و شیخ بیساول و یوسف تورچی و دارا[5] راکه جماعت معتمد میرزا اسکندر بودند گرفتند و خطبه و سکه بنام و القاب همایون آراسته تحف و هدایا بدرگاه عالم پناه فرستادند، حضرت خاقان سعید بکنه[6] بخشی و لطف الله بابا تیمور[7]* را به ضبط اموال وحکومت آن مملکت تعیین[8] نمود[9] و امیر حسن[10] صوفی و امیر جلبانشاه[11] برلاس را جهت آوردن پسر میرزا اسکندر و پسران امیر[12] عبدالصمد روان فرمود،

۱۰ درین ولا سلطانشاه چهره که معتمد[13] میرزا اسکندر بود و ضبط برجی معتبر می نمود نوکرانش[14] نمکحرامی کرده اوراکشتند و باردوی اعلی آمدند، و شهر[15] روز و

---

[1] ک با، کولیان، آ ب مثل متن- زبدہ: اصول واکابر واشراف شهر (بجای کوتوالان وکلانتران) ق: تسده لسهر دراى این کلمه رکت برق ص' حاشیه) [2] آ ب [3] زبده: سارد که حاکم و داروغه شهر بود و امیرزاده اسکندر را در شیراز گذاشته ق: Narhah [4] فقط ک: میرزا، زبده (و دیگر نسخ مطلع): امیر [5] زبده: دارا، ق مثل متن؛ [6] ق: Behneh [7] آ با ق زبده: لطف الله بن بابا تیمور، ب مثل متن، اک (بهر جا): بیان تیمور [8] زبده +: مقرر گردانید بدان طرف روانه فرمود، [9] زبده: محمد، ق مثل متن، [10] با (بهر موضع): حلبانشاه، ب: جلپانشاه - (و در سطور ذیل گاهی جلپانشاه و گاهی جلبانشاه)، ق مثل متن [11] زبده: — [12] زبده: عمده [عمدهٔ] نوکران وعمده استظهار ملازمان [13] زبده: نوکران سلطان شاه بجنابو قاو التوان شیو، [14] درین موضع متن نسخهٔ زبده اضطرابی دارد،

هر زمان نقصان به اصفهانیان رسیده قوت لشکر منصور زیادت می شد ، اصفهانیان لاف جلادت زده بیرون می آمدند و مبارزان دلاور پیش میرفتند، اول بشر[۱] تیر یکدیگر را نگاه میداشتند و تیر و کمان گذاشته تیغ و سنان برمیداشتند وریش وگریبان گرفته سر موئی در جنگ فرو نمیگذاشتند، تا مدت محاصره به پنجاه روز کشید ،

و[۲] دران ایام از اطراف ممالک اخبار بدرگاه جهان پناه رسید، اول میرزا الغ بیگ از ماوراء النهر شیخوی[۳] قراوناس را فرستاده حکایت قتل امیر موسی کا[۴] و امیر محمد تابان و امیر علی توچین بر دست میرزا احمد میرک[۵] چنانچه گذشت[۶] بعرض رسانید، آنحضرت بر قتل آن[۷] امرای نامدار تاسف خورد[۸] و فرمود که قضایای عراق پیش نهاد همت عالی است چون فراغی روی نماید درستقر دولت تدارک آن شود ، انشاء الله تعالی[۹] ،

۱۰ دیگر نوکر یکنه بخشی از شیراز آمده عرضه داشت که امیر لطف الله[۱۰] [بابا تمور[۱۱]] (کذا) امیر جلبانشاه[۱۲] بقتل آورد دیگر آن[۱۳] آنکه جلبانشاه خروج خواهد کرد[۱۴] آنحضرت

---

۱ زبده : بزخم ۲ عنوان این فصل در زبده : ذکر اخباری که دران ایام از اطراف ممالک رسید ، ۳ آ : شیحوی ، با : شیخی ، اک : شیخون ، زبده : سحوان ، ق : Schikhnun ۴ زبده : ـ ۵ دیگر نسخ مطلع : امیرک احمد ، ۶ رک برص ۲۶۳ ۷ آ : ـ ۸ آ : نمود ، ۹ زبده : نوکر مخدوم زان مغیث الحق والدین الغبیک کورکان را رعایت نموده باز گردانید ، ۱۰ زبده : بابا تیمور ۱۱ این عبارت را که محدود بقلابین است فقط در کس ندارد از روی آ درج شد ۱۲ آ با ب اک : برلاس را در آ این کلمه را جلبانشاه نوشته است بهر دو موضع درین سطر ۱۳ زبده : بعضی جنان بلطف الله رسانیدند که جلبانشاه خروج خواهد کردانید (کذا) ، دیگر در خلال این احوال و شیراز را باز گرفت (کذا) ، لطف الله تحقیق این سخن ناکرده این معنی باور کرد و فرصتی نگاهداشته جلبانشاه بقتل رسانید ،

لطف الله] ناوان را که بر چنین امر[۱] بی تحقیق اقدام نمود و بکنه بخشی را عزل فرموده و امیر سید علی ترخان را بحکومت آنجا[۲] تعیین نمود و فرمود که (ورق ۱۲۰و) آن[۳] غدر (۱۲۰ ل)
را تحقیق کند[۴]،

دیگر از ولایت تستر[۵] قاصدان دندی سلطان دختر[۶] سلطان اویس[۷] رسید[۸] اظهار انقیاد کردند آنحضرت ایشان را نواخته اجازت فرمود،

و[۹] دیگر در وقت عزم محاصرهٔ اصفهان عبدالله پروانچی و علی درویش را بجانب کاشان فرستاده بودند، ایشان رعیت را ایل ساخته[۱۰] آن ولایت را ضبط نمودند[۱۱] و عرضه داشت رسید[۱۲]،

ذکر فرستادن مولانا غیاث الدین قاضی سمنان باصفهان

در اثنای محاصرهٔ اصفهان بسمع همایون رسید که میرزا اسکندر از حرکات خود پشیمان شده باز خطبه و سکه بزیور القاب آنحضرت آراسته می سازد، حضرت خاقان سعید را رافت بادشاهانه و مرحمت خسروانه بهانه[۱۳] می طلبید[۱۴] که او را نصیحت نموده براه خیر دلالت کند تا باشد که از خواب غفلت بیدار شده دیگر آتش حرب ۱۰

---

۱ نقط ک — ،امری ۲ آ : آن (بجای آنجا)، ۳ زبده : تحقیق این معامله کنند ۴ زبده : بششتر، ۵ زبده — ۶ لین پول ص ۲۴۷ ذکری از Tandu زوج شاه ولد نبیرهٔ سلطان اویس آورده است که تا ۸۱۹ھ در واسط و بصره و شوستر فرمان روائی می کرد، بظاهر دندی سلطان همین است اما چطور ممکن است که دختر سلطان اویس زوجه نبیرواش باشد؟ تاریخ وفاتش برص ۳۰۵ مذکور است ۷ زبده — ،
۸ زبده : ایشان بدان طرف رفته کاشان را گرفته بودند و آن مردم سر بانقیاد در آورده ۹ زبده : و دران ایام باردوی همایون رسیدند ۱۰ زبده + : باستیصال بندگان قدیم و قهر خدمتکاران دیرینه رخصت نمیداد و بهانه مطلبید ،

افروختہ نگردد و خدمتگاران قدیم کہ بضرورت دران طرف اند سوختہ نشوند،
بنابران مولانا غیاث الدین سمنانی کہ دانشمند متورّع بود مقرر شد کہ باصفهان
درآمده با میرزاده[1] اسکندر گوید کہ سخن صلح نظر بر صلاح طرفین و اصلاح[2] جانبین
است تا مملکت خراب نشود و رعیت در اضطراب نباشند، قاضی بشهر درآمده
سخن رسالت عرضہ داشت، و میرزا اسکندر از تندخوئی و درشت[3] گوئی و
مذمت و منقصت* دقیقۂ فرو نگذاشت و از استبداد بی بنیاد هیچ نیندیشید
تا موجب قضای رفتہ رسید باو آنچہ رسید، قاضی باز آمده صورت ماجرا بعرض
رسانید، حضرت[4] خاقان سعید دانست* کہ میرزا اسکندر سخن صلح را بر عجز و قصور
حمل می کند هیهات هیهات شعر

۱۰ ونحن رجالٌ نَرتدِی الحلمَ شیمةً[5] ونغضب احیاناً فنَتروِی[6] العوالیا[7]

فرمود کہ علاج مزاج او جز بشهر دوا پذیر نیست و خشم[8] مواد فساد او جز بشمشیر در وسع تدبیر
نہ، بعد از چند[9] روز میرزا* اسکندر امیر توکل قرقرا کہ[10] بزرگترین امرای او بود و بدیانت[11]
و دانش آراستہ* و محمد بیگ را با دو سہ[12] اسپ پیش آنحضرت فرستاد و التماس نمود
کہ آنحضرت عود نمایند[13] تا من بفراغ خاطر پیش ایشان آیم، آنحضرت فرمود کہ اگر
پیش ما آید[14]* او را عزیز داریم و اگر نمی آید بطرف یزد یا همدان رود، ما راه او باز دهیم

---

[1] بآ ب آ : بامیرزا، زبده مثل متن ، [2] فقط آ : صلاح ، زبده مثل متن ،

[3] در زبده صراحةً ذکری از درشت گوئی و مذمت و منقصت نیاورده است ، [4] زبده : حضرت
سلطنت شعاری را در خاطر آمد ، [5] ک : شمة [6] ک : فتروی ، زبده : فنروی ب ب :
فَردِی ، آ : قیروی ، [7] ک : الغوالیا ، زبده مثل متن ، [8] ک زبده : جسم ،
[9] زبده : دو سہ روز دیگر امیرزاده [10] زبده ــ [11] فقط ک : سرا ، زبده : سہ سر [12] دیگر نسخ : نماید ، [13] زبده :
باز گردند من بعد از ان پیش آیم ، [14] زبده : می آید ؛

قاصد او رفته و سخن گفته، راضی نشد، و همچنان بر سر عصیان بود و هر روز جنگ می شد و اگر سپاه نامدار بسعی بسیار بر بالای دیوار بر می آمدند چون دیوار طرف شهر بیست گز[۱] یک انداز بود مردم شهر بزخم تیر بیرونیان را از سر دیوار دور می کردند و درین اثنا آنحضرت امیر سلطان بایزید برلاس و امیر چقماق شامی را بتسخیر ابرقوه فرستاد،

ذکر جنگ سلطانی[۲] و فتح اصفهان

چون مدت محاصرهٔ اصفهان بدرازی کشید حضرت خاقان سعید همت عالی بر اتمام مهم اصفهان مصروف داشته اعلام گیتی ستان برافراشت، و دوم جمادی الاولی که غرهٔ صباح دولت بود فرمان فرمود تا دلیران و دلاوران چون شیر ژیان و پیل دمان در حرکت آمدند، از نفیر نای و خروش کوس غلغله[۳] در طاس نگون گردون افتاد و آواز نعره و فریاد بقبهٔ پروین و قبهٔ چرخ برین رسید بیت

چنان شد ز خم کوس و نعره و جوش که گردون پنبه محکم کرد در گوش

مبارزان چون ابر و باد روان[۴] گشته تیر از کمان چون ژاله باران شد[۵] و چون سفیر تیر از تدبیر باز ایستاد و کار بزبان سنان و پیام حسام افتاد بهادران طرفین و دلاوران جانبین دست در گریبان یکدیگر بدشنه و خنجر کاری ساختند و سرها

دورق ۲۰۳ الف برمثال گوی در میدان معرکه می انداختند بیت

ز هر سو گشته چندانی بهم پیوست که راه جنگ بر لشکر فرو بست

---

[۱] آ: گز؛ زبده: فاما انطرف شهر یک انداز بود که قرب [یب] بیست که [گز] زیادت،

[۲] ک آ ک: سلطان، آو زبده مثل متن، نیز رک به یزدی ۱: ۳۱۸ س۰۰، [۳] زبده: آشوب، [۴] زبده: روان شدند تیر از کمان چون ژاله و باران روان گردانید،

زمین از خون مردان موجزن[1] گشت	سپرها خشت و جوشنها کفن گشت[2]

آن روز از صباح تا رواح میان ارواح و اشباح قهر خدائی جدائی میفرمود و میان ضارب و مضروب و غالب و مغلوب فرق نبود، از خسته و کشته فضای هامون حکم کوه ولشته گرفت و از خوناب کشتگان زنده رود اصفهان گونهٔ[3] لاله ستان پذیرفت[4]، عاقبت نسیم فتح و ظفر بر رایت حضرت خاقان سعید وزید و علم دولت مخالف چون بخت او برگردید و لشکر منصور نردبانها بر دیوار نهاده برآمدند و مخالفان از پا در آمدند، میرزا اسکندر با خواص خود روی بقلعه نهاد و شب بموافقت حال پریشان[5] ایشان[6] تیرگی آغاز کرد بیت

بر چرخ بنات نعش و پروین[7]	بستند نقابهای مشکین

۱۰ و لشکر[8] منظفر بر سر دیوار ها و حصار[9] شعلها روشن کرده[10] آن شب از پرتو مشاعل با روز مقابل بود، درین اثنا امیر[11] عبدالصمد گریخته پیش آنحضرت آمد، میرزا اسکندر از فرار عبدالصمد آگاه شده آه جگر سوز از درون غم اندوز برآورد و سراسیمه وار قلعه بازگذاشته فرار نمود، علی الصباح که ع

جهان[12] ز شعشعهٔ آفتاب روشن گشت

سپاه نصرت پناه پای در کوچهٔ غارت نهاده دست بتاراج برآوردند، چندان

۱ه زبده: جرخ زن	۲ه زبده ۱: دلیران سپه برهم فتاده. صلای مرگ در عالم فتاده؛ تن از اسپ و سر از تن سرنگون شد فلک دریا زمین صحرائی خون شد؛ همه روی زمین شنگرف بگرفت. ز خون تازه رود زرف بگرفت،

۳ه زبده: از حکم طهارت بیرون شد	۴ه زبده: پرایشان	۵ه زبده: ثیاب نقش پروین،

۶ه زبده: حضرت سلطنت شعاری فرمان فرمود تا مجموع لشکریان و (کذا) بر سرهائی دیوارها مشعلها روشن گردانیده، کت: دیوارها و حصار (بجای دیوارها حصار) آ: دیوار حصار، ق: موید دیوارها حصار،	۷ه زبده: امیرزاده

۸ه در زبده مصراع اول هم وارد: لباس صبح ز عکس شفق ملون گشت	۹ه زبده: مشعله،

زواہر جواہر و کنوز نقود و ظرایف[1] حلی[2] و لطایف اوانی و ظرایف ظروف[3] و غرایب اقمشه و عجایب امتعه[4] بدست لشکریان افتاد که کثرت آن ثروت هنگامهٔ آزرا در دلها شکست و عدّت آن غنیمت دروازهٔ نیاز را بر خاطرها فروبست،

حضرت خاقان سعید را چون این فتح همایون دست داد پشت دولت بمسند سلطنت باز نهاد و رسم ظالمان متهوّر و قانون عادلان متخیّر برداشت و بنهاد[5]، و فتح نامها بممالک ماوراء النهر و ترکستان و کابل و غزنین و هندوستان و خراسان و خوارزم و مازندران و طبرستان روان فرمود و بمراسم شکر الهی قیام نمود،

چون میرزا اسکندر از قلعه بیرون رفت جمعی متعاقب رفته او را گرفته بخدمت حضرت خاقان سعید رسانیدند، و چندان که از و سخن پرسیدند زبان مکالمه بسته بجواب نپرداخت و از انفعال ذمیمه شرمنده سر در پیش انداخته، آنحضرت رعایت صلهٔ رحم فرموده او را ببرادرش میرزا رستم سپرد که جانب اخوّة فرو نگذارد[6] و خود نقش[7] اجرام سماوی و تعبیهٔ شطرنج دوران فلکی[8] مهرهٔ اخوّت بوصفی در ششدر انداخت و نرّاد قضا بر بساط دهر منصوبهٔ باخت که جهانیان[9] انگشت تحیّر ۱۰

---

[1] ک: ظرایف حلی، ب: ظرایف حلی، با: ظرالف جلی، اک: ظرایف خلی، زبده: ظرآئف حلی، [2] زبده +: ونفایس فروش و لصایلیه (؟) اسلحه [3] زبده +: وزنه .. ـ ثیاب (؟) ثیاب وعساق جبول [عتاق خیول]، [4] بعدش در زبده (۲۳۸ ل) عنوان ذیل است: ذکر احوال امیرزاده اسکندر بعد از فتح اصفهان، ـ ذکر فتح نامها در زبده ندارد، [5] زبده +: و مراسم عصبیت بجای آورد، خود نقش کعبتین [6] زبده: فلک عکس تصوّر آن ضمائر و نقیض اندیشه خواطر بود و نراد قضا بحرب [بچرب] دستی و دغا مهرهٔ اخوّت بوضعی در ششدر انداخت که مقابران [مقامران] هفت کردون

بدندان تفکر گرفتند، شخصی که از نازکی اگر در پردهٔ[1] حدقهٔ خورشدی گفتی[2] بستر[3] درشت است و دورشدی میل آهن تافته بجور در حدقهٔ او کشیدند[3]، نزدیک بود ازان حرقت در معرض مرضی مهلک افتد[4] و موجب* جنونی مفرط شود، نوبت سلطنتش بانقضا رسید و دور خلافت او بنجلافت کشید، از دور چرخ جفاپیشه و از جور[5] سپهر خطا* اندیشه آن دولت منتهی شد و آن سعادت منقضی گشت،

ذکر حالاتی که بعد از فتح اصفهان وقوع یافت

چون دار الملک عراق حضرت سلطان آفاق را مسخر و مفتوح شد و سر سرداران و رقاب گردن کشان در طوق طاعت و حلقهٔ عبودیت آمد آنحضرت لشکر را از غارت منع فرمود و بر مصداق شعر

۱۰ أَحْسِنْ اِلَی النَّاسِ تَسْتَعْبِدْ قُلُوبَهُمْ   فَطَالَمَا اسْتَعْبَدَ الانسانَ احسانُ

عمل نمود و سایهٔ امن و امان بر احوال خواص و عوام اصفهان انداخت و همه را در حریم عدل و نعیم احسان ماوی ساخت و صد[6] هزار دینار کپکی که نذر (ورق ۲۱۶ا) ۱۲۷ب مزارات فرموده بود بفقرا و مستحقان رسانید* و ثلث مال یونت[7] بیل* برعایا بخشید

---

[1] زبده: لباس [2] فقط ک ب، از نسخ دیگر و زبده ثبت شد، [3] زبده: از لذت عیش و فائدهٔ حیات نصیبی نماند، [4] زبده +: و آن ضرب موجب [5] زبده: غیرت سپهر بی‌شفقت [6] زبده: مبلغ هزار دینار نذر [نذر] مزارات فرمود که بفقرا و مستحقان رسانند، — با ب اک: کپکی د بجای کپکی، [7] آ ب: ینت یل، با: یونت یل، صورت نقره در زبده (۲۴۰ب): و از سال یونت ئیل که در روزنه دیوان اعلی اعلاه الله تعالی تمغی برعایا بخشید، (یونت ایل بمعنی سال اسپ است، از فرهنگ آنندراج)،

ونظم ونسق مهمات ملکی فرمود وبضبط ممالک وحفظ مسالک اهتمام نمود[1]، و بعضی لشکریان را بجانب خراسان اجازت مراجعت فرمود، وخزائن[2] خاص و زواهر[3] جواهر و دُرر غرر[4] واوانی زرین وسیمین واسلحه هندی ومصری وچینی آلات و فراشخانه[5] بدارالسلطنه براة فرستاد، وممالک[6] فارس وعراق[*] بارباب استحقاق رعایت[7] فرمود چنانچه غزال قلم مشکین رقم ورمشام ایام عطرسای خواهد نمود،

ذکر تفویض[8] ایالت اصفهان[*] بجانب میرزا رستم بن[9] میرزا عمر شیخ[*]

امیرزا[10] رستم مدتی مدید در ممالک[11] ماوراء النهر وولایت خراسان ومازندران ملازم حضرت خاقان سعید بود ودر چند معرکه بمراسم جانسپاری قیام نمود و پیش ازین سالها در اصفهان حاکم ونافذ فرمان بود[12] درین وقت چون بتائید مهیمن خلاق[13] تمام ممالک فارس [و[14] وعراق] در قبضهٔ اقتدار قرار گرفت ومجدداً رؤس منابر ووجوه دنانیر بنام والقاب همایون زیب وزینت یافت آنحضرت حکومت تخت عراق وایالت دارالملک اصفهان بجانب پادشاه[15] معظم میرزا رستم[*] مسلم داشت،

---

[1] درین موضع در زبده ۴۴۲ اب، چند کلمات را درج نموده است که بعد آنکه آتش فتنه انطفا پذیرفت بادشاه مضمون آن را برعایای ممالک رسانید [2] ک : زاواهر [3] زبده + : رنخوت [ونخوت] اثواب ، [4] زبده + : ازخیمه وخرگاه وغیره [5] زبده : وامارت جیوش وحکومت فارس وعراق ، [6] آ : عنایت [7] زبده : حکومت ممالک اصفهان [8] فقط آ ـــ زبده : بن امیر عمر شیخ نویان طاب ثراهما [9] آ : میرزا ، [10] ک : ولایت [11] آ ب ـــ ، با آ ک مثل متن ، [12] فقط ک : منان [13] فقط در ک ندارد ، [14] زبده : امیر و امیرزاده اعظم رستم بهادر ،

وجنابش باز بر سریر فرمان روائی آن مملکت ممکّن گشت و اکابر و اشراف رغبةً و رهبةً[1] سر بر خط حکم او نهادند و بحکم[2] انتساب و استحقاق صنا دید دار الملک عراق عنان عبودیت بکف عنایت او دادند[3] بیت

در دست ما چو نیست عنان ارادتی بگذاشتیم تا کرم او چه می کند

واو نیز رعایا راکه زیر دست عنا و پایمال بلا گشته بودند حسن عنایت و لطف رعایت مرعی داشت و جمعی[4] راکه در سوابق ایام بر هرگونه اجرام و آثام اقدام نموده بودند نابوده انگاشت. ساکنان آن بلاد که از جور و بیداد هر طرف افتاده بودند از عدل شامل و لطف کامل عزم اوطان نمودند[5]، و میرزا رستم تا در حیوٰة بود حکومت مملکت اصفهان بموجب فرمان مفوّض بنوّاب

۱۰ دیوان او بود،

ذکر تفویض فرمودن ولایت[6] همدان ولرستان بمیرزا بایقرا[7]

میرزا بایقرا در غرّهٔ شباب و ریعان جوانی در میدان پُردلی و پهلوانی

---

[1] ک: رابهة [2] زبده: و امیرزاده بحکم استحقاق مالک از تّة دار الملک عراق شد، [3] زبده (۲۴۲ل): و اگر چند بعضی ازان بودند که بنسبت او تخفیات [؟] عظیم [؟] جسارات [؟] ظاهر نموده بودند و بمخالفت و معاندت قدم گشاده غایب [غایت] حلم و نهایت بخشش و کمال عفو و اغضا با مضا رسانید [4] زبده ابنیا + : و کسانیک تیغ بغی و عدوان بجر [؟] در زمین مملکت دل نشا [نده بو] دند بزور بازوی باس و زخم سر پنجه قهر قلعه [قلع] کرد، [5] زبده + : مزاج طاعت لشکر و حشم که از قانون صحت اخلاص و هواخواهی منحرف گشته بود بصولت بذیر [؟] از [به؟] حال اعتدال باز آرد [آورد]، . . . خللی چند که بسبب مرور وعساکر و یاغی گری حادث شده بود بقدر وسع و امکان به نیکوتر وضعی و خوبتر هیاتی بجای آورد و شهر و ولایت معمور کردانید [6] آ و زبده: ممالک [7] زبده: با میرزاده بایقرا غفر الله ذنوبه،

آمده بود و در شمایل او[1] دلایل* مردانگی و مخایل فرزانگی پیدا و هویدا می نمود
حضرت خاقان سعید چشم عنایت بحال او داشته و نظر مرحمت بر وگماشته
ایالت[2] همدان و قلاع و بروجرد[3] و نهاوند و تمام لرستان سیورغال او فرمود،
و فرمان داد که بعدل و داد همت بر آرایش[4] و آسایش جهانیان* مصروف
دارد، و نگذارد که هیچ آفریده دست ظلم بر روی کسی بر آورد[5]* و ابواب
انصاف و انتصاف میان قوی وضعیف و وضیع و شریف مفتوح سازد،
و بحال تجار که طایران[6] آن ممالک آفاق و ناشران مکارم اخلاق اند* بواجبی پردازد[7]
میرزا بایقرا آن[8] وصایا بسمع رضا اصغا نمود و مراقبت حدود و محافظت عهود
در شریعت جهانداری واجب و لازم دانسته متوجه آن ممالک شد،

و حضرت شاهرخی روی به ضبط سایر ممالک و نظم باقی مصالح آورد،[9] ۱۰
و ولایت ری[10] را بجانب میرزا ایجل بن میرزا میرانشاه و مملکت قم[11] را بشاهزاده
سعد وقاص که هریک از حدیقهٔ خانی شجری و از شجرهٔ جهانبانی[12] ثمری بودند تفویض
فرمود، و حاصل آن ولایات را در وجوه اخراجات دیوان ایشان تعیین نمود،
و ابواب نصایح پدرانه بر روی دولت ایشان باز کرده اسباب **انجلات** (۳۰۲ ب)
بادشاهانه برای هریک مرتب ساخت[13] و فرمود که* در قوانین معدلت و

---

[1] ک: اوایل، نسخ دیگر و زبده مثل متن [2] زبده: ایالت و حکومت [3] زبده: بروجرد [4] زبده: ارامش
جهان الخ [5] آ: برآرد، [6] زبده: برید افاق و نشر کننده اخلاق اند — ک: ناشران (بجای ناشران)
[7] آ مثل متن، ک با: پردازند، [8] فقط در ک، دیگر نسخ —، [9] عنوان این فصل
در زبده (۲۴۴ب): ذکر تفویض ممالک قم با میرزاده سعد وقاص طاب ثراه، [10] در زبده درین فصل
ذکری از تفویض حکومت ری بمیرزا ایجل نیامده، [11] زبده + : قم و توابع آن [12] زبده: امانی
[13] زبده: و از راه مرحمت و مهربانی مثال فرموده اید تا

آئین سلطنت اقتدا بآبای کرام و اجداد عظام نمایند و اکابر و اشراف آن مواضع را بنظر[1] عاطفت و نشر مرحمت رعایت تمام فرمایند تا خاطرها بر ولا و وداد منقاد و معتاد شود و بسبب آبادانی آن بلاد و دیار گردد، شاهزادگان وصایا شنیده بولایت خود رفتند،

ذکر نهضت همایون بصوب دار الملک شیراز در عین انبساط و اهتزاز

خاطر همایون چون از مهمات ممالک عراق فراغت یافت عنان دولت وسعادت بصوب دار الملک فارس تافت، و فرزند سعادتمند میرزا ابراهیم سلطان[2] را بضبط اغرق گذاشت، و رایت سرعت و اهتزاز بجانب شیراز برافراشت وچون ماه لوای همایون بطالع سعد و اختر میمون از افق خطهٔ شیراز طالع شد و آفتاب طلعت[3] آنحضرت بر اطراف آن مملکت لامع گشت حکام شولستان و لورستان و باقی امرا و سرداران روی بار دوی همایون آوردند و بالتفات پادشاهانه مفتخر و سرافراز گشتند[4]، و اهالی شیراز خاصه جمعی که پیش ازین شرایط نیکو بندگی ظاهر ساخته بودند بعنایت اختصاص یافتند، و نوئین[5] کامگار افتخار الامرا[*] امیر مضراب بهادر بایالت آن ممالک مقرر شده

---

[1] ک : نظر، آ آ ب ب اک مثل متن — صورت فقره در زبده : و باز مرتبه احسان اکابر و اشراف آن مواضع را منقاد کرداند و بنظر (بنشر؟) عواطف و نشر صنائع دلها بدست آورد، [2] بعدش زبده ١٠: و امیر حسن صوفی و امیر شیخ لقمان [3] ب : طالع، اک : طاعت [4] آ : شدند، [5] زبده : امیر اعظم اعدل ملک الامرا فی العالم ،

ده هزار سوار ملازم او معین[1] گشتند، و آن ولایت از طرف غربی تا خوزستان و از جانب جنوب تا هرموز نامزد او شد[2]، و دران ایام[3] امیر مضراب را عارضه عارض شد که اطبا از علاج آن عاجز آمدند و مرغ روحش از تنگنای قفس قالب بفضای جانفزای عالم ارواح پیوست. بیت

ازان شهر[4] آمد این قصه دلآویز　　که چون جا گرم کردی گویدت خیز

آنحضرت[5] بازماندگان او را رعایت نمود و میرزا ابراهیم سلطان[6] را طلب فرمود،

ذکر سیورغال فرمودن مملکت شیراز بشاهزاده عالی شان میرزا ابراهیم سلطان[7]

رای آفتاب اشراق سلطان آفاق اقتضای آن فرمود که خورشید سپهر مملکت و ماه آسمان سلطنت میرزا ابراهیم سلطان السلطنت مملکت[8] فارس و توابع تعیین [فرمود و ــ نا][9][10]

---

[1] زبده ب: امیر مضراب بهادر بر موجب فرمان لطبط (الضبط) و نسق آن مشغول گشتند... و رایات بضبط بندگی حضرت بر عزیمت معاودت بدار السلطنه خراسان حرکت فرمود دران ایام　[2] زبده: تنگ　[3] زبده: و بندگی حضرت هنوز در حدود آن بلاد بود که خبر واقعه هائله امیر مرحوم مضراب بهادر برسید (بعدش گفته است که حضرت سلطنت شعاری ازین واقعه بسیار متالم شده)　[4] با آ ب: سلطان ابراهیم　[5] زبده: تفویض حکومت ولایت فارس و توابع (به) امیرزاده ابراهیم بهادر خلد الله تعالی الملکه و سلطانه　[6] آ: ممالک　[7] در مطلع ندارد، قیاساً افزوده شد، زبده (۲۶۵ ب) حضرت سلطنت شعاری . . . فارس با توابع و مضافات و منسوبات آن بدان مفوض گردانیده فرمود که اعتماد دولت و استظهار و استبداد و استقلال تو بمباشرت اشتغال [اشغال] ملک و معرفت مقادیر سپاه و حشم و ارتیاض بمصالح کافه امم و وقوف بر دقایق امور جمهور و تفصی از عهده کفالت و اهتمام بمناجح احوال رعیت و اجتهاد در تقویت دین و ثبات و قراری که در معرض آن منصب تراست زیادت از انست که بر ید اندیشه بکنه آن راه یابد و فکر بدرک آن محیط آن شود اما،

و فرمود که اعتماد دولت بر معرفتِ منفادیر سپاه و حشم و مراتب عبید و خدم است و اعتضادِ مملکت برعایتِ دقایقِ امورِ جمهور و استحکام حدود و ثغور و اهتمام باحوال رعیت و انتظام دین و دولت ، و بِللہ الحمد که استحقاق آن فرزند سعادتمند زیادت از آنست که محتاج باین سخنان باشد امّا[۱] از راه شفقت پدرانه نصیحت بادشاهانه می رود :

می باید که چنان سازد که رعایا در ظلِ رافت مرفّه حال بدعا اشتغال نمایند و لذت ایمنی و حلاوت انصاف[۱] بذوق جان دریابند و حکم جزم کند که نوّاب جز طریق عدالت نسپرند و در تحصیل اموالِ دیوانی از قاعده معهود[۲] نگذرند و نام نیک که مجدّد طراوت ملک و دعای خیر که مؤکّد اساس دولت و ثنای جمیل که جمال چهرۀ جلالت[۳] و ثواب جزیل که موجب کمال سعادت است حضرت ما و آن فرزند سعادتمند را حاصل شود بیت

تا[۴] صیت نام نیک شود از تو منتشر تا[۵] ذکر فعل خوب بود از تو یادگار

اگر خواهی که نواحی دولت در قبضۀ اقتدار تو آمده رغبتِ رعیّت در متابعت زیادت شود و از ملوک آفاق بمکارم اخلاق مستثنی شوی[۶] [بر ین قاعده که شنیدی کار کنی و از ین تجاوز ننمائی][۷] شاهزاده جوان بخت زمین خدمت بوسیده بدان اعزاز و سلطنت به دارالملک فارس یعنی شیراز اهتزاز نمود و روی نیاز بر زمین اخلاص سوده گفت بیت

من آن کمترین بنده ام شاه را که بوسم همی[۸] خاک درگاه را
ببوسیدن خاک درگاه شاه زدم خیمه بر تارک مهر و ماه

---

[۱] فقط ک : انصاف ، زبده مثل متن [۲] زبده + : و رسم قدیم [۳] زبده : سیادت [۴] ک : تا ، دیگر نسخ و زبده : تا ، [۵] ک : یا ، زبده مثل متن ، [۶] از روی زبده نوشته شد ، در ک ندارد و بظاهر در دیگر نسخ هم ندارد از ان روی که هنگام مقابله متن چیزی ثبت نشده ، ق ص ۲۰۵ س ۴ موید زبده است ، [۷] زبده : همین ،

(ورق ۳۰۳ الف) همانا[۱] صفای نیّت و خلوص طویّت بنده بر ضمیر منیر روشن باشد که (۳۰۳ ل)
اگر همه عمر بشکر وار کمر خدمت بسته دارد شکر یک مرحمت شاه نتواند که بجای آورد

قطعه

چو طوطیان سخن گو اگر شود هردم بشکر شاه جهانم شکر نثار زبان
هنوز[۲] گفته نباید ز صد هزار یکی گرم بهر سر موئی بود هزار زبان[*]

و آنحضرت بر کمال[۳] عقل و دانش او آفرین فرمود و ارکان دولت[۴] فارس را انبعاث
و ترغیب نمود، و اهالی[۵] آن مملکت روی بخت و سعادت بخدمت درگاه شاه
آوردند و شاهزاده در مستقر عزّ و جلال دست دریا نوال کشاد[*] و در بارگاه
جمشید احتشام بار خواص و عوام داد و در ارتفاع قدر و انتشار ذکر و علوّ مناقب
و سموّ مراتب دوستان انصاف و دشمنان اعتراف آوردند ع[۶] ۱۰

والفضل ما شهدت به الاعداء[*]

ذکر[۷] معاودت خاقان عالمستان بجانب خراسان[*] و آمدن میرزا الغ بیگ از طرف[۸] سمرقند

حضرت سلطان آفاق چون بفروغ رای آفتاب اشراق ممالک فارس

---

۱ ک: همان، آ و زبده: مثل متن، ۲ فقط آ، در زبده بعدش همین طور چند فقرات دیگر را هم بزبان شاهزاده بیان نموده ،
۳ فقط آ، ۴ آ: ملک، اک: مملکت ۵ زبده (۲۴۶ ب) چون امیر و امیرزاده بدان امر خطیر متعین شد اهالی فارس بخدمت
درگاه همایون ... روی نهادند سرداران اطراف و گردن کشان اکناف در حریم حرمت بارگاه معظم ... با طوف گردن گرفتند
(بیاض بهر دو جا) زمین، بهمت ملکانه و نظر بادشاهانه روز بروز رایت زینتش افراخته تر می گردد (همواره ؟) در مسند عز و جلال دست
بر نوال گشاده، ۶ زبده: ـ ، ۷ زبده: مراجعت حضرت سلطنت شعاری بدار الملک هرات، ۸ فقط آ ،

وعراق ضبط فرمود و ولایات بارباب استحقاق تفویض نمود پای عزیمت در رکاب معاودت آورده عنان دولت بسمند جهان پیمای داد واز تختگاه فارس بدار العبادهٔ[1] یزد آمد، واز راه بیابان بقهستان خراسان عبور نمود[2] و درقصبه جنابد بوثاق مرتضای[3] اعظم افتخار اعاظم الوزراء فی العالم امیر سید زین العابدین نزول[4] فرمود وسید[5] مشار الیه خدمات پسندیده بتقدیم رسانید و انواع تحفه وبیلاکات لایق برسم پیشکش گذرانید چنانچه مولانا مقری قهستانی درقصیدهٔ شرح آن میگوید ابیات

فتح شد ملک عراق ونصب گشت اعلام دین
خصم رازان فتح کسر احباب رازان نصب جر

آنکه ازصد میل کرد انکار فعل وقول شاه
شد چو پیش آمد بمیلی چشم وگوشش کور وکر

کار کار دولتست آنزا که دولت داد[6] حق
کی رسد در کار او از زمرهٔ باطل[7] ضرر

رنج راه وعین تاریکی سکندر رانصیب
خضر راروزی زعین آبحیات[8] آمد مگر

تلخی حرمان شیرین قسم فرهاد آمده
کام شیرین کرده خسرو در صفاهان از شکر

خسرو اعظم بقوهستان درآمد از عراق
فتح ونصرت در رکاب اقبال ودولت رانگر

---

[1] زبده، بدار العباد [2] اک وبآ (در قصبه تاآخر ابیات یعنی بازسوی سنقر ندارد، [3] دیگر نسخ: مرتضی — در زبده ذکر نزول جنابد ومقری وقصیده اش نیست، [4] آ: فرود آمد و مرتضی [5] فقط آ: داده اند [6] ک و: باطن، اب مثل متن [7] آ: آبحیوان، اب ب: آب حیوان آنجور

قیمت[1] خاک جنابد درعیون خاص و عام
بهتر از کحل صفاهان شد که گشت[2] او را مقر*

یکسر آمد تا وثاق قرة العین رسول
مایهٔ مجد و معالی حاوی فضل و هنر

میر زین العابدین آن کز سیادت آمده[3]
پرتو نور سعادت از جبینش چون قمر[4]

در خور بزم سلاطین شاه را طوئی کشید
آنچنان کاوصاف او از هرچه[5] گویم بیشتر*

گشت شاه از خدمت او خرم و خندان[6] و شاد*
[در نوا] زش قفل بکشاد[7] [از در درج درر] 10

شد بفیروزی و دولت کامیاب و کامران[8]
رایت کشورکشائی باز سوی مستقر

و بیست[9] و دوم رجب* در دارالسلطنه هراة نزول اجلال[10] فرمود[11] میرزا بایسنغر که در هراة قایمقام آنحضرت بود شرایط نثار و پیشکش تقدیم نموده بشرف اعز از سرافراز شد* و سرداران اطراف و گردن کشان اکناف روی ببارگاه همایون و درگاه میمون نهادند[12] و* ابواب سعادت بر وجوه دولت خود کشادند،

---

[1] ک: قسمت [2] ک: او البصر، آ: از روی نسخ دیگر، [3] آ: لامعست، ب: لایح است، [4] ک: شرر، تصحیح از روی آ، [5] ک: بیچ .... ، تصحیح از روی ب [6] آ: و خوش ب: خوکل، [7] ک (ناقصا): زرش قفل بکشاد، آ (ناقصا): قفل بکشاد، تکمیل مصراع از روی ب، [8] آ: کامجوی [9] فقط ک: دوشنبه الخ، زبده: در روز دوشنبه ثانی عشرین رجب المرجب سنه سبع عشر و ثمانمایه، [10] آ: جلال [11] زبده — ق مطابق متن [12] آ: نهاده،

امیر بسطام جاگیر که از عظمای امرای قدیمی عراق عجم بود[۱] و در سلطانیه و اردبیل تا حدود گیلان و ارّان و موغان با خیل و حشم و عبید و خدم بیلاق و قشلاق می نمود درین ولا طریق خدمتگاری مسلوک داشته بدار السلطنه هراة آمد (۳۰۲ ب) و[۲] همچنین تاج الدوله برادر امیر گیومرث رستمداری از رستمدار[۳] و نصر الله صحرائی از ساوه و شاه ویس[۳] پسر سلطان نواچی از طرف غزنین رسیدند و بانواع عنایت و عاطفت مخصوص شدند، [۴] و هم درین ایام از جانب امیر قرا یوسف پیک و مکتوب مشتمل بر سلوک جادهٔ دولتخواهی بدرگاه شاهنشاهی آمد[۴]، و سید عبد الکهف برادر سید عبد اللطیف از جانب مکه[۵] معظمه زادها الله تعالی شرفاً [و] توقیراً با مکتوب حاکم مکه رسید و حضرت خاقان سعید بیت

۱۰ آن خسروی که هر که زمین بوس او کند — بر فرق آسمان نهد از افتخار پای

همه را بانعام پادشاهانه و اکرام خسروانه اختصاص داد،

و درین اثنا دُر دُرج[۶] سلطنت[۷] و دُرّی برج[۶] خلافت[۷] بیت

شاهی که مملکت ز جمالش کمال یافت — عالم ز نور رای منیرش جمال یافت

میرزا[۸] الغ بیگ گورکان از طرف ماوراء النهر بخراسان آمد و دوازدهم رمضان

---

[۱] زبده: است و خیل و حشم انبوه دارد [۲] زبده: و هم درین ایام کیومرث رستم داری از روی اخلاص و خدمتکاری برادر خود تاج الدوله را پیش بندگی حضرت فرستاد [۳] زبده: اویس [۴] زبده، درین اثنا قرا یوسف با عرضه داشتی که مضمون آن محرر [مخبر] از حقیقت صدق [صدق] طواعیت [طویت؟] و خدمتکاری و خلوص اذعان و فرمان برداری بود برسید (بظاهر "یکی از جانب قرا یوسف" بجای "قرا یوسف" باید خواند، تا هم مطابق است بمتن)، [۵] ک: کعبه زبده: از حضرت مکه شریف شرفها الله تعالی (بجای از جانب الخ)، [۶] زبده: درج السلطنة و الجلال [۷] زبده: برج العظمة و الاقبال [۸] زبده: مغیث الحق و الدین الغبیک گورکان ... در اواخر شعبان المعظم سنه سبع عشر و ثمانمایه از دار السلطنه سمرقند متوجه گشته در دوازدهم رمضان،

بدار السلطنه هرات رسید و بشرف ملازمت حضرت خاقان سعید مشرف گردید بیت

فرّخ رخ آن پدر که چنین باشدش پسر   خرّم دل آن پسر که چنین باشدش پدر

و باتفاق[1] نُور حدقهٔ سلطنت و نُور حدیقهٔ خلافت یعنی برادر کامران کامگار میرزا بایسنغر بهادر ملازمت پایهٔ تخت فرقدسای بجا می آوردند، آفتاب دولت از مشرق سعادت بر اطراف مملکت تافت و چشم جهانیان از فروغ طلعت این دو قرّة العین دین و دولت روشنی یافت، بازوی دولت از اعتضاد دو شاهزادهٔ خورشید طلعت جمشید رایت قوی شد، و پشت سپاه[2] دین بدو شهسوار[3] میدان کین متین گشت بیت

جهان را دولت اینست مقصد   فلک را صولت آنست مقصود

دو ملک بخش کشورکشای و دو خورشید طلعت مشتری رای پیش تخت پدر ایستاده آنحضرت بزبان حال شکر ملک ذو الجلال بجا آورد شعر

نِعَمُ الاِلٰهِ علی العِبادِ کثیرۃٌ   وَاَجَلُّهُنَّ نجابَةُ الاولادِ

ذکر ولایاتی[4] که حضرت خاقان سعید[5] بفرزند سعادتمند میرزا بایسنغر عنایت فرمود

حق تعالی و تقدّس چون ابواب سعادت بر روی دولت حضرت خاقان سعید

---

[1] اولش در زبده: از یمن بخت و طالع مسعود در هراة - گشتند شادمانه پدیدار [بدیدار] یکدگر،

[2] قبلش در زبده افزوده که اتفاق و موافقت و اتحاد و مصادقتی که میان این دو برادران یعنی میرزا الغ بیگ و میرزا بایسنغر بود بصد درجه ازدیاد پذیرفت،   [3] زبده: سوار   [4] زبده: ولایتی،

[5] آ ـــ،

کشاد و عنان اغنیا رعالمیان بقبضهٔ اقتدار او داد بعین بصیرت در حقیقت
وَلاتَنْسَ نَصیبَكَ مِنَ الدُّنیا تأملی بسزا فرمود و از مضمون وَ اَحْسِنْ
کَما اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ تجاوز ننمود و عموم خلایق را از حسن اشفاق بهره‌مند
گردانید خصوصاً فرزندان و قرابتان (کذا) را بسلطنت ممالک رسانید و هر
شهری که بخطبهٔ همایون و سکهٔ میمون مزیّن بود بدولتمندی که بآثار عقل اهتدا
و بانوار عدل اقتدا داشت رجوع فرمود، و چون و فور اقبال و ظهور اجلال
در فرزند سعادتمند ثمرهٔ [۱] [شجرهٔ] سلطنت [۲] و نهال باغ خلافت [۳] واسطهٔ
عقد سلطانی و رابطهٔ سلک جهانبانی معز الدنیا والدین میرزا بایسنغر بهادر
آنحضرت مشاهده نمود و فروغ آفتاب دولت در جبین مبین او معاینه بود
شکر مواهب الٰهی به ادا رسانیده مضمون کلام [۴] دُرّ نظام بر زبان گذرانید که:
سپاس بیقیاس حضرت خداوندی را که تاج سرافرازی ما را العلل و یاقوت
اولادنا اکبادنا مرصع ساخته از افسر خورشید گذرانید و قطرات سحاب نسب ما را
در صدف شرف دُرهای عالم افروز گردانید، و از افق تفوّق ما چندین نیّر
آفاق گیر طلوع یافت که از هر یک نظر [۵] مهری بر ذرات ذریّات آدم تافت،
و در طالع مسعود ما باجتماع این کواکب سعود که مشتری سعادت ابدی از

---

[۱] از زبده ۲۵۰ ب سطر آخر، [۲] زبده: دولت [۳] زبده: سلطنت،

[۴] در زبده ۲۵۱ الف تا ۲۵۳ الف بعضی عبارات این کلام را بصیغهٔ غائب بیان کرده است، صاحب مطلع این عبارات را از نو ترتیب داده و کلامی مطوّل در باب رعیت داری (ص ۲۹۴ س ۱۲ تا ۲۹۶ س ۱۰) بنا بطرز خود در وافزوده، بصورت خطبه از سلطان شاه رخ می آرد، عبارات زبده را که به عبارات مطلع فی الجمله مطابقتی دارد در حواشی نشان داده شده است، ورق نیز جز شمار ولایات در کت بر (ص ۲۹۴) چیزی از مضمون کلام دُرّ نظام نیاورده است، [۵] فقط آ: نظری،

حظوط ایشان خواهد اتّصالاتی نهاد که تاثیرات آن ایام دولت ما را ع

همه بشارت اقبال و کامرانی داد

و دودمان ممتد ما را ازان چراغهای نورانی روشنائی بخشید که شاه اختران

بسانِ درویشان دامنِ شعاع باز داشته نورِ فروغ آن خواهد چید (ورق ۲۹۳) (۲۰۴ ل)

بشکرانهٔ این درجهٔ شرفی که خورشیدِ وجودِ ما را در نوبهارِ جوانی و نوروزِ جهانبانی

کرامت فرمود و گلستان عهد ما را بدین شگوفهای نودمیده شمیمِ عنبر نسیم

فزود بر ما فرضِ عین است که مردم دیدهٔ جهان بین را در اطراف عالم طواف

دهیم و بچشم عقل و نظرِ بصیرت نگاه کنیم و دران مملکت که مصلحت دانیم

قرّة العینی نصب فرمائیم. بحکم این قضیه رای عالم آرای اقتضا فرمود که

فرزند اعزّ ارشد [[1] ارجمند] درّهٔ تاجِ السلطنت و واسطهٔ عقدِ المملکت ۱۰

غیاث الدّنیا والدّین امیرزا بایسنغر بهادر که از غیثِ رحمتِ غیب

دُرّیست که تاج خلافت را آب دهد و مهریست بر سپهر دولت که

نگین سلطنت را تاب بخشد[2] در بارهٔ او تاره انعامی ارزانی داریم و مملکتی

وسیع بنوّاب او سپاریم و امرای[3] شجاعت پیشهٔ ضرغام اندیشه و وزرای

صاحب کفایت صائب درایت در دیوان او جمع فرمائیم، و علماء عالم و

فضلاء بنی آدم و ظرفای متفطّن و شعرای متفنّن در سلک ملازمان او تعیین نمائیم بنابران

---

[1] فقط در آ، [2] زبده ص ۲۵۱ و س ۱۵، [3] زبده (۲۵۱ ب): درین وقت بر مقتضی اعطی القوس باریها بالی [مال ممالک]

و معاملات ممالکی که پیشتر بتحت تصرف حکام جاوینی قربان که فرزندان امیر ارغونشاه بودند اعنی طوس و مشهد و ابیورد و شملقان

و یارود (کذا)، ود [ورنا] بنجه (بنجهٔ) پادشاه طغاتیمور و بعداز و امیر ولی حاکم بود مثل استراباد و کبود جامه و توابع

و مضافات بجهت اخراجات دیوان خاصه ابقاه الله تعالی و طوّل الله عمره ارزانی فرمود — در آ کلمه مقدس را ندارد

— ک ب ب: سملعان (بجای سملقان)، آ: سملمان، ق: Salmakan — در آ مازندران استراباد دارد

(بجای مازندران و استراباد) — ق: Schemâsuu — برای شاسمن رک به یزدی ۱: ۵۰۸، و یستنفلد ص ۳۷۸،

ولایت طوس و مشهد مقدس و ابیورد و نسملقان و جرمغان و خبوشان و نسا و یازر و تمام مازندران و استراباد و شاسمان و کبود جامه و مضافات و منسوبات جرجان بآن فرزند ارزانی داشتیم[1] و زمام مهام آن ولایات بقبضهٔ اهتمام نوّاب او بازگذاشتیم، اگرچه[2] ذات قرة العین را علیه عین الله سعادت ابدی و عنایت سرمدی از عهد مهد که مُهر سکوت از حقّهٔ یاقوت برداشته تا این زمان که بر بساط نشاط بارتباط و انبساط قادر گشته در همه احوال مرضی خصال و محمود فعال بوده و در نظر اهل بینش صورت و سیرت او مستحسن نموده و بتادیب ادبنی ربّی از تعلیم مؤدّبان استغنا یافته و انوار الهامات الهی بر مرآت[3] آگاهی او تافته[4] امّا[5] از انجا که مهر و شفقت آبا در حق مردم دیده بمنزله ع

آفتابست در اضاءت چشم[6]

[خواستیم که] شعله از رای انور خویش[7] که لمعه ایست از برق یهدی[8] الله لنوره من یشاء[9] پیشوای عزایم او سازیم تا در نور آن ناهموار یهای جهان را بدیدهٔ دوربین معاینه دیده مناکبهاء[10] آن را بدید بای معاندان انباشته گرداند، و دست اعتصام در حبل الله باعتقاد متین محکم ساخته سر رشتهٔ طناب انصاف از غایت اطناب بمشارق و مغارب رساند، باید که رعیت در سایهٔ آفتاب رعایت او که نمودار سایه بان ظل الله است آسایشی یابد که نبات راز زیر این سحاب، و نیلوفر را در آب، و دیده را در بستر پلک هنگام خواب حاصل آید،

---

۱ برای ممالک محروسه ک بر یزدی ۱ : ۳۵۱ و ستر یج ۳۹۲، ۲ ک بر زبدة ۲۵۱ و س ۶ بعد — نقطاً آ : تادیب ارجای تعلیم ۳ با ب — ۴ ک مثل متن ۵ از روی با و ب، ۶ ب، ۷ ک : بعد درجای یهدی، ۸ ک ۱ کی : یاء، ۹ با آ : مناکهاء، ۱۰ آ ب ب اک مثل متن،

کوس عدل را آوازه بحدّی بلند گرداند که از غلغلۂ آن نوشیروان از خوابِ ابد برخیزد، و ظلم بغایتی رم خورد که تا عهد ضحاک بپای پس گریزد، و در چهار سوی ولایت از دوالفِ انصاف دو دارِ سیاست نصب فرماید که عوانان خاین را از مشاهدۂ آن مرتبۂ عالی نماید، و در شرق و غرب عالم آفتابوارِ متجسّسان گمارد که مثلاً اگر آفتاب در کلبۂ درویشی بگرمی سر درآرد والطاف فرزندی ازان آگاه شود از ابرِ کف پردۂ راحتی بران بالا کشد، و هر طرف که قصۂ محتاجی غنچه مثال از شاخسار اناملِ سر برآرد نسیم کرمی بر آن سوی وزاند تا آن بی برگ را در چمنِ امید گلِ مراد شگفاند، از ناوکِ آه پیرانِ کمان پشت که در دل شب کشایند ایمن نخسپد که از سپر ماه روشن گذرانند، سادات و علما و مشایخ را بمواهب انعام و مواجب اکرام و مراسم تعظیم و مناظم تکریم معزّز و مکرّم دارد و چشم عنایت و نظر مرحمت بر آیشان[1] گمارد و اگر خواهد که دایره دارانِ لشکر پرکار وار قامتِ خدمت دو تا کرده زمین بوس کنند دوایر تنکه[2]ها بر لوح خاک چنان گردان گرداند که پرکارِ سپهر در حیرت آن سرگردان ماند، و اگر دورِ این سودا خاطر خطیر را سرگشته سازد که چندین دوایر نقود از کجا گرد آید بیقین داند که دایرات لشکرها برای این کار باشد، هرگاه مدوّرات دوایر لشکر سلطانی وا برگشت مدوّرات سکّۂ شیطانی چندان گرد توان آورد که گرد نتوان آورد بلکه دَور خزانه دایرۂ باید که پرکارِ سرگردانِ اندیشه را گرد اگرد آن دَور میسر نشود، و چون پرکارِ کار برین مرکز راست ایستاد بعد ازان دوایر سپهر پیرامون رضای فرزندی گردد ع

چو پرکار در زیرِ دستِ مذهّب

۱۰

(۳۰۴ ب)

---

[1] ک: بریشان ، [2] ک: تنکها

جمعی بهادر که ناموری (کذا) در با بها باشند اگرچه در سلک نسبت
سهل قیمت اند ایشانرا از سمت سماط خسروی دور نگرداند و نظم امور ایشان را
زیور نطاق عزّت و پیرایهٔ کمر شمشیر دولت داند، دهاقین که چشم نیاز در هوا
داشته کار خود را آبی میجو یند و آسمان با مهر تمام جگر ابر را قطره قطره کرده تا
بر کشت ایشان مایهٔ لطفی می بارد و زمین در درون پاره پاره تخم پراگنده
ایشان را پرورش داده امید بر دارد باید که در معاملات ایشان طریق انصاف
مسلوک دارد تا از دود رقم ظلم اهل قلم ع
درخرمنشان نیفتد آتش،
و سایر محترفه و پیشه وران را از جور و حیف محفوظ دارد و بعین عنایت
۱۰ ملحوظ گرداند،
سبیل[1] اُمَرا و کُبَرا و سادات و قضات و ائمّه و امم و خدم و حشم و
عامّهٔ رعایا و کافّهٔ برایا ولایات مذکوره آنکه بادشاه و فرمان فرمای خود فرزند
اعزّ را دانسته تمام آن ممالک را محکوم حکم او شناسند و سعادت دولت او
که آن ولایات را مساعدت نموده غنیمتی عظیم و موهبتی جسیم شمرند و شکر
عطای ربانی و مدح و ثنای سلطانی بجای آورند[*]، و از[2] ابتدای سنه
ثمان عشر معاملات آن ولایات را بنواب و گماشتگان فرزند اعز جواب گویند
و سر از ربقهٔ طاعت و گردن از طوق اطاعت بر نتابند تا موجب ازدیاد معدلت

---

[1] رک به زبده (۲۵۲ و س ۱۰) : مثال واجب الامتثال لازال نافذا فی الاقطار و الامطار [الامصار] اصدار فرمود که عموم اهالی آن دیار علی اختلافهم صورة و اسلافهم . . . بادشاه و فرمان فرمای خود فرزند اعزّ دانند و سریر سلطنت تمام آن دیار را محکوم امر ا[و] شناسند سبیل امرا الخ (بکلامی مطول تر از مطلع)   [2] آ : از استقبال الخ،
زبده : از استقبال سنه ثمان عشر و ثمانمایه ،

و مرحمت او شود انشاء الله تعالی ،

وقایع سنه[1] ثمان عشر*

نهضت[2] حضرت خاقان سعید* بجانب سرخس و رفتن[3] میرزا بایسنغر* بجانب طوس[4]

در[5] اول فصل بهار و هنگام اعتدال لیل و نهار که امزجه مرکبات طبایع از نشو و نما در اهتزاز* آمده مرغان خوش آواز در پرواز شدند حضرت خاقان سعید منتصف ذی الحجه سنه سبع عشر از دار السلطنه هراة بجانب سرخس نهضت فرمود ، و[6] دران بلده شرف زیارات مشایخ دریافته عزیمت مهنه مبارک نمود و در مزار مورد الانوار صاحب السیر و الطیر سلطان طریقت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سره شرایط زیارت و آداب آن مقام بجا آورد* . و چند روز در صحاری ۱۰ دشت خاوران بعزم شکار سوار شد و کلنگ بسیار بچنگل چرغ و شاهین و شنغار افگار و گرفتار گشت ،

---

[1] زبده (۲۵۲ ا) : سنة ثمان عشر و ثمانمایة الهجریة الهلالیه [2] زبده : ذکر حرکت برکات همایون حضرت سلطنت شعاری بعزیمت توشلامشی [3] زبده : رایات همایون حضرت بایسنغر بهادر خلد الله تعالی ملکها [4] آک آ : بطوس ، با : بطوس و سایر ولایات ، زبده : ابیورد و طوس ، [5] زبده : چون فصل زمستان بآخر کشید و مژدهٔ بهار بدلها رسید خاک زمین از تف حرارت آتش دل گرم و خوش مزاج شد مرکبات طبایع الخ [6] زبده —

و بعد[1] از فراغت از شکار رای اصابت شعار شاهزادهٔ جوان بخت میرزا الغ بیگ را اجازت معاودت بما وراء النهر ارزانی داشت ، و امرای اطراف مثل امیر بسطام جاگیر و تاج الدوله رستمداری و دیگران را رخصت مراجعت داد[2]، و در اواخر[3] ذی الحجه سنه سبع عشر[*] جناب میرزا بایسنغر بهادر عزم ولایاتی نمود که بتجدید مفوض بدیوان او شده بود ، وجهت استمالت خواطر و مصالح[4] اکابر و اصاغر بران بلاد گذری فرمود و اهالی [ورق ۳۰۵] و اعالی قدوم موکب عالی را که سبب آسایش و آرامش آن بلاد دست مراسم استقبال و شرایط تعظیم و اجلال بجا آوردند ، و شاهزاده هر اختلال که باحوال آن بلاد راه یافته بود بانواع رعایت و عنایت اصلاح فرمود ، و چند روز بصید افگندن و جانور پرانیدن اشتغال فرمود بیت

(۳۰۵ ر)

۱۰

هر جانور که از سر دستش گشاد یافت مرغان چرخ را همگی تار و مار کرد

و بعد از چند گاه[5] ببارگاه سلاطین پناه باز آمد ،

و حضرت خاقان سعید بصوب ولایت بادغیس عزیمت فرمود ، و اوائل [[6] محرم امرا که[7] در طرف خوارزم بودند[8] باردوی اعلی رسیدند و بعرض رسانیدند که احوال [9] آن دیار بحسن تدبیر نوئین کامگار امیر شاهملک قرار یافت ،

---

[1] زبده — [2] زبده : بیست و ششم در ذی الحجه مذکور — در زبده گفته است که . تاریخ مذکور امیرزاده بایسنغر برای نصیبه نیز (اصل : تیز) بصوب ابیورد و نسا گرای شد «چون بتجدید مال و معاملات آن دیار» تعلق بدیوان خاصهٔ حضرتش گرفته بود بجهت استمالت خواطر و ضبط مصالح بران دیار گذر فرمود» [3] زبده : ضبط مصالح [4] زبده : روز [5] عباراتی را که بقوسین محدود است فقط در ک ندارد ، از روی آ و دیگر نسخ اثبت شد [6] زبده : که بجانب خوارزم رفته بودند با امیر شاهملک ؛

و امیر حسن کاکہ برسم رسالت پیش امیر یوسف قرا رفتہ بود باز آمدہ احوال آن ممالک عرضہ داشت نمود ، و اواسط محرم امیرشا ہملک بموکب ہمایون پیوست، و[2] درین ایام[3] در خراسان چندان باران آمدکہ عمارات ویران شدہ اکثر قنوات انباشتہ گشت ، و اواسط صفر خبر وفات دندی سلطان دختر سلطان اویس از[4] جانب شوستر رسید، و آنحضرت[5] امیر توکل برلاس را بجانب فارس پیش میرزا[6] ابراہیم سلطان[7] فرستاد ، و[8] رایات ہمایون عزیمت معاودت بصوب[9] دارالسلطنۃ ہراۃ نمود ، و دوم ربیع الاول در باغ زاغان بدولت و اقبال نزول اجلال فرمود ،

ذکر بنای قلعۂ دارالسلطنۃ ہراۃ

اہل بصیرۃ بر مقتضی وَاجْعَلْ لِّی لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ سعیہا نمودہ اندکہ نام ایشان در جریدۂ ایام باقی باشد بنوعی کہ سیلاب فنا آن را محو نتواند کرد و از تند باد فتنہ و شر پریشان و ابتر نشود و ہوشمند کامل و خردمند بینا دل در تشیید بنایی کوشد کہ غبار خاک تودۂ روزگار حسن رخسار آن نپوشد و اسم علو و رسم سمو آن در جہان ناپایدار یادگار ماند ، بنابرین مقدمہ حضرت خاقان سعید

---

[1] زبدہ : چہاردہم [2] زبدہ : ہم درین روز چہارشنبہ محرم مذکور ــــ صاحب زبدہ گفتہ است . باران " مدت یکشبانروز چنان بقوت آمدکہ اکثر کاریزہا انباشتہ شد و در وادیہا رودخانہا روان گشت و در اکثر آن بلاد خراسان دران روز باران بارید" [3] زبدہ : از ششتر رسید و روز دیگر حضرت سلطنت شعاری [4] زبدہ : سلطان مظفر الدین ابراہیم

[5] زبدہ : در ربیع الاول ســــنہ المذکور حضرت سلطنت از ییلاق عزیمت

درین سال[1] به تشیید[2] حصن حصین و تسدید قلعهٔ منیع متین[3] در دار السلطنهٔ هراة اشارت فرمود[4] شعر

اِنَّ آثارَنا تَدُلُّ علینا فانظُروا بَعدَنا اِلی الآثار[5]

و آن قلعه ایست بر دیوار شمال شهر که در زمان ملوک کرت ملک[6] فخر الدین ساخته، بحصار اختیار الدین مشهور بود، و نوکر او محمد سام درین قلعه امیر دانشمند را که از امراء معتبر خدا بنده[7] او لجایتو سلطان بود قتل فرمود، و امیر صاحبقران در وقت فتح هراة دیوارهای شهر خراب کرد[8] اما قلعه را[9] بمعتمدان سپرد و بعد از چندگاه فرمود که میان قلعه و دیوار اصل[10] شهر فاصلهٔ پیدا سازند تا قلعه را[ ] سرکوبی نباشد، پنجاه گز دیوار از جانب شرق بزمین رسانیدند[11] و

---

[1] زبده: + : در شهور سنه ثمان عشر و ثمانمایه [2] زبده: بتشیید (کذا) بناء حصنی رصین و تسدید اساس قلعه منیع و رفیع که در استواری با سد سکندر دعوی برابری بل تصلف برتری [تصلف برتری] نماید نظم حصنی بجر ش الخ - با بیت : [3] بدیع (بجای متین) اک ـ [4] بعدش در زبده افزوده است که "مآثر و مفاخر حضرت سلطنت شعاری طراز تواریخ ملوک و سلاطین" است و "انواع اصطناع که در باب رعیت و رعاة فرمود و میفرماید فسانهٔ فریدون منسوخ گردانید" "اگرچه امروز" عرصهٔ "فسحت حوزهٔ مملکت ان سرحد ختای تا دیار عرب" و از" اقاصی هند تا دیار روم و فرنج است و تختگاه ممالک ایران و توران را بر فرزندان قسمت نموده" امید انکه توابع و مضافات آن" یعنی ربع مسکون مسخر فرمان بندگان دولت گردد، ـ راجع به قلعه هرات هرچه در مطلع درج است قریباً تمام آن بالفاظ صاحب زبده است [5] از ۶۴۸ تا ۷۰۸ فرمان روائی کرد رلین پول ص ۲۵۲)

[6] از ۷۰۳ تا ۷۱۶ فرمان روائی کرد رلین پول ص ۲۲۰) [7] در سنه ۷۸۳، رک به ظفر نامهٔ یزدی ۱ : ۲۲۲، ملک غیاث الدین این دیوار را در حدود ۷۸۰ بنیاد کرده بود یزدی ۱ : ۳۰۳، [8] عبارتی را که محدود است بقلابین فقط در ک ندارد ازروی آ نوشته شد، و زبده هم فی الجمله مطابق است با آن، [9] زبده: اصلی [10] زبده (۲۵۶ ا) : سرکوبی نباشد قریب بنجاه گز بود دیوار [دیوار] را از جانب شرقی قلعه بزمین رسانیدند ،

هفت صد هزار مرد بموجب[1] نسخه کار کرد*، و حضرت خاقان سعید چون سریر سلطنت جهان را مشرف ساخت دیگر[2] باره در باره عمارت شهر طرح جدید انداخت* چنانچه شرح آن مذکور شد[3]، و آنحضرت درین تاریخ فرمود که همان حصار قدیمی که بر[4] روی خاک بخشت خام بود بسنگ و آهک و گچ و آجر قلعه ساختند که بر بسیط خاک بنای بدان حصانت و اساسی بدان رصانت در هیچ مملکت بتکلف نیز از آن نپرداختند* بیت

حصنی[5] حجرش جواهر پاک — اصلش چو زمین ستون افلاک

چند[6] بیت در صفت قلعه و تاریخ عمارت که بعضی از آن بکاشی

---

[1] زبده: بنسخه آمده است که در روی کار کردند تا خراب شد، [2] زبده: باره شهر هراة دیگر بار عمارت فرمود [3] رک به ص ۱۲، [4] زبده: بروی خاک بخت [بخشت] خام بر آورده بودند بسنگ و آهنگ [آهک] و گچ و اجرا [آجر] حصاری که بر بسیط خاک بنائی بدان حصانت در هیچ مملکت نشان نداده اند بتکلفی هرچه تمامتر بر آورده اند، [5] رک به حاشیه ۲ ص ۳۰۰، [6] زبده (۲۵۶ ب) چند بیت در مدح شاهزاده در صفت قلعه و تاریخ عمارت آن گفته شده و بعضی ازین ابیات بکاشی بر کتابه قلعه ثبت است **ابیات**

ایا پادشاهی که بر روی دفتر — کلامی نیاید ز مدح تو خوشتر

خداوند دولت (کذا) بزرگی و دولت (کذا) — خداوند شمشیر و دیهیم و افسر

خدیو جهان بایسنغر که گیتی — ندیده و به [نه] بیند چون بنده پرورد [چو او بنده پرور]

جهانرا توان جوهری در معانی — که هستند نه چرخ اعراض جوهر

سریر ترا بنده این سبزه طارم — ضمیر ترا گشته خورشید چاکر

زهی ذات تو عین اقبال دنیا — خمی [خهی] دور تو راحت ملک و کشور

قرین تو هرگز ندیده زمانه — نظر [نظیر] تو هرگز نزاده ز مادر

باندیشه اندر نگنجد مدیحت — که مدحت تمامست و اندیشه ابتر

باقی حاشیه بر صفحه ۲۰۲،

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۰۱) :—

ترا گفتن مدح دشوار باشد　　که هرچند گویند ازان [ازانی] فزون تر
حدود جلالت ز افلاک بیرون　　سپهر کمالت ز ادراک برتر
نه افهام [افهام] را عقد مغیب [معنیت] مدرک　　نه اوهام را کنه ذات [ذانت] مصور
ز حصر نوانی [توان ؟] تو افهام عاجز　　ز درک جلال تو اوهام مضطر
تجلی رایت کند کوه را خاک　　خیال سخایت کند خاک ر [ا] زر
ایا پادشاهی که [کز ؟] انصاف [و ؟] عدالت　　هما زا بنیل سبد [؟] گشت داور
خواص فعالت بود گر نخواهد [نخواهند ؟]　　رطوبت ز آب و حرارت ز آ خگر
نفاد [نفاذ] مثال ترا تا قیامت　　نهد بر جبین ملک و دولت دو افسر
جو لطفت تو بذل تو گشتنت و بیجد [گشتست بیجد]　　جو جود تو فضل تو گشتست برتر
ز اولاد تیمور خان صحی [صحن] گیتی　　نخواهد تهی گشت تا روز محشر
ازان اصل طاهر جنین فرع آید　　که آید ز پشت غضنفر غضنفر
بجز در نبینند از موضع در　　بجز زر نیابند از معدن زر
شهنشاه اسلام شهرخ بهادر　　که از عدل تو گشت گیتی منور
ز حشمت جو فوج نجومش عساکر　　ز رفعت برا واج [اوج] سپهرش معسکر
جهان قطره و همتش بحر زاخر [زاخر]　　فلک ذره و خاطرش شمس وانور [شمس انور]
باولاد او باد عالم مزین　　باخبار [باحفاد] او باد گیتی معطر
شهنشه الغبیک و سلطان ابراهیم [براهیم]　　که هستند شائسته و بخت [تخت و] افسر
یکی را نشاندست بر تخت توران　　دگر کرده از بهر شش ایران مسخر
شده روشن از هر دو چشم زمانه　　یکی شمس و ملک [شمس ملک] و دگر ماه کشور
جهان بادشه بایسنغر که قدرش　　برفعت ز اوج سپهرست برتر

(باقی حاشیه بر صفحه ۳۰۳)

برکتابهٔ قلعهٔ مبارک نوشته اند ثبت افتاد قطعه

نهادند بنیاد این حصن عالی — بمیمون زمان و بفرخنده اختر

ز بیع دوم ضاد وی ح ز هجرت — که رفته ز بطحا بیثرب پیمبر

یوضعی[۱] نهادند اول بهری را — که شد پنج دروازه[۲] در روی معبر[*]

(بقیه حاشیه متعلقه بصفحه ۳۰۲)

بجهر منوچهر و فر فریدون — بآئین و جمشید [بآئین جمشید] و رسم سکندر

کمین جاکر بزم او گشت خسرو — کمین خادم خلق او هست عنبر

ز رخ زرز و سنتش شود زرد و زکان [در کان؟] — ز طبعش بجوشد دل بحر [بجوشد دل بحر؟] ادر بر

ندارد همی ابر با دست او پای — و گر خود کشد سر بگردون اخضر

دگر سوز علمش [سیوم علمش] از خرد مند عاقل — که در جنب او بود عالم محقر

دگر شاه زاده جوکی محمد — که شد آیت حق بر ایشان مشتهر

همه ملک را مستحقند و لایق — همه تاج را مستحقند [مستحقند؟] او درخور

بدین پنج صفدر که اندر معانی — چو ایشان نیاورد ایام دیگر

تفاخر نماید سزد دین الهی — بظاهر فزایند شرع پیمبر

کسی را که اولاد ازین گونه باشد — بود ملک در خاندانش مقرر

بمانا د شه شاهرخ تا قیامت — بر احباب میمون بر اعدا مظفر

بود ملک دنیا بدولت مسلم — شود جاه عقبی بطاعت میسر

ز تاریخ اگر گفتمی چار صد [؟] — شود سال او هم ز تاریخ اظهر

حاشیه این صفحه ص ی ح یعنی ۸۱۸ھ — ب: بیع (بجای ی ح) آ: ع. [۱] فقط ک: بوضعی. باقی نسخ ندارد و مثل متن — [۲] در صدهٔ چهارم هر یک از شهرهای قلعه چهار دروازه داشت. ابن حوقل و مقدسی نام های آنها ضبط کرده. [تاریخ ص ۸۰۸] در صدهٔ هشتم در شهر بند نو که ملک غیاث الدین کرت بنیاد کرده دروازهٔ بنام دروازهٔ انصاری بوده است (یزدی ۱: ۲۲۷). در جهان نما (صدهٔ یازدهم) مذکور است که در ان عصر هرات را پنج دروازه بود. البته [تاریخ ص ۹۰۸] [*] زیده: او را.

(۳۰۵ ب)

همان پنج در پنج برج حصارش[1]	به بین و بدان جمله در ضرب لشمر
دلیل ثبات بنایش[2] بدانی	اگر خرده دانی درین نیک بنگر
زیادت شود اصل[3] و فانی نگردد	که دایر بود آن[4] عدد تا به محشر
مهندس نهاده درون و برونش	قصوری مقرنس[5]، بروجی مدوّر
زروی لطافت چو ایوان کسری	ز راه حصانت چو سد[6] سکندر
بنای کمالش[7] چو ایوان کیوان	بزلزال دوران نگردد مبتر[8]
سراپای او جمله زیب است و زینت	زوایای او جمله زرست و گوهر
نهادش چو جانست در جسم ارکان	سوادش چو نور است در چشم اختر[9]

والحمد لله علی حسن الاختتام[*]،

۱۰ فرستادن استمالت نامه بجانب میرزا امیرک احمد بن میرزا عمر شیخ

میرزا احمد میرک[10] چون در حوالی اندگان امیر موسی کا و محمد تایان و علی قوچین را بقتل آورد چنانچه مذکور شد[11] از امیرزا[12] الغ بیگ ترسیده عزم[13] کاشغر نمود[*] که بمغولستان پیش محمد خان[14] رود، و حضرت خاقان سعید خبر عزیمت او شنید،

---

[1] آ: حصن، زبده مثل متن، [2] ک: و بنایش، زبده مثل متن، [3] زبده: لیکن [لیک]، [4] زبده: این

[5] بعدش زبده + : بمعاریش فخر آورده انجم ÷ بسر کاریش جاه افزوده لشکر [6] ک: کمالش، زبده: کمالش [7] زبده: متغیر

— بعدش در زبده + : ورا از حوادث زیان نیست آری ÷ حوادث فلک [را] نباشد زیان گر

[8] بعدش در زبده + : چو خورشید رای زرین [زرین] تو کرده ÷ بیک دم زدن عالمی را منور

الا تا زمین و زمانست و باد [بادا] ÷ زمانت متابع زمینت مسخر

[9] زبده: — [10] ق: (امیرک) [11] ر ک بر ص ۲۶۳ و ۲۷۴ [12] آ ب: میرزا [13] زبده: بجانب کاشغر

رفته بود بعزیمت آن، [14] فقط ک: ترخان، آ ب اک: ق: خان، ک هم مثل زبده در آخر ص ۳۱۶ خان، نوشته است بجای ترخان،

توکل نوکر او[1] [را] با استمالت نامهٔ بخد متش فرستاد مضمون آنکه :

اطال اللّهُ تعالی بقاءه فی خلود السعادات الابدیة و
حصول المرادات السرمدیة !

وفور سلام و صنوف تحایا که نسایم آن از مهب[2] فیض اشفاق باشد
و بریاض نفحات صفاوت گذرد مزیّن بزینت مهربانی و محلّی
بحلیهٔ تعطّف جاودانی تاهل نماید ، همگی خاطر عاطر و جملگی ضمیر منیر
متعلّق[3] احوال شناسد[4] ، اشتیاق و آرزومندی بملاقات عزیز
فرزندی فوق الحدّ تصوّر[5] کند ، توفیق ذوق تلاقی[6] مقدّر باد !
شانزدهم ربیع الاول از دار السلطنه هراة نفاذ[7] می یابد[8] حالتی
که شکر مواهب یزدانی واجب است ، للّه الحمد والمنة[9] ،
چنین[10] استماع می رود که میان او و فرزند الغ بیگ بمجرد
سخنان نامعتبر اہل فساد[11] صورتی که متضمن تشویش[12] بلاد و عباد
باشد روی نموده ، و این خبر در مملکت عراق بما رسید و
بسبب بُعدِ مسافت[13] بتدارک آن نپرداختیم و چون[14] بدار السلطنهٔ
هراة رسیدیم[15] شنیدیم که آن فرزند عازم مغولستانست ،

---

[1] ک ب ؛ ازروی نسخ دیگر [2] زبده ؛ را مهب از [3] زبده ؛ و نگران احوال و اعمال شناسند [4] زبده ؛ والعدّاست [5] بعدش زبده + ؛ علی حسب المراد [6] ب اک ؛ انفادی یابد ، آ ؛ انقیاد می یابد ، زبده ؛ صورت انفاد [انفاذ] و رقم اصدار می باید [یابد] ، [7] این فقرات را در زبده مفصل تر می آرد [8] زبده ؛ صورت حال واقعه آنکه [9] بعدش زبده + ؛ و مجال محال اندیش ارباب عناد [10] زبده ؛ ملال خاطر مقدمات حادث و تشویش نما آیر تواند بود ملاذ ؟ ، کشته خبر کیفیت این واقعه [11] بعدش زبده + ؛ آزمان ، [12] زبده ؛ حالاکه رایات همایون [13] زبده ؛ نزول فرمود چنین استماع افتاد ،

۱۰

بغایت بعید و بدیع نمود، چه کمال اهتمام[1] اینجانب نسبت با
برادران و فرزندان من المهد الی اللحد معلوم دارد[2]،
وثوق کامل و اعتقاد شامل آنکه[3] از سر استظهار تمام متوجه شود
تا ابناء پدر فرزندی[4] کالجبال[5] الراسیات[6] ثابت باشد[7]. این
صورت از روی رعایت صلهٔ رحم و راه مسلمانی[8] و غمخواری
مسلمانان[9] رفع افتاد، از تکلف و تصلف و حمل بر شایبهٔ مکر و
حقد عاریست، جمعی که ملازم اند شاید متوهم شده آن فرزند را[9]
مانع آیند که حرکات ناشایست از ایشان اختیاراً و اضطراراً
صادر شده، مجموع را ایمن سازد که ماجریهٔ همه را عفو فرمودیم،
الماضی لایذکر، حقاً ثم حقاً که همه را در پناه رافت و اوای خواهیم داد[9]   ۱۰
والتوفیق من الله المنان ع

عمرت چو نتیجهٔ خرد باقی باد!

---

[1] زبده بعدش + : [و] وفور تعلق خاطر [2] زبده بعدش + : که بجهه طریق مسلوک بوده و هست و همواره در تحری مراضی ایشان حسن اجتهاد بتمهید رسانیده و بر قرار بدان مناهج رسوخ و ثبات موکد ست [3] زبده (۲۵۹ر): که بقدمی ثابت و نیتی خالص در موقف اخلاص و منهج (کذا) اختصاص (بجای آنکه) [4] بعدش زبده + : که بمزید تخصص و تاسیس مؤسس و مختص شده [5] کت : کالجبال و قدور راسیات (رک به قرآن مجید سوره سبا : وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ)، بب مثل متن، زبده : كَالْجِبَالِ الرَّاسِخَاتِ وَالطَّوْدِ [والاطواد] الشَّامِخَاتِ [6] زبده : و مستقیم باشد و از جادهٔ ولا منحرف نشود [7] زبده : و دین داری و غمخوارگی حال مسلمانان و امن و استقامت امور عموم و خصوص [8] زبده : از توجه بدین جانب مانع آیند بنابران که [9] در زبده درین فقرات تا آخر استمالت نامه بعضی اختلافات خفیفه را دارد، که ثبت نکرده شد،

ذکر آمدن ایلچی امیر قرا یوسف و خبر وفات میرزا اجل

امیر قرا یوسف آخر[1] محرم از خواص خود مرد انشاه نام که در سخن گذاری مشهور خاص و عام[2] بود ارسال نمود ، و فرستاده چون بشرف بساطبوس مشرف گردید مکتوبی[3] بوسیله امرای عظام بعرض رسانید مضمون آنکه : اگر آنحضرت قلعه سلطانیه را باینجانب ارزانی دارند آنچه وظیفه دولتخواهی باشد بجا آرم[4]، حضرت خاقان سعید فرمود که[5] نشان صدق[6] آن خواهد بود که[6] ایلچیان آمد و شد نموده پسر خود را[6] پیش ما فرستد ، هرگاه چنین کند ما سلطانی آن دیار تا بقلعه سلطانیه چه[7] رسد بدو ارزانی داریم ، و ایلچی را رعایت نموده اجازت مراجعت نمود ،

ودرین[8] اثنا خبر آمد که میرزا[9] اجل را که آنحضرت بعد از فتح ممالک عراق ۱۰

---

[1] زبده : در اواخر محرم سنه ثمان عشر و ثمانمایه [2] درزبده + : و از دقایق آداب خدمت و رسم دانی حظی وافر داشت [3] درزبده گفته است که این مکتوب "مملو از تواضع و تذلل" بود ، [4] درزبده + : و بر وقف (وفق) فرمان مراسم انقیاد بتقدیم رسانیده آید ، [5] زبده : که سمت راستی و نشان صدق ، [6] زبده : که پیوسته ایلچیان و کسان آمد شد نمایند و با دوست این جانب دوست و با دشمن [دشمن] باشد و بی تردد و تفکر باستظهار تمام پسر خود را — ق ص ۱۷۱ "بظاهر بند نموده" دارد (بجای نموده) — فقط "پسر" دارد (بجای پسر خود) ، [7] مطلع : آنجه ، تصحیح از روی زبده ، [8] این فصل در زبده عنوان ذیل دارد : ذکر خبر وفات امیرزاده اجل بن امیرزاده امیرانشاه کورکان نور الله مرقدهما و تعیین امیرزاده ایلانکیز [کذا] بجای او ، [9] زبده : امیرزاده اجل نویان ،

ونارس بحکومت مملکت ری فرستاده بود چنانچه گفته آمد[1] شاهزاده[2] چند روز دران ملک بعیش گذرانیده* روزگار (ورق ۳۰۶) جفاکار و سپهر بی مهر حسد برد و مرضی مهلک[3] روی نموده مرغ روحش از تنگنای قفس قالب مظلم قصد پرواز عالم علوی[4] کرد و ودیعت حیاة را اواخر محرم بمتقاضی[5] اجل سپرد[6] بیت

درلیغا که آن شاه مقبل نماند درلیغا که شاهزاده ایجل[7] نماند

حضرت خاقان سعید بر وفات میرزا ایجل[7] تاسف بسیار نمود و امیرزا[8] ایلنکیر* را بجای او مقرر فرمود، و امیر یوسفخواجه و امیر قنا[9] شیرین و امیر عجب شیر[10] در حدود آن ولایت معین شدند، و امیر[11] الیاسخواجه بالشکر گران

۱۰ بصوب مازندران روان شد، وچون خبر توجه امیر قرایوسف بقصد سلطانیه معلوم شد آنحضرت امیر[12] ابراهیم امیر جهانشاه* را بابیست قشون فرستاد

---

[1] رک بر ص ۲۸۳ [2] زبده: پس ازانکه او را دران ممالک اندک انتعاشی روی نمود و چند روزی بغبطت وکامرانی گذرانید [3] فقط ک: مهلکه، زبده: درمعرض عارضهٔ صعب افتاد (بجای مرضی مهلک روی نموده) [4] زبده: افق عالم علوی [5] زبده: آجل [6] بعدش زبده + :

درلیغا که ازباغ شد منتهی بناگاه بشکست سرو سهی

[7] زبده: آجل [8] آ: میرزا ایلنکر، اک: ایلنکیر، ق: Ilengher، زبده: آیدانکیر؛ — برای نسب نامهٔ میرزا ایلنکر بن ابی بکر بن میران شاه برادرزادهٔ میرزا ایجل رک بر لین پول ص ۲۶۸، [9] ق، Kaia (بجای قنا) زبده مثل مطلع [10] ق: عجب شیرین (بجای عجب شیر)؛ زبده: عجب شیر باشلق [11] در زبده گفته است که چون خبر توجه قرایوسف بجانب سلطانیه معلوم شد امیر الیاسخواجه را بجانب مازندران فرستاده بودند (و) فرمان شد که امیرزاده ابراهیم "با بیست قشون مورد ؟)، دیگر" برود تا با الیاس خواجه پیوسته به ری روند، [12] زبده: امیرزاده ابراهیم بر[بن ؟]' در ق (ص ۲۷۲) امیر ابراهیم و امیر جهانشاه نوشته است اما صواب این است که ابراهیم پسر امیر جهانشاه است،

که با امیر الیاسخواجه پیوسته بجانب رَی روند و باتفاق امرا که آنجا اند اگر امیر قرا یوسف متوجه شود بمقابلهٔ او در آیند، و الّا در آن حدود و نواحی بوده اطراف ممالک ضبط نمایند، امرا بموجب فرموده عمل نمودند،

ذکر رفتن میرزا[1] سعد وقّاص پیش امیر قرا یوسف[2]

عاشر ربیع الاول[3] از [جانب[4]] بلدهٔ قم عرضه داشت امیرزاده سعد وقّاص رسید مضمون آنکه:

امیر[5] بسطام جاگیر خبر توجه امیر قرا یوسف بجانب[6] سلطانیه شنیده[7] و[8] پسر خود را در قلعه[9] گذاشته پیش بنده آمد، او را گرفته ام بهرچه حکم شود عمل نمایم،

حضرت خاقان سعید از استماع این خبر متغیّر گردید و فرمود[9] که: ما بسطام را تربیت کرده ایم[10] وچون دشمن قصد او کند و او بپناه بولایت ما آورد او را بلشکر و مال مساعدت می باید نمود، چه محل قید اوست[11] می باید که چون فرمان رسد امیر بسطام را بواجبی رعایت نماید، و آورده شیر تواچی بدین مهم

---

[1] زبده: امیرزاده [2] آ: یوسف [3] زبده: سنه ثمان عشر و ثمانمایه، [4] ک —، از روی آ، [5] زبده —، [6] فقط ک: شنیده بجانب سلطانیه شد، تصحیح از روی آ و نسخ دیگر. زبده: بجانب سلطانیه و آن نواحی شنیده، [7] زبده —، [8] زبده: سلطانیه گذاشته است و قلعه را بدو سپرده و با معدودی چند گریخته و پیش بنده آمد بدین جانب او را گرفته ام (و) موقوف کردانیده (ه)، تا حکم همایون بهر طریق که نفاذ یابد بدان موجب بتقدیم رسانیده آید. حضرت سلطنت شعاری ... ازین خبر متاثر گشته این معنی از امیرزاده سعد وقاص بغایت [نا] پسندیده داشت و غضب فرمود [و فرمود]، [9] بعدش در زبده +: و باجازت ما بدان جانب رفته است، [10] بعدش زبده +: ازین نوع ملامت و سرزنش بسیار کرده فرمود [11] آ ب ک: زبده: اردشیر، آ: آتش منن،

مقرر شد[۱] و استمالت نامهٔ بنام امیر بسطام بمبالغهٔ تمام فرستاده آمد[۲]، و میرزا سعد وقاص را جمعی مفسدان[۳] گفتند که پیشکشی هیچو بسطام داری بدرگاه امیر قرایوسف باید رفت که همه عمر ممنون خواهد بود[۴]، و شاهزادهٔ ساده دل بقول قومی مضلّ فریفته شده قتلغخواجه را در قم بر سر اغروق گذاشت و بسطام را گرفته با سیصد سوار[۵]* در بیابان عصیان و تیه ضلال گمراه گشته متوجه امیر یوسف شد، و امیر یوسف مقدم او را عزیز داشته باستظهار او طمع عراق عجم کرد و او را دلداری نموده گفت بیت

توسروی بسوی چمن آمدی   سوی خانهٔ خویشتن آمدی[۶]

و[۷] امیر بسطام را اطلاق نموده[۸]* تربیت فرمود، و میرزا سعد وقّاص میل اقامت نموده، امیر قرایوسف اخی[۹] فرج* پسر امیر بسطام را[۱۰] نامزد قم فرمود و او متوجه شد که حرم شاهزاده را بآذربایجان برد*، و نزدیک قم رسید، آغا[۱۱] بیگی

---

۱ زبده: نامرد [نامزد] فرموده بجانب قم روانه ساخت ۲ در زبده گفته است که " چون صورت این ماجرا بامیرزاده سعد وقاص" رسید "بقول بعضی صاحب غرضان" مزاج او از جادهٔ اعتدال منحرف گشته بود و قابل بذیرفتن بند" نمانده و جمعی او را بران داشتند الخ،

۳ آ: مفسد؛ با: مثل متن، ۴ بقول صاحب زبده بسطام [با] "وجود قرب جوار" از مدتهای مدید" با قرایوسف دم یاغی گری" می زد، ازان بود که هیچ پیش کش نزد قرایوسف ورای بسطام نه بود،

۵ زبده: با نوکران خاصّهٔ خود قریب سیصد سوار ۶ بعدش زبده +: بهپیش تو آریم لب کفت و کو - اگر شیر مرغت کند زود با آرزو

۷ زبده (۲۶۲ ل): و بسطام را نیز بعد از گرفتن سلطانیه بچند روز بگذشت [بگذاشت]

۸ فقط آ: اخی فرج، زبده: امیر فرخ، ۹ زبده: را با جمیع مصاحب نوکران امیرزاده سعد وقاص مقرر گردانیده که بقم روند و کسان امیرزاده سعد وقاص را بدو رسانند،

۱۰ زبده: اقا

بنت میرزا میرانشاه، حرم محترم میرزا سعد وقّاص زنی عاقلهٔ عالی همت بود[1]،
دران حال با خود گفت : سعد وقّاص غلطی کرد، [اگر] ما دران مملکت
بیگانه افتیم بیت

زدشمن نیاید بجز دشمنی بفرجام، هر چند نیکی کنی*

لحظه فلحظه شاید[2] قصد او کنند، بعد ازان حال ما درمیان ترکمان چون باشد ؟
ازانجا که کمال تدبیر و بُعد غور و مکر او[3] بود نوکران خود را مُمَکّن[4] ساخت* و چون
تراکمه رسیدند همه را گرفته با تمور شیخ[5] و قتلغخواجه* و شیخ علی زنده که[6] محرک میرزا
سعد وقّاص بجانب یاغی بودند[7]* بقتل آورد و سرهای آن[8] نامردان[9] را آن
شیرزن همراه نوکر خود شیرزاد پیش حضرت خاقان سعید فرستاد و شرح واقعه
اعلام داد، آنحضرت بدین مردانگی او را تحسین فراوان فرمود شعر

ولو[10] کان النساء بمثل هذا لفُضّلت النساء علی الرجال

مصرع[10] باوجود او بود تانیث خورشید افتخار*

و شیرزاد را رعایت نمود و شیر علی نوکر میرزا رستم را با او همراه کرده با[11] استمالت نامه

---

[1] زبدة (۲۶۲ ب) : ا هیبه بود عالی همّت بزرگ نهمت و از حرکت امیرزاده سعد وقاص بغایت متفکر و ملول خاطر گشته دران تاملی کرد و از عاقبت آن باز اندیشید و برهش خاطر آورد ما در مملکتی بیگانه افتیم و ایشان ما را یاغی میخوانند وسعد وقاص غلطی کرده است و بیش ایشان رفته نظم زدشمن الخ — کلمهٔ 'اگر' را که محدود است بقلابین درک ندارد، از روی نسخ دیگر ثبت شد، [2] زبدة : نشاید که، [3] فقط آ، آن [4] زبدة : مستعد گردانید. [5] اک بآبب : وقتلغخواجه، زبدة، قتلغ خواجه — بعدش زبدة + : و شیخ حسن زنده [6] زبدة : که بیشتر یاری بر حرکت امیرزاده سعد وقاص بدان جانب ایشان بودند، [7] فقط درک، [8] زبدة : نامرادان ردّ این مطابق است با ق، [9] آ — ، [10] این مصرع از روی بب و بآ درین موضع ثبت شد، درک او را در آخر این فصل نوشته است، اک — ، [11] زبدة : ایشان را استمالت و دلداری نموده بطرف قم و آن ولایت روانه فرمود والله اعلم ،

بطرف قم روان فرمود*،

(۲۰۶ ب) ذکر یاغی شدن میرزا بایقرا[۱] و قتل میرزا اسکندر بفرمودهٔ برادر او میرزا رستم*

چون میرزا اسعد وقاص بترکمانان[۲] ملحق شد مملکت[۳] قم و کاشان* تا همدان محل فتنه و تشویش گشت، و در زمان فتح اصفهان میرزا رستم میرزا اسکندر را میل کشیده بود و حضرت خاقان سعید نه پسندیده، و آن بصیر را پیش برادر صغیر او امیرزا بایقرا روان فرمود که شاید شفقت اخوت در حرکت آید و چون به برادر پیوست روز و شب[۴] با خود ع

نقش تغییر مملکت می بست

۱۰ در آب و آینه صورت فتنه می جست و در خواب و بیداری طلب حادثه[۵] می کرد اگر چه از حلیت بینائی عاطل بود در فتنه انگیزی بینایان را اسپ و رخ طرح[۶] می داد، رفتن میرزا اسعد وقاص را فرصتی دانسته غنیمت شمرد[۷] و میرزا بایقرا را گفت[۸]: بهیچ وجه درین حدود نمی توان بود چه میرزا اسعد وقاص با لشکر ترکمان عنان ریز خواهد راند و آن زمان مجال گریز[۹] نخواهد ماند[۱۰]، عاقبت

---

[۱] زبده —، [۲] ب ب اک: به ترکمان، آ: ترکمان، [۳] زبده: ممالک قم و کاشان و حوالي آن [۴] زبده: [شب] و روز [در] تدبیر آن بود که بجه نوع آن مملکت را بهم براورد، [۵] زبده: واقعه [۶] زبده —، [۷] زبده (۲۶۳ ب): و با امیرزاده بایقرا اصلاح و امور ملکي در مطارحه افکند راي و تدبیر بسیار اندیشیدند و با نواع فصول بر فصول در میان آورد و گفتند، [۸] زبده: ندید، [۹] بیش ازان بکري [۱۰] می باید کرد،

باغوای جمعی مفسد شریر از قلت[1] عقل و عدم[2] تدبیر این[3] خیال کج راست آوردند که قاصد شیراز شوند[4] شعر

واذا اراد الله رحلة دولة   من دار قوم اخطأوا التدبیرا[4]

وچون اقتضای مرور دهر و استدعای جنبش چرخ و نتیجه[5] قران نحسین در سرطان که هم دران اوان واقع شد آن بود که کار مملکت فارس از دست حوادث در(کذا) پای افتد میرزا بایقرا بمقتضی مستی شباب و سرعت[6] [بطر بل سابقه] قضا وقدر باتفاق میرزا اسکندر عازم شیراز شد، و نوکر میرزا اسکندر مراد تلبه[7] عاقلی کرده بجانب اصفهان گریخت و میرزا رستم را از فکر تباه ایشان آگاه کرد، میرزا رستم خواست که عقد جمعیت ایشان از هم فروریزد جمعی بسر راه فرستاد، و میرزا اسکندر را شقاوت بخت نحوست طالع بموجب

لیقضی الله امراً کان مفعولا در هاویهٔ هوان انداخت، و لشکر اصفهان   ۱۰
درحوالی جرباذقان بمخالفان رسید[8] و میرزا اسکندر بدست الوس بیگ واصیل[9] گرفتار شد و او را باصفهان پیش رستم[10] زمان[11] بردند، میرزا بایقرا را بدین سبب[11] تیغ قصد در نیام توقف و تیر سعی در جعبهٔ تخلف ماند و چند روز در کندمان گذرانید، و میرزا ابراهیم[12] سلطان چون خبر مخالفت میرزا بایقرا استماع نمود و ارکان دولت را

---

[1] زبده: سخافت [2] آ: سوء، زبده: سوي [3] زبده: این خیال کج باخود راست کرفتند که شیراز می باید رفت و مملکت فارس بدست فروکرفت، ــــ در ب کثر (بجای کج)، [4] ک: اخطاء والتدبیر، آ: اخطاء التدابیرا، [5] ک: نقیجهٔ [6] زبده: امیرزاده بایقرا [را] شیطان غرور در اشیان دماغ بیضه نهاد و شکر [سکر] شباب و جنون بطر بل [بل] سابقه قضا و قدر او را در ورطهٔ خطیر انداخت تا قصد ممالک شیراز را میان بسته ــــ در متن آنچه در قلابین محدود است فقط در ک ندارد، [7] با آ ک ب مثل متن، ق، ... زبده مثل متن [8] کذا در ک، آ و نسخ دیگر: رسیدند [9] زبده: الوس و اصیل بیک، [10] زبده: امیرزاده رستم [11] زبده: وعنی درین سبب در عزیمت بیدا کشته [12] ک: ابرهیم،

جمع آورده مشورت فرمود و نوکران میرزا اسکندر که در شیراز بودند چون سوخ[1] نخواجه
وارد و وان و مزید باشلیق[2] را بند کرده همراه معتمدی[3] بجانب خراسان فرستاد[4] [و]
بندیان در خان[5] حبش[6] که میان ابرقوه و مشهد مادر سلیمان است معتمد[7] را بقتل
آوردند و بکندمان پیش میرزا بایقرا رفتند و بر توقف ملامت کرده بر تعجیل
تحریض[8] نمودند بیت

جهانگیری توقف بر نتابد جهان آن کس برد کو به شتابد

میرزا[9] بایقرا باز عزم شیراز کرد[10] و میرزا ابراهیم سلطان نیز اسباب قتال ساخته
باستقبال بیرون آمد و در حوالی بیضا سواد طرفین بهم رسید، نفیر نای و خروش
کوس صدا[11] در طاس نگون گردون انداخت و آوازه نعره و فریاد دلیران[12] را
۱۰ بجو د ساخت[13] بیت

از غریو کوس شد سقف هوا پر مشغله وز فروغ تیغ شد روی زمین پر مشعله

درین ولا بعضی نوکران میرزا ابراهیم سلطان مثل شیخ چهره و مسعود شاه شول
وغیرهما بجانب میرزا بایقرا تاختند و بازگشته تیر در روی ولی نعمت انداختند
و جمعی عراقیان در پرده مخالفت راست آمده همین راه می ساختند میرزا[14] ابراهیم سلطان

---

[1] زبده: سرنج [2] آ اشلیق را، اک ب مثل متن، — بعدش در زبده +: ازیشان متوهم شدند که نباید فتنه انگیزند و خروج کنند مجموع را [3] در زبده نامش: بیر علی لبسر دیناز [دینار] است، [4] از روی آ، [5] آیا این رباط شک است که حمد الله مستوفی در نزهه ص ۱۸۰ س ۱۵ ذکری ازو می آرد ؟ [6] زبده: بیر علی لبسر دینار، [7] ک: تحریص، [8] زبده: تا بازیکجهت کشته شیرانه شدند، [9] زبده: اشوب صدا [10] زبده: بنغمه پروین وقبه جرخ برین رسید [11] زبده (۲۶۶ ل): از طرفین کشش و کوشش بسیار کردند و مقاتله و مجادله بیشمار افتاد تا بحدی رسید که امیرزاده ابرهیم سلطان بهادر خلد الله تعالی ملکه و سلطانه را مجال توقف نماند عنان از میدان جنگ برتافته متوجه جانب ابرقوه شد،

این معنی دریافت وعنان بجانب ابرقوه تافت[۱] وشب بشیراز آمده والدهٔ خود طوطی آغا[۲] وازخزانهٔ نقد[۳] وجوه برداشته تا ابرقوه جائی توقف ننمود، میرزا بایقرا اصباح جمعهٔ اواخر ربیع الاول بدروازهٔ اصطخر شیراز آمد وتا چاشتگاه (ورق ۳۰۷) سواره ایستاده چون شهر از بادشاه خالی بود سادات وقضات (۳۰۷ر) واکابر وکولوبان[۴] بیرون آمده میرزا بایقرا رابشهر درآوردند، ومیرزا رستم چون این خبر شنید میرزا اسکندر راکه خمیر مایهٔ فتنه بود بقتل رسانید [۵] [وَعَزَّ مَنْ لَایَمُوْتُ]،

ذکر عزیمت حضرت خاقان سعید بجانب مملکت[۶] فارس کرت ثانی[۷]

۱۰ حضرت[۸] خاقان سعید چون خبر مخالفت میرزا بایقرا شنید رای عالم آرای که مصباح ظلمت زدای ومفتاح جهانگشای بود در آینهٔ تدبیر چنان مشاهده نمود که پیش ازانکه اورا قوتی پیدا شود دفع او کند امیر جلال الدین فیروزشاه راباسپاه[۹] رزمخواه ازراه بیابان[۱۰] یزد فرمود که بمیرزا ابراهیم پیوسته[۱۱] درازالت خلل وازاحت علل کوشند، وامیر غیاث[۱۲] الدین[۱۳] شاه ملک را بجانب ری فرستاد که

---

[۱] آ: وازخزانهٔ انقدر، بب: ازخزانه انقد، بآ: وازخزانه نقد، اک: وازخزانه انقد، — در زبده از "وشب بشیراز" تا "درآوردند" راندارد، [۲] ک: کولیان رشل ص ۲۷۳ س ۱) آ ب ب مثل متن، اک: کویان، [۳] اردوی بآ بب اک، [۴] اک: ممالک عراق وفارس بعزم کشورستانی الخ درآ بآ وزبده کلمهٔ "مملکت" راندارد، [۵] مضمون این سطور را در مطلع مختصر ترآورده است از زبده، [۶] زبده: [ببایان] بروند ودرابرقوه بمخدوم ومخدوم زاده عالمیان ابراهیم سلطان بهادر بپیوندند، [۸] زبده —

با[1] امراکه دران حدود اند ملحق شوند[2]، و امیر شیخ لقمان برلاس مقرر شد که لشکرهای ختلان، و قندز[3]، و بقلان و آن نواحی را به اُردوی اعلا رسانند[4]، و در اندک زمانی لشکر فراوان[5] جمع آمد بیت

چو شد کار لشکر همه ساخته وز ایشان دل شاه پرداخته

آنحضرت هفتدهم جمادی الاخری[6] از دار السلطنه هراة نهضت فرمود بیت[7]

بشبگیر هنگام[8] بانگ خروس برآمد ز درگاه آوای[8] کوس

و در[9] مزار بزرگوار شیخ الاسلام احمد جام قدس سره بعد از تقدیم آداب آن عالیمقام از مردم امیر قرا یوسف جاسوسی گرفته[10] احوال آن طرف معلوم شد،

و از سمرقند نوکر میرزا الغ بیگ رسیده عرضه داشت رسانید که محمد خان ۱۰ پادشاه مغولستان دعوت حق را لبیک اجابت گفته نبیرهٔ خضر خواجه اغلن الله نقش جهان پسر شمع جهان را بجای او نشاندند،

و موکب منصور از نشاپور عبور فرموده[11] بحدود بسطام رسید،

---

[1] زبده: بر عقب جماعتی که پیشتر بجانب ری رفته اند روانه کرد، [2] زبده: را بجانب ختلان فرستاد که لشکرهای آن نواحی جمع گردانیده باردوی، [3] ازروی ق (۲۷۷) [4] بعدش زبده + : و بباقی اطراف ممالک فرمانهای بدعوت عساکر صلا [صادر] فرموده، [5] زبده: بسیار با استعداد بیشمار [6] ک اک زبده: الآخر، زبده + : سنه ثمان عشر و ثمانمایه، [7] زبده: نظم ز لشکر همه کشور آمد بجوش ز گیتی برآمد سراسر خروش [8] زبده: گاه خروش خروس ز صرسو همی داشت آواز، اک باب آ: گاه خروش الخ

[9] در زبده (۲۶۷ ب): گفته است که چون بمزار شیخ الاسلام احمد جام رسیدند" جاسوسی از قرا یوسف درمیان لشکر گرفتند بعد از تهدید و وعید اعتراف نمود احوال آن ازو معلوم گشت" و هم دران ایام نوکران امیرزاده الغ بیگ رسیدند، [10] ک: ار بجای در، [11] با آ: اغلان، زبده —،

[11] بقول صاحب زبده" در ثالث رجب المرجب" عرصهٔ نیشاپور بغبار مواکب" مکلل گردید،

و[1] امیر علاء الدین علیکه[2] امیر سید علی کیا را از آمل و ساری بطریق خدمتگاری بدولت ملازمت رسانید و بعنایت مخصوص شده جهت ترتیب لشکر بولایت خود رفت[3]، و امیر حسن کیا از قلعهٔ فیروزکوه باردوی همایون آمد[4] و شرط خدمت بجای آورد، و[5] امیر معصوم برادر امیر بسطام از طرف اردبیل رسید[6] و احوال امیر قرایوسف که در حوالی تبریز بود بعرض رسانید،

فرمان[7] جهان ستان نفاذ یافت که امرا که در حدود ری اند متوجه طرف[8] شیراز شوند و قاصد بجانب ابرقوه رفت که جلال الدین فیروزشاه در رکاب میرزا ابراهیم سلطان بصوب کوشک[9] زرد روند [کذا] و با امرا که پیشتر رفته اند بپیوندند [کذا] و باتفاق عازم شیراز شوند، لشکرها بموجب فرموده در قصر زرد

۱۰ بهم پیوستند بیت

برین گونه رفتند تا قصر زرد   زگرد سپه شد جهان لاجورد

---

[1] در زبده فقط اینست که سید علی کیا آمد نه این که امیر علاؤالدین اورا آورد [2] ق ر ص ۲۷۷ بعدش + : کوکلتاش [3] بعدش در زبده (۲۶۸ ر) + : امیر اعظم امیر شاہملک که بشیتر رفته بود دران ایام در حدود مازندران بود بجهت آنک زود تر بلشکرهای که قبل از و رفته بودند بپوندد اجازت خواسته در هفدهم رجب بتعجیل متوجه آن طرف گشت، [4] در بیستم رجب (بقول صاحب زبده) [5] در ششم شعبان المعظم ذکر امیر منصور برادر بسطام از اردبیل باردوی همایون رسید (زبده ص ۲۶۸) [6] بقول زبده (۲۶۹ و) حضرت سلطنت شعاری مقرر فرمود (!) که لشکرهای که متوجه شیراز گشته چون باصفهان رسند امیرزاده رستم با لشکرهای خود بدیشان ملحق گشته عازم شیراز شود، پیشتر ایلچی دیگر پیش ابراهیم سلطان فرستاده بود که " امیر جلال الدین فیروزشاه و لشکر آن جانب متوجه شوند و باتفاق عازم شیراز کردند بر موجب آنک بوقت رسیدن باقی عساکر " بمقام کوشک زرد بیکدیگر ملحق شوند و باتفاق عازم شیراز کردند " [7] ک : جانب، آ مثل متن، [8] رک به بیستر ینج ص ۲۸۲،

چون میرزا بایقرا خبر توجه لشکر ها شنید در مضیق تفکر و طریق تحیر[1] سرگردان گردید[2] اما بشیوهٔ تجلد خود را می داشت و باندیشهٔ خیال محال می پنداشت که موکب منصور بخود عزیمت نفرمود و آوازهٔ آمدن آنحضرت جهت بیم او خواهد بود، چون میرزا ابراهیم سلطان[3] با لشکرهای جهان بحوالی شیراز آمد میرزا بایقرا چهار دیوار حصار ملجا[4] و گریزگاه و مأمن و پناه ساخت و موکب[4] منصور از راه قم و کاشان ببیست و یکم شعبان باصفهان رسید، و دران مقام قاصد میرزا ابراهیم سلطان عرضه داشت رسانید که میرزا بایقرا در شیراز است، آنحضرت از استماع این خبر عزایم پادشاهانه در حرکت آورده از موضع دشت مهیار[5] برسم ایلغار بر سمند باد رفتار | سوار شد با[6] سپاه نصرت قرین و لشکر ظفر قرین (۲۰۰ ب)

۱۰ برلیسار ثالث رمضان اعلام فتح پیکر و چتر فرخ اختر[7] از افق ابتدا اکبر طالع شده[8] بظاهر شیراز رسید، و در فضاء جانفزاء میدان[8] سعادت[9] سراپردهٔ دولت باز کشید چون میرزا بایقرا از وصول رایات ظفر آیات خبر یافت دانست که اختر شب تاب تاب آفتاب عالمتاب ندارد بیت

در فشیدن ماه چندان بود که خورشید تابنده پنهان بود

در حال بی نظم امور وغا و ترتیب اسباب هیجا[10] نوکر خود قشلاق[11] را

---

[1] زبده: فروماند [2] بعدش زبده +: و امیرزاده رستم و امیر جلال الدین فیروزشاه [3] ک: بلنجا، [4] در زبده (۲۶۹ ل) گفته است که این موکب در ۹ شعبان بظاهر قم و در ۱۴ شعبان در بلدهٔ کاشان رسید و در ۲۱ شعبان باصفهان [5] زبده (۲۶۹ ب)، مهیا، ق (ص ۲۷۸): دست مهیار بقول صاحب نزهه (ص ۱۰۵) دیه مهیار سرحد ملک فارس است و از و تا اصفهان هشت فرسنگ است، [6] آ —، [7] زبده —، [8] در نزهه (ص ۱۱۴ س ۳) دروازهٔ سعادت شیراز مذکور است، بظاهر آن دروازه روی بمیدان سعادت داشته باشد، (در زبده این میدان مذکور نیست، ق مثل متن)، [9] در زبده بعدش +: شمشیر و کفن گرفته، [10] ق (ص ۲۷۹): *Kaschoklaoah*، زبده (۲۷۰ ل) مثل متن،

پیش شاهزادهٔ جوان بخت غیاث الدّین میرزا بایسنغر فرستاده طلب شفاعت نمود
بیت[1] که من بنده ام تا چه فرمان دهی وگر تیغ بر تارکم می نهی*
شاهزاده ملتمس او مبذول فرموده بعرض حضرت اعلا رسانید که امثال این افعال
از بابقرا بدیع و شنیع است امّا تا عاصی مرتکب معاصی نشود و مجرم بر[2] جرایم
اصرار ننماید آئینهٔ عفو فروغ ندهد و پیکر احسان در معرض استحسان نباید. اکنون
اگر اجازت باشد او را با تیغ و کفن بدرگاه عالمپناه آورم تا منشور مَن[3] عَمِلَ
مِنکُم سُوٓءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعدِهٖ[4] بتوقیع فَاِنَّ[5] اللّٰه غَفُورٌ رَّحِیمٌ*
موشح گردد، آنحضرت شفاعت فرزند سعادتمند قبول فرمود، و میرزا بایقرا شب[6]
شنبهٔ* پنجم رمضان شرمسار و خجل از شیراز بیرون آمده شرف دستبوس یافت و
آنحضرت ذیل عفو بر زلّت[7] او پوشیده از گذشته درگذشت، وغیر از دو سه تن 10
که ازبرای صلاح عام بیاسا[8] خاص شدند، هیچ آفریده بامری مواخذ نگشت
و چشم عنایت بر اهالی آن مملکت گماشت وشعار استشعار ع
از چهرهٔ روزگار ایشان برداشت

---

[1] زبده: بنظم :- بامید عفو جهان پادشاه [اصل: عفو کرم (بجای عفو) مصراع ثانی ندارد]

بشیمانم از کار کردار خود — درین داوریها زمن بود بد [بد]
قضائی خداوند بر وردکار — جنین بود ای خسرو تاجدار
کنون بنده ام الخ — اگر الخ
نه پیچم سر از حکم فرمان شاه — چو شه کشتنی [کشتنی] را ببخشد گناه

[2] زبده: اصدار فعل قبیح:- در دو سه سطور آینده صاحب مطلع انتخاب فقرات متفرقهٔ زبده درین فصل کرده و اسلوب کلام را تغییر داده، [3] قرآن مجید، سورهٔ الانعام، رکوع ۷، [4] تتمهٔ آیه: وَاَصلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُورٌ رَّحِیمٌ زبده واصلح را دارد [5] زبده: عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ. - (بجای فَاِنَّ اللّٰه الخ که در قرآن مجید سوره النحل رکوع ۱۵ آمده است)، [6] زبده: ، [7] ک، آ، اک: ذلت [8] نقط آ: بیاساق؛

ذکر حالاتی که بعد از واقعهٔ میرزا بایقرا وقوع[1] یافت

چون خاطر[2] حضرت اعلا از قضیهٔ میرزا بایقرا فراغی یافت و او نیز از غایت انفعال مجال ملازمت نداشت و گذاشتن او دران ممالک محل اعتماد نبود[3] رای عالی چنان اقتضا فرمود که او را بطرف قندهار و گرمسیر فرستند تا به امیرزا قیدو[4] مصاحب باشد، و خدمتش را بمعتمدی سپرده روان داشت و موکب عالی بدار الملک شیراز در آمد، و فرمان قضا مضا[5] نافذ شد که عظما[6] امرا با لشکرها که در عهدهٔ اهتمام ایشانست بعلفخوارها روند امیر یادگارشاه ارلات[7] و امیر نوشیروان برلاس با لشکرها برانغار[8] بطرف قلعهٔ سفید و شولستان رفتند، و امیر شاهملک با تومانها[9] جوانغار بجانب شبانکاره روان شدند، و میرزا رستم عازم اصفهان گشت،

و آنحضرت بلدهٔ فرخندهٔ شیراز محل اقامت ساخت، و بمصالح مملکت پرداخته مفسدان را برانداخت و اساس سلطنت فارس که سمت اندراس یافته بود بار دیگر بعدل شامل آنحضرت معمور شد، و امراء لرستان و شولستان ع بدرگاه عالمپناه آمدند

و ملک گرگین از ولایت لار[10] و ناحیت دریابار[11] احرام کعبهٔ آمال بسنهٔ تشرف قبلهٔ اقبال مشرف شد و پیشکشهای پادشاهانه بموقف عرض رسانید و محل قبول یافت،

---

[1] زبدة (۲۷۱ ب)، دران حدود بوقوع پیوست، [2] آ: خاطر خطیر [3] زبده بعدش +: و مردم بدنفس شریر فتنه انگیز بسیار [4] نسبش این طور است: قیدو بن پیرمحمد بن جهانگیر بن تیمور [5] زبده: مضاد، [6] زبده: امرای هزارجات و تومنات و قشونات، [7] برای این کلمه رک به تق ص ۲۸۰ ح ۱، [8] زبده: تومنات [9] رک به پیشتر نح ص ۲۶۴، [10] زبده بعدش +: و دارابگرد، [11] زبده ــ؟

وآنحضرت همه را انعام واکرام فرموده[1] باوطان و بلدان ایشان اجازت مراجعت نموده[2]،

وآنحضرت پیشتر ایلچی بجانب شوشتر فرستاده بود و سلطان[3] اویس بن شاه ولد بن شاهزاده شیخ علی بن سلطان اویس را استمالت داده وا وفرستاده را معزّز و مکرم داشته وقاصد[4] همراه ساخته[5]، بشیراز آمدند، وحضرت اعلی ایلچی را رعایت[6] فرموده رخصت معاودت نمود، (ورق ۳۰۸) وباقی ماه مبارک رمضان در دار الملک شیراز گذرانید وهلال فرخ فال شوال بفروغ عالم افروز جهان را منور گردانید بیت

روز طرب رُخ نموده روزه بپایان رسید

رایت سلطان عید بر سر میدان رسید ۱۰

وآنحضرت[7] جهت اقامت صلوة عید عزیمت مصلّی فرمود بیت

خوشا نسیم مصلّا وآب رکناباد غریب را وطن خویش می برد از یاد

اهالی شیراز بزبان نیاز با هزار اعزاز میگفتند[8] قطعه

---

[1] در زبده (۲۷۲ ب) + : وحرارت وحرارت رعبي که در صمیم قلب ومذاق روئي ایشان در قبضهٔ امیرزاده بایقرا متمکن گشته بود بجلاب ترحم وکشکاب رحمت ورافت ازالت آن لازم شمرد تا مطمئن ومستظهر گشته باوطان وبلدان خود مراجعت نمودند، [2] رک به لین پول ص ۲۴۸، [3] زبده : ایلچي، [4] بعدش زبده + : اظهار ادغان [اذعان] وانقیاد نموده طریقهٔ خدمت وتواضع مرعي داشته باخدمت وپیشکشي مناسب در بلدهٔ شیراز بمحل عرض رسید [5] آ : عنایت، اک : عنایت ورعایت، [6] فقط آ ــ، [7] زبده (۲۷۳ ب)، اهالی شیراز دران صورت وشوکت وعظمت متحیر ماندند، از یکي وجه دهلندان فریاد وآشوب بچرکاه چرخ زرین کلاه رسیدند (کذا) زبان بدعا وثنا گشاده گفتند،

طلوع کوکبهٔ عید بر تو میمون باد — که هست طلعت تو بر جهانیان میمون
مخالف تو چو ماه از محاق در کم و کاست — ولیک دولت تو چون هلال روزافزون

ذکر سیورغال فرمودن بعضی[1] ممالک عراق عجم بجانب امیر اعظم[*] الیاسخواجه[2] بهادر

چون ممالک عراق عجم بار دیگر ع
تعلق بدیوان اعلا گرفت

حضرت خاقان سعید در رهر ولایت سرداری که رعایا در کنف رعایت و برایا در پناه حمایت او توانند بود تعیین فرمود، نوئین[3] اعظم و رستم روز رزم[4] امیر مبارزالدین الیاسخواجه بهادر[5] را بامارت مملکت قم و کاشان[6] و ری و رستمدار تا حدود[7] گیلان بازداشت و زمام تمام مهام آن ولایات بقبضهٔ عدالت و شجاعت او بازگذاشت و فرمان اعلا نفاذ یافت که اموال و متوجهات آن ولایات

* زبده: تفویض ممالک قم و کاشان با توابع و مضافات آن بامیر اعظم

اک: اکثر (بجای بعضی)، عراق (بجای عراق عجم)، مبارزالدین الیاسخواجه (بجای الیاسخواجه)

[2] بعدش در زبده +: امیر شیخ علی، [3] زبده: (۲۷۳ ب): بعد از تقدیم شرایط و استشارت و استخارت نوئین،

[4] زبده: حاتم گاه بزم امیر الیاسخواجه بهادر بن امیر شیخ علی بهادر [5] زبده بعدش +: با توابع و لواحق آن [6] زبده: گیلانات با جملگی مضافات و منسوبات از لشکریان و عامهٔ رعیا [رعایا] و اصناف طبقات از [ا] عراب و تراکمه و بلوج و خلج و صحرانشینان از [ا] هل بدو و حضر بکف کفایت و حمایت او تفویض کرد — که مال و معاملات آن مواضع در وجه ارزاق عساکری که ملازم او باشند صرف نمایند،

در وجه اخراجات لشکرها که ملازم او باشند صرف نماید[1] و در تمهید معدلت و تشیید مرحمت که موجب نیکنامی دنیا و آخرتست تقصیر جایز ندارد و مقاصد خلایق را علی تفاوت درجات بحصول موصول داشته از ملاحظهٔ اَنْزِلِ[1] النَّاسَ منازلهم طرفة العینی غافل نباشد[2] و از صلاح و فساد و ضبط ممالک و حفظ مسالک بقدر قدرت خبردار بوده پیوسته قاصدان جهت اخبار [و] و استخبار[3] بدرگاه فلک اقتدار فرستد و در استمالت رعیت و آبادانی ولایت و ترغیب زراعت و تحریض عمارت اهتمام تمام بجای آرد[4] و در قهر مفسدان و قمع شریران

---

[1] زبده : انزلوا   [2] در زبده (۴ ، ۱۲۷) افزوده است که

طوائف حشم . و متجنده را رعایت و مراعات و نواخت بواجب لازم داند، " در آفات اثبات و اطلاق و اعطا و انفاق و اسفراص [استقراض؟] لشکر و استکشاف کمیت و کیفیت شماره و تفحص صدجات و هزارجات بنفس خود قیام نماید، و آنان را که " در خدمتی آثار مرضیه بظهور رسانند[؟] بانعام تربیت یعنی ز ترجیب و زیادتی مواجب و اقطاع ، مخصوص گرداند و همچنان بر مقصران " بعد از تحقیق خیانت د [ر] اقامت مراسم خدمتگاری و الزام حجت و وضوح نیت و نومیدی از اساس رشد " حکم سیاست [؟] کند . ثغور و سرحدها بمردان معتمد و گزیده و دلیران عاقل کار دیده معمور دارد[؟] در حفظ راههای راه اهتمام تمام بتقدیم رساند تو پیوسته حزم و احتیاط زندگانی کند و از فسادات موصوفه قبل الوقوع باستعداد اسباب دفع و اعداد موجبات تلافی و تدارک آن قیام نماید و پیوسته منهیان و جاسوسان ببلاد روانه گرداند[3] از روی آ،

[4] زبده (۵ ، ۲۲و) : فرمان قضای مضا بنفاذ که (؟) سکان آن مواضع امرا و وزراء و مشایخ و دهاقین و ارباب و اهالی و متوطنان از اهل بدو [و] و بروَ اعراب و تراکمه و صحرانشینان و غیرهم آنست که امیر مشارالیه را حاکم و آمر نامی [ناهی] خویش دانند و سلامت و آمان [امان] در مطاوعت فرمان او شناسند ، [بعدش گفته است که در مهمات اعمال بگماشتگان او بازگردند و دفع مشکلات از ایشان طلبند خصوصا جمعی لشکریان که دران حدود متوطن اند" او امر و نواهی او را مطاوعت نمایند و مال و متوجهات دیوانی بیراه و نشان نوآب و گذارد [او گذارند؟] و از مقتضی فرمان او تجاوز و عدول جائز ندارند ، در قهر مفسدان و قمع شریران طریق متابعت و موافقت او سپرند [بعدش گفته است که موجب مثال بروند و از فرمان او عدول نجویند] تا مرضی الاثر و محمود الخبر باشند ،

سعی بلیغ نماید تا مرضی الاثر و محمود الخبر باشد[۱] ع
در همه عالم به از نیکی نباشد هیچ کار

ذکر عزیمت سلطان آفاق بعزم زیارت حضرت شیخ مرشد ابواسحق[۲]

برارباب الباب چون فروغ آفتاب عالمتاب واضح است و برکبیر و صغیر چون پرتو خورشید جهانگیر لایح که تحصیل سعادات دارین و تکمیل مرادات منزلین بوسیلهٔ محبت اولیاء دین و ذریعه ارادات اصحاب یقین تواند بود بنابران حضرت خاقان سعید عزیمت زیارت حضرت قدس منزلت، عرش منقبت، قطب آسمان ولایت، مهر سپهر هدایت، مرشد الخلق الی الحق نشعر

سمیُّ خلیلِ الله مرشدُ خلقِهِ	رشیدٌ بنورِ الله نُوِّرَ قبرُهُ
توَسَّلْ اربابِ الهدایةِ بابُهُ	ومخزنُ اسرارِ الولایةِ صدرُهُ
فَاِن رُمتَ اصحابَ المُنیٰ بوسیلةٍ	الا انما خیرُ الوسائلِ نَذرُهُ[۳]

۱۰

مقرب حضرت الخلاق، قطب الآفاق، الشیخ المرشد ابواسحق[۳] ابراهیم قدس سرهُ العزیز وفیضهُ العمیم بیت[۴]

حدیث قبهٔ زرین رواق سیمین طاق
کنایه ایست برایوان شیخ ابواسحق[*]

---

۱ بعدش آ + : قدس سره ، اک + : بجانب کازرون و بعد از معاذ و نفوس ملکه (؟) ، زبده + : کازرونی   ۲ ک : بدره ، ب : ندره ،   ۳ در زبده ص ۱۲۶ اس ۱۱ وی را " ابواسحق بن ابراهیم بن شهریار کازرونی " نوشته است

۴ آ ، ب : — ،

شعر[1]

ثلاثة تشرق الدنیا ببهجتها شمس الضحی و ابو اسحق و القمر[2]

فرمود، و چون بدان مزار متبرک و مرقد مبارک که بحقیقت مقصد[3] دعوات مقبوله و مهبط برکات مأموله است رسید جبین اخلاص و اعتقاد بر آستان فلک نهاد نهاد[4] و شرایط تبجیل[5] و تقبیل[6] و ما یکون من هذا القبیل بتقدیم رسانید (۳۰۸ ب) و مجاوران و ساکنان را بفضل انعام و بذل اکرام خوشوقت گردانید، و هنگام مراجعت[7] بزیارت آفتاب فلک هدایت و مرکز دایرهٔ ولایت سیدی[8] داوود[9] قدس سرّه فرمود، و شرف[10] تقبیل خرقهٔ بهترین عالم صلّی الله علیه و آله و سلّم دریافت[11] و بمجموع زیارات و مشاهد بزرگان کازرون رفته استمداد نمود و از راه کول[12] بجانب شیراز عود نمود،

۱۰ و عنایت آنحضرت بار دیگر سلطنت مملکت فارس را بفرزند سعادتمند میرزا ابراهیم سلطان ارزانی داشت، و ایالت تختگاه سلیمانی[13] را بحسن معدلت او بازگذاشت و بطریق نصیحت بزبان شفقت راند که: اگر[14] زمانه چشم زخمی رساند شاید که حسن حکمت الهی دران باشد ع

شاید که چو وابینی[15] خیر تو درین باشد

تا از خواب غفلت بیدار شده عواقب امور بچشم بصیرت بیند و پشت بمسند اتفاقات دولت که مانند زیارت طیف و سحابهٔ صیف است باز ننهد و

---

[1] فقط با ب، [2] ک: مقدم، زبده: مصعد، آ مثل متن، [3] زبده: فلک اشتباه، [4] زبده: تعظیم و تبجیل، [5] زبده: مراجعت از کازرون، [6] زبده (۲۷۶ ب): شیخ خرد، [7] زبده ب، [8] در نزهه ص ۱۸۷ منازل راه شیراز تا کازرون شمرده است و کول دران ها نیست، در لسترنج ص ۲۶۷ بحیرهٔ موز مذکور است که راه مذکور قریب ازان می گذرد، شاید آن مراد باشد، در فرهنگ آنندراج ۲: ۱۵۱ کول بمعنی حوض و آبگیر آمده است [9] آ و دیگر نسخ: سلیمان، [10] این تعریف بلفظه مطابق زبده نیست، [11] آ: دران،

ازواقعهٔ[1] زمان وحادثهٔ[2] آسمان نشنید ع
مشو غافل که نتوان شد ز مکر آسمان ایمن

شکراً لله تعالی که بذات بیمثال[3] فرزندی طول الله عمره از نوایب زمان و مکاره حدثان آسیبی نرسید وطایفه که هواجس خذلان ووساوس شیطان در ایشان متمکن بود جزای اعمال دیدند وسزای افعال کشیدند وحالا اختیاراً واضطراراً آمده[4] سر بر خط عبودیت دارند[*]، بعد ازین رجا بفضل الهی واثق است که هر روز رایات دولت عالی تر و آیات[5] نصرت متوالی تر باشد، باید که صورت التعظیم لامر الله[6] بر صفحه خاطر نگاشته ومعنی والشفقة علی خلق الله مرعی داشته بمقتضی[7] آن عمل نماید،

۱۰ وآنحضرت اصول واعیان آن مملکت را ترتیب وعنایت فرمود و کار مملکت فارس صار[8] کما کان والغناء[9] زیادة اما بعضی اهالی ومتوطنان فارس بسبب آن فتنه پایمال قضا وقدر ودست فرسای خوف و خطر گشتند، واعلام عالم ستان بتائید ملک مستعان از تختگاه سلیمان علیه السلام عازم دارالامان کرمان شد،

ذکر نهضت موکب ظفر نشان بجانب مملکت[10] کرمان

حضرت خاقان سعید دران زمان که عزیمت[11] تسخیر مملکت فارس میفرمود[*]

---

[1] زبده: حادثه [2] زبده: واقعه [3] آ و زبده: بی همال [4] زبده: در ربقهٔ طاعت آمدند و سر به [سر بر] خط، [5] زبده: امداد [6] ک: الامر لله [7] ک: بمقتضا [8] ک: صار، آ ب: مثل متن، [9] زبده: والعناء زیادة [10] آ: دارالامان (بجای مملکت)، آ ک ب: ولایت، [11] زبده: رایات همایون حضرت سلطنت شعاری .... بممالک فارس درآمد،

نشانی بجانب کرمان پیش سلطان اویس بن امیر ایدکو[1] برای ارسال نمود مضمون[2] آنکه :

هر کرا سعادت جاودانی مساعدت نماید و عنایت ربانی نشان[3] فرمان برداری[4] او را بتوقیع اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ[4] موشّح فرماید بر عامهٔ خلایق واجب است که احرام خدمت او بسته روی[5] بحریم اخلاص نهند ، و دست در فتراک اطاعت او زده عنان[6] بقبضهٔ ارادت او دهند[7] ، بتخصیص کسانی که بسوابق مرضی مستظهر بوده آباء و اجداد ایشان در وظایف خدمتگاری این خاندان آثار ید بیضا نموده اند و درجهٔ بلند و منصب بزرگ یافته اعنی[8] جناب برادری[9] که بواسطهٔ تربیت و عنایت ما در مسند امارت متمکن است[10] و توقع و چشم داشت از طیب اعراق[11] و کرم اخلاق آنست که چون بر مضمون مفاوضه واقف گردد بی توقف[12] و تفکر و تردد بدینجانب حرکت فرماید ، چند کرت مکتوب نوشته و استدعا نموده اثر اجابت پیدا نشد ، مانع آن نهضت مبارک معلوم نیست ، اگر[12] شرایط[12] اخلاص و طاعت داری بجای آورد دواعی همت ملکانه و مساعی مکرمت شاهانه بنا[13] بر قضیهٔ[14] مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا[14] در[14] تقریب و ترحیب[15] اثر ثمرهٔ اخلاص و

---

[1] آ با ب اک زبده : ادکو [2] مضمون نشان در مطلع با زبده بحرفه مطابق نیست ،

[3] زبده : شال طاعت داری و فرمان برداری [4] ک : اُولُو ، آ مثل متن ، زبده : وَاُولِی

[5] زبده : پای در حریم [6] زبده : بحبل متین دولت او تمسک جویند [7] زبده : وحالا خلق [خلف]

صدق اعنی الخ [8] فقط آ : مسکن ، زبده مثل متن ، [9] فقط ک : اعراق [10] با اک ب ـ [11] زبده :

خورد و بزرگ خاص و عام را مقرر و منصور [منصور] است که امداد کرم و امداد نعم در حق او زیادت از انست که

در حق امثال و وا قرار (؟) و اگر شرایط [12] ک ، بغایز قضیهٔ ، زبده ـ [13] قرآن مجید سوره الانعام رکوع ۲۰ ،

[14] زبده ، بر [15] زبده ، ترحیب و اکرام و انعام و آثار ثمرهٔ اخلاص و فر سعادت اختصاص ظاهر گرداند ،

[۱]سعادت اختصاص ظاهر گردد[۲]، واگر از ربقهٔ طاعتداری (ورق ۲۰۹ ر)
سرتافته عصیان ادبار او را دریافته باشد وسوابق حقوق[۳] بلواحق عقوق
تبدیل نماید[۴] هرآینه بموجب حکم ذالِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ[۵] بواعث سیاست
در تعریک او تحریکات[۶] داده آید، بحمد الله[۷] قدرت مراعات و قوّت
مکافات حاصل است،

چون ایلچی بکرمان رسید واز احوال سلطان اویس تفرّس نمود
معلوم کرد که خاطر آمدن ندارد، و ایلچی باز آمده عذر معلول که در تاخیر توجه گفته
بود بعرض رسانید. و[۸]چون جواب[۹] نه بر وفق صواب بود ودر وقت فتح
اصفهان که او را طلبیده بودند نیز تقاعد نموده بود این عذر نامسموع ضمیمهٔ
آن شد و مزاج همایون متغیر گشته آتش غضب اشتعال یافت[۱۰] و عنان
اهتمام بصوب انتقام والی کرمان تافت، و والده و نوکران او را که خدمتی
علی الرسم آورده بودند قید فرمود، و عساکر دریاموج انجم فوج بجانب
کرمان عزیمت نمود بیت[۱۱]

سحرگه بهنگام بانگ خروس نهادند بر کوههٔ پیل کوس

---

[۱] زبده: روزگار [۲] زبده: حقوق مقابله ر؟، را بکفران حقوق [عقوق] مقابله روادارد [۳] زبده: ایدیهم ـ
برای این آیهٔ شریفه رک به قرآن مجید سوره الانفال رکوع ۷، [۴] ک: تحریر، تصحیح از روی زبده، [۵] ک: تمد،
[۶] زبده: فاما پیشکش و خدمتی علی الرسم ترتیب داد مصاحب جمعی از نوکران بدست والده خود فرستاده است، چون جواب
[۷] زبده (۱۲۰۹) بعدش: فرمود که چند انچه او را با مثاله و مکاتبات بانواع نصایح و مقرون با صناف مواعظ تنبیه
و تحذیر نمودیم نافع نیامد و جز اصرار بر لجاجت و استمرار بر شرارت جوابی [جوابی] نداد [۸] با حتیاط لشکر و تربیت [ترتیب]
ساز و سلاح فرمود، [۹] زبده: نظم:- بعزمی که گردش صبا در نیابد [نیابد؟] ـ بجنبش [بجنبشی] که روی زمین بر نتابد
سر [شعر؟] سحرگه الخ تهمتن با سب اندر آورد پای بجنبید چون باد لشکری [لشکر] زجای